اصول الحدیث

مصطلحات و علوم

پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی

اصول الحدیث

مصطلحات و علوم

جلد دوم

پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی رح

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

انتساب

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نام

جن کی نزھۃ النظر

علوم الحدیث سے تعارف کا باعث بنی

اور جو اس کتاب کا اولین ماخذ ہے۔

احسان مندی اور تشکر کے جذبات

کے ساتھ

فہرست

❀❀❀

حرفِ چند

قرآن حکیم اور سنت رسول علیہ الصلوۃ والسلام دو مستحکم بنیادیں ہیں جن پر دین اسلام کی عمارت استوار ہے۔ سنت دراصل قرآن کی تفسیر تشریح اور تعبیر ہے۔ فرقِ اسلامیہ کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس فرقہ نے بھی قرآن کو سنت کے بغیر سمجھنے کی کوشش کی ہے، وہ ضلالت و گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرا ہے۔ سنت کا انکار یا استخفاف دین میں تحریف کا راستہ کھولتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی ہدایت کی سچی طلب کے ساتھ محدثین کی ان مساعی جلیلہ کا مطالعہ کرے گا، جو انہوں نے خاتم النبیین ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کو اکٹھا کرنے اور بعد ازاں کڑے انتقادی اصولوں پر پرکھنے کے بعد محفوظ کرنے میں صرف کی ہیں، وہ کبھی جادہ حق سے نہیں ہٹے گا۔

یہی کڑے انتقادی اصول **مصطلح الحدیث** یا **اصول الحدیث** کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ حدیث و سنت کو پرکھنے کے لیے قائم کیے جانے والے اصولوں پر تیسری صدی ہجری سے تا حال بے شمار کتب عربی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض کتب کا اردو زبان میں ترجمہ بھی ہوا ہے۔ البتہ اردو زبان میں اس فن پر لکھی جانے والی مستقل کتب سے اس زبان کا دامن ہنوز تنگ ہے۔

زیر نظر کتاب پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی مرحوم کی کتاب **اصول الحدیث – مصطلحات و علوم** کا دوسرا حصہ ہے۔ کتاب کے پہلے حصہ کی طباعت اول ۱۹۹۸ء میں یعنی چودہ سال پہلے ہوئی تھی۔

مصنف نے جلد اول کی طباعت دوم کے وقت لکھا تھا کہ ان کی امید سے بڑھ کر کتاب کی ستائش کی گئی اور علمی حلقوں سے اس کے دوسرے حصے کی طباعت کا پرزور مطالبہ کیا گیا۔

یہ وضاحت اس لیے کی گئی ہے کہ آج چودہ سال کے بعد جب اس کتاب کی دوسری جلد طبع ہو رہی ہے، اس موضوع پر ایک سے زیادہ چھوٹی بڑی کتب منظر عام پر آ چکی ہیں۔ لہٰذا لازماً قلوب و اذہان میں اس کتاب کے امتیازات و خصائص کے متعلق ایک سوال ابھرتا ہے۔

سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ چودہ (۱۴) سال پہلے شروع کیے ہوئے اس کام کا تتمہ ہے جو ظاہر ہے کہ اسی زمانے کے ماحول اور تناظر میں پرکھا جانا چاہیے لیکن اگر بالفرض اسے اس معاصر دور میں لکھی

جانے والی ایک مستقل تالیف خیال کرلیا جائے تو پھر بھی یہ کتاب اردو میں لکھی گئی اپنی پیش رو کتب سے جامعیتِ ابحاث اور مختلف انواع علوم حدیث پر لکھی جانے والی کتب کے تعارف کے حوالے سے ممتاز ہے۔

کتاب کی دوسری جلد ایسے وقت میں طبع ہو رہی ہے جب مصنف خالق حقیقی کے جوارِ رحمت میں آرام پا رہے ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ کسی مصنف کے ہاتھ سے لکھے ہوئے مسودہ کو پڑھنا اور پھر اسے کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے مشکل مراحل سے گزار کر بعض مناسب اضافوں کے ساتھ زیورِ طباعت سے آراستہ کرنا ایک مشکل کام ہے۔ یہ خطی مسودہ شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی کے سپرد کیا گیا تھا بعد ازاں اس کی کمپوزنگ، نظر ثانی اور طباعت کا کام راقمۃ الحروف کے ذمہ لگایا گیا۔ میں اپنے رب کے حضور شکر کے جذبات سے معمور ہوں کہ جس نے مجھ ناچیز کو اس عمر میں اپنے حبیب پاک ﷺ کے حوالے سے اس خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ رب کریم کے حضور دست بہ دعا ہوں کہ اس عظیم ذمہ داری کی ادائیگی میں اس عاصیہ سے اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے کسی غلطی اور خطا کا ارتکاب ہوا ہے تو وہ ذات جو اپنے بندوں کے لیے مجسم رحمت و شفقت ہے معاف فرماتے ہوئے اس خدمت کو قبول فرمائے۔ دعا ہے کہ روز محشر اپنی رضا و محبت اور اپنے محبوب بندے احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔

ہم جناب مولانا محمد یوسف خان صاحب کے حد درجہ ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی متنوع مصروفیات کے باوجود تقریظ سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر، صدر شعبہ اسلامیات و ڈین کلیہ علومِ اسلامیہ کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود کتاب کے بارے میں تعارفی کلمات تحریر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ دارین کی فلاح و سعادت سے نوازے۔

کتاب کی اشاعت کے لیے پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری، سابق صدر شعبہ اسلامیات کی کاوشیں بھی قابل تحسین و تشکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم سے نوازے۔

ناسپاس گزاری ہوگی اگر جناب فیصل صاحب اور ان کے معاونین کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنہوں نے اصولِ الحدیث کی اس جلد یعنی جلد دوم کی طباعت و اشاعت کا کام بھی خلوص اور محبت سے کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

میں ان تمام اہل علم کی بھی احسان مند ہوں جنہوں نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور بصد خوشی اپنا

قیمتی وقت دیا۔فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

کتاب سے استفادہ کرنے والوں سے درخواست ہے کہ اگر وہ اس میں کسی قسم کی علمی یا فنی غلطی پائیں تو ازراہ کرم ضرور آگاہ فرمائیں تا کہ آئندہ طباعت میں اس کو دور کیا جا سکے۔فجزا کم اللہ خیر الجزاء

جمیلہ شوکت

پروفیسر امریطس، شعبہ علوم اسلامیہ،

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

مقدمہ

محترم ڈاکٹر خالد علویؒ صاحب، شعبہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ میں اپنے تصنیفی کام کے حوالے سے بڑے نمایاں ہیں۔ انھوں نے مساجد میں خطابت، دروس اور جامعہ کی تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ٹھوس علمی اور تحقیقی کاموں میں بھی نہایت ذوق وشوق کا مظاہرہ کیا۔ سیرت ختم المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام اور حدیث ان کی خصوصی دلچسپی کے موضوعات تھے۔ ان کی کتاب انسان کامل کتب سیرت میں اپنے منفرد انداز کی وجہ سے ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اسی طرح پیغمبرانہ دعائیں اور خلقِ عظیم سیرت کے عملی پہلوؤں کے حوالے سے اہم ہیں۔

علوم الحدیث کے حوالے سے ڈاکٹر خالد علوی صاحب کی حفاظتِ حدیث طلبہ حدیث کے لیے بڑی مفید کتاب ثابت ہوئی۔ بعد میں آنے والی کتاب، اصول الحدیث مصطلحات و علوم جلد اوّل کو جامعات ومدارس کی علمی دنیا میں بڑی دلچسپی اور نہایت توجہ سے دیکھا گیا اور پذیرائی کی گئی لیکن جلد اوّل کی اشاعت کے ساتھ، طالبانِ علم اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ اِس قیمتی علمی بحث کا تتمہ یعنی دوسری جلد بھی جلد منظرِ عام پر آئے۔

اپنی زندگی کے آخری سالوں میں خالد علوی صاحب نے دعوۃ اکیڈمی (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد) کے ڈائریکٹر جنرل کے طور پر بڑا مصروف وقت گزارا۔ وہاں کی نئی اور بے شمار ہمہ جہت مصروفیات اور اِس حوالے سے بیرونی علمی دوروں کے باوجود انھوں نے اپنے وقت کا ایک مناسب حصہ اِس کتاب کی تکمیل پر بھی صرف کیا مگر پھر بھی یہ تکملہ وتتمہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکا۔

ان کے اہل خانہ نے صدر شعبہ سے اس مسودہ کی طباعت کی خواہش کا اظہار کیا تو راقم نے اس کے بعد جناب طیب گلزار (جو وِش (Wish) میں ڈاکٹر صاحب کے آخری دور میں رفیقِ کار رہے)، ڈاکٹر ممتاز احمد سالک اور پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ سے ابتدائی مشاورت کی جس میں ہم نے یہ طے کیا کہ یہ قیمتی علمی سرمایہ ضائع نہ ہو۔ اس کی ترتیب وتنظیم اور اشاعت کا اہتمام کیا جانا ضروری ہے۔ ہم سب کے خیال میں اس کارِ عظیم کے لیے ڈاکٹر جمیلہ شوکت کی شخصیت ہی موزوں ترین تھیں۔ وہ اس کتاب کی جلد اوّل

کی تالیف واشاعت کے ہر مرحلے میں علوی صاحبؒ کی شریکِ کار رہی تھیں اور خود خالد علوی صاحبؒ اس بات کے معترف بھی تھے۔ نیز ڈاکٹر صاحبہ کی حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اور علومِ حدیث سے تعلق اور دلچسپی بھی اسی کی متقاضی تھی کہ اس متاعِ بیش بہا کی حفاظت کی ذمہ داری انہی کو سونپی جائے۔

الحمدللہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت کی شب وروز کی محنت اور دلچسپی سے **اصول الحدیث۔ مصطلحات و علوم** کی دوسری جلد منصۂ شہود پر آ رہی ہے۔ یہ کتاب پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی صاحبؒ کا صدقۂ جاریہ ہے اور یقیناً ان کتب میں سے ہے جنھیں اردو زبان میں علمِ اصولِ حدیث کے بنیادی مصادر میں شمار کیا جائے گا، اس میدان کے طلبہ اس سے استفادہ کریں گے اور حل طلب مسائل میں اسے اپنے لیے نشانِ راہ پائیں گے۔ کتاب کے اس دوسرے حصے میں بھی نادر، مشکل اور مفید فنی موضوعات میں طلبہ کی ضرورت کے پیشِ نظر ''تسہیل'' کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

اس دقّت طلب کام کو پیش کرنے کی سعادت پر پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت، سابق صدر شعبۂ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی و ڈین کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ اور حال پروفیسر امریطس شعبہ علوم اسلامیہ، اہل علم کی طرف سے شکریہ و مبارکباد کی مستحق ہیں۔ محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ نے اپنے علمی ذوق وشوق اور عزمِ صمیم کے ساتھ خیر کے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا، الحمدللہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر جزیل عطا فرمائے۔

اس مفید علمی کاوش کے پایۂ تکمیل کو پہنچنے پر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے بے پایاں فضل وکرم سے اسے محترم ڈاکٹر خالد علوی صاحب کے لیے صدقۂ جاریہ اور طالبانِ علم کے لیے خیرِ کثیر کا باعث بنائے۔ (آمین)

پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری

سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی

تقریظ

علم اصول حدیث نہایت نازک، سنجیدہ اور اہم علم ہے۔ اس علم کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ اسلامی علوم میں اس اعتبار سے نقطہ ماسکہ Focal Point کی حیثیت رکھتا ہے کہ قرآن کی تشریح وتوضیح حدیث سے ہوتی ہے اور حدیث کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ اصولِ حدیث کے ترازو سے کیا جاتا ہے۔ علم کا یہ شعبہ مسلمانوں کے لیے سرمایہ افتخار ہے کہ تاریخ انسانی کے کسی مذہب نے اپنی مذہبی تعلیمات کی صحت یا عدم صحت کا کوئی معیار قائم نہیں کیا۔ کسی بھی مذہب میں جو بات بھی رواج پا گئی وہ اس مذہب کا حصہ بن گئی۔ لیکن مسلمانوں نے نبی اکرمؐ کے اقوال وافعال میں خارج سے کسی بھی چیز کو شامل ہونے سے بچانے کے لیے اصول حدیث جیسا علم متعارف کروایا۔ مشہور مستشرق اسپرنگر بھی اس بات کا معترف ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین اور آپ کی حیاتِ مبارکہ کے ہر پہلو کو ذمہ داری اور صحت کے ساتھ ہم تک منتقل کیا۔

علوم ومصطلحات حدیث پر تمام بنیادی کتابیں عربی میں ہیں جن تک رسائی اس فن کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے آسان نہیں۔ قاری علوم ومصطلحات حدیث کے فن کی کسی مختصر کتاب کو ہاتھ میں لیتا تو تشنگی رہتی اور اگر اس کی کسی شرح کا مطالعہ کرتا تو سمندر میں غوطہ زن رہتا۔

علم حدیث کے اس نہایت اہم شعبہ میں اردو زبان میں کوئی معتبر کتاب موجود نہ تھی۔ اگر چہ مختلف کتب حدیث میں اصول حدیث جزوی طور پر متفرق مقاصد کے تحت بیان ہوئے ہیں لیکن باقاعدہ کوئی ایسی کتاب موجود نہ تھی جو اصولِ حدیث کی بنیادی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے مربوط اور عالمانہ انداز سے لکھی گئی ہو۔ اللہ رب العزت محترم پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی صاحبؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور کتاب اصول الحدیث – مصطلحات و علوم (جلد اول) کے عنوان سے ایک ضخیم لیکن جامع اور مفید کتاب مرتب فرمائی۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں نزهة النظر شرح نخبة الفكر کی ترتیب وبیان ہی کو بنیاد بنا کر علوم ومصطلحات حدیث پر یہ قیمتی ذخیرۂ معلومات عالمانہ اور محققانہ انداز میں اردو زبان میں مہیا فرمایا۔

ایک محقق مصنف ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم مقام ہے۔ ڈاکٹر خالد علویؒ صاحب نے علوم ومصطلحات حدیث کی اہم ترین کتب کے حوالے سے جس حسن ترتیب اور عمدہ تدوین سے

اس فن کے بارے میں جو ذخیرہ عطا فرما دیا ہے یہ طلبہ و اساتذہ پر عظیم احسان ہے۔

اس کے بعد طویل عرصے تک اہل علم کی نگاہیں محترم ڈاکٹر خالد علویؒ کی علمی کاوش کے دوسرے مرحلے کی منتظر رہیں۔ گو مؤلف نے ابتدائی مسودہ تیار کر لیا تھا لیکن کمپوزنگ و طباعت وغیرہ کے مراحل سے قبل ہی وہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

اب ڈاکٹر جمیلہ شوکت، پروفیسر امریطس کی محنت اور دلچسپی سے اصول الحدیث کی دوسری جلد منصۂ شہود پر آ رہی ہے۔ کتاب کے اس دوسرے حصے میں بھی نادر، مشکل اور مفید فنی موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ ڈاکٹر خالد علویؒ صاحب نے علوم و مصطلحات حدیث کی اہم کتب کے حوالے سے جس حسن ترتیب، عمدہ تدوین اور محققانہ انداز میں اس فن کے بارے میں جو ذخیرہ معلومات مہیا کر دیا وہ اساتذہ و طلبہ کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں طلبہ کی ضرورت کے پیش نظر تسہیل کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

اصول تحقیق کے حوالے سے یہ کتاب ایک اعلیٰ معیار پیش کرتی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس کتاب کے منظرِ عام پر آنے سے پاکستان میں علم حدیث کو فروغ حاصل ہوگا۔ دینی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے علاوہ یونیورسٹیوں میں حدیث کے طلبہ بھی اس سے استفادہ کریں گے اور یقیناً اس شعبۂ علم کے معیار میں بہتری آئے گی۔

اس وقت طلب کام کو پیش کرنے کی سعادت پر، پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت سابق صدر شعبہ اسلامیات و ڈین کلیہ اسلامیہ و شرقیہ پنجاب یونیورسٹی اور حال پروفیسر امریطس شعبہ علومِ اسلامیہ، اہل علم کی طرف سے شکریہ اور مبارکباد کی مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر اپنے حبیب مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی شفاعت کا مستحق بنائے اور ایمان و صحت کے ساتھ ان کا سایہ تا دیر سلامت رکھے۔

یہ کتاب محترم ڈاکٹر خالد علویؒ صاحب کا صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرما کر ان کے لیے بلندیٔ درجات اور اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ بنائے۔ طالبان علم کے لئے اس کتاب کو خیر کثیر کا ذریعہ بنائے۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر

ڈین کلیہ علومِ اسلامیہ و

چیئرمین شعبہ علومِ اسلامیہ

جامعہ پنجاب، لاہور

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

دین اسلام کے بنیادی مآخذ میں سے قرآن حکیم کے بعد دوسرا اہم ماخذ احادیث نبویہ ہیں۔

احادیث نبویہ کی جمع و تدوین کا سلسلہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ تھے جو نبی ﷺ کے اقوال و افعال و تقریرات کو ذہن و قرطاس کے صفحات پر محفوظ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ احادیث نبویہ آئندہ نسلوں کی طرف منتقل ہونے لگیں۔ اسی دوران اہل علم کو روایت و درایت کے بارے میں تحقیق و تفتیش کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

چنانچہ دوسری صدی ہجری میں جرح و تعدیل، صحیح و ضعیف کے لیے معیارات قائم ہونا شروع ہوئے۔

شعبہ، امام مالک، معمر، ہشام، دستوائی کی خدمات سامنے آئیں۔ ابن المبارک، ابن عیینہ، یحییٰ بن سعید اور پھر ان کے شاگردوں میں یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی رحمھم اللہ نے اہم کردار ادا کیا۔

تیسری صدی ہجری میں امام احمد بن حنبلؒ، ان کے ہم عصر علمائے حدیث اور ان کے شاگردوں میں سے امام بخاریؒ، امام مسلمؒ نے جرح و تعدیل کے اعلیٰ ترین امتیازات مقرر فرمائے۔ امام ترمذی اور امام نسائی نے ہر روایت کے بارے میں صحیح، حسن اور غریب کی وضاحتوں کی تعیین کر دی۔

علوم حدیث میں سے علم اصول حدیث کے قواعد و ضوابط کی تدوین و تالیف کا سلسلہ چوتھی صدی ہجری میں قائم ہوا۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ علم مصطلح الحدیث میں سب سے پہلی تصنیف قاضی ابو محمد الحسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد الرامہرمزی (م ۳۶۵ھ) کی ہے۔ جس کا نام المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی ہے۔ لیکن ابن حجر کے مطابق یہ کتاب نا تمام تھی۔ (ابن حجر، احمد بن علی، نزهة النظر شرح نخبة الفکر، قاہرہ، مکتبہ تجاریہ، ۱۳۶۸ھ، ص: ۳۰۲)

ان کے بعد امام حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) نے معرفة علوم الحدیث

لکھی، لیکن یہ کتاب غیر مرتب تھی۔ ان کے بعد حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ) نے الکفایة فی معرفة علم الروایة تحریر فرمائی پھر خطیب بغدادی نے دوسری کتاب الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع تالیف فرمائی۔ خطیب بغدادی مشہور محدث ہونے کے علاوہ فن معرفتِ حدیث کے امام تھے۔

حافظ ابن حجرؒ کے مطابق قوانین روایت کے بارے میں خطیب بغدادی نے اس قدر جامع کام کیا کہ شاید ہی کوئی پہلو اس فن کا ان سے چھوٹا ہو۔ بقول ابوبکر بن نقطہ (م ۶۲۹ھ) خطیب بغدادی کے بعد کے تمام محدث ان کی کتب کے محتاج نظر آتے ہیں۔ اس طرح علوم حدیث خصوصاً مصطلحات حدیث پر کتب تالیف ہوتی رہیں۔

چھٹی صدی ہجری میں اس فن کی اہم تالیف قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی الاندلسی المالکی (م ۵۴۴ھ) کی الالماع فی ضبط الروایة و تقیید السماع ہے۔ ان کے بعد اس صدی میں اس فن کی اہم کتاب ابو حفص عمر بن عبدالمجید القرشی المیانجی (م ۵۸۱ھ) کی مالا یسع المحدث جھلہ ہے۔

ساتویں صدی ہجری مصطلحات حدیث کے بارے میں عروج کا دور نظر آتا ہے۔ جس میں علوم الحدیث ایک مکمل فن کی حیثیت سے مستحکم ہوا۔ ابن اثیر مبارک بن محمد (م ۶۰۶ھ) کی کتاب جامع الاصول لأحادیث الرسول اس دور کی اہم کتاب تھی۔

اسی صدی میں اس فن کی اہم کتاب۔ حدیث، فقہ، اور اسماء الرجال کے امام۔ ابو عمرو عثمان بن الصلاح الشہرزوری (م ۶۴۳ھ) کی علوم الحدیث ہے جو مقدمة ابن الصلاح کے نام سے اہل علم کے ہاں مشہور رہوئی۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ اہلِ علم نے اس کی متعدد شروح لکھیں۔

اس کے بعد نویں صدی ہجری میں علوم مصطلحات حدیث کے سلسلہ کی اہم کتب منظر عام پر آئیں جیسے شرف الدین حسن بن محمد الطیبی (م ۷۴۳ھ) کی الخلاصة فی معرفة اصول الحدیث، ابو الخیر محمد بن محمد الجزری کی مقدمة فی علم الحدیث، ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی نخبة الفکر اور نزھة النظر، شرح نخبة الفکر فی مصطلح اھل الأثر وغیرہ۔

دسویں صدی اور گیارھویں صدی ہجری اور اس کے بعد بھی اہل علم نے کاوشیں فرمائیں۔

جامعہ پنجاب کے ادارے علوم اسلامیہ میں یہی شرح نخبة الفکر نصابی کتاب کے طور پر شامل ہے۔

اللہ رب العزت محترم پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی صاحبؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے نزھة النظر شرح نخبة الفکر کی ترتیب و بیان ہی کو بنیاد بنا کر علوم و مصطلحات حدیث پر قیمتی ذخیرہ معلومات

مہیا فرما دیا ہے۔ اس فن میں تمام کتب عربی میں تھیں، بعض کتب کا ترجمہ بھی ہوا لیکن اس فن کے طلبہ، اساتذہ اور علماء کی رسائی ان تمام عربی ماٰخذ تک آسان نہ تھی۔

محترم ڈاکٹر خالد علویؒ صاحب نے مدارس اسلامیہ کے سند یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے اسلامیات، عربی، سیاسیات میں ایم اے کیا۔ ایڈ نبرا یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی۔ بیرونِ ملک یونیورسٹیوں میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ پنجاب یونیورسٹی میں سیرت کے پروفیسر اور شیخ زاید اسلامک سنٹر کے ڈائریکٹر رہے۔

ایک محقق مصنف ہونے کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم مقام ہے۔ اپنے مطالعہ کو تحریر کر دینا یقیناً ایک کمال ہے لیکن ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے علوم و مصطلحات حدیث کی اہم ترین کتب کے حوالے سے جس حسن ترتیب اور عمدہ تدوین سے اس فن کے بارے میں جو ذخیرہ عطا فرما دیا ہے طلبہ و اساتذہ پر عظیم احسان ہے۔ اس لیے کہ علوم و مصطلحات حدیث کے فن کی کسی مختصر کتاب کو ہاتھ میں لیتے ہیں تو تشنگی رہتی تھی۔ کسی شرح کا مطالعہ کرتے تو سمندر میں غوطہ زن ہی رہنا پڑتا۔ لیکن جب ڈاکٹر خالد علوی صاحب کی کتاب اصول الحدیث۔ مصطلحات و علوم کی جلد اول جنوری ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی تو اس میں تقسیم خبر باعتبار سند، خبر آحاد کی اقسام، خبر مقبول کی اقسام، حدیث ضعیف، خبر مردود اور اس کی اقسام، اضطراب، تصحیف و تحریف، اختصار حدیث، روایت بالمعنی، مروی عنہ کے اعتبار سے خبر کی تقسیم، مقبول راوی کی صفات، راوی کے سوء حفظ جیسے اہم عنوانات پر اصل ماٰخذ کے حوالہ جات کے ساتھ عربی میں موجود علوم و مضامین اردو زبان میں یکجا نصیب ہو گئے۔

اس کے بعد طویل عرصہ تک اہل علم کی نگاہیں محترم ڈاکٹر خالد علویؒ کی علمی کاوش کے دوسرے مرحلے کی منتظر رہیں۔ گو مؤلف نے مسودہ تیار کر لیا تھا لیکن کمپوزنگ و طباعت وغیرہ کے مراحل سے قبل ہی وہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ اللہ رب العزت محترم پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے جس طرح ڈاکٹر خالد علوی کی زندگی میں جلد اول کے لیے حوالوں کی تلاش اور تکمیل میں معاونت کی، کمپوزنگ اور طباعت کے مشکل مراحل میں تعاون کیا تھا ان کے وصال کے بعد محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کی علم حدیث کے ساتھ اس ذوق و لگن کی جیتی جاگتی مثال اب آپ کے سامنے اس کتاب کی جلد ثانی ہے جس میں روایت، آداب، کیفیت ضبط، کیفیت سماع حدیث، تحمل حدیث، طرق تحمل حدیث، صیغ ادائے حدیث، سند و متعلقات سند کے حوالہ سے تمام عنوانات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اب ان شاء اللہ جلد اول و جلد ثانی میں نزهة النظر شرح نخبة الفكر کے طرز و ترتیب کے مطابق مکمل طور پر عنوانات کے بارے میں اہل علم، اساتذہ و طلبہ کو اس فن کی اہم کتب کا تمام مواد و معلومات ایک جگہ

میسر آ رہی ہیں۔

اللہ رب العزت اس کاوش کو قبول فرما کر ڈاکٹر خالد علویؒ کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے۔
محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ کی اس حقیر خدمت کو قبول فرما کر اپنے حبیب محمد مصطفی ﷺ کی شفاعت کا مستحق بنائے۔

طالب دعا

محمد یوسف خان

استاذ الحدیث، جامعہ اشرفیہ، لاہور

اسناد

کتاب کی جلد اول میں بیان کیا جا چکا ہے(۱) کہ علوم الحدیث میں بنیادی بحث سند اور متن حدیث سے متعلق ہے۔ سند میں بنیادی حیثیت راوی اور مروی عنہ کی ہے جب کہ متن میں الفاظ و معانی سے بحث ہوتی ہے۔ حدیث کا مضمون اور اس کے مضمرات، متن کی بحث اساسی و کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔ سابقہ اوراق (جلد اول) میں انواع حدیث میں راویوں کے اوصاف اور متن کی خصوصیات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف اقسام کا تعین کیا گیا۔ اس باب میں سلسلہ سند پر اس حوالے سے بات کی جائے گی کہ سند متصل ہے یا منقطع۔ محدثین نے سند کو بے حد اہمیت دی ہے اور اس کی معرفت کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ نقد متن کا انحصار بھی سند کی بحث پر منحصر ہے۔ حدیث کے طلبہ نے اسانید کے تتبع میں طویل اور پرمشقت سفر کیے ہیں۔ شہر، شہر، قریہ، قریہ پھر کر سند کے بارے میں تحقیقات کی ہیں۔ سند کی اساس پر مصطلحات حدیث کا تعین اتصال سند یا عدم اتصال سے ہوگا۔ اس بحث کو مزید آگے بڑھانے سے پہلے ایک مرتبہ پھر ان اقوال پر نظر ڈالنا مناسب ہوگا جو سند کی اہمیت کے سلسلے میں وارد ہوئے ہیں۔ سند سے مراد راویوں کا وہ سلسلہ ہے جس میں ایک شخص متن حدیث کو دوسرے تک منتقل کرتا ہے حتیٰ کہ اس شخصیت تک پہنچتا ہے جس نے وہ بات کی ہوتی ہے یعنی الإسناد هو رفع الحديث إلى قائله. (۲) سند کی اہمیت کے بارے میں اہل علم کے متعدد اقوال ہیں۔

سفیان ثوری (م ۱۵۳ھ) سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

الاسناد سلاح المؤمن اذا لم يكن معه سلاح فبای شیء يقاتل. (۳)

اسناد مؤمن کا ہتھیار ہے اگر اس کے پاس ہتھیار نہیں تو لڑائی میں اپنا دفاع کیسے کرے گا۔

۱- خالد علوی، اصول الحدیث، ۱/ ۴۷

۲- سند اور متن کے لغوی اور اصطلاحی معانی کے لیے دیکھیے، اصول الحدیث، ۱/ ۴۷-۴۹

۳- ابن رجب، شرح علل الترمذی، ۱/ ۵۸؛ ابن حبان، کتاب المجروحین، ۱/ ۲۷؛ خطیب بغدادی، شرف اصحاب الحدیث، ۴۲

یہ روایت بایں الفاظ حضرات انس، ابن عمر اور ابو ہریرہ، امام ثوری، اوزاعی اور ابن المبارک کے متعدد تلامذہ سے منقول ہے۔ انس وغیرہم سے منقول ہے: ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم. اسناد دین کا حصہ ہے لہٰذا حدیث لیتے وقت احتیاط برتو کہ تم کس سے اپنا دین (حدیث) اخذ کر رہے ہو۔ شرح علل الترمذی، ۱/ ۶۰؛ کتاب المجروحین، ۱/ ۲۱؛ ابن عدی، الکامل فی ضعفاء الرجال، ۱/ ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳

عبداللہ بن المبارکؒ (م۱۹۸ھ) کا قول ہے:

الاسناد عندی من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء ، فاذا قیل من حدثك بقی. (۱)

میرے نزدیک اسناد دین کا حصہ ہے۔ اگر اسناد نہ ہوتی تو کوئی شخص بھی جو چاہتا کہہ دیتا۔ جب روایت کرنے والے سے پوچھا جائے گا کہ تم سے کس نے بیان کیا تو وہ حیران و پریشان ہو جاتا ہے یا خاموش ہو جاتا ہے۔

ابن المبارکؒ ہی سے منقول ہے:

لو لا الاسناد لذهب الدین، و لقال امرء ما شاء ان یقول و لکن اذا قلت عمن؟ بقی. (۲)

اگر اسناد نہ ہوتا تو دین غائب ہو چکا ہوتا اور ایک آدمی جو چاہتا کہتا؛ لیکن جب تم اس سے پوچھو کہ کس سے روایت (نقل) کر رہے ہو تو پریشان ہو کر رہ جاتا۔

ابن المبارکؒ ہی سے منقول ہے:

بیننا و بین القوم القوائم. (۳)

ہمارے اور لوگوں کے درمیان اصولوں کا امتیاز ہے۔ یعنی اسناد کا۔

امام اوزاعیؒ (م۱۵۱ھ) سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

ماذهاب العلم الا ذهاب الاسناد. (۴)

علم کے ضائع ہونے کا تعلق اسناد کے ضائع ہونے سے ہے۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایک دن امام زہری نے ایک حدیث بیان کی تو میں نے کہا کہ اسناد کے بغیر بیان کیجیے۔ اس پر امام زہری نے کہا: کیا چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھتے ہو۔ (۵)

ایک اور موقعہ پر امام زہری نے اس حدیث کے بارے میں جس کی سند نہ ہو فرمایا:

مالأحادیثکم لیست لها خطم و لا أزمة. (۶)

۱- شرح علل الترمذی، ۱/ ۵۲؛ کتاب المجروحین، ۱/ ۲۶

۲- ایضاً، ۱/ ۵۸

۳- مسلم، الجامع، مقدمة، ۱/ ۱۲؛ شرح علل الترمذی، ۱/ ۵۷؛ عقیلی، الضعفاء الکبیر، ۱/ ۱۲

۴- شرح علل الترمذی، ۱/ ۵۸

۵- شرف اصحاب الحدیث، ۴۲؛ خطیب بغدادی، الکفایة، ۳۹۳؛ شرح علل الترمذی، ۱/ ۵۸

۶- الکامل فی ضعفاء الرجال، ۱/ ۳۸

ابن المبارک کا قول ہے:

مثل الذی یطلب امر دینه بلا اسناد کمثل الذی یرتقی السطح بلا سلم۔ (۱)

محدثین کرام نے صرف سند اور اس کی تفتیش وتحقیق پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس بات کی بھی تحقیق کی کہ رواۃ نے اپنے شیوخ سے اخذ حدیث کے طرق میں سے کس طریقے سے احادیث حاصل کیں۔ حدیث کا طالب علم جانتا ہے کہ ان طرق میں قراءۃ اور سماع کو فوقیت حاصل ہے اور ان طرق کے لیے الفاظ ادا بھی حدثنا اور اخبرنا ہیں۔ یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ راوی نے شیخ سے اس کی مجلس میں براہ راست شیخ سے استفادہ کیا۔ ان الفاظ ادا کی اہمیت کا اندازہ شعبہ کے اس قول سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: کل حدیث لیس فیه حدثنا او أخبرنا فهو خل و بقل۔ (۲) وہ حدیث جس میں یہ الفاظ ادا نہیں اس کی کوئی وقعت اور قیمت نہیں۔

اہل علم نے روایات کو قبول ورد کرنے کے لیے رواۃ کی سلبی اور مثبت صفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (۳) امام حسن، ابن عباس، ابن سیرین وغیرہم نے اس شخص کی روایت قبول کرنے کی ہدایت کی جن کی شہادت قبول ہو سکتی ہے۔ (۴)

معاصر علماء حدیث نے اسناد کو بنیاد بناتے ہوئے حدیث کی تقسیم اتصال سند اور انقطاع سند کے حوالے سے کی ہے۔ جب کہ ابن الصلاح نے سند اور متصل کی بحث کتاب کے آغاز (۵) (چوتھے اور پانچویں باب) میں کی ہے اور اسناد العالی والنازل کی بحث انتیسویں باب میں کی ہے (۶)۔ حافظ ابن حجرؒ نے انقطاع سند کے لحاظ سے انواع حدیث کو مرسل کے تحت بیان کیا۔ اور اسناد عالی ونازل کو الخبر المسند کے تحت بیان کیا ہے (۷)۔ ہم نے چونکہ ابن حجر کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے اس لیے یہاں صرف اتصال سند کی انواع بیان ہوں گی۔ انقطاع سند کی انواع کو کتاب کی جلد اول میں دیکھا جائے۔

۱- الکفایة، ۳۹۳؛ شرح علل الترمذی، ۱/۵۹

۲- الکامل فی ضعفاء الرجال، ۱/۱۰۷، ۱۱۰

۳- ایضاً، ۱/ ۲۵۷- ۲۶۰

۴- ایضاً، ۱/ ۲۵۶، ۲۵۷؛ کتاب المجروحین، ۱/ ۲۵

۵- ابن الصلاح، ۴۲، ۴۴

۶- ایضاً، ۲۵۵

۷- نزهة النظر، ۴۳، ۵۹

المتصل

متصل وہ حدیث ہے جس میں ہر راوی نے اپنے اوپر والے راوی سے سنا ہو یہاں تک کہ آخری شخص تک پہنچے خواہ حدیث مرفوع ہو یا موقوف۔ اسے موصول کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ متصل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و یقال فیہ ایضاً الموصول، و مطلقه یقع علی المرفوع و الموقوف وھو الذی اتصل اسنادہ فکان کل واحد من رواته قد سمعه ممن فوقه حتی ینتھی الی منتھاہ. (۱)

اسے موصول بھی کہا جاتا ہے۔ جب متصل یا موصول کا لفظ مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق مرفوع و موقوف دونوں پر ہوگا۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی اسناد متصل ہے۔ سو راویوں میں سے ہر شخص نے اپنے اوپر والے سے سنا حتیٰ کہ آخری آدمی تک پہنچے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

المتصل و یسمی الموصول، وھو ما اتصل اسنادہ مرفوعاً کان او موقوفاً علی من کان. (۲)

متصل جسے موصول بھی کہا جاتا ہے وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو، مرفوع ہو یا کسی شخص پر موقوف ہو۔

امام نوویؒ نے حافظ ابن الصلاح کی تعریف میں موقوفاً کے بعد 'علی من کان' کا اضافہ کیا ہے اور ابن جماعہ نے امام نوویؒ کے تتبع میں علی غیرہ کے الفاظ کا اضافہ کیا۔(۳)

اس طرح تابعین اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے اقوال بھی شامل ہو گئے۔ ابن الصلاحؒ نے متصل کو صحابہ کے اقوال تک محدود رکھا تھا اس طرح متصل، مرفوع اور موقوف پر مشتمل تھی۔ جیسے امام مالکؒ کی موقوفات ہیں۔ مثلاً نافع عن ابن عمرؓ عن عمرؓ۔ ابن الصلاحؒ کی تعریف سے واضح تھا کہ اس میں امام مالکؒ کی موقوفات خصوصی طور پر شامل تھیں۔ حافظ عراقیؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

۱- ابن الصلاح، ۴۴

۲- تقریب مع تدریب، ۱۰۸

۳- المنہل الروی، ۴۰

وأما أقوال التابعين اذا اتصلت الأسانيد اليهم فلا يسمونها متصلة فی حالة الاطلاق أما مع التقييد فجائز و واقع فی كلامهم كقولهم: هذا متصل الی سعيد بن المسيب او الی الزهری او الی مالك و نحو ذلك.(۱)

جہاں تک تابعین کے اقوال کا تعلق ہے تو اگر ان تک اسانید متصل ہوں تو انہیں علی الاطلاق متصل نہیں کہا جائے گا لیکن اگر مقید کر کے کہا جائے تو جائز ہوگا جیسے ان کے اقوال میں ہے۔ یہ سعید بن المسیبؒ تک متصل ہے یا زہریؒ اور مالکؒ تک متصل ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں نکتہ یہ ہے کہ تابعی کی روایات مقطوع کہلاتی ہیں، اس لیے اگر انہیں علی الاطلاق متصل کہہ دیا جائے تو لغوی اعتبار سے اجتماع ضدین لازم آئے گا۔(۲)

اس لیے جمہور کے نزدیک مقطوع روایات کو مطلقاً موصول نہیں کہا جائے گا۔ امام نوویؒ اور ابن جماعہؒ کی تعریف سے بعض لوگوں نے یہ استنباط کیا ہے کہ مقطوع پر بھی موصول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

متصل مرفوع کی مثال:

عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الذی تفوته صلوٰۃ العصر كانما وتر أهله و ماله. (۳)

متصل موقوف کی مثال:

عن نافع أنه سمع عبدالله بن عمر يقول: من اسلف سلفاً فلا يشترط الا قضاءه (۴)

یہ دونوں حدیثیں متصل یا موصول ہیں اس لیے کہ ان میں ہر راوی نے اپنے اوپر والے شخص سے سنا ہے۔

❀❀❀❀

۱۔ فتح المغيث، ۱/ ۷۱

۲۔ ايضاً، ۱/ ۷۱

۳۔ مالك، الموطا، كتاب و قوت الصلاة، باب جامع الوقوت، ۱۳؛ بخاری، الجامع، كتاب مواقيت الصلاة، باب الم من فاته عصر، ۱/ ۳۸

۴۔ مالك بن انس، الموطا، كتاب البيوع، باب مالا يجوز من السلف، ۴۴۲

صحابہ کرامؓ

حضور اکرم ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو نقل کرنے اور آگے پہنچانے کا بنیادی کام صحابہ کرامؓ اور تابعین نے کیا۔ ان شخصیات کی دینی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے اور اس سے قریب تر عہد کی اہمیت کو خود بیان فرمایا۔ عمران بن حصین (۱) روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے افضل میرا زمانہ ہے پھر میرے بعد آنے والوں کا پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد متصل آئیں۔

عمران بن حصین کہتے ہیں مجھے یہ بات ٹھیک طرح یاد نہیں کہ آپ ﷺ نے دو قرن کہے یا تین۔ (۳) یہ تین ادوار امت کے ہاں قابل تکریم سمجھے جاتے ہیں کیونکہ ان میں وہ لوگ موجود تھے جنھوں نے آنحضور ﷺ کو دیکھا تھا یا صحابہؓ کو یا صحابہؓ سے استفادہ کرنے والوں کو دیکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے زمانی قرب کی بنا پر ان لوگوں کی روحانی پاکیزگی اور دینی بصیرت بھی زیادہ قابل اعتماد ہے۔ عہد نبوی میں تربیت پانے والے لوگوں اور ان تربیت یافتہ افراد سے فیض حاصل کرنے والوں نے علوم نبویہ کی تبلیغ و اشاعت میں کیا طرز عمل اختیار کیا اس کا اندازہ ان سرگرمیوں سے ہوتا ہے جو کتب حدیث و رجال میں منقول ہیں۔ ان کی مساعی جمیلہ سے علوم نبویہ تک امت کو رسائی حاصل ہوئی۔ اس وقت رسول اکرم اور عہد رسالت کے بارے میں جو معلومات مہیا ہیں وہ ان ہی حضرات کے شغف و محبت کی وجہ سے ممکن ہوئیں۔

صحابی کی تعریف

لغوی اعتبار سے صحابی صحبہ سے مشتق ہے جس کے معنی ساتھ رہنے کے ہیں۔ اس کے معانی میں کوئی ایسی

۱۔ عمران بن حصین بن خلف ابو نجید الخزاعی (م ۵۲ھ) صاحب رسول اللہ ۷ھ میں دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ بصرہ کے قاضی رہے۔ حضرت عمرؓ نے اہل بصرہ کی دین میں تفہیم کے لیے بھیجا۔ طبقات خلیفہ، ۱۰۶؛ التاریخ الکبیر، ۳/ii/۴۰۸؛ العبر، ۱/ ۵۷؛ سیر اعلام، ۲/ ۵۰۸

۲۔ بخاری، الجامع، کتاب بدء الخلق، باب فضائل اصحاب النبی، ۴/ ۱۸۹؛ مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابۃ، ۷/ ۱۸۴

۳۔ ایضاً، ۴/ ۱۸۹؛ ایضاً، ۷/۱۸۶

شرط نہیں پائی جاتی جس سے قلت وکثرت کا پتہ چلے، چنانچہ کہا جاتا ہے:

صحب فلانا حولاً و دھراً و سنةً و شھراً و یوماً و ساعةً.

وہ شخص فلاں کے ساتھ ایک برس، ایک زمانہ، ایک سال، ایک ماہ، ایک دن اور ایک ساعت رہا۔

مصاحبت قلیل وکثیر دونوں کی حامل ہے۔(۱) اصطلاحاً صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جو حالت ایمان میں آپ ﷺ سے ملا ہو اور اسلام پر ہی اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ صحابی کے لیے ملاقات شرط ٹھہری (۲) قرآن پاک میں حضرت ابوبکرؓ کے لیے صاحب کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے غالباً یہی لفظ صحابی کے لیے بنیاد بنا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا. (۳)

جب آنحضرت اپنے ساتھی سے کہتے تھے غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

صحابی کی اصطلاحی تعریف میں بزرگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اظہار کیا ہے۔

معمولی سے لفظی اختلاف کے ساتھ اسے قریب المعنی یا ہم معنی سمجھنا چاہیے۔ ان بزرگوں نے صحابی کے مفہوم کو متعین کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے۔

ابن الصلاحؒ نے بڑی عمومی بات فرمائی ہے، کہتے ہیں:

کل مسلم رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۴)

ہر مسلمان جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔

صحابی کی تعریف کے ضمن میں مندرجہ ذیل اقوال منقول ہیں:

قال البخاری: من صحب النبی ﷺ او راٰہ من المسلمین فھو من اصحابہ.(۵)

امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ جس شخص نے حضور سے رفاقت کا شرف حاصل کیا یا اسلام کی حالت میں آپ کو دیکھا ہو وہ صحابی ہے۔

۱- الکفایة، ۵۱؛ فتح المغیث، ۳/ ۳۳۷؛ لسان العرب، ۱/ ۵۱۹

۲- ایضاً، ۵۱؛ الاصابة، ۱/ ۴، ۵

۳- التوبة/ ۴

۴- ابن الصلاح، ۲۹۳؛ الباعث الحثیث، ۱۵۴؛ تدریب، ۲/ ۱۸۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۳۵

۵- بخاری، الجامع، کتاب بدء الخلق، باب فضائل اصحاب النبی، ۴/ ۱۸۸، ابن الصلاح، ۲۹۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۳۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۷۸

افضل الناس بعد هؤلاء أصحاب رسول الله القرن الذی بعث فیهم کل من صحبه سنة أو یوماً او ساعة اورآه من أصحابه له من الصحبة علی قدر ما صحبه و کانت سابقته معه و سمع منه و نظر الیه. (۱)

رسول اللہ ﷺ کے ان صحابہ کے بعد اس دور کے سب سے افضل وہ لوگ ہیں جنھیں حضور کی رفاقت ایک برس، ایک ماہ، ایک دن یا ایک گھڑی نصیب ہوئی اس کے بعد وہ لوگ جنھوں نے صحابہ کو دیکھا، وہ جسے ایک اندازے کے مطابق مصاحبت نصیب ہو، وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہا ہو، آپ سے سنا ہو یا آپ کو دیکھا ہو۔

ابن الصلاحؒ کہتے ہیں:

بلغنا عن ابی المظفر السمعانی المروزی انه قال اصحاب الحدیث یطلقون اسم الصحابة علی کل من روی عنه حدیثاً او کلمة، ویتوسعون حتی یعدون من رآه رؤیة من الصحابة وهذا لشرف منزلة النبی صلی الله علیه وسلم اعطوا کل من رآه حکم الصحابة. (۲)

(یہ قول) ہم تک ابو مظفر السمعانی المروزی کے ذریعے پہنچا۔ انھوں نے کہا کہ اصحاب حدیث ہر اس شخص پر صحابی کے نام کا اطلاق کرتے ہیں جنھوں نے نبی اکرم ﷺ سے کوئی حدیث یا کلمہ روایت کیا ہو۔ وہ اسے وسعت دیتے ہیں حتیٰ کہ اس شخص کو بھی صحابی شمار کرتے ہیں جس نے حضور ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا ہو یہ شرف حضور کی منزلت کی وجہ سے ہے وہ حضور کو دیکھنے والے کو صحابی کا درجہ دیتے ہیں۔

بعض حضرات کا کہنا ہے:

لا بد فی اطلاق الصحبة مع الرؤیة ان یروی حدیثاً او حدیثین. (۳)

صحابی کی اصطلاح کے لیے ضروری ہے کہ زیارت کے ساتھ ایک یا دو حدیثیں بھی روایت کی ہوں۔

واقدی کا قول ہے:

ورأیت أهل العلم یقولون کل من رأی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم

۱۔ الکفایة، ۵۱

۲۔ ابن الصلاح، ۲۹۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۳۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ /۸۶

۳۔ اختصار علوم الحدیث، ۱۷۱؛ ابن الصلاح، ۲۹۳؛ فتح المغیث، ۳/۸۶

وقد أدرك الحلم فأسلم و عقل أمر الدين و رضيه فهو عندنا ممن صحبه النبي ولو ساعة من النهار. (۱)

میں نے اہل علم کو کہتے دیکھا ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو سن شعور میں دیکھا پھر اسلام قبول کیا اور امور دینیہ کو سمجھا اور انھیں پسند کیا اور اختیار کیا وہ ہمارے نزدیک اصحاب نبی ﷺ میں شامل ہے خواہ اسے یہ شرف دن کی ایک ساعت ہی نصیب ہوا ہو۔

لیکن عراقیؒ نے اس تعریف پر تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

والتقييد بالبلوغ شاذ. (۲) بالغ ہونے کی قید شاذ ہے۔

غالباً عراقیؒ کے پیش نظر یہ ہے کہ اگر واقدی کی اس قید کو تسلیم کر لیا جائے تو اس طرح عبداللہ بن عباسؓ، حسینؓ اور ابن زبیرؓ وغیرہ صحابیت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں:

الصحابة لا نعدهم الا من أقام مع رسول الله سنة او سنتين و غزا معه غزوة أوغزوتين. (۳)

ہم صحابی اسے شمار کرتے ہیں جو حضور کے ساتھ ایک سال یا دو سال رہا ہو اور آپ کے ساتھ مل کر ایک یا دو جنگیں لڑی ہوں۔

ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ اس تعریف سے جریر بن عبداللہ البجلیؓ وغیرہ خارج ہو جاتے ہیں۔ (۴) عراقی کے بقول سعید ابن المسیبؒ کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں۔ (۵)

ابن حجرؒ کا قول ہے:

اصح ما وقفت عليه من ذلك ان الصحابي من لقي النبي مومناً به و مات على الاسلام، فيدخل فيمن لقيه من طالت مجالسته او قصرت و من روى عنه اولم يرو و من غزا معه أولم يغزو و من لم يجالسه و من لم يره لعارض كالعمى و هو رأى الجمهور. (۶)

۱- الكفاية، ۵۱؛ فتح المغيث للعراقی، ۴ / ۳۳۹

۲- فتح المغيث، ۴ / ۳۳۹

۳- ایضاً، ۴ / ۳۳۸؛ ابن الصلاح، ۲۹۳؛ اختصار علوم الحديث، ۱۷۱

۴- ایضاً، ۴ / ۳۳۸؛ ایضاً، ۲۹۴

۵- ایضاً، ۴ / ۳۳۸

۶- الاصابة، ۱/۱۰

ابن حجرؒ نے فرمایا: میرے علم کے مطابق صحیح ترین یہ ہے کہ صحابی اسے کہتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے مؤمن کی حیثیت سے ملا ہو اور اس کی موت اسلام کی حالت پر ہوئی ہو تو جو بھی آپ سے ملا خواہ اس کی ملاقات طویل ہو یا مختصر، اس نے آپ ﷺ سے روایت کی ہو یا نہ کی ہو اس نے آپ ﷺ کی معیت میں جنگ لڑی ہو یا نہ وہ شخص صحابی ہے جس نے آپ ﷺ کو دیکھا ہو لیکن آپ کی مجلس میں نہیں بیٹھا یا آپ کو کسی عذر کے باعث نہ دیکھ پایا۔ جیسے نابینا ہونا اور جمہور کی یہ رائے ہے۔

روی شعبه عن موسی السبلانی و أثنی علیه خیراً قال :قلت لانس بن مالك هل بقی من اصحاب رسول الله احد غیرك؟ قال ناس من الأعراب رأوه ، فاما من صحبه فلا ۔ اسناده جید، حدث به مسلم بحضرة ابی زرعة (۱)

شعبہ نے موسیٰ سبلانی سے روایت کی اور ان کے بارے میں کلمات خیر کہتے ہوئے کہا کہ انھوں نے انس بن مالکؓ سے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں آپ کے سوا کوئی باقی رہ گیا ہے؟ کہنے لگے بدویوں میں سے کچھ لوگ ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے مگر وہ ایسے لوگ نہیں جنھیں شرف صحبت حاصل ہو۔ اس کی سند جید ہے۔ مسلمؒ نے ابوزرعہ کی موجودگی میں اسے بیان کیا۔

علامہ ابن حجرؒ نخبة الفکر میں مسند کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسند وہ حدیث ہے جس کی سند رسول اللہ ﷺ تک صریحاً یا حکماً پہنچے، یعنی آپ ﷺ کا قول، فعل یا تقریر ہو یا اس طرح سے صحابی تک پہنچے یا تابعین تک اس کے بعد صحابی اور تابعی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو من لقی النبی مؤمناً به و مات علی الاسلام و لو تخللت ردة فی الاصح ... وهو من لقی الصحابی کذلك (۲)

صحابی وہ ہے جس کی بحالت ایمان رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہو گو درمیان میں ارتداد بھی واقع ہوا ہو۔ اور تابعی وہ ہے جو اسی طرح صحابی سے ملا ہو۔

نخبة الفکر کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے نزهة النظر میں لکھتے ہیں:

۱- ابن الصلاح ۲۹۴؛ اختصار علوم الحدیث، ۱۷۱

۲- نزهة النظر، ۵۴-۵۸

والمراد باللقاء ما هو اعم من المجالسة و المماشاة و وصول أحدهما الى الآخر وان لم يكالمه و يدخل فيه رؤية احدهما الآخر سواء كان ذلك بنفسه او بغيره ، والتعبير باللقي اولى من قول بعضهم: الصحابي من رأى النبي لأنه يخرج حينئذ ابن ام مكتوم (١) و نحوه من العميان وهم صحابة بلا تردد و اللقي في هذا التعريف كا لجنس وقولي "مومناً" كالفصل يخرج من حصل له اللقاء المذكور في حال كو نه كافراً و قولي "به" فصل ثان يخرج من لقيه مؤمناً ارتد بعد مؤمناً بأنه سيبعث و لم يدرك البعثة وفيه نظر وقولي "ومات على الاسلام" فصل ثالث يخرج من ارتد بعد ان لقيه مؤمناً به و مات على الردة كعبيد الله بن جحش (٢) و ابن خطل. وقولي "ولو تخللت ردة" اى بين لقيه مؤمناً به و بين موته على الاسلام فان اسم الصحبة باق له سواء ارجع الى الاسلام في حياته ام بعده ،و سواء لقيه ثانياً أم لا، و قولي "في الاصح" اشارة الى الخلاف في المسألة .و يدل على رجحان الاول قصة الاشعث بن قيس. (٣) فانه كان ممن ارتد و أتى إلى أبي بكر الصديق اسيراً فعاد إلى الاسلام فقبل منه ذلك و زوجه اخته و لم يختلف احد عن ذكره في الصحابة ولا عن تخريج أحاديثه في المسانيد و غيرهما.(٤)

١- ابن ام مکتوم عبداللہ بن قیس، جلیل القدر صحابی اور حضور اکرم ﷺ کے مؤذن تھے۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ آپ ﷺ نے دو مرتبہ مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ ابن سعد، ۴/ ۱/ ۱۵۰؛ سیر اعلام، ۱/ ۳۶۰

٢- عبیداللہ بن جحش بن رباب الصبری الاسدی ام المؤمنین زینبؓ کے بھائی تھے۔ اپنی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی لیکن وہاں جا کر عیسائی ہو گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ ام حبیبہؓ کے ساتھ آپ ﷺ نے نکاح کیا۔

٣- الاشعث بن قیس بن معدیکرب الکندی (م ۴۰ھ) امیر کندہ اپنی قوم کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ جنگ یرموک میں شریک ہوئے جس میں اس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ ابوبکرؓ کے دور خلافت میں بعض دوسرے کندی قبائل نے زکوۃ دینے سے انکار کیا۔ ابوبکرؓ کے پاس قیدی بن کر آیا اور دوبارہ اسلام قبول کیا۔ صفین میں علیؓ کے ساتھ تھے۔ حضرت علیؓ کے چالیس دن بعد فوت ہوئے۔ تاریخ بغداد، ۱/ ۱۹۲؛ الاصابة ۱: / ۸۸؛ ابن سعد، ۶/ ۲۲

٤- نزهة النظر ، ۵۷- ۵۸

اور ملاقات باہمی نشست یا ساتھ چلنے اور ایک دوسرے کی جانب پہنچ جانے سے زیادہ عام ہے۔ اس میں وہ دیکھنا بھی شامل ہے جو قصداً ہو یا تبعاً۔ یہ تعبیر بعض لوگوں کے اس قول سے بہتر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صحابی وہ ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کیونکہ تعریف کی رو سے ابن ام مکتوم اور دیگر نابینا صحابہ خارج ہو جائیں گے حالانکہ وہ یقیناً صحابہ تھے۔ اس تعریف میں لقاء جنس ہے اور مؤمنا فصل ہے جس سے وہ شخص صحابیت سے خارج ہو جائے گا جس نے کفر اختیار کیا اور "بہ" دوسری فصل ہے جس سے وہ شخص خارج ہو جائے گا جو کسی اور نبی پر ایمان رکھتا ہے۔ کیا وہ شخص شرف صحابیت سے خارج ہوگا جس نے اس ایمان کے ساتھ ملاقات کی کہ آپ مبعوث ہوں گے لیکن بعثت سے پہلے فوت ہو گیا؟ اس بارے میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی صحابی نہیں جس نے بحالت ایمان آپ سے ملاقات کی پھر مرتد ہوا اور بحالت ارتداد ہی مر گیا جیسے عبداللہ بن جحش اور ابن اخطل اور تعریف میں "ولو تخللت ردة" کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر ایمان لانے کے بعد مرتد ہوا لیکن پھر آپ ﷺ کی زندگی میں یا آپ ﷺ کے بعد ایمان لایا اور مسلمان کی حیثیت سے مرا تو وہ صحابی ہوگا کیونکہ صحبت کا لقب باقی رہے گا خواہ وہ آپ ﷺ کی زندگی میں دوبارہ اسلام لایا یا بعد میں اور آپ ﷺ سے دوبارہ ملنا اور نہ ملنا برابر ہے۔ اور اصح کے لفظ سے یہ اشارہ مطلوب ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف موجود ہے۔ پہلی رائے کے حق میں اشعث ابن قیس کا واقعہ دلیل ہے کیونکہ وہ ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے ارتداد اختیار کیا تھا۔ جب وہ قیدی ہو کر ابوبکر صدیق ؓ کے پاس لایا گیا تو دوبارہ اسلام لایا۔ ابوبکر صدیق ؓ نے اس کے اسلام کو منظور کیا اور اپنی بہن سے ان کا عقد کر دیا۔ اشعث کو صحابہ میں شمار کرنے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا اور مسانید وغیرہ میں ان کی احادیث کی تخریج کرنے میں کسی نے پہلو تہی نہیں کی۔

محمد عجاج الخطیب یہ تمام اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں:

والى رأى الجمهور أميل و به أقول ، لأ نه فى الحقيقة لم يرو صحابى عن رسول الله حديثاً الا قد ثبت عدالته عن جهابذة العلم بتطبيق قواعد النقد العلمى الصحيحة التى طبقوها فى علم الحديث على سائر الرواة (۱)

۱- السنة قبل التدوین، ۳۹۰

میرا میلان جمہور کی رائے کی طرف ہے اور میری بھی رائے ہے کیونکہ حقیقت میں کسی صحابی نے رسول اکرم ﷺ سے کوئی روایت نہیں کی۔ الا یہ کہ اس کی عدالت اہل علم نقادوں کے ہاں ثابت ہو، ان صحیح علمی تنقیدی قواعد کے تطبیق سے جنھیں انھوں نے علم حدیث میں تمام روایوں پر چسپاں کیا ہے۔

کتب علوم الحدیث میں صحابی کی تعریف میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں ان کے مطابق کسی شخص میں مندرجہ ذیل امور میں سے کوئی بات پائی جائے تو اسے صحابی کہتے ہیں۔ ان میں سے اہم امور یہ ہیں:

۱۔ جس شخص کے بارے میں تواتر سے معلوم ہو کہ وہ صحابی ہے(۱) جیسے حضرات عشرہ مبشرہ کا صحابی ہونا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، طلحہ ابن عبداللہؓ، زبیر بن العوامؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوعبیدہ عامر بن الجراحؓ۔

۲۔ جس شخص کا صحابی ہونا مشہور ہو اگرچہ تواتر کے درجے تک نہ پہنچا ہو(۲)۔ مثلاً ضمام بن ثعلبہؓ اور عکاشہ بن محصنؓ۔

۳۔ کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے جیسے ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا تھا کہ حممہ بن ابی حممہ دوسی صحابی ہے(۳)۔

۴۔ کوئی امانت و دیانت میں معروف شخص اپنے زمانے تک صحابی ہونے کا دعویدار ہو جب کہ اس کے صحابی ہونے کا امکان بھی ہو(۴)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس دعویٰ کو مشکل بات قرار دیا ہے کیونکہ ایسے دعویٰ کی مثال یوں ہے جیسے کوئی کہے کہ میں عادل ہوں لہٰذا یہ امر غور و فکر کا محتاج ہے(۵)۔

علماء نے یہ زمانہ ۱۱۰ھ تک متعین کیا ہے۔ اس کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس ضمن میں علماء کرام صحیح مسلم و ترمذی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ: ما من نفس منفوسة اليوم تأتي عليها مائة سنة وهي

۱۔ نزهة النظر، ۵۸

۲۔ ایضاً، ۵۸

۳۔ الباعث الحثيث، ۱۸۰؛ تدريب الراوي، ۲/ ۱۸۹؛ الاصابة، ۱/ ۳۵۴

۴۔ نزهة النظر، ۵۸

۵۔ ایضاً، ۵۸

حية يو مئذٍ۔(۱)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ذی روح ایسا نہیں کہ آج سے سو سال گذر جانے کے بعد بھی زندہ ہو۔

امام بخاریؒ نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أرايتكم ليلتكم هذه فان على رأس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على وجه الارض أحد (۲)

۵- تابعین میں سے کوئی بزرگ کسی شخص کی پاکیزگی اور زہد ورع کی بنا پر اسے صحابی قرار دے۔(۳)

صحابہ میں آخری فوت ہونے والی شخصیت ابو الطفیل عامر بن واثلہؓ کی ہے۔ وہ ایک سو دس ہجری (۱۱۰ھ) میں فوت ہوئے۔ (۴) حضور اکرم ﷺ کی بیان کردہ تاریخ کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو ائمہ حدیث اس دعویٰ کو قبول نہیں کرتے۔

طبقات صحابہ

بلاشبہ صحابی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جس نے حضور ﷺ سے کوئی حدیث روایت کی ہو اور اسے اتنی وسعت دی گئی کہ صرف روایت کو کافی سمجھا گیا لیکن یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ صحابہ کے طبقات و درجات ہیں۔ ان میں السابقون الاولون اور ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے جان و مال کی بے پناہ قربانیاں دیں اور ایسے بھی جو ”یدخلون فی دین الله افواجاً“ (۵) کے تحت آئے۔ لہٰذا امت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابہ کے طبقات ہیں، البتہ طبقات کے تعین میں قدرے اختلاف ہے۔ ابن سعد نے پانچ طبقات بیان کیے ہیں۔

حاکمؒ نے بارہ اور بعض نے اس سے بھی زائد طبقات بیان کیے ہیں۔(۶)

امام حاکمؒ کے نزدیک صحابہ کے طبقات یہ ہیں:

۱- مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، ۷/ ۱۸۷؛ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، ۴/ ۵۲۰

۲- بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب السمر فی العلم، ۱/ ۳۷؛ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، ۴/۵۲۰؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، ۷/ ۱۸۶-۱۸۷

۳- ابن الصلاح، ۲۹۴؛ تدریب، ۲/ ۱۸۷؛ اختصار علوم الحدیث، ۱۵۱ بعد، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:
يعرف كونه صحابياً با لتواتر او الاستفاضة او الشهرة او باخبار بعض الصحابة او بعض ثقات التابعين او با خباره عن نفسه بانه صحابي اذا كان دعواه ذلك تدخل تحت الامكان. نزهة النظر، ۵۸

۴- تدریب الراوی، ۴۱۲؛ تفصیل کے لیے دیکھئے: الاصابة، ۱/ ۱۴-۱۵؛ الکفایة، ۵۲

۵- النصر / ۲

۶- فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۱۲۹؛ و بعد، الباعث الحثیث، ۱۵۶؛ معرفة علوم الحدیث، ۲۲-۲۴؛ تدریب، ۲/ ۱۹۴

۱- وہ لوگ جو مکہ میں اسلام لائے۔

۲- مکہ کے رہنے والے جنھوں نے دارالندوہ میں بیعت کی۔

۳- مہاجرین حبشہ۔

۴- اصحاب عقبہ اولیٰ۔انھیں عقبی کے لقب سے پکارا جاتا۔

۵- اصحاب عقبہ ثانیہ اور ان کی اکثریت انصار پر مشتمل ہے۔

۶- وہ مہاجرین جو مدینہ میں نبی کریم کے تشریف لانے پر قباء میں ملے۔

۷- اہل بدر جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لعل الله اطلع علی اهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم.**

۸- وہ جنھوں نے بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی۔

۹- حدیبیہ کی بیعت الرضوان کے شرکاء جن کے بارے میں قرآن نے کہا: **لقد رضی الله عن المؤمنين اذيبا يعونك تحت الشجرة.**

۱۰- وہ جنھوں نے حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہجرت کی جیسے خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ۔(۱)

۱۱- وہ لوگ جو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے جس میں قریش کا بڑا گروہ شامل ہے۔

۱۲- وہ بچے اور لڑکے جنھوں نے فتح مکہ اور حجۃ الوداع وغیرہ کے مواقع پر رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ افضل الصحابہ ابو بکرؓ ہیں۔ پھر عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ۔ ان کے بعد عشرہ مبشرہ پھر اہل بدر اور احد اور ان کے بعد بیعت الرضوان اور بیعات عقبات والے اور سابقون الاولون وغیرہ۔ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر بیان کی جاتی ہے۔ ابوزرعہ رازی کے مطابق یہ تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار ہے۔(۲)

سب سے پہلے کون ایمان لایا؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں اور علماء کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے تاہم اس سلسلے میں ابن الصلاحؒ نے جو موقف اختیار کیا اس کو ہی بعد میں آنے والے محدثین اور علماء نے اختیار کیا۔ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

> **الا ورع ان يقال: اول من اسلم من الرجال الاحرار ابو بكرؓ و من الصبيان او الاحداث علیؓ، ومن النساء خديجةؓ، و من الموالی زيد بن حارثةؓ و من العبيد بلالؓ.** (۳)

۱- معرفۃ علوم الحدیث، ۲۲-۲۴

۲- تدریب الراوی، ۲ / ۱۹۴؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۴۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۱۲۶

۳- ابن الصلاح، ۳۰۰؛ تقریب مع تدریب، ۳۱۲

احتیاط اسی میں ہے کہ یہ کہا جائے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ابوبکرؓ ہیں، بچوں میں یا نوخیزوں میں علیؓ، عورتوں میں خدیجہؓ، آزاد کردہ غلاموں میں زید بن حارثہ اور غلاموں میں بلال حبشی سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک افضل الصحابہ بلکہ افضل الخلق بعد الانبیاء ابوبکر عبداللہ بن عثمان التیمیؓ ہیں۔ آپ کا لقب صدیق ہے کیونکہ آپ نے سب سے پہلے رسالت کی تصدیق کی۔ اس کے بعد عمر ابن الخطاب پھر عثمانؓ اور اس کے بعد علیؓ ہیں۔ پھر باقی عشرہ مبشرہ، ازاں بعد اہل بدر پھر اہل احد، پھر حدیبیہ کے اہل بیعۃ الرضوان ہیں۔ (۱)

علم اور فتویٰ کے لحاظ سے بھی صحابہ میں فرق ہے۔ بعض اپنے علم و فقاہت کی وجہ سے مشہور ہوئے اور ان کا علم چار دانگ عالم میں پھیلا۔

احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں:

ستة من أصحاب النبی ﷺ اکثر والروایة عنه و عمروا: أبو هریرة، و ابن عمر، و عائشة، و جابر بن عبدالله و ابن عباس، و انس. (۲)

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے چھ ایسے حضرات ہیں جنھوں نے آپ ﷺ سے بکثرت روایات نقل کیں اور کافی عمر پائی اور وہ ہیں: ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ، عائشہؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابن عباسؓ اور انسؓ۔

محدثین کے ہاں عبادلہ کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے جب یہ حضرات کسی رائے پر متفق ہوں تو کہا جاتا ہے کہ یہ عبادلہ کی رائے ہے۔ وہ ہیں: عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمروؓ۔ (۳) یہ حضرات کافی عرصہ زندہ رہے۔ ان کے علم اور ان کی آراء کو کافی شہرت ملی۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان جیسے بڑے صحابہ جیسے خلفاء اربعہ وغیرہ فوت ہوگئے اور یہ حضرات زندہ تھے اسی لیے لوگوں کو علم اور ان کی آراء سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ یوں ان کی روایات زیادہ ہوئیں اور ان کے فتاویٰ بھی منقول ہوئے۔

مسروق کہتے ہیں:

۱- تدریب الراوی، ۴۰۸

۲- ابن الصلاح، ۲۹۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳۴۲/۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۰۲/۴؛ تدریب الراوی، ۴۳۸؛ اختصار علوم الحدیث، ۱۷۶: ابوہریرہ نے پانچ ہزار چوہتر احادیث روایت کیں، ابن عمر نے دو ہزار چھ سو تیس، عائشہ سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں جابر نے ایک ہزار پانچ سو چالیس، ابن عباس ایک ہزار چھ سو ساٹھ اور انس بن مالک نے دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث روایت کیں۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۴۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۰۲/۴، ۱۰۳؛ الباعث الحثیث، ۱۷۶- ۱۷۸

۳- ابن الصلاح، ۲۹۶؛ تقریب مع تدریب، ۴۰۵؛ فتح المغیث للعراقی ۳۴۳/۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۲۳/۴؛ الباعث الحثیث، ۱۰۶؛ المنہل الروی، ۱۱۳

وجدت علم اصحاب النبی انتھٰی الی ستة : عمرو علی و ابی و زید و ابی الدرداء و عبداللہ بن مسعود ثم انتھٰی علم ھولاء الستہ إلیٰ اثنین:علی و عبداللہ. (۱)

ابن حزمؒ نے فقہاء صحابہ کا استقصاء کرتے ہوئے ایک سو باسٹھ حضرات کا ذکر کیا ہے۔(۲) فتاویٰ کے لحاظ سے مکثرون صحابہ میں عمر بن الخطابؓ، علیؓ بن ابی طالب، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ عائشہ ام المومنینؓ شامل ہیں۔ درمیانہ درجہ میں ابوبکر صدیقؓ، عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، طلحہ بن عبیداللہؓ، زبیر بن العوامؓ، عبداللہ بن زبیرؓ شامل ہیں۔ جن حضرات سے کم فتاویٰ منقول ہوئے ہیں ان میں جریر بن عبداللہ البجلیؓ، عبداللہ بن ابی اوفیؓ، سمرہ بن جندبؓ شامل ہیں۔ ان سے ایک آدھ مسئلہ ہی منقول ہوا ہے۔

آخری صحابیؓ

صحابہ کرامؓ تمام مفتوحہ علاقوں میں پھیل گئے تھے، اس لیے مکمل فہرست تو ممکن نہیں، البتہ بعض شہروں میں فوت ہونے والے آخری صحابہ کا تذکرہ ملتا ہے، مثلاً مدینہ میں محمود بن الربیع ۹۹ ہجری میں فوت ہوئے، بصرہ میں انس بن مالکؓ نے ۹۳ ہجری میں وفات پائی۔ کوفہ میں عبداللہ بن ابی اوفیؓ نے ۸۶ ہجری میں وفات پائی، حمص شام میں عبداللہ بن بسر ۹۶ھ میں فوت ہوئے اور مصر میں عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی فوت ہوئے۔(۳) اور جو سب سے آخر میں فوت ہوئے وہ بالاتفاق ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ ہیں جو ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔(۴)

فضائل صحابہ

قرآن وسنت نے صحابہ کرامؓ کو اس انداز سے پیش کیا کہ وہ انسانی شرف کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان کا کردار، انداز اور گفتار قابل اعتماد اور لائق تقلید ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا و ینصرون اللہ ورسولہ اولئك ھم الصادقون والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم. (۵)

۱- ابن الصلاح، ۲۹۷؛ تقریب مع تدریب، ۳۰۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۴۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱۲۵/۴

۲- جوامع السیرۃ، ۳۱۹-۳۲۳

۳- تدریب الراوی، ۳۱۲-۳۱۳؛ ابن الصلاح، ۳۰۰-۳۰۱؛ اختصار علوم الحدیث، ۱۷۵-۱۷۸

۴- حافظ سیوطی نے ان کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے۔ علامہ ذہبی نے ۱۱۰ھ کی تصدیق کی ہے۔ تدریب، ۳۱۲ نیز دیکھئے؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۵۲-۳۵۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۱۴۳-۱۵۳؛ الباعث الحثیث، ۱۷۹-۱۸۰

۵- الحشر / ۸-۹

(مال غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائیداد و دولت سے محروم کردیے گئے اور خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور ان لوگوں کے لیے بھی جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر یعنی (مدینہ) میں مقیم ہیں اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ جل شانہ نے فرمایا:

والسابقون الأولون من المهاجرين و الانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم و رضوا عنه و اعد لهم جنت تجرى تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم. (۱)

اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور وہ لوگ جنھوں نے خلوص قلب سے ان کا اتباع کیا، خدا ان سے راضی ہے اور وہ لوگ خدا سے راضی ہیں اور ان کے لیے ایسے باغ تیار کرائے گئے ہیں جن کے اندر نہریں جاری ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

الذين آمنوا و هاجروا و جاهدوا فى سبيل الله باموالهم و انفسهم اعظم درجة عندالله و اولئك هم الفائزون يبشرهم ربهم برحمة منه و رضوان وجنات لهم فيها نعيم مقيم خالدين فيها أبداً۔ (۲)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں۔ اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ہے اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لقد تاب الله على النبى و المهاجرين و الانصار الذين اتبعوه فى ساعة العسرة. (۳)

۱۔ التوبة / ۱۰۰
۲۔ ایضاً، ۲۰۔ ۲۱
۳۔ ایضاً، ۱۱۷

اللہ تعالیٰ نے نبی کو اور ان مہاجرین و انصار پر اپنا فضل و کرم کیا جنھوں نے عسرت کی گھڑیوں میں نبی کا ساتھ دیا۔ نیز فرمایا:

والذین آمنوا و ھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا و نصروا اولٓئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم ۔ (۱)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور خدا کے راستے میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کی جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ پکے ایمان والے ہیں اور ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے، اور فرمایا:

لقد رضی اللہ عن المؤمنین إذیبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم۔ (۲)

اے پیغمبر ﷺ جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسکین نازل فرمائی نیز فرمایا:

فان آمنوا بمثل مآ آمنتم بہ فقد اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی شقاق. (۳)

تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ مخالف ہیں۔

اس آخری آیت میں صحابہ کرامؓ کو معیار اور ان کے کردار کو تقویٰ کی مثال قرار دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے رفقاء کی پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ کردار کو رہنمائی قرار دیا کیونکہ یہ لوگ فیض نبوت سے فیض یاب ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے چند ارشادات پیش خدمت ہیں:

عن أبی سعید الخدری قال قال النبی ﷺ: لا تسبوا أصحابی فلو ان أحدکم أنفق مثل أحد ذھبا ما بلغ مد أحد ھم ولا نصیفہ (۴)

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میرے رفقاء کو برا نہ کہو، کیونکہ تم میں سے ایک آدمی احد جتنا سونا خرچ کرے تو بھی ان جیسا یا ان سے آدھا درجہ نہیں پا سکے گا۔

۱- الانفال / ۷۴

۲- الفتح / ۱۸

۳- البقرہ / ۱۳۷

۴- ترمذی، السنن، کتاب المناقب، ۵ / ۶۹۶؛ ابو داؤد، السنن، کتاب السنۃ، باب فی النھی عن سب اصحاب رسول اللہ، ۵/ ۴۵؛ مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابۃ، باب تحریم سب الصحابۃ، ۷/۱۸۸؛ بخاری، الجامع، کتاب الأنبیاء، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ، ۴ / ۱۹۵

عن عمران بن حصين قال قال رسول الله ﷺ خير امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ۔(۱)

عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا بہترین زمانہ میرا ہے پھران کے بعد آنے والوں کا اور پھر بعد آنے والے لوگوں کا۔ارشاد نبوی ہے:

اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم۔ (۲)

میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

کتب حدیث میں صحابہؓ کے مختلف طبقات کے بارے میں واضح ارشادات موجود ہیں، مثلاً خلفاء راشدینؓ، مہاجرین وانصارؓ وغیرہم۔صحابہؓ کو قرآن حکیم اور سنت رسول کریم ﷺ بہترین انسان، اعلیٰ مسلمان اور مخلص مومن کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، اس لیے یہ گروہ انسانیت کے لیے ایک مثال اور نمونہ ہے۔

عدالت صحابہ

مذکورہ بالا فضائل سے صحابہ کرامؓ کی خصوصی حیثیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔قرآن مجید کی آیات ''کنتم خیر امة اخرجت للناس ''(۳) اور''وکذلك جعلنا کم امة وسطاً لتکونوا شهدآء علی الناس ''(۴) کے اولین مخاطب یہی حضرات تھے اس سے سب سے بہتر یہی لوگ تھے پھر مندرجہ ذیل آیت میں تو براہ راست معیت رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی صفات بیان کی ہیں:۔

محمد رسول الله والذین معه اشدآء علی الکفار رحمآء بینهم تراهم رکعا سجداً یبتغون فضلاً من الله ورضوانا۔ (۵)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل تو ان کو دیکھتا ہے کہ رکوع کرنے والے سربسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کررہے ہیں۔

۱- مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة، ۷ / ۱۸۳؛ ترمذی ، السنن، کتاب الفتن، باب ماجاء فی القرن الثالث، ۴ / ۵۰۰؛ ابو داؤد، السنن، کتاب السنة فی فضل اصحاب رسول الله، ۵/۴۴

۲- مشکوٰۃ المصابیح، کتاب المناقب، باب مناقب الصحابة، ۳ / ۲۱۹

۳- آل عمران / ۱۱۰

۴- البقرہ / ۱۴۳

۵- الفتح / ۲۹

جو لوگ حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور شرف صحبت سے مشرف ہوئے ان کی عدالت کے لیے یہی کافی ہے کہ صحابہ کی عدالت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:

قد كفينا البحث عن احوالهم لا جماع اهل الحق من المسلمين وهم اهل السنة والجماعة على انهم كلهم عدول. (۱)

یہ ثابت کرنے کے لیے ہم نے صحابہ کے احوال کی کافی تحقیق کی ہے کہ مسلمانوں کے اہل حق یعنی اہل سنت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

هذا مذهب كافة العلماء و من يعتمد بقوله من الفقهاء. (۲)

یہ تمام علماء کا مذہب ہے اور ان فقہاء کا بھی جن کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ابن الصلاح کہتے ہیں:

ثم ان الامة مجمعة على تعديل جميع الصحابة، ومن لابس الفتن منهم فكذلك باجماع العلماء الذين يعتد بهم في الاجماع، احساناً للظن بهم، و نظراً الى ماتمهدلهم من المآثر و كان الله سبحانه و تعالىٰ اتاح الاجماع على ذلك لكونهم نقلة الشريعة.(۳)

پھر امت مسلمہ کا تمام صحابہ کی عدالت پر اجماع ہے حتیٰ کہ ان کے بارے میں بھی جو دور فتن میں مبتلا ہوئے اس طرح ان علماء کا اجماع ہے جن کے اجماع پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، ان کے بارے میں حسن ظن کی وجہ سے اور کارناموں کو سامنے رکھتے ہوئے جو انھوں نے انجام دیے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اجماع مقدر کیا کیونکہ یہ حضرات شریعت کے ناقل تھے۔

محمد بن الوزیر الیمانی نے عدالت صحابہ پر اہل سنت، زیدیہ اور معتزلہ کا اجماع نقل کیا ہے اور صنعانی نے اس کی تائید کی ہے۔(۴)

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ پیغمبر کے اولیں شاگرد و متبعین قابل اعتماد ہوں۔ اس سلسلے میں سب سے اچھی بات خطیب بغدادی نے کی ہے۔ فرماتے ہیں:

۱- الاستيعاب، ۱/ ۸؛ فتح المغيث للسخاوى، ۳/ ۹۳

۲- الكفاية، ۴۹

۳- مقدمة ابن الصلاح، ۲۹۵

۴- توضيح الافكار، ۲/ ۴۶۳-۴۶۴

علی انہ لو لم یرد من اللہ عز وجل و رسولہ فیھم شیء مما ذکرناہ لاوجبت الحال التی کانوا علیھا من الھجرۃ و الجھاد و النصرۃ و بذل المھج والاموال ، وقتل الآباء والاولاد والمناصحۃ فی الدین و قوۃ الایمان والیقین القطع علی عدالتھم والاعتقاد لنزاھتھم و انھم افضل من جمیع المعدلین و المزکین الذین یجیئون بعدھم ابدالآبدین. (۱)

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس میں کوئی شے بھی اللہ اور اس کے رسول کی وارد نہ ہوتی تب بھی ان کا وہی مرتبہ ہوتا۔ اس کی وجہ ان کی ہجرت، ان کا جہاد، اللہ کے دین کی نصرت اور اس کی راہ میں جان و مال کی قربانی ہے۔ اسی طرح آباء و اولاد کا قتل، دین کے سلسلے میں نصیحت اور ایمان و یقین کی قوت ان کی عدالت اور ان کی پاکیزگی پر اعتماد کی قطعی دلیل ہے اور حضرات صحابہ اپنے بعد میں آنے والے ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جو عدالت کا فیصلہ کرنے والے اور پاکیزگی کی شہادت دینے والے ہیں۔

امام غزالیؒ المستصفی میں بعض آیات و احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فای تعدیل اصح من تعدیل علام الغیوب سبحانہ و تعالیٰ و تعدیل رسولہ؟ کیف ولو لم یرد الثناء لکان فیما اشتھر و تواتر من حالھم فی الھجرۃ و الجھاد، وبذل المھج والاموال و قتل الآباء والاھل فی موالاۃ رسول اللہ و نصرتہ، کفایۃ فی القطع بعدالتھم. (۲)

علام الغیوب سبحانہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعدیل سے زیادہ کس کی تعدیل صحیح ہو سکتی ہے؟ اگر یہ تعریف و ثنا نہ بھی وارد ہوتی تو ان حضرات کے جو حالات مشہور متواتر ہیں ان میں ہجرت، جہاد، جان و مال کی قربانی اور رسول اللہ کی محبت اور اس کی نصرت میں آباء و اولاد کا قتل، ان کی عدالت کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے الاصابۃ کے مقدمہ میں ابن حزم کا قول نقل کیا ہے کہ تمام صحابہ اہل جنت میں سے ہیں کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجۃ من

۱- الکفایۃ، ۴۹

۲- المستصفی، ۱/ ۱۶۴

الذین انفقوا من بعد و قاتلوا و کلاً و عد اللّٰہ الحسنیٰ واللہ بما تعملون خبیر۔ (۱)

تم سے جس شخص نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جنگ میں حصہ لیا ان لوگوں کا درجہ ان سے کہیں بڑھ کر ہے جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور قتال میں حصہ لیا اور اللہ نے سب سے اچھے ثواب کا وعدہ کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ ان سے واقف ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الّذین سبقت لهم منا الحسنیٰ اولٓئك عنها مبعدون ۔ (۲)

جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے بھلائی مقرر ہو چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔

اس سے ثابت ہوا کہ تمام حضرات اہل جنت ہیں اور ان میں سے کوئی آگ میں نہیں داخل ہوگا، اس لیے کہ وہ ان آیات کے مخاطبین ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

و اصحاب النبی ﷺ ۔ ولله الحمد ۔ من اصدق الناس حديثاً لا يعرف عنهم من تعمد على النبى كذبا مع انه كان يقع مع احدهم الهنات ما يقع، ولهم ذنوب و ليسوا معصومين، مع هذا جرب اصحاب النقد و الامتحان احاديثهم و اعتبروها بما تعتبر الأحاديث فلم يوجد عن احد منهم تعمد كذبة، بخلاف القرن الثانى، فإنه كان فى اهل الكوفة جماعة يتعمدون الكذب ولهذا كان الصحابة كلهم ثقات باتفاق أهل العلم با لحديث و الفقه. (۳)

اور نبی ﷺ کے اصحاب۔ الحمد للہ۔ حدیث میں تمام انسانوں سے زیادہ سچے ہیں۔ کسی ایک صحابی کے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں کہ اس نے جان بوجھ کر آنحضور ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کی۔ حالانکہ ان میں سے بعض سے فروگزاشتیں ہوئی ہیں ان میں سے بعض سے گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں اور وہ معصوم نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود جب اصحاب نقد و امتحان

۱- الحدید / ۱۰

۲- الانبیاء / ۱۰۱؛ الإصابة، ۱/ ۱۰

۳- منهاج السنة النبوية، ۲ / ۳۶۳

نے ان کی احادیث کا اس طرح جائزہ لیا جیسا کہ احادیث کا جائزہ لیا جاتا ہے تو انھوں نے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں پایا جس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہو۔ بخلاف دوسری صدی کے کہ اہل کوفہ میں ایسی جماعت موجود تھی جو جان بوجھ کر جھوٹی بات کرتے تھے۔ اس لیے حدیث وفقہ کے اہل علم کا اتفاق ہے کہ تمام صحابہ ثقہ تھے۔

جہاں تک ان حوادث وفتن کا تعلق ہے جو حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ظہور پذیر ہوئے اور بعض صحابہ اس میں مبتلا ہوئے اور ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوئے تو اس سے عدالت میں فرق نہیں آتا کیونکہ عدالت کے معنی یہاں عصمت نہیں ہے۔ عدالت کا لفظ انبیاء کے سلسلے میں تو بمعنی عصمت استعمال ہوتا ہے لیکن صحابہ کے بارے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی صحابی جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا اور اگر سرزد ہوا تو توبہ کی طرف مائل ہوگا کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے رسول کی صحبت کے لیے منتخب کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تربیت کی۔ اور ان سے اچھی تربیت کرنے والا کون ہے۔ تاکہ وہ دین کی دعوت کے حامل ہوں۔ عدالت کے معنی غلطی/ خطا اور بھول چوک سے عصمت مراد نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے فتن وحوادث کے سلسلے میں لکھا:

> واما ما شجر بینهم بعده علیه الصلوٰة والسلام فمنه ما وقع عن غیر قصد کیوم الجمل، و منه ما کان من اجتهاد کیوم صفین. والاجتهاد یخطئ و یصیب، ولكن صاحبه معذور و ان اخطاء فهو ما جورٌ ایضاً و اما المصیب فله اجران اثنان. و کان علی واصحابه اقرب الی الحق من معاویة و اصحابه رضی الله عنهم اجمعین. و قد ثبت فی صحیح البخاری عن رسول الله ﷺ انه قال عن ابن بنته الحسن بن علی و کان معه علی المنبر؛ "ان ابنی هذا سیدٌ، و سیصلح الله به بین فئتین عظیمتین من المسلمین" فسمیٰ الجمیع (مسلمین) قال تعالیٰ: و ان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما. (۱) فسماهم (مومنین) مع الاقتتال. (۲)

اور یہ جو نبی اکرم ﷺ کے بعد اختلافات واقع ہوئے تو یہ بلا ارادہ تھے جیسے جنگ جمل، یا جو

۱- الحجرات/ ۹

۲- اختصار علوم الحدیث، ۱۷۲- ۱۷۳

اجتہاد کی بنیاد پر پیش آئے جیسے جنگ صفین۔ اجتہاد میں خطا وصواب دونوں کا امکان ہوتا ہے اور صاحب اجتہاد معذور ہوتا ہے۔ اگر اس سے خطا سرزد ہو تو بھی اسے اجر ملے گا اور اگر اجتہاد صحیح ہے تو اس کو دو اجر ملیں گے۔ اور علیؓ، معاویہؓ اور ان کے اصحاب کے مقابلے میں حق کے قریب تر تھے۔ اور صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسے حسن بن علیؓ کے بارے میں، جب وہ منبر پر ان کے ساتھ تھے، فرمایا: یہ میرا بیٹا سید ہے اور اس کے ذریعہ اللہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا۔ سو آپ نے تمام لوگوں کو مسلمان کہا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر مومنوں کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ یہاں بھی باہمی جنگ کے باوجود دونوں کو مومن کہا۔

ابن الانباری کا کہنا ہے:

المراد من عدالة الصحابة قبول رواياتهم من غير تكلف البحث عن اسباب العدالة و طلب التزكية ، الا ان يثبت ارتكاب قادح، و لم يثبت ذلك ولله الحمد. (۱)

صحابہ کی عدالت سے مراد یہ ہے کہ ان کی روایت کو اسباب عدالت اور طلب شہادت کی بحث کا تکلف کیے بغیر قبول کیا جائے الا یہ کہ کوئی نقصان پہنچانے والا عامل ہو، جو بحمد اللہ ثابت نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر روافض کے اس قول کا رد کرتے ہوئے کہ معاذ اللہ سوائے سترہ صحابیوں کے باقی تمام ارتداد کا شکار ہو گئے تھے، لکھتے ہیں:

واما طوائف الروافض و جهلهم و قلة عقلهم ، ودعاويهم ان الصحابة كفروا الا سبعة عشر صحابياً وسموهم: فهو من الهذيان بلا دليل، الا مجرد الراى الفاسد عن ذهن بارد وهوى متبع وهو اقل من أن يرد. والبرهان على خلافه أظهر و أشهر، مما علم من امتثالهم لاوامره بعده عليه الصلاة والسلام و فتحهم الاقاليم و الآفاق، وتبليغهم عنه الكتاب والسنة و هدايتهم الناس الى طريق الجنة و مواظبتهم على الصلوٰت والزكوات وانواع القربات فى سائر الاحيان مع الشجاعة و البراعة

۱- فتح المغيث للسخاوى، ۳/ ۱۰۱

والكرم والايثار والاخلاق الجميلة التى لم تكن فى امة من الامم المتقدمة ولا يكون احد بعد هم مثلهم فى ذلك فرضى الله عنهم اجمعين، ولعن من يتهم الصادق، ويصدق الكاذبين. (۱)

جہاں تک روافض کا تعلق ہے ان کی جہالت، کم عقلی اور ان دعووں کا کہ سترہ صحابہ کے سوا سب کافر ہو گئے تھے اور انھوں نے نام بھی گنوائے ہیں تو یہ بلا دلیل ہذیان ہے اور ایک فاسد رائے ہے جو بخ بستہ ذہن کی پیداوار اور خواہش کی پیروی ہے یہ اس سے فرو ہے کہ اس کی تردید کی جائے۔ اس کے خلاف دلیل زیادہ واضح اور مشہور ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے احکام کی بجا آوری، اقالیم و آفاق کو فتح کرنے، کتاب وسنت کی تبلیغ کرنے، لوگوں کو جنت کی راہ کی ہدایت دینے، نماز وزکوٰۃ کی پابندی کرنے اور ہر حال میں مختلف قسم کی عبادات بجالانے کا اہتمام کیا وہ ایک معلوم حقیقت ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ جس شجاعت، مہارت، کرم، ایثار اور عمدہ اخلاق سے متصف تھے وہ سابقہ امتوں میں کسی امت کو بھی حاصل نہ تھے اور نہ ان کے بعد ان جیسے لوگ آئے، اللہ ان تمام سے راضی ہو اور ان پر رحمت کرے اور ان پر لعنت کرے جو سچے لوگوں کو متہم کرتے ہیں اور جھوٹوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ العقیدة الواسطیة میں اہل سنت کے موقف کے بارے میں لکھتے ہیں:

ویتبرأون من طریقة الروافض الذین یبغضون الصحابة و یسبونهم، و من طریقه النواصب الذین یوذون اهل البیت بقول او عمل، ویمسکون عما شجر بین الصحابة ویقولون: ان هذه الآثار المرویة فی مساویهم، منها ما هو کذب و منها ما قدزید فیه و نقص و غیر عن وجهه. والصحیح منه هم فیه معذورون: اما مجتهدون مصیبون و اما مجتهدون مخطئون وهم مع ذلک لا یعتقدون ان کل واحد من الصحابة معصومون عن کبائر الاثم و صغائره، بل تجوز علیهم الذنوب فی الجملة، ولهم من السوابق والفضائل ما یوجب مغفرة ما یصدر منهم ان صدر، حتی انهم یغفرلهم السیئات مالا یغفر لمن بعدهم: لان لهم من الحسنات التی تمحو السیأت مالیس لمن بعدهم

۱۔ اختصار علوم الحدیث، ۱۷۳

و قدثبت بقول رسول الله صلی الله علیه وسلم انهم خیر القرون.
وان المدمن احدهم اذا تصدق به کان افضل من جبل احد ذهبا ممن
بعدهم. ثم اذا کان قد صدر من أحدهم ذنب فیکون قدتاب منه اواتی
بحسنات تمحوه، اوغفر الله بفضل مسابقته او بشفاعة محمد ﷺ
الذی هم احق الناس بشفاعته، اوابتلی بلاء فی الدنیا کفر به عنه.
قال: کان هذا فی الذنوب المحققة، فکیف الامور التی کانوا
مجتهدین. ان أصابوا فلهم أجران و ان اخطاء فلهم اجر واحد و
الخطاء مغفور، ثم القدر الذی ینکر من فعلهم قلیل نزر مغمور فی
جنب فضائل القوم و محاسنهم من الایمان بالله ورسوله والجهاد فی
سبیله، والهجرة والنصرة والعلم النافع والعمل الصالح. ومن نظر فی
سیرة القوم بعلم و بصیرة وما من الله علیهم به من الفضائل. علم یقیناً
انهم خیر الخلق بعد الانبیاء، لا کان ولا یکون مثلهم. و انهم الصفوة
من قرون هذه الامة التی هی خیر الامم و اکرمها علی الله. (۱)

اہل سنت روافض کے طریقہ سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور انھیں گالی دیتے ہیں اور نواصب کے طریقہ سے بھی جو اپنے قول وعمل سے اہل سنت کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ اور صحابہ کے اختلاف کے سلسلے میں خاموش رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: ان کے مصائب کے سلسلے میں جو آثار مروی ہیں ان میں کچھ تو جھوٹ ہے کچھ وہ ہے جس میں کمی بیشی کردی گئی ہے اور بعض میں کچھ تبدیلی بھی۔ اور جو کچھ صحیح ہے اس بارے میں وہ معذور ہیں۔ وہ یا تو مبنی برحق مجتہدین ہیں یا مبنی برخطا۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ ہر صحابی کبیرہ وصغیرہ گناہ سے معصوم ہے۔ بلکہ مجموعی طور پر گناہ کا ارتکاب ممکن ہے لیکن ان کی نیکیاں اور ان کے فضائل ان کے گناہوں کی مغفرت کا باعث ہوں گے اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا۔ حتیٰ کہ ان کی وہ برائیاں بھی بخشی جائیں گی جو بعد میں آنے والوں کو میسر نہیں۔ اور حضور اکرم ﷺ کے ایک ارشاد سے ثابت ہے وہ خیر القرون ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی صدقہ کرے تو اس کا درجہ احد پہاڑ جتنے سونے سے بھی افضل ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو

۱- شرح العقیدہ الواسطیۃ، ۱۸۲-۱۸۳

بعد میں آنے والے ہیں۔ پھر ان میں سے کسی شخص سے گناہ کا صدور ہوا تو اس نے توبہ کرلی ہوگی یا اس کی اتنی نیکیاں ہوں گی کہ وہ اسے مٹادیں گی۔ یا اللہ اس کی پچھلی نیکیوں کی وجہ سے یا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے باعث، جس کے وہ تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں، بخش دی جائیں گی یا وہ دنیا میں کسی تکلیف میں مبتلا کردیا گیا ہوگا جس کے باعث اس کے گناہ مٹا دیے جائیں گے اگر واقعی گناہوں کا یہ معاملہ ہے تو ان امور کا کیا کہنا جو اجتہادی ہیں۔ چونکہ وہ مجتہدین تھے اس لیے ثواب کی صورت میں دو اجر اور خطا کی حالت میں ایک اجر اور خطا بھی معاف۔ پھر ان کے افعال میں سے وہ جو ناپسندیدہ ہے ان کے فضائل، محاسن، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اس کی راہ میں جہاد اور ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت و اعانت، نفع بخش علم اور عمل صالح کے مقابلے میں غیر اہم اور معمولی ہے جو شخص بھی علم و بصیرت کے ساتھ ان حضرات کی سیرت اور ان فضائل پر جو اللہ نے انھیں عطا کیے ہیں، نظر ڈالے گا تو اسے یقینی طور پر یہ معلوم ہوگا کہ یہ لوگ انبیاء کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں ان کی مانند نہ کوئی پہلے ہوا ہے نہ بعد میں ہوگا۔ یہ حضرات سب سے بہتر اس امت کی تاریخ کی چیدہ و پسندیدہ لوگ ہیں اور اللہ کے ہاں مکرم و محترم۔

امام رامہرمزیؒ نے براءؓ سے صحابہ کرامؓ کی صداقت پر جو روایت نقل کی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ صادقین کی جماعت تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

عن ابراهيم بن يوسف عن ابيه عن ابي اسحاق قال: سمعت البراء يقول: ليس كلنا يسمع حديث رسول الله كانت لنا ضيعة و اشغال، و لكن الناس لم يكونوا يكذبون يومئذ فيحدث الشاهد الغائب. (۱)

رامہرمزیؒ، ابراہیم بن یوسف سے وہ اپنے والد کے واسطہ سے ابو اسحٰق سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے براء کو کہتے سنا کہ ہم سب حضور اکرم ﷺ کی احادیث نہیں سنتے تھے۔ ہماری کھیتیاں اور زمینیں تھیں اور دیگر مصروفیات بھی، لیکن لوگ اس وقت جھوٹ نہیں بولتے تھے لہٰذا جو حاضر ہوتا وہ غیر موجود لوگوں کو حدیثیں سنادیتا۔

اس کی تصدیق طلحہ بن عبید اللہؓ اور عمر بن الخطابؓ کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ طلحہ بن عبید اللہؓ کہتے ہیں کہ ہم اہل و عیال بھیڑ بکری اور کام کاج والے لوگ تھے ہم دن کے پچھلے پہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں:

۱- المحدث الفاصل، ۲۳۵؛ الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، ۱۰/۱۱۷؛ مقدمة الكامل، ۱/ ۹۳

كنت أنا و جارلي من الأنصار في بني امية بن زيد (وهي من عوالي المدينه) و كنا نتناوب النزول على رسول اللهؐ و ينزل يوماً و انزل يوماً فاذا نزلت جئت بخبر ذلك اليوم من الوحي وغيره وإذا نَزل فعل مثل ذلك. (۱)

میں اور میرے انصاری پڑوسی نے جو بنی امیہ بن زید (عوالی مدینہ) کا رہنے والا تھا، نے باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک دن وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں رہے گا اور ایک دن میں رہوں گا۔ جب میں حضور کی خدمت میں ہوتا تو وحی وغیرہ سے متعلق تمام معلومات اس کو پہنچاتا اور اگر وہ موجود ہوتا تو وہ بھی اس طرح کرتا۔

صحابہ کرامؓ کی عدالت قطعی دلائل سے ثابت ہے اس لیے صحابہ کرامؓ کے بارے میں زبان درازی ہمیشہ ناپسندیدہ رہی ہے۔

امام المحدثین ابوزرعہ رازیؒ نے وضاحت سے کہا:

اذا رایت الرجل ينتقص احداً من اصحاب رسول الله ﷺ فاعلم انه زنديق، وذلك ان الرسول عندنا حق، والقرآن حق، و انما ادى الينا هذا القرآن والسنة الصحابة، وهؤلاء يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة. والجرح بهم اولىٰ وهم زنادقة. (۲)

جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ اصحاب رسول میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ ہمارے نزدیک رسول حق ہے اور قرآن حق ہے۔ اور قرآن وسنت کو ہم تک پہنچانے والے صحابہ ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ کتاب وسنت کو غلط ثابت کر سکیں۔ ان پر جرح کرنا زیادہ بہتر ہے اور یہ لوگ زنادقہ ہیں۔

ہم اس بحث کو عبداللہ بن مغفل کی روایت پر ختم کرتے ہیں:

قال: قال رسول الله ﷺ: الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن احبهم فبحبي احبهم و من ابغضهم فببغضي

۱۔ بخاری، الجامع، كتاب العلم، باب التناوب في العلم، ۱/۳۱

۲۔ الكفاية، ۴۹

ابغضهم، و من آذاهم فقد اذاني ، ومن آذاني فقد آذى الله و من آذى الله فيو شك ان يأخذه. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں محتاط رہو۔ میرے بعد انھیں نشانہ نہ بنانا سو جو شخص بھی ان سے محبت رکھے گا وہ مجھ سے محبت کی وجہ سے رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہوگا۔ جو انھیں اذیت پہنچائے گا وہ مجھے اذیت دے گا اور جو مجھے اذیت دے گا وہ اللہ کو اذیت دے گا۔ اور جو شخص اللہ کو اذیت دے گا تو اس کا امکان ہے کہ اللہ اس پر گرفت کرے۔

کتب تراجم صحابہ

صحابہ چونکہ حدیث رسول ﷺ کے ناقل ہیں اس لیے مسلمانوں کی علمی روایت میں انھیں بنیادی مقام حاصل ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:

وما أظن اهل دين من الاديان الا و علماء هم معتنون بمعرفة اصحاب انبياء هم لأنهم الواسطة بين النبي و بين امته. (۲)

میں نہیں سمجھتا کہ ادیان میں کسی دین کے ماننے والوں میں ان کے علماء نے اپنے انبیاء کے اصحاب کے ساتھ اس طرح اعتناء کیا ہو جس طرح مسلمان اہل علم نے کیا۔ کیونکہ یہ حضرات اور نبی اور اس کی امت کے درمیان واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بلاشبہ ابن عبدالبرؒ کی یہ رائے اہم ہے کسی مذہب کی علمی روایت میں نبی کے اصحاب کی زندگیوں اور ان کی علمی و دینی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات کو یکجا کرنے کا ایسا اہتمام نہیں کیا گیا۔ غیر مسلم دانشور مسلمانوں کی اس علمی روایت سے مرعوب ہیں۔ سپرینگر نے ابن حجرؒ کی کتاب ایڈیٹ کی تو اس کے مقدمہ میں لکھا: نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیات کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ (۳)

اس سلسلے میں بے شمار کتب تالیف ہوئیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

۱- ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فی سب اصحاب النبی ﷺ، ۵ / ۶۹۶؛ احمد بن حنبل؛ المسند، ۴ / ۸۷، الاصابة، ۱/ ۱۰

۲- الاستیعاب، ۱/ ۸-۹

۳- الاصابة کا کلکتہ سے مطبوعہ نسخہ کوشش کے باوجود نہ مل سکا اس لیے علامہ شبلی نعمانیؒ کی سیرۃ النبی سے حوالہ دیا جا رہا ہے۔ ۱/ ۴۰

۱۔الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب

اس کتاب کے مؤلف حافظ ابن عبدالبر ابوعمر یوسف بن عبداللہ النمر ی القرطبیؒ (م ۴۶۳ھ) ہیں۔اپنے وقت کے عظیم المرتبت محدث،فقیہ اور ماہر انساب تھے۔حافظ ذہبیؒ انہیں العلامۃ،حافظ المغرب،شیخ الاسلام ایسے القابات سے یاد کرتے ہیں(۱)

حمیدی کہتے ہیں:

ابو عمر فقیہ، حافظ مکثر،عالم بالقراء ات وبالخلاف،وبعلوم الحدیث والرجال(۲)

ابن خلکان کہتے ہیں:

امام عصرہ فی الحدیث والأثر وما یتعلق بھما(۳)

مختلف علوم وفنون بالخصوص علوم حدیث پر متعدد تالیفات ہیں۔ان میں سے ایک اہم تالیف الاستیعاب ہے۔ کتاب کی اہمیت وافادیت کا اہل علم نے اعتراف کیا۔ذہبیؒ کہتے ہیں:

جمع کتاباً جلیلاً مفیداً وھو الاستیعاب(۴)

حاجی خلیفہ کہتے ہیں:

کتاب جلیل القدر(۵)

ابن عبدالبرؒ مقدمہ کتاب میں کتاب کے مصادر،تالیف کا سبب اور منہج بیان کرتے ہیں۔کتاب کا آغاز آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات مبارکہ کے حالات (پیدائش تا وفات) سے کیا ہے۔کہتے ہیں:

ونقتصر من خبرہ و سیرتہ علی النکت التی یجب الوقوف علیھا، ولا یلیق بذی علم جھلھا...مختصراً ذلك أیضاً...ثم نتبعہ ذکر الصحابۃ رضی اللہ عنھم باباً علی حروف المعجم (۶)

آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کے حالات حروف معجم کی ترتیب پر بیان کرتے ہیں۔ترتیب میں نام کے پہلے

۱- سیر أعلام،۱۸/۱۵۳
۲- جذوۃ المقتبس،۳۶۷
۳- شذرات الذھب،۳/۳۱۵
۴- سیر أعلام،۱۸/ ۱۵۸
۵- کشف الظنون،۱/۸۱
۶- الاستیعاب(مقدمۃ)،۱/ ۱۳۲

حرف کا اعتبار کیا ہے۔ ازاں بعد ان صحابہ کرامؓ کا ذکر ہے جو کنیتوں سے جانے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان صحابیات کے تراجم ہیں جو اپنے ناموں سے معروف ہیں۔

ازاں بعد ان خواتین کا ذکر ہے جو کنیتوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ مشترک ناموں کو ایک باب میں بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی نام کا ایک ہی راوی ہو تو متعلقہ حرف کے آخر میں **باب الافراد** کے تحت بیان کرتے ہیں۔ تراجم میں بالعموم نام ونسب، کنیت، شیوخ وتلامذہ، غزوات میں شرکت کا ذکر کرتے ہیں۔ مترجم صحابی سے مروی حدیث ہو تو وہ بھی بیان کرتے ہیں۔ سن وفات اور بعض تراجم میں صاحب ترجمہ کی جائے تدفین کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ بعض واقعات کے سلسلے میں مختلف روایات کا ذکر کرتے ہیں اور ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں۔ بعض صحابہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بیان کرتے ہیں۔ مؤلف نے اپنی اس کتاب میں ان صحابہ کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے حالت ایمان میں صرف ایک بار ملاقات سے مشرف ہوئے۔ اور ان صحابہ کا تذکرہ بھی جو آپ ﷺ کی حین حیات پیدا ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ (۱)

کتاب تقریباً تین ہزار پانچ سو (۳۵۰۰) صحابہ کرامؓ کے تذکرہ پر مشتمل ہے، مؤلف نے یہ کتاب موضوع پر سابقہ مصادر سے استفادہ کر کے مرتب کی ہے۔ بعد میں آنے والے اہل علم مثلاً ابن الاثیرؒ نے **اسد الغابۃ** میں، ذہبی نے **تجرید اسماء الصحابۃ** اور ابن حجرؒ نے **الاصابۃ** میں اس کتاب سے استفادہ کیا۔ موضوع پر یہ کتاب مختصر ہے۔ کتاب پر نقد بھی کیا گیا ہے۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

لظنہ انہ استوعب ما فی کتب من قبلہ ومع ذلک وفاتہ شئی کثیر (۲)

مؤلف کا خیال ہے انھوں نے اپنی کتاب میں تمام صحابہ کا احاطہ کیا ہے حالانکہ انھوں نے بہت سے صحابہ کو چھوڑ دیا ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ نے اپنی تنقید میں کہا ہے کہ مشاجرات صحابہؓ میں ان کی رائے متوازن نہیں۔ علاوہ ازیں وہ معلومات کے لیے محدثین کی بجائے مؤرخین کی بیان کردہ حکایات وواقعات پر اعتبار کرتے ہیں اور محدثین، مؤرخین کی روایات سے مطمئن نہیں کیونکہ وہ روایات کو خلط ملط کر دیتے ہیں اور بعض واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ نقص نہ ہوتا تو یہ کتاب **احلاھا واکثرھا فوائد** (۳)

۱- الاستیعاب، ۱/۱۳۲

۲- الاصابۃ، ۱/۱۵۴: ابن عبد البر خود کہتے ہیں کہ تمام صحابہ کو کتاب میں شامل کرنے کا دعویٰ نہیں بلکہ کوشش کی ہے کہ حتی الامکان کوئی صحابی رہ نہ جائے وارجو ان یکون کتابی ھذا اکثر کتبھم تسمیۃ و اعظمھا فائدۃ، واقلھا مؤنۃ علی انی لا اذّعی الإدعی الإحاطۃ بل اعترف بالتقصیر الذی ھو الأغلب علی الناس. (الاستیعاب، ۱/۱۲۹)

۳- ابن الصلاح، ۲۹۲؛ عصر حاضر کے بعض مؤلفین نے بھی یہ اعتراض کیا ہے۔ مثلاً دیکھیے محمود طحان، اصول التخریج، ۱۷

تاہم یہ کتاب تذکرہ صحابہؓ پر ایک اہم مصدر کی حیثیت سے مسلم ہے۔ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کے مختصرات اور ذیول لکھے گئے۔ ابن عبدالبر کے ایک عدنی معاصر ابو اسحاق بن الأمین نے ایک ذیل مرتب کیا۔(۱) قاضی عیاض کے شیخ ابوبکر محمد بن ابی القاسم خلف بن سلیمان ابن فتحون اندلسی (م۵۱۹ھ) نے بھی ایک ذیل مرتب کیا۔ بقول کتانی ابن فتحون نے اس میں کچھ ایسے رواۃ کا اضافہ کیا جو ابن عبدالبر کی شرط پر پورے اترتے ہیں۔

کتانی کہتے ہیں:

هو ذيل حافل احسن من ذيل من قبله (۲)

ابن فتحون نے الاستیعاب ہی سے متعلق ایک اور کتاب التنبیه علی النقص فی الأصحاب الواقع فی کتاب الاستیعاب تحریر کی۔(۳) ابن الدوانقی ابوالحجاج یوسف بن محمد الجماھری التنوخی (م۵۵۸ھ) نے الإرتجال فی اسماء الرجال کے عنوان سے ایک ذیل تیار کیا۔ بقول کتانی ابن الدوانقی نے اس میں کچھ اضافے بھی کیے۔(۴) محمد بن یعقوب بن محمد الخلیلی نے اعلام الاصابة بأعلام الصحابة فی مختصر الإستیعاب کے عنوان سے اختصار لکھا۔(۵) شہاب الدین احمد بن یوسف بن ابراہیم الاذرعی المالکی نے ایک اختصار روضة الاحباب کے عنوان سے لکھا۔(۶) اور اس کی تہذیب ابن ابی طی یحیی بن حمیدہ الحلبی (م۶۳۰ھ) نے کی۔(۷) محمد بن عبدالواحد الغافقی الغرناطی (م۶۱۹ھ) نے بھی ایک ذیل مرتب کیا۔(۸) محمد بن محمد بن علی الطرابلسی (م۱۱۷۷ھ) نے ایک اختصار الشموس المضیة کے نام سے مرتب کیا۔(۹) ایک اختصار عبدالروف مناوی (م۱۰۳۱ھ) کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔(۱۰)

عالم عرب میں متعدد طبعات شائع ہو چکے ہیں۔ عموماً الإصابة کے حاشیے پر کتاب چھپتی رہی۔ ہمارے سامنے وہ طبع ہے جو اہل علم کی ایک جماعت نے تحقیق سے تیار کیا ہے۔ مفید حواشی و تعلیقات بھی ہیں۔ مکتبہ دارالباز، مکہ المکرمہ نے ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔

۱- الرسالة،۱۶۵؛ کشف الظنون، ۸۱/۱
۲- کشف الظنون، ۸۱/۱؛ الرسالة،۱۶۵
۳- ایضاً، ۱۶۶
۴- ایضاً، ۱۶۶
۵- ایضاً، ۱۶۵
۶- ایضاً، ۱۶۵؛ کشف الظنون، ۸۱/۱
۷- کشف الظنون،۸۱/۱؛ الرسالة،۱۶۵
۸- کشف الظنون،۸۱/۱؛ الرسالة،۱۶۶
۹- الفهرس الشامل، ۱۰۳۴/۲
۱۰- ایضاً، ۱۳۹۸/۳

۲۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ

کتاب کے مولف امام حافظ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد الجزری معروف بابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) ہیں۔ اہل علم نے ان کی علمی جلالت وشان کا اعتراف کیا ہے۔ امام ذہبی نے انہیں العلامة المحدث الادیب النسابة کے القابات سے نوازا۔(۱) عمادالدین الحنبلی ان کے تبحر علمی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کان اماماً نسابة مئورخاً اخباریا ادیباً نبیلاً محتشما (۲) مفید کتب تالیف کیں جن میں ایک اسد الغابة ہے۔ تراجم صحابہ کرامؓ پر لکھی گئی کتب میں اہم اور مفید تالیف شمار ہوتی ہے۔ عمادالدین کہتے ہیں:

> صنف کتاباً حافلاً فی معرفة الصحابة جمع فیه بین کتاب ابن مندة و کتاب ابی نعیم و کتاب ابن عبدالبر و کتاب أبی موسی وزاد و أفاد۔(۳)

ذہبیؒ تجرید میں کہتے ہیں:

> کتابه نفیس مستقص لاسماء الصحابة الذین ذکروا فی الکتب الاربعة المصنفة فی معرفة الصحابة (۴)

نوویؒ فرماتے ہیں:

> وقد جمع الشیخ عز الدین ابن الاثیر الجزری فی الصحابة کتاباً حسناً جمع کتباً کثیرة و ضبط و حقق اشیاء حسنة وقد اختصرته۔ (۵)

ایک معاصر عالم حدیث ابوسنہ عبدالفتاح اسد الغابة کی تقدیم میں فرماتے ہیں:

> فهو کتاب عمدة فی کتب التراجم یعتمد علیه کثیر ممن یؤرخون لرجال الاسلام و یرجع الیه کل من اراد أن یکتب عن الصحابة، ووثقه کل من نقلوا عنه(۶)

کتاب کی ابتدا میں ایک سو دو صفحات پر مشتمل محققین کا مقدمہ ہے اس کے بعد مولفِ کتاب کا مقدمہ ہے

۱- سیر اعلام، ۲۱/۳۵۳

۲- شذرات الذهب، ۵/۱۳۷

۳- ایضاً ۵/۱۳۷

۴- کشف الظنون، ۱/۸۲

۵- التقریب، ۳۴

۶- اسد الغابة، ۱/۷

جس میں انھوں نے کتاب کی تالیف کا سبب، منہج اور اس کے امتیازات پر روشنی ڈالی ہے۔

مؤلف وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ تراجم صحابہ پر لکھی گئی کتب میں بعض واقعات وحالات ونسب وغیرہ کے بارے میں متفق علیہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔ لہٰذا انھوں نے اس بات پر مجھے آمادہ کیا کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جو ماقبل کتب کی جامع ہو اور جس میں اختلافی روایات کی تحقیق کے بعد درست اور صحیح روایت کا تعین کیا جائے۔(۱) مولف نے محدثین کی خواہش کے پیش نظر اس کتاب کی تالیف کی اور اس میں مذکورۃ الصدر چار کتب کو بطور خاص اسد الغابة کی تالیف کے وقت مد نظر رکھا، مفید اضافے کیے، روایات کی تحقیق کی اور یہ اہم تصنیف مرتب کی۔(۲) انھوں نے اپنے عہد تک کے تمام مصادر کتب صحابہ سے استفادہ کرتے ہوئے سات ہزار پانچ سو (۷۵۰۰) صحابہ کرامؓ کے تراجم و حالات رقم کیے۔ کتاب کی ترتیب کے بارے میں لکھتے ہیں:

واما ترتيبه ووضعه فانني جعلته على حروف الف، ب، ت، ث، لزمت في الاسم الحرف الأول والثاني والثالث و كذلك الى آخر الاسم وكذلك في اسم الأب و الجد و من بعد هما والقبائل ايضاً (۳)

ابن الاثیرؒ نے دقت نظر سے صحابہ کرامؓ کے تراجم کو جمع کیا ہے اور صحابہ کے اپنے ناموں کے علاوہ آباء واجداد کے نام میں بھی حروف تہجی کی ترتیب کا التزام کر کے اس سے استفادہ آسان بنا دیا ہے۔ مؤلف نے ناموں کو اس ترتیب پر مرتب کیا ہے جس طرح وہ بولے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

و اذكر الاسماء على صورها التي ينطق بها لا على اصولها، مثل أحمر أذكره في الهمزة ولا أذكره في الحاء (۴)

ابن الاثیرؒ اپنی کتاب میں ان صحابہ کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا یا ملاقات کی۔ کہتے ہیں کہ بعض مؤلفین نے ایسے حضرات کو بھی شامل کر لیا جنہوں نے آپ کی رؤیت نہیں کی۔ جبکہ ایسے بے شمار حضرات کو چھوڑ دیا جو آپ کی حیات مبارکہ میں موجود تھے۔ کہتے ہیں کہ اس اصول کی بنیاد پر ان کو بھی صحابہ کی فہرست میں شامل کرنا چاہیے تھا۔(۵)

۱- اسد الغابة، ۱/۱۱۰-۱۱۱

۲- ایضاً، ۱/۱۱۱-۱۱۲

۳- ایضاً، ۱/۱۱۲

۴- ایضاً، ۱/۱۱۳

۵- ایضاً، ۱/۱۱۴

صحابہ کے ناموں کو ضبط کیا ہے تاکہ متشابہ ناموں میں التباس نہ ہو۔ احادیث میں وارد غریب الفاظ کی تشریح بھی کرتے ہیں۔(۱)

اسد الغابۃ کی ترتیب الاستیعاب سے زیادہ وقیع اور جامع ہے۔ تاہم حافظ ابن حجرؒ کا کہنا ہے:

الّا انہ تبع من قبلہ فخلط من لیس صحابیاً بھم، واغفل کثیراً من التنبیہ علی کثیر من الاوھام الواقعۃ فی کتبھم (۲)

انھوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کا تتبع کیا لہٰذا کئی غیر صحابہ کو صحابہ سے مخلط کر دیا اور ان مصنفین کی کتابوں میں واقع بہت سے اوہام سے بھی صرف نظر کیا۔

ابن الاثیرؒ نے کتاب میں پہلے ان صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے ناموں سے معروف ہیں اس کے بعد ان صحابہ کا ذکر ہے جو کنیتوں سے معروف ہیں۔ آخر میں ان صحابیات کا ذکر ہے جو اپنے ناموں سے پہچانی جاتی ہیں اور اس کے بعد ان صحابیات کے تراجم ہیں جو کنیتوں سے معروف ہیں۔ غیر منسوب ناموں کو حرف کے آخر میں رکھا ہے۔ مثلاً زید جس کی نسبت مجہول ہے تو اس کو زید نامی رواۃ کے تراجم کے آخر میں بیان کیا ہے۔(۳)

اہل علم نے کتاب کی خدمت کی، اس کے اختصارات لکھے گئے۔ علامہ ذہبی نے کتاب کا خلاصہ تجرید اسماء الصحابۃ کے نام سے تالیف کیا۔(۴) ابوزکریا المقدسی نے بھی درر الاثار و غرر الاخبار کے عنوان سے اختصار کیا۔(۵) امام نوویؒ نے بھی التقریب میں اپنے ایک اختصار کا ذکر کیا ہے۔(۶) محمد بن محمد بن علی النحوی الکاشفی/الکاشغری (م ۷۰۵ھ) نے بھی ایک اختصار تالیف کیا۔(۷)

کتاب کے متعدد طبعات شائع ہو چکے ہیں۔ غالباً قریب ترین طبعہ وہ ہے جو الشیخ علی محمد معوض نے بعض اجل علماء کی معیت میں مفید تعلیقات و حواشی کے ساتھ مرتب کیا۔ یہ دار الکتب العلمیہ، بیروت سے ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔

۳۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ

کتاب کے مولف حافظ عصر، احمد بن علی بن حجرؒ العسقلانی المصری (م ۸۵۲ھ) ہیں۔ علوم دینیہ بالخصوص علوم

۱- اسد الغابۃ، ۱/۱۱۳

۲- الإصابۃ، ۱/۱۵۴

۳- اسد الغابۃ، ۱/۱۱۲

۴- کشف الظنون، ۱/۳۵۱، ۸۲

۵- ایضاً، ۱/۸۲

۶- التقریب، ۳۴

۷- کشف الظنون، ۱/۸۲

حدیث پر مہارت تامہ حاصل تھی۔(۱) اہل علم نے ان کی عظمت اور جلالت علمی کا اعتراف کیا ہے۔عماد الدین الحنبلی نے انہیں علم الاعلام، امیر المومنین فی الحدیث، حافظ العصر ایسے عظیم القابات سے نوازا ہے۔آگے چل کر کہتے ہیں:

انتهى اليه معرفة الرجال واستحضارهم و معرفة العالى والنازل و علل الحديث و غيرذلك و صار هو المعول عليه فى هذا الشأن فى سائر الاقطار (۲)

ابن حجرؒ نے متعدد مفید اور نافع کتب تالیف کیں جن میں بخاری کی الجامع الصحیح کی ضخیم شرح فتح الباری ہے۔رجال پر متعدد تالیفات ہیں جن میں لسان المیزان اور تبصیر المنتبه بیش قیمت ہیں۔حاجی خلیفہ کتاب کی جامعیت کے بارے میں کہتے ہیں:

جمع فيه مافى الاستيعاب و ذيولاته و اسدالغابة واستدرك عليهم كثيراً (۳)

کتاب کے آغاز میں محققین کا طویل مقدمہ ہے۔ازاں بعد مولف کا مقدمہ ہے جس میں وہ صحابہ کے حالات پر لکھنے والوں کا ذکر کرتے ہیں اور صحابہ کرامؓ سے متعلقہ بحوث، مثلاً صحابی ہونے کی شروط اور ان کی عدالت وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔نیز کتاب میں اپنے منہج کو بھی بیان کیا ہے۔(۴) مختلف مقامات کا استقصاء کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ کچھ معلومات وہ باب المبہمات/باب الکنی میں بیان کرنا چاہتے تھے لیکن لوگوں کے اصرار پر تکمیل سے پہلے مسودہ شائع کرنا پڑا۔(۵) حاجی خلیفہ کا بیان ہے:

...لكنه مات قبل عمل المبهمات (۶)

حافظ ابن حجر نے موضوع پر لکھی گئی تمام کتب کی معلومات کو جمع کر دیا۔صحابہ کے حالات جمع کرتے وقت کتب حدیث، تاریخ الرواۃ اور کتب سیر و مغازی کی روشنی میں تحقیق کرنے کے بعد حالات لکھے اور ان صحابہ کرامؓ کو بھی شامل کیا جو متقدمین مصنفین سے رہ گئے تھے۔

یہ کتاب انھوں نے چالیس سال کی محنت شاقہ کے بعد مرتب کی۔کتاب کی ترتیب کے بارے میں کہتے ہیں:

۱- الضوء اللامع، ۲/۳۷ ۲- شذرات، ۷/۲۷۰، ۲۷۱

۳- کشف الظنون، ۱/۱۰۶؛ الرسالة، ۱۲۲؛ السید قاسم المصباح میں کہتے ہیں اکثر من الجمع و التحریر، ۲۲۷

۴- الاصابة، ۱/۱۵۸-۱۲۹

۵- تفصیل کے لیے دیکھیے الاصابة، مقدمة المحقق، ۱/۲۳-۱۲۴

۶- کشف الظنون، ۱/۱۰۶؛ الرسالة، ۱۲۲

رتبته على اربعة اقسام فی کل حرف منه (۱)

کتاب کو حروف معجم پر مرتب کیا اور ہر حرف کو چار اقسام میں تقسیم کیا یعنی وہ تراجم جو حرف الف سے شروع ہوتے تھے ان کو چار قسموں میں رکھا اور یہی طریقہ آخری حرف تک جاری رکھا۔

پہلی قسم میں ان صحابہ کو شامل کیا جن کے صحابی ہونے کی وضاحت موجود ہو خواہ یہ وضاحت خود صحابی کی طرف سے ہو یا کسی اور نے وضاحت کی ہو۔

دوسری قسم صحابہ کرامؓ کے بچوں کے بارے میں ہے جو آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے اور آپ کے وصال کے وقت وہ عمر کے چھوٹے تھے۔ اس مفروضے پر کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرور زیارت کی ہوگی کیونکہ صحابہ کرامؓ بالعموم اپنے بچوں کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں دعا کے لیے یا نام تجویز کرنے کے لیے لاتے تھے۔

تیسری قسم میں مخضرمین کے تراجم شامل ہیں جنہوں نے اسلام اور جاہلیت دونوں زمانے پائے۔ آپ ﷺ سے ملاقات ثابت ہونے کے بارے میں کوئی روایت بھی ملے تو یہ بالاتفاق صحابی نہیں، اگرچہ بعض مؤلفین نے ان کو کتب معرفۃ الصحابہ میں قرب طبقہ کی وجہ سے شامل کیا ہے۔

چوتھی قسم ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کو غلطی اور وہم کی بنا پر صحابہ کرامؓ میں شامل کرلیا گیا ہے۔

کتاب کو حروف تہجی کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ اور دادا کے ناموں میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ سب سے پہلے مرد صحابہ کا ذکر کیا اور ان کے بعد ان صحابہ کا جو کنیتوں سے معروف ہیں۔ اس کے بعد ان صحابیات کا جو اپنے ناموں سے معروف ہیں، اور پھر ان کا جو اپنی کنیت سے پہچانی جاتی ہیں۔

ابن حجر تراجم بیان کرتے ہوئے راوی کا نام ونسب، کنیت، لقب اور مشہور نسبت بیان کرتے ہیں۔ موقعہ محل کی مناسبت سے ہجرت، غزوات میں شرکت، کوئی اہم خدمت اور سن وفات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اگر صحابی کی روایت کتب ستہ میں سے کسی کتاب میں ہے تو اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ مشکل اسماء کو ضبط کیا ہے۔

ابن حجر نے تراجم بیان کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا ہے کیونکہ ان کا بنیادی مقصد صحابہ کرامؓ کی صحبت یا عدم صحبت کی تعیین کرنا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں:

هذا زبدة ما یمخصه من هذا الفن اللبیب الماهر، وقد وقع فیه التنبیه علی عجائب یستغرب وقوع مثلها (۲)

۱- الاصابة، مقدمة المؤلف، ۱/۱۵۵- ۱۵۷

۲- ایضاً، ۱/۱۵۷

یہ وہ مکھن ہے جو ایک ذہین اور ماہر شخص اس فن سے حاصل کرے گا اور ایسے عجائب سے آگاہی ہوگی جس کا واقع ہونا عجیب لگے گا۔

اس کتاب میں بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) سے زیادہ رواۃ کے حالات محفوظ کر دیے گئے ہیں۔(۱)

امام سیوطی نے کتاب کا اختصار بعنوان عین الاصابۃ تحریر کیا۔(۲)

سب سے پہلے جرمن مستشرق سپرنگر کی کوششوں سے یہ کتاب لکھنو سے شائع ہوئی، اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہمارے سامنے دارالکتب العلمیہ، بیروت کا ایڈیشن ہے جسے اہل علم کی ایک جماعت نے مع مفید حواشی شائع کیا۔

۴ حیاۃ الصحابۃ

اس کتاب کے مولف مشہور ہندوستانی محدث اور داعی شیخ محمد یوسف کاندھلوی (م۱۳۸۴ھ) ہیں۔

یہ کتاب سابقہ کتابوں کی طرح محض تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس میں سیرت صحابہ کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہ حضرات علم، عمل، دین اور تقویٰ کی ایک روشن مثال تھے۔ کتاب کو ابواب پر مرتب کیا ہے مثلاً:

تحمل الشدائد فی اللہ، باب الهجرة ، باب الجهاد وغیرہ.

یہ کتاب ایک داعی کے لیے بہترین سامان ہے۔ صحابہ کی زندگیوں کی اعلیٰ مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۱- دیکھیے: محمود الطحان، اصول التخریج و دراسة الأسانید، ۱۷۲-۱۷۳

۲- کشف الظنون، ۱/۱۰۶؛ الرسالة، ۱۲۲

تابعین عظام

تابعی کی تعریف

تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا۔ ان سے ملاقات ہوئی یا ان سے اکتساب فیض کیا اور ان سے احادیث روایت کیں۔ صحابہ کرامؓ کے بعد یہی وہ گروہ ہے جو علوم نبوت کو آگے پہنچانے والا ہے۔ چونکہ ان کا تعلق قرون مشہود لھا سے ہے اس لیے علم حدیث میں ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ صحابہ کے بعد یہی وہ عظیم الشان لوگ ہیں جنہوں نے روایت حدیث کی شمع کو روشن کیا۔

خطیب بغدادیؒ تابعی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: التابعی من صحب صحابیاً (۱) یعنی تابعی وہ ہے جس کو صحابی کی رفاقت حاصل ہو۔ ان کے نزدیک مجرد ملاقات کافی نہیں حالانکہ صحابی کے بارے میں مطلق ملاقات کو کافی تصور کیا گیا ہے، کیونکہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا، ان کی بات سننا یا ان کے پاس بیٹھنا بہت بڑی سعادت تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کا تزکیہ نفوس اور اصلاح قلوب کے سلسلے میں جو خصوصی اثر تھا وہ رؤیت اور اجتماع میں بھی ظاہر ہو جاتا تھا۔ جب کہ صحابی کے بارے میں ضروری ہے کہ اس کی صحبت میں وقت گذارا جائے۔ اکثر محدثین کی رائے کے مطابق: ان التابعی من لقی واحداً من الصحابة فاکثر (۲) بلاشبہ تابعی وہ ہے جس نے صحابہ میں سے ایک یا زیادہ کو دیکھا ہو۔

امام نوویؒ کہتے ہیں: وقیل من لقیه وھو الأظھر (۳) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تابعی وہ ہے جو صحابی سے ملا ہو اور یہی زیادہ ظاہر بات ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

ھو من لقی الصحابی کذلك و ھذا متعلق باللقی و ما ذکر معه الا قیدالایمان به فذلك خاص با لنبی صلی اللہ علیه و آله وسلم و ھذا ھو المختار، خلافاً لمن اشترط فی التابعی طول الملازمة او صحة السماع او التمییز (۴)

۱- ابن الصلاح، ۳۰۲؛ تدریب الراوی، ۲/ ۲۰۶

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۵۷

۳- تدریب الراوی، ۲/ ۲۰۶

۴- نزھة النظر، ۵۸

ان کے نزدیک طویل صحبت شرط نہیں اسی لیے مسلم اور ابن حبان نے سلیمان بن مہران، اور الاعمش (م ۱۴۸ھ) کو تابعی قرار دیا ہے۔

قال ابن حبان: اخرجناه فی هذه الطبقة لأن له لقیا و حفظاً رأی انس بن مالك و ان لم یصح له سماع المسندعنه. (۱)

ابن حبان کہتے ہیں کہ ہم نے ان کا ذکر اس طبقہ میں کیا ہے کیونکہ ان کی ملاقات اور حفظ ثابت ہے۔ انھوں نے انس بن مالکؓ کو دیکھا اگر چہ ان سے سماع ثابت نہیں۔

اسی طرح حافظ عبدالغنی بن سعید کے نزدیک یحییٰ بن ابی کثیر (م ۱۲۹ھ) تابعی ہیں، کیونکہ وہ انسؓ سے ملے ہیں۔ ابن حبان نے یہ شرط لگائی ہے کہ تابعی نے اچھی عمر میں صحابہ کو دیکھا ہو کیونکہ چھوٹی عمر میں سننا اور محفوظ رکھنا ممکن نہیں۔ عراقی نے کہا کہ ابن حبان نے جو مسلک اختیار کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابی کے لیے یہ شرط ہے کہ اس نے بلوغت کے بعد زیارت کی ہو اور نبی کریم نے صحابی اور تابعی کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا:

طوبی لمن رآنی و آمن بی و طوبی لمن رأی من رآنی (۲)

خوش بخت ہے وہ شخص جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس آدمی کو بھی سعادت حاصل ہے جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔

امام حاکمؒ نے تابعی کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

وهو من شافه اصحاب رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم (۳)

تابعی وہ ہے جس نے اصحاب رسول ﷺ سے بات کی ہو۔

امام حاکمؒ کی تعریف اس لیے بہتر ہے کہ اس میں صحابی سے اخذ کرنے کا پہلو نکلتا ہے جو محدثین کے ہاں اتصال سند کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ محض ملاقات بابرکت ہے اور ایک شرف و اعزاز ہے لیکن گفتگو کرنا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ ڈاکٹر صبحی صالح نے کہا: من لقی صحابیاً مؤمناً بالنبی و مات علی الایمان (۴) تابعی وہ ہے جو کسی صحابی سے اس حالت میں ملا ہو کہ وہ مؤمن ہو اور اس کی موت بھی اس حالت میں واقع ہوئی ہو کہ وہ ایمان والا ہو۔

فضائل تابعین

تابعین نے صحابہ کے علم کو آگے پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ ہی وہ لوگ تھے جو ان سے دعوت اسلامی کو

۱- تدریب الراوی، ۲ / ۲۰۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۵۷

۲- حاکم، مستدرک، کتاب معرفة الصحابة، ۳ / ۸۶؛ تدریب الراوی، ۲ / ۲۰۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۵۷-۳۵۸

۳- معرفة علوم الحدیث، ۴۲

۴- علوم الحدیث و مصطلحه، ۳۵۷

لے کر آگے بڑھے۔ صحابہ کے بعد ان ہی کا مرتبہ ہے اور ان ہی کو فضیلت حاصل ہے۔
قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی تابعین کی مدح وستائش کا پہلو نکلتا ہے۔

والسابقون الأولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم و رضوا عنه (۱)

اور مہاجرین انصار میں سے سابقین اولین اور وہ (تابعین) جو بھلائی کرنے میں ان کے بعد تھے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

احادیث میں تابعین کی حیثیت کے بارے میں واضح اشارات ملتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خير امتى القرن الذين يلونى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (۲)

میری امت میں اس زمانے کے لوگ (صحابہ) بہتر ہیں جو مجھ سے ملے پھر وہ لوگ (یعنی تابعین) جو ان سے ملے ہوئے ہیں پھر وہ لوگ (تبع تابعین) جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔

ایک اور روایت میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

خير الناس قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (۳)

سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ (یعنی صحابہ کرام) ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ جو ان سے متصل ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

ان ہی زمانوں کی خیر و برکت کے متعلق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ الفاظ بھی بیان کیے گئے ہیں:

يأتى على الناس زمان يغزو امن الناس فيقال لهم فيكم من رأى رسول الله فيقولون نعم فيفتح لهم ثم يغزو. فقام من الناس فيقال لهم فيكم من رأى من صحب رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم فيقولون نعم فيفتح لهم... (۴)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک جماعت جہاد کرے گی۔ اس سے پوچھا جائے گا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو؟ وہ لوگ کہیں گے کہ ہاں۔

۱- التوبۃ / ۱۰۰

۲- مسلم، الجامع، کتاب الفضائل، باب فضائل الصحابة، ۷ / ۱۸۴-۱۸۵؛ بخاری، الجامع، کتاب الانبیاء، باب فضائل اصحاب النبی، ۴ / ۱۸۹

۳- ایضاً، ۷ / ۱۸۴؛ ایضاً، ۴/۱۸۹؛ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ما جاء فی القرن الثالث، ۴ / ۵۰

۴- مسلم، الجامع، کتاب الفضائل، باب فضائل الصحابة، ۷ / ۱۸۴؛ بخاری، کتاب الانبیاء، باب فضائل اصحاب النبی، ۴/۱۸۸-۱۸۹

ان کی برکت سے ان کو فتح دی جائے گی پھر ایک جماعت جہاد کرے گی۔ان سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی ہے جس نے اس کو دیکھا ہو جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا۔اس پر وہ کہیں گے ہاں۔تو (ان کی برکت سے) فتح دی جائے گی۔

طبقات التابعین

نبی کریم ﷺ کے اس دار فانی سے رخصت ہونے کے وقت ایک لاکھ سے زیادہ ایسے شخص تھے جنھوں نے آپ ﷺ کی زیارت کی تھی۔یہ لوگ تمام اطراف میں پھیل گئے تو ایسے لوگوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا جنھوں نے ان صحابہ کرامؓ کو دیکھا، سنا ملاقات کی یا ان سے استفادہ کیا۔اہل علم نے تابعین کو طبقات میں تقسیم کیا ہے۔امام حاکم نے تابعین کو پندرہ طبقات میں تقسیم کیا اور ان میں سے صرف تین طبقات کا ذکر کیا ہے۔(۱) افضل التابعین کے سلسلے میں مختلف روایات ہیں اور طویل کلام کیا گیا ہے۔(۲) ہر شہر کے لوگوں نے تابعین میں سے اپنے امام کو افضل قرار دیا ہے۔اکثر علماء نے سعید بن المسیبؒ کو افضل قرار دیا ہے۔(۳) جب کہ بعض لوگوں نے اویس قرنیؒ کو افضل بتایا ہے۔(۴) حافظ عراقیؒ کہتے ہیں:

> الصحیح بل الصواب... لماروی مسلم فی صحیحہ من حدیث عمر بن الخطابؓ قال:سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: ان خیر التابعین رجل یقال لہ اویس. (۵)
>
> یہ بات درست بلکہ بہت درست ہے اس لیے امام مسلم نے اپنی الصحیح میں عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: تابعین میں اچھا وہ شخص ہے جسے اویسؒ کہا جاتا ہے۔

خواتین تابعین میں سرکردہ حفصہ بنت سیرینؒ (م ۱۰۰ھ) عمرۃ بنت عبدالرحمٰنؒ (م قبل ۱۰۰ھ) اور ام الدرداءؓ (م ۸۰ھ) ہیں۔(۶)

احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) سے منقول ہے افضل التابعین ابن المسیب ہیں کسی نے ان سے کہا کہ علقمہ اور اسود کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو کہا ھو وھما یعنی وہ بھی اور یہ دونوں بھی۔ان ہی سے مروی ہے کہ تابعین

۱- حاکم، معرفۃ علوم الحدیث، ۴۲

۲- علوم الحدیث و مصطلحہ، ۳۵۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۵۹-۳۶۱

۳- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۵۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۱۴۰

۴- فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۱۴۱

۵- مسلم، الجامع، کتاب الفضائل، باب فضیلۃ اویس، ۷/ ۱۸۸-۱۸۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۶۰

۶- تدریب، ۴۲۲؛ مقدمۃ ابن الصلاح، ۳۰۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۱۴۳-۱۴۳

میں سے ابوعثمان النہدی اور قیس جیسا کسی اور کو نہیں جانتے۔(۱) اکابر تابعین میں فقہاء سبعہ کو شمار کیا گیا ہے۔ سعید بن المسیب (م ۹۰ھ) خارجہ بن زید (م ۱۰۰ھ) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن (م ۹۴ھ) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ (م ۹۴ھ)، سلیمان بن الیسار (م ۱۰۰ھ کے بعد)، کوفہ میں علقمہ بن قیس النخعی (م بعد ۶۰ھ) مسروق بن الاجدع (م ۶۲ھ) بصرہ میں حسن بصری (م ۱۱۰ھ)، محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) شام میں ابوادریس الخولانی (م ۸۰ھ)، قبیصہ بن ذؤیب الخزاعی (م ۸۰ھ)، مصر میں یزید بن حبیب (م ۱۲۸ھ)، بکیر بن عبداللہ الاشج۔(۲) وغیرہم

امام حاکم کے نزدیک سب سے مقدم وہ ہیں جو عشرہ مبشرہ سے ملے اور استفادہ کیا جیسے قیس بن حازم، انھوں نے عشرہ مبشرہ سے سماع کیا اور ان سے روایت بھی کی۔ تابعین میں غالباً ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے جس نے ان حضرات سے روایت کی ہو۔ حاکم نے سعید بن المسیب کا ذکر کیا لیکن ابن الصلاح نے اس کی تردید کی ہے۔ امام نوویؒ کہتے ہیں:

وغلط فی ابن المسیب فانه ولد فی خلافة عمر و لم یسمع اکثر العشرة (۳)

ابن المسیب کے بارے میں ان سے غلطی ہوئی ہے اس لیے کہ ان کی پیدائش سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوئی اس لیے عشرہ مبشرہ میں سے اکثر حضرات سے ان کا سماع ثابت نہیں۔

امام حاکم آخری طبقہ میں ان کو شمار کرتے ہیں اہل بصرہ میں جنہوں نے انس بن مالک کو دیکھا۔ کوفہ میں عبداللہ بن ابی اوفی (م ۸۸ھ) اہل مدینہ سے سائب بن یزید (م ۹۰ھ) اہل مصر میں سے عبداللہ بن حارث (م ۴۴ھ) اور اہل شام سے ابوامامہ الباہلی (م ۸۶ھ) کو۔(۴) اس آخری طبقے سے امام ابوحنیفہؒ کا بھی تعلق ہے کیونکہ آپ کی ملاقات صحابہ میں سے عبداللہ بن انیس (م ۸۰ھ)، عبداللہ بن جزء الزبیدی، انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ اور عائشہ بنت عجردؓ سے بھی ہوئی ہے اور ان سے آپ نے روایت بھی کی ہے۔

بعض علماء نے تابعین کے تین طبقے قرار دیے ہیں۔ کبار التابعین جنہوں نے کبار صحابہ سے روایت کی۔ متوسط التابعین جنہوں نے کبار تابعین کا دور دیکھا اور صحابہ و تابعین سے روایت کی۔ صغار التابعین جنہوں نے ان صغار صحابہ کا عہد دیکھا جن کی عمریں بڑی تھیں اور یہ لوگ کم عمر تھے۔(۵)

امام حاکم نے ان کے علاوہ اور بھی صحابہ کا ذکر کیا ہے جو دوسرے شہروں میں رہتے تھے۔(۶) خلف بن خلیفہ (م ۱۸۱ھ) کو آخری تابعی تصور کیا جاتا ہے کیونکہ موصوف نے آخری صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ سے مکہ

۱- تدریب، ۴۲۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۶۰؛ مقدمة ابن الصلاح، ۳۰۵

۲- المختصر فی علم رجال الاثر، ۴۱

۳- تدریب، ۴۱۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۵۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۱۵۹۔

۴- معرفة علوم الحدیث، ۴۲ - ۴۳

۵- مسئله العلو والنزول لابن طاهر المقدسی، ق ۷ آ بحواله منهج النقد فی علوم الحدیث، ۱۴۸

۶- معرفة علوم الحدیث، ۴۳

میں ملاقات کی تھی۔(۱) اس لیے کہا گیا ہے کہ تابعین کا عہد ۱۸۱ھ میں ختم ہو گیا تھا۔علماء نے افضل التابعین کے سلسلے میں طویل کلام کیا ہے۔(۲) ابن سعد نے طبقات میں چند مرکزی شہروں کے جن تابعین کے حالات درج کیے ہیں ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔(۳) مدینہ منورہ چار سو چوراسی (۴۸۴)، مکہ میں ایک سو اکتیس (۱۳۱)، کوفہ چار سو تیرہ (۴۱۳)، بصرہ میں ایک سو چونسٹھ (۱۶۴)۔ان میں سے جن اکابر تابعین نے حدیث کے علم کو حاصل کرنے محفوظ کرنے اور آگے پہنچانے کا سب سے بڑھ کر اہتمام کیا ہے ان کی مختصر فہرست حسب ذیل ہے۔سعید بن المسیب (۱۳ھ-۹۳ھ) حسن بصری (۲۱ھ-۱۱۰ھ)، ابن سیرین (۲۳ھ-۱۱۰ھ)، عروہ بن الزبیر (۲۲ھ-۹۴ھ) سیرت رسول کے پہلے مؤلف۔علی بن حسین (۳۸-۹۴ھ)، مجاہد (۲۱ھ-۱۰۴ھ)، قاضی شریح م ۷۸ھ، قاسم بن محمد بن ابی بکر (۳۷ھ-۱۰۶ھ)، مسروق، ۶۲ھ (ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں مدینہ آئے، اسود بن یزید (م ۷۵ھ)، مکحول الشامی (۱۱۲ھ)، رجاء ابن حیوۃ (م ۱۱۳ھ)، ہمام بن منبہ (۴۰ھ-۱۳۱ھ، شاگرد ابو ہریرہؓ جنہوں نے احادیث کا مجموعہ مرتب کیا جو صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔) سالم بن عبداللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ)، نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر (م ۱۱۷ھ)، سعید بن جبیر (۴۵ھ-۹۵ھ)، سلیمان بن الاعمش (۶۱ھ-۱۴۸ھ)، ابن شہاب زہری (۵۸ھ-۱۲۴ھ، احادیث کا بڑا ذخیرہ مرتب کیا)، عکرمہ مولیٰ ابن عباس (۲۲ھ-۱۰۵ھ)، قتادہ بن دعامہ السدوسی (۶۱ھ-۱۱۷ھ)، عامر الشعبی (۱۷ھ-۱۰۴ھ)، (علقمہ ۶۲ھ، یہ آپ ﷺ کے زمانے میں جوان تھے لیکن آپ ﷺ سے نہ مل سکے)، ابراہیم النخعی ۴۶ھ-۹۶ھ، یزید بن ابی حبیب (۵۳ھ-۱۲۸ھ)

بقول سید مودودیؒ ان حضرات کی تواریخ پیدائش و وفات پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں نے صحابہ کے عہد کا ایک بڑا حصہ دیکھا ہے ان میں سے بیشتر وہ تھے جنہوں نے صحابہ کے گھروں میں صحابیات کی گودوں میں پرورش پائی ہے اور بعض وہ تھے جن کی عمر کسی نہ کسی صحابی کی خدمت میں بسر ہوئی ہے۔ان کے حالات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے ایک ایک شخص نے بکثرت صحابہ کرامؓ سے مل کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات معلوم کیے ہیں اور آپ ﷺ کے ارشادات اور فیصلوں کے متعلق وسیع واقفیت بہم پہنچائی۔

اسی وجہ سے روایت حدیث کا بڑا ذخیرہ ان ہی لوگوں سے بعد کی نسلوں کو پہنچا ہے۔تاوقتیکہ کوئی شخص یہ فرض نہ کرے کہ پہلی صدی ہجری سے تمام مسلمان منافق تھے۔اس بات کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا کہ ان لوگوں نے گھر بیٹھے حدیثیں گھڑی ہوں گی اور پھر بھی پوری امت نے انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا ہوگا اور ان کو اپنے اکابر علماء میں شمار کیا ہوگا۔(۴)

۱- صبحی صالح، علوم الحدیث و مصطلحہ، ۳۵۷

۲- تدریب، ۲/۲۱۱، فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۵۹-۳۶۰

۳- یہ فہرست سید مودودیؒ نے ترجمان القرآن کے منصب رسالت نمبر کے صفحات ۲۴۲-۲۴۳ میں نقل کی ہے۔

۴- ترجمان القرآن (ماہنامہ) منصب رسالت نمبر، ۲۴۴

تابعین نے صحابہ کرامؓ سے علوم حاصل کیے اور حدیث کے متعلق ان کے طرز عمل کو ٹھیک طور پر اپنایا۔ انہیں ان تمام پہلوؤں کا بھی علم تھا کہ روایت حدیث میں احتیاط کا کیا مفہوم ہے اور اسے عام کرنے میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ اس لیے تابعین میں کچھ لوگ کتابت حدیث میں کراہت کے قائل نظر آتے ہیں اور بعض دوسرے حفاظت کے لیے بہت اہتمام کرتے دکھائی دیتے ہیں مثلاً عبیدہ بن عمرو السلمانی المرادی (م ۷۲ھ)، ابراہیم بن یزید النخعی (م ۹۶ھ)، جابر بن زید (م ۹۳ھ) وغیرہم کتابت سے منع کرتے تھے۔(۱)

مخضرمین

تابعین کی جماعت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کا عہد دیکھا اور جاہلیت سے اسلام میں داخل ہوئے لیکن انہیں رسول اکرم ﷺ کی صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

المخضرمون من التابعين هم الذين ادركوا الجاهلية و حياة الرسول ﷺ و اسلموا ولا صحبة لهم. واحدهم مخضرم بفتح الراء كانه خضرم اى قطع عن نظرائه الذين ادركوا الصحبة وغيرها. (۲)

تابعین میں مخضرمین وہ ہیں جنہوں نے دور جاہلیت اور عہد نبوی پایا، اسلام لے آئے لیکن حضور اکرم ﷺ کی صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا واحد را کے فتح کے ساتھ مخضرم گویا وہ کٹ گیا۔ یعنی وہ اپنے ان ہم عصر لوگوں سے کٹ گیا جنہیں شرف صحبت نبوی حاصل ہوا۔

امام نوویؒ نے اس کی تلخیص کرتے ہوئے کہا:

وهو الذى ادرك الجاهلية وزمن النبى ﷺ و اسلم ولم يره. (۳)

یہ وہ شخص ہے جس نے دور جاہلیت اور عہد نبوی کو پایا، اسلام لے آیا لیکن رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا۔

حافظ سخاوی۔(۴)، علامہ سیوطی (۵) نے بھی ان ہی الفاظ میں تعریف کی ہے۔ دونوں نے الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ایک ہی طرح کا بیان نقل کیا ہے۔ دونوں کی عبارات کے تقابل سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں کے مآخذ یکساں ہیں۔ ہم یہاں تدریب الراوی سے اقتباس نقل کرتے ہیں۔ دلچسپی رکھنے والے فتح المغیث سے مقارنہ کر سکتے ہیں۔(۶)

۱- جامع بیان العلم، ۱ / ۶۷؛ دارمی، السنن، مقدمة، باب من لم یر کتابة الحدیث، ۱ / ۱۲۱- ۱۲۲

۲- ابن الصلاح، ۳۰۳

۳- تقریب مع تدریب، ۲/۹

۴- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۶۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۱۷۲

۵- تدریب الراوی، ۲/۹

۶- فتح المغیث، ۳ / ۱۷۲- ۱۷۳

هذا مصطلح اهل الحديث فيه لانه متردد بين طبقتين لايدری من ايهما هو، من قوله: كم مخضرم لا يدری من ذكرا وانثی كمافی المحكم والصحاح، و طعام مخضرم ليس بحلو ولامر، حكاه ابن الاعرابی..... اما المخضرم فی اصطلاح اهل اللغة: فهو الذی عاش نصف عمره فی الجاهلية، ونصفه فی الاسلام، سواء ادرك الصحابة ام لا. فبين الاصطلاحين عموم و خصوص من وجه، فحكيم بن حزام مخضرم باصطلاح اللغة لا الحديث، و بشير بن عمرو مخضرم باصطلاح الحديث لا اللغة. (۱)

یہ اصحاب حدیث کی اصطلاح ہے اس لیے یہ دو طبقوں کے درمیان لوٹ رہا ہے یہ معلوم نہیں کہ اس کا تعلق کس طبقے سے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے مخضرم گوشت جس کے بارے یہ معلوم نہیں کہ نر جانور کا ہے یا مادہ کا۔۔۔۔ اہل لغت کی اصطلاح میں مخضرم وہ ہے جس نے آدھی عمر جاہلیت میں گذاری ہو اور آدھی اسلام میں خواہ اس کی ملاقات صحابہ سے ہوئی یا نہ ہوئی ہو۔ دو اصطلاحوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ کا تعلق ہے، لہٰذا حکیم بن حزام اہل لغت کے مطابق مخضرم ہوگا اور اصحاب حدیث کے مطابق نہیں ہوگا، اور بشیر بن عمرو اصحاب حدیث کی اصطلاح میں مخضرم ہوگا لیکن اہل لغت کے ہاں شمار نہیں ہوگا۔

حافظ ابن حجر مخضرمین کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبقی بين الصحابة والتابعين طبقة اختلف فی الحاقهم بای القسمين و هم المخضرمون الذين ادركوا الجاهلية والاسلام، ولم يروا النبی ﷺ فعدهم ابن عبدالبر فی الصحابة. وادعی عياض وغيره ان ابن عبدالبر يقول انهم صحابة و فيه نظر لأنه أفصح فی خطبة كتابه بأنه إنما اوردهم ليكون كتابه جامعاً مستوعباً لأ هل القرن الأول، والصحيح انهم معدودون فی كبار التابعين سواء عرف ان الواحد منهم كان مسلماً فی زمن النبی كالنجاشی أم لا ۔ لكن ان ثبت ان النبی

۱۔ تدريب الراوی، ۲۱۹

صلى الله عليه وآله وسلم ليلة الاسراء كشف له عن جميع من في الارض فرآهم فينبغي ان يعد من كان مؤمناً به في حياته اذ ذاك وان لم يلاقه في الصحابة لحصول الرؤية في حياته صلى الله عليه وآله وسلم۔ (۱)

اور صحابہ وتابعین کے درمیان ایک طبقہ ہے جس کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ اسے کس طبقے کے ساتھ ملحق کیا جائے اور وہ طبقہ مخضرمون کا ہے۔ جنہوں نے جاہلیت اور اسلام، دونوں ادوار پائے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کو دیکھا نہیں۔ ابن عبدالبر نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ قاضی عیاض وغیرہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب کے خطبہ میں واضح طور پر کہا ہے کہ اس نے ان حضرات کو اس لیے بیان کیا ہے کہ ان کی کتاب جامع اور قرن اول کے لوگ اس میں شامل ہوں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ لوگ کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں خواہ یہ معلوم ہو کہ ان میں سے کوئی حضور اکرم ﷺ کے عہد میں مسلمان ہو جیسا کہ نجاشی اس طبقہ میں شمار ہوگا یا نہیں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اسراء کی رات نبی ﷺ کے سامنے تمام روئے زمین کے لوگ منکشف کیے گئے تھے اور آپ ﷺ نے انہیں دیکھا تو مناسب ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی زندگی میں ایمان لایا تو اسے صحابہ میں شمار کیا جائے گو کہ وہ صحابہ کے ساتھ آپ ﷺ سے نہ ملا ہو (ملاقات نہ کی ہو) بسبب اس رویت کے جو حضور ﷺ کو حاصل ہوئی۔

امام مسلم نے ایسے بیس (۲۰) افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ (۲) برہان حلبی نے اپنی خاص تالیف میں مزید ایک سو پچاس (۱۵۰) حضرات کو شامل کیا ہے۔ (۳) حافظ ابن حجر نے الاصابة میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن الصلاح نے بعض افراد کے نام دیے ہیں۔ (۴) علامہ سیوطی اور حافظ سخاوی نے امام مسلم کے حوالے سے کچھ ناموں کی فہرست دی ہے۔ ذیل میں ہم تدریب کی فہرست نقل کرتے ہیں۔ علامہ سیوطی نے تقریب کی عبارت وعدهم مسلم کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(وعدهم مسلم) بن الحجاج فبلغ بهم (عشرين نفسا) وهم أبو

۱- نزهة النظر، ۵۸-۵۹

۲- تدریب الراوی، ۴۱۹-۴۲۰؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴/ ۱۷۵-۱۷۶؛ ابن الصلاح، ۳۰۴

۳- تذكرة الطالب المعلم بمن يقال انه مخضرم، ۲-۶

۴- ابن الصلاح، ۳۰۴

عمرو و سعد بن ایاس الشیبانی ، و سوید بن غفلة ،و شریح بن ھانی،
و بشیر بن عمرو بن جابر، وعمرو بن میمون الأزدی، والأسود بن
یزید النخعی، والاسود بن ھلال المحاربی، والمعرور بن سوید،
وعبد خیر بن یزید الخیوانی و شبیل بن عوف الأحمسی و مسعود بن
حراش اخور بعی، و مالك بن عمیر و أبو عثمان النھدی، وأبو رجاء
العطاردی، و غنیم بن قیس،وأبو رافع الصائغ، وأبو الحلال العتکی
و اسمه ربیعة بن زرارة، و خالد بن عمیر العدوی، وثمامة بن حزن
القشیری، و جبیر ابن نفیر الحضرمی (وھم أکثر) من ذلك (و ممن
لم یذکرہ) مسلم (أبو مسلم) عبداللہ ابن ثوب، بوزن عمر.
(الخولانی والاحنف) و إسمه الضحاك بن قیس، و عبدالله بن عکیم،
و عمرو بن عبدالله بن الأصم، وأبو امیة الشعبانی، وأسلم مولی عمر،
و اویس القرنی، و اوسط البجلی، و جبیر بن الحویرث، و جابر
الیمانی وشریح بن الحرث القاضی، وأبو وائل شقیق بن سلمة، و
عبدالرحمن بن عسیلة الصنابحی، و عبدالرحمن بن غنم، و
عبدالرحمن بن یربوع، و عبیدة بن عمرو السلمانی، و علقمة بن
قیس بن أبی حازم، و کعب الاحبار، و مرة بن شراحیل، و مسروق
بن الاجدع و أبو صالح الانماری ، قیل و أبو عتبة الخولانی، ھذا ما
ذکرہ العراقی، ومنھم من لم یذکرہ:الاحنف بن قیس الاسدی و
الاجدع بن مالك الھمدانی و الدمسروق، وابورھم احزاب بن اسید
السمعی، و أرطاة بن سمیة ، وھی امه ، و أبوہ زفر بن عبدالله
الغطفانی المزنی، وأرطاة المزنی جد عبدالله بن عوف، و أرطاة بن
عوف، وأرطاة بن کعب الفزاری، فی خلائق آخرین ذکرھم شیخ
الاسلام ابن حجر فی کتاب الإصابة، وأرجو ان أفردھم فی مؤلف
إن شاء الله تعالیٰ. (1)

1- تدریب الراوی، ۳۲۰–۳۲۱؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۱۷۱

اتباع التابعین

تابع التابعی وہ شخص ہے جس نے تابعی سے حضور اکرم ﷺ پر ایمان کی صورت میں ملاقات کی ہو۔ امام حاکم (۱) نے اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن وضاحت نہیں کی۔ علامہ طاہر بن صالح الجزائری اس طبقہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و هم الطبقة الثالثة بعد النبی ﷺ و فیهم جماعة من ائمة المسلمین و فقهاء الأمصار. (۲)

یہ نبی ﷺ کے بعد تیسرا طبقہ ہے اور اس میں ائمہ مسلمین اور فقہاء الامصار میں سے ایک جماعت شامل ہے۔

علوم الحدیث کے تمام مآخذ میں اس طبقہ کا تذکرہ ہے لیکن ایسی وضاحت نہیں ہے جیسے تابعی کی ہے زیادہ بحث اس امر سے متعلق ہے کہ تابعین و اتباع تابعین میں غلط فہمی کی وجہ سے حدیث کے طالب انہیں غلط مرتبہ پر متعین کرتے ہیں۔ امام حاکم کہتے ہیں:

و طبقة عدادهم عند الناس فی اتباع التابعین و قد لقوا الصحابة منهم أبو الزناد عبدالله بن ذکوان و قد لقی عبدالله بن عمرؓ و أنساً و هشام بن عروة و قدا دخل علی عبدالله بن عمرؓ و و جابر بن عبدالله و موسیٰ بن عقبه و قد أدرك انس بن مالكؓ(۳).

ایک طبقہ ہے جو لوگوں کے نزدیک اتباع التابعین میں شمار ہوتا ہے حالانکہ صحابہ سے ان کی ملاقات ثابت ہے ان میں ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان ہیں جو عبداللہ بن عمرؓ اور انس بن مالکؓ سے مل چکے ہیں، ہشام بن عروہ جو عبداللہ بن عمرؓ اور جابر بن عبداللہؓ سے ملے ہیں اور موسیٰ بن عقبہ جنہوں نے انس بن مالکؓ کا زمانہ پایا۔

الجزائری اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و فی هذه الطبقة جماعة یشتبه علی المتعلم أسامیهم فیتوهم من التابعین لنسب یجمعهم أو غیر ذلك منهم الحسین بن علی بن الحسین

۱- معرفة علوم الحدیث، ۴۹

۲- توجیه النظر الی اصول الاثر، ۱۷۵

۳- معرفة علوم الحدیث، ۴۵-۴۶، مقدمة ابن الصلاح، ۳۰۶؛ حافظ سخاوی نے خلیفہ بن خیاط کے حوالے سے اسے نقل کیا ہے۔ فتح المغیث، ۳/۱۷۷

بن علی ابن أبی طالب و هو الذی یعرف بالحسین الأصغریروی عنه عبدالله بن المبارك و غیره و ربما قال الراوی عن حسین بن علی عن أبیه فیشتبه علی من لا یتحقق أنه مرسل ویتوهمه من التابعین و لیس کذلك۔ (۱)

اور اس طبقہ میں ایک جماعت ہے جو اپنے ناموں کی وجہ سے حدیث کے طالب پر مشتبہ ہوتے ہیں اور تابعین میں خیال کیے جاتے ہیں۔ان میں سے ایک حسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ ہیں۔یہ حسین الاصغر کے نام سے معروف ہیں عبداللہ بن مبارک وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔بعض اوقات راوی کہتا ہے حسین بن علیؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔اس سے اس شخص کو شبہ ہوتا جسے معاملہ کی معرفت حاصل نہیں اور اسے یہ بزرگ تابعین میں سے لگتے ہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔

الجزائری نے مزید نام بھی لکھے ہیں،ابن الصلاح،سخاوی اور سیوطی نے بھی کئی نام گنوائے ہیں۔(۲) مثلاً مالک بن انس الاصبحی،عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی وسفیان بن سعید الثوری،شعبہ بن الحجاج العتکی اور ابن جریج وغیرہ اس میں ان حضرات کے وہ شاگرد بھی شامل ہیں جنہوں نے تابعین سے ملاقات کی جیسے یحییٰ بن سعید القطان جن کی ملاقات انس بن مالک کے اصحاب سے ہوئی اور عبداللہ بن المبارک جنہیں تابعین کی ایک جماعت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور محمد بن الحسن الشیبانی جنہوں نے موطا کی روایت کی۔انہیں بھی کئی تابعین سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔

تابعین اور تبع تابعین کے سلسلے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کے بارے میں ابن الصلاح لکھتے ہیں:

قوم عدوامن التابعین و هم من الصحابة و من أعجب ذلك عدالحاکم ابی عبدالله النعمان و سویداً ابنی مقرن المزنی فی التابعین و هما صحابیان معروفان فی الصحابة (۳).

کچھ لوگ تابعین میں شمار کیے گئے ہیں حالانکہ وہ صحابی ہیں۔اور سب سے عجیب بات امام حاکم ابو عبداللہ کا نعمان اور سوید ابن مقرن المزنی کو تابعین میں شمار کرنا ہے حالانکہ وہ صحابی ہیں اور صحابہ میں معروف ہیں۔

۱- توجیه النظر، ۱۷۵

۲- ابن الصلاح، ۳۰۶؛ فتح المغیث، ۳/ ۱۷۷؛ تدریب، ۳۳۳، ۵۳۴

۳- ایضاً، ۳۰۷، ان حضرات کے ترجمہ کے لیے دیکھئے: الاستیعاب، ۲/ ۱۱۲؛ ۳/ ۵۱۹؛ اسد الغابة، ۲/ ۳۸۱؛ ۵/ ۳۰؛ الاصابة، ۲/ ۹۹، ۳/ ۵۳۵

علامہ سیوطیؒ نے امام بلقینی کے حوالے سے لکھا ہے کہ تابعین میں سب سے پہلے فوت ہونے والے ابوزید معمر بن یزید ہیں جو خراسان یا آذربائیجان میں قتل ہوئے اور سب سے آخر میں فوت ہونے والے خلف بن خلیفہ ہیں جو ایک سو اسی (۱۸۰ھ) میں فوت ہوئے۔(۱)

مصادر التابعین

تابعین و تبع تابعین کے احوال پر مصنفات موجود ہیں جو طبقات اور متعدد دوسرے عنوانات سے معروف ہیں۔ان میں مشہور مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔طبقات ابن سعد☆

اس کتاب کے مولف محمد بن سعد بن منیع الزہری (ولایۃ) البصری ہیں۔بصرہ میں ۱۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔صاحب طبقات اور مغازی، الواقدی سے ایک طویل عرصے تک وابستہ رہے لہٰذا صاحب الواقدی کہلائے۔عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انھوں نے تراجم پر تین کتابیں لکھیں۔پہلی الطبقات الکبریٰ، دوسری الطبقات الصغیر اور تیسری اخبار النبی ﷺ و مغازیہ و سرایاہ، ابن ندیم نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔(۱) لیکن بعض محققین کی رائے ہے کہ فی الحقیقت ایک ہی کتاب الطبقات الکبریٰ ہے باقی دونوں اس کے اجزاء ہیں۔اکثر اہل علم نے ابن سعد کو ثقہ اور مستند تسلیم کیا ہے جبکہ بعض علما نے واقدی، کلبی وغیرہ کمزور اور غیر ثقہ رواۃ سے روایت کرنے کی وجہ سے انہیں ضعیف کہا ہے۔خطیب بغدادی کہتے ہیں:

ابن سعد عندنا من اهل العدالة وحديثه يدل على صدقه۔(۲)

معروف ناقد فن ابو حاتم نے بھی ان کی ثقاہت کا اعتراف کیا ہے۔(۳)

حقیقت یہ ہے کہ ابن سعد روایات کو قبول کرنے میں حد درجہ محتاط تھے، جب کوئی روایت ان تک پہنچتی تو وہ مختلف طریقوں سے تحقیق کرتے اور پھر اسے اپنی کتاب میں جگہ دیتے۔یہ کتاب ابن سعد کے تلامذہ جن میں ممتاز اسامہ بن ابی حارثہ ہیں ان کے ذریعے ہم تک پہنچی۔ابن سعد نے اپنی اس کتاب کی تحریر میں واقدی کی طبقات کو سامنے رکھا (جواب ناپید ہیں) اور اپنے دیگر ہم عصر اہل علم کی تصنیفات سے بھی فائدہ اٹھایا۔(۴) واقدی کی الطبقات

☆ تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ہذا کا باب طبقات الرواۃ

۱۔ تدریب، ۴۲۳

۲۔ تاریخ بغداد، ۳۲۱/۵

۳۔ الجرح و التعدیل، ۳/ii/ ۲۶۲، سیر اعلام، ۶۶۵/۱۰

۴۔ ابن ندیم کہتے ہیں: الفه ابن سعد من كتب الواقدى والكلبى والهيثم بن عدى والمدائنى (الفهرست، ۱۵۹)

کے بعد ابن سعد کی یہ کتاب تراجم رجال پر ابتدائی کتب میں سے ہے۔ انھوں نے بڑی تحقیق اور جستجو کے بعد اپنی اس کتاب میں صحابہ کرامؓ اور تابعین محترم کی بڑی تعداد کے حالات کو محفوظ کر دیا ہے۔ ابن سعد چونکہ ان عظیم ہستیوں سے قریب العہد تھے لہٰذا ان جیسے ایک معتبر اور سنجیدہ مولف کے لیے ان ہستیوں کے حالات و واقعات کو جمع کرنا اور اصل تک پہنچنا آسان تھا۔ کتاب اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اس فن پر بعد میں لکھنے والوں کے لیے بنیادی مرجع کی حیثیت اختیار کر گئی۔

کتاب کی پہلی دو جلدیں آپ ﷺ کی سیرت کے لیے مختص ہیں۔ تیسری جلد ان صحابہ کے تذکرے پر مشتمل ہے جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ چوتھی جلد ان صحابہ کے تذکرہ پر مشتمل ہے جو قدیم الاسلام تھے۔ لیکن غزوہ بدر میں شریک نہ ہوئے اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ پانچویں جلد صحابہ کرام، تابعین اور اتباع تابعین کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اس میں صاحبِ تراجم کو ان کے علاقوں کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ مثلاً مدینہ، مکہ، طائف، یمن، یمامہ، بحرین کے صحابہ و تابعین کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ چھٹی جلد میں کوفہ میں آ بسنے والے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین نیز ابن سعد کے اپنے زمانے تک کے اس علاقے کے اہل علم کے تراجم پر مشتمل ہے۔ ساتویں جلد بصرہ، واسط، مدائن، بغداد، خراسان، ھمذان، شام، مصر وغیرہ میں رہنے والے اہل علم کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ آٹھویں جلد صرف صحابیات کے لیے مختص ہے۔

صحابہ کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ تراجم کی تقسیم نسب اور علاقوں کی بنیادوں پر کی۔

ابن سعد نے اپنی اس کتاب میں تراجم بیان کرتے وقت مترجمین کے سلسلۂ نسب اور قبیلے کے ذکر کا بھی بطور خاص اہتمام کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور بعض تابعین کے تراجم تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ تراجم بیان کرتے وقت صاحبِ ترجمہ کا علمی مقام، زہد و تقویٰ، فکری رجحان اور اس کی ثقاہت وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے اپنے ہم عصر اہل علم کے حالات نسبتاً اختصار سے بیان کیے ہیں۔

ابنِ سعد کی یہ کتاب صحابہ کرام، تابعین عظام و تبع تابعین کے حالات کے ساتھ ساتھ اسلام کی ابتدائی دو صدیوں کی ثقافت و حضارت پر مفید معلومات فراہم کرتی ہے۔

ابن سعد نے صاحبِ تراجم کی ثقاہت و ضعف کو بیان کیا ہے اور ان کے لیے جرح و تعدیل کے مختص الفاظ استعمال کیے ہیں۔ الطبقات الکبریٰ میں تقریباً تین ہزار رواۃ کے تراجم محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ بعد میں آنے والے اہل علم نے ابن سعد کی الطبقات کی اہمیت کو تسلیم کیا اور اس کی تعریف کی ہے۔ خطیب کہتے ہیں:

صنف کتاباً کبیراً فی الصحابة و التابعین الی وقته فاجاد و احسن (۱)

---

۱ - تاریخ بغداد، ۳۲۱/۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳۷۵/۴

ذہبیؒ کا قول ہے:

کان من اوعیة العلم و من نظر فی الطبقات خضع لعلمه (۱)

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر سیوطی نے ایک اختصار بعنوان انجاز الوعد المنتقی من طبقات ابن سعد مرتب کیا۔(۲)

القاضی ابوبکر الطوسی نے بھی ایک اختصار مرتب کیا۔(۳)

کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اولاً مستشرقین کی ایک جماعت کی توجہ اور عنایت سے، جس کے نگران ایڈورڈ زخاؤ تھے، ہم تک پہنچی۔ اس کے بعد عالم عرب سے کئی طبعات شائع ہو چکے ہیں۔ کتاب کا اردو ترجمہ بھی موجود ہے، جو نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی سے شائع ہوا۔

۲۔ طبقات خلیفہ بن خیاط

کتاب کے مولف ابو عمرو خلیفہ بن خیاط اللیثی العصفری الملقب بشباب (م ۲۴۰ھ) ہیں۔ اپنے وقت کے اجل علماء سے اکتساب کیا۔ علم قراءت، حدیث، رجال، تاریخ، علم انساب میں دسترس حاصل کی اور اپنے ہم عصر علماء پر فائق تسلیم کیے گئے۔ مختلف موضوعات بالخصوص انساب، اخبار و واقعات پر مفید کتب تالیف کیں۔ ذہبیؒ کہتے ہیں:

کان صدوقا نسابة، عالم بالسیر والأعلام والأیام والرجال (۴)

خلیفہ کی کتاب الطبقات بھی موضوع پر لکھی گئی بنیادی کتب میں شمار ہوتی ہے۔ کتاب کا تقریباً ایک تہائی حصہ صحابہ کرامؓ کے تراجم پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے حالات سے کرتے ہیں۔ ازاں بعد صحابہ کرامؓ اور تابعین کے تراجم مذکور ہیں۔ مولف نے تراجم کو صاحب تراجم کے رہائش پذیر علاقوں یعنی بلدان کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ جن شہروں میں اہل علم کی تعداد زیادہ تھی اور ان سے مروی احادیث مشہور تھیں ان کو پہلے لائے ہیں۔ جملہ صحابہ کرامؓ کو ایک طبقے اور پھر تابعین و تبع تابعین کو الگ الگ طبقات میں ذکر کرتے ہیں۔

خلیفہ نے تراجم کی ترتیب میں نسب کو بنیاد بنایا ہے، سبقت اسلام یا وفات میں تقدم نہیں۔ ایک قبیلے سے تعلق رکھنے والے مختلف علاقوں میں رہائش پذیر صحابہ کو یکجا کر دیا ہے۔ تابعین کے تراجم میں بھی وہ نسب اور قبیلے کو اولیت دیتے ہیں جس کا بنیادی مقصد مختلف قبائل کا آپ ﷺ سے تعلق اور قرب ثابت کرنا ہے۔ تبع تابعین اور اس کے بعد

۱۔ سیر أعلام، ۶۶۵/۱۰

۲۔ کشف الظنون، ۱۱۷۵/۱؛ ۱۱۰۳/۲

۳۔ ایضاً، ۱۱۰۳/۲

۴۔ سیر أعلام، ۴۷۳/۱۱

طبقات کے رواۃ میں یہ رجحان کمزور پڑ گیا ہے کیونکہ اس دور میں لوگ نسب سے زیادہ صنعت وحرفت اور رہائش پذیر علاقوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے لگے تھے۔

صحابیات کے تراجم میں خلیفہ نے اپنے اسی منہج کو اختیار کیا یعنی نسب اور قبیلے کے ذکر کو بنیاد بنایا۔

رواۃ کے نسب (ماں اور باپ دونوں طرف سے قبل از اسلام تک) کے علاوہ کنیت، عارضی اور مستقل مقام سکونت، طلب علم کے لیے اسفار کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض وقت بصرہ کے رواۃ کی رہائش گاہوں کے پتے درج کرتے ہیں۔ مترجمین کے سنین وفات کے ساتھ ساتھ بعض مواقع پر یہ بھی بتاتے ہیں کہ نماز جنازہ کس نے پڑھائی۔ صحابہ کرامؓ سے مروی احادیث کے ذکر کے علاوہ اس پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ آیا راوی نے وہ حدیث بالواسطہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام سے اخذ کی یا بلاواسطہ۔ صاحب ترجمہ کے شیوخ وتلامذہ کا کم کم ہی ذکر کرتے ہیں۔ جرح وتعدیل کی عبارات شاذ ہی استعمال کرتے ہیں۔ رواۃ کے حالات میں اختصار اختیار کیا ہے۔

مترجم صحابہ کی غزوات میں شرکت اور ان کی بعض دیگر ذمہ داریوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

رجال پر تالیفات کے مولفین نے خلیفہ بن خیاط کی کتاب الطبقات سے رواۃ کے نسب اور تاریخ وفات وغیرہ کے بارے میں بالخصوص استفادہ کیا۔

ہمارے سامنے کتاب الطبقات کا وہ نسخہ ہے جس کے راوی ابو عمران موسیٰ بن زکریا التستری ہیں جب کہ کتاب کے محقق ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری ہیں۔ دار طیبہ الریاض سے پہلی دفعہ ۱۹۶۷ء/ ۱۳۸۷ھ میں اور دوسری بار ۱۹۸۲ء/۱۴۰۲ھ میں شائع ہوئی۔

۳۔ کتاب الثقات

اس کتاب کے مولف ابو حاتم محمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ) ہیں۔ مولف نے مختلف علاقوں میں مقیم اہل علم سے استفادے کے لیے کثرت سے سفر کیے۔ ابن حبان خداداد صلاحیتوں کی بنا پر بہت جلد مرجع خلائق بن گئے اور ان کا شمار اپنے وقت کے ممتاز محدثین فقہاء، ماہرین لغت اور طب میں ہونے لگا۔ اہل علم نے ان کی تبحر علمی کا اعتراف کیا ہے۔

امام حاکم کا کہنا ہے:

كان ابن حبان من أوعية العلم فى الفقه، واللغة، والحديث (۱)

ذہبیؒ کہتے ہیں:

۱۔ سیر أعلام، ۱۶/۹۴؛ لسان الميزان، ۵/۱۳۰

كان رأساً فی معرفة الحدیث (۱)

ابن العماد کہتے ہیں:

كان حافظاً ثبتاً اماماً حجة أحد أوعية العلم، صاحب التصانیف (۲)

امام حاکم ان کی تالیفات کے بارے میں کہتے ہیں:

خرج له من التصنیف فی الحدیث مالم یسبق إلیه (۳)

سمرقند میں عہدہ قضاء پر بھی رہے۔(۴) معرفت علل حدیث اور فن جرح وتعدیل میں خوب دسترس حاصل تھی۔ رواۃ کے حالات پر کئی کتب تالیف کیں۔ اس وقت ہمارے سامنے کتاب الثقات ہے جو اس فن پر لکھی گئی کتب میں اہم مقام کی حامل ہے۔

کتاب کی تالیف کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث صحیح وسقیم کی پہچان کرنا ہے جس کے لیے رواۃ کے حالات کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ ابن حبان نے اپنی کتاب کو ثقہ رواۃ کے ذکر کے لیے مختص کیا ہے۔ کہتے ہیں:

ولا أذكر فی هذا الكتاب الأول إلا الثقات الذین یجوز الاحتجاجُ بخبرهم ... إذا تعری خبره عن الخصال الخمس التی ذكرتها فهو عدل یجوز الاحتجاج بخبره۔(۵)

ابن حبان نے کتاب میں ایسے رواۃ کا ذکر بھی کیا ہے جو دوسرے علماء کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن ابن حبان نے بعض دلائل کی بنیاد پر ان کو قابل قبول قرار دیا۔ وہ کہتے ہیں:

إنما أذكر فی هذا الكتاب الشیخ بعد الشیخ وقد ضعفه بعض أئمتنا و وثقه بعضهم، فمن صح عندی منهم انه ثقة بالدلائل النیرة أدخلته فی هذا الكتاب لأنه یجوز الاحتجاج بخبره، ومن صح عندی منهم أنه ضعیف بالبراهین الواضحة لم أذكره فی هذا الكتاب. (۶)

۱- میزان الاعتدال، ۳/۵۰۶

۲- شذرات الذهب، ۳/۱۶

۳- لسان المیزان، ۵/۱۱۳۰، خطیب بغدادی نے کہا کہ ان کی کتب بہت مفید تھیں، معجم البلدان، ۱/۴۱۷

۴- میزان الاعتدال، ۳/۵۰۶، معجم البلدان، ۱/۴۱۷

۵- كتاب الثقات، ۱/۱۱، ۱۲

۶- ایضاً، ۱/۱۳

ابن حبان اپنی کتاب میں واقعات وحالات کے بیان میں سند کے ذکر کا اہتمام نہیں کرتے۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں: میں نے سہولت وحفظ میں آسانی کے لیے ایسا کیا ہے۔(۱)

ابن حبان نے یہ کتاب طبقات پر مرتب کی ہے۔ رواۃ کو درج ذیل چار طبقات میں تقسیم کیا ہے۔(۲)

۱۔طبقہ صحابہ ۲۔طبقہ تابعین

۳۔طبقہ تبع تابعین ۴۔طبقہ تابع تبع تابعین

ان تمام طبقات کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔ اس ترتیب میں صرف پہلے حرف کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ لہٰذا ہر حرف سے شروع ہونے والے تراجم یکجا مل جاتے ہیں۔ چونکہ حرف میں داخلی ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا، اس لیے کسی راوی کے ترجمہ کی تلاش میں اس حرف کے تمام تراجم کو دیکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً حرف ع میں عیسیٰ کا ترجمہ عمران سے پہلے اور عمران کا عقبہ نامی رواۃ سے پہلے ہے۔(۳) ہر حرف کے آخر میں ان خواتین کا تذکرہ ہے جن کا نام اس حرف سے شروع ہوتا ہے۔

اس طرح طبقہ کے بعد اگلے طبقے کو مذکورہ ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب طبقات اور حروف دونوں پر مشتمل ہے۔ ہر طبقے کے آخر میں اس طبقے کے ان رواۃ (مرد وخواتین) کا ذکر ہے جو کنیتوں سے معروف ہیں۔ طبقہ صحابہ (پہلا طبقہ) میں صرف ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے احادیث مروی ہیں اور ان میں بھی عشرہ مبشرہ کو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

و نقصد منهم من روى عنهم الأخبار و نقصد في ذكر هو لاء إلى المعجم في اسمائهم ليكون أسهل عندالبغية لمن اراده (۴)

کتاب کا آغاز سیرت رسول ﷺ سے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد خلفائے راشدین اور دیگر خلفاء (اموی اور عباسی) کا مختصر ذکر ہے۔ وہ خلفاء اور ملوک کے نام وکنیت، وفات اور دور خلافت کے بعض اہم واقعات اور مدت خلافت کا ذکر کرتے ہیں، پھر عشرہ مبشرہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد کتاب مذکور چار طبقات پر مرتب ہے۔

ابن حبان تراجم میں رواۃ کے نام ونسب، کنیت ونسبت، مشہور شیوخ وتلامذہ کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں۔ تراجم بالعموم مختصر ہوتے ہیں بلکہ بعض وقت صرف چند سطور پر مشتمل ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے مقام سکونت کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان کی روایات کس علاقے اور شہر میں زیادہ پھیلیں۔

۱۔ کتاب الثقات، ۱/۳

۲۔ دیکھیے: کتاب الثقات، ۱/۱۰-۱۱

۳۔ کتاب الثقات، ۵/۲۱۲، ۲۱۷، ۲۲۴: ایسی مثالیں ہر حرف کے تراجم میں ملیں گی۔

۴۔ ایضاً، ۱/۳

ابن حبان کے رواۃ کی ثقاہت وضعف پر کھنے کے معیار واصول پر نقد کیا گیا ہے۔ابن حبان کا طریقہ ہے کہ اگر ان کے نزدیک کسی راوی کی عدالت ثابت ہو جائے تو اس کی جرح اس وقت تک مناسب نہیں جب تک صفت عدالت زائل نہیں ہوتی۔(۱)

ابن حجر کہتے ہیں کہ انھوں نے بہت سے منکر روایات بیان کرنے والے مجہول رواۃ کی تعدیل کی۔

وهذا الذی ذهب اليه ابن حبان، من أن الرجل اذا انتفت جهالة عينهٗ كان على العدالة، إلى أن يتبين جرحه مذهب عجيب والجمهور على خلافهٗ هذا هو مسلك ابن حبان فی كتاب الثقات الذی ألفه فانه يذكر خلقاً ممن نصّ عليه ابو حاتم و غيره على أنهم مجهولون وكان عند ابن حبان، جهالة العين، ترتفع برواية واحد مشهور. (۲)

وہ کہتے ہیں کہ ان کے شیخ ابن خزیمہ کا بھی یہی مذہب ہے۔انھوں نے اپنی کتاب میں ایک بڑی تعداد ایسے مجہول رواۃ کی بیان کی ہے کہ جن کے حالات ومعاملات کو نہ وہ خود جانتے ہیں اور نہ ہی دوسرے ائمہ فن۔(۳)

ابن حجر کا نقد بڑا اہم ہے لیکن اس کے باوجود کتاب اپنے موضوع پر بنیادی اہم کتب میں سے ہے۔بعد میں آنے والوں نے اس سے استفادہ کیا اور اس پر اضافے بھی کیے۔عالم عرب سے متعدد طبعات شائع ہو چکے ہیں۔

ہمارے سامنے طبعہ دار الفکر ہے جو مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن کا عکس ہے۔

کتاب سے استفادہ کو آسان کرنے کے لیے امام الھیثمی نے پوری کتاب کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔

❁❁❁

۱- كتاب الثقات، ۱/۱۲، ۱۳

۲- لسان الميزان (مقدمة)، ۱/۲۵

۳- حافظ شمس الدین محمد بن عبد الھادی اور حافظ صلاح الدین علائی نے بھی اہل علم کو اس سے متنبہ کیا ہے۔لسان الميزان، ۱/۵۵۱؛ الصارم المنكی فی الرد على ابن السبكی، ۱۳۹

اسناد عالی و نازل

اسناد چونکہ حدیث کی اساس ہے۔ اس پر متن کے ابلاغ کا دار و مدار ہے اس لیے اسناد کی بے حد اہمیت ہے۔ اسناد کا رخ نبی اکرم ﷺ کی ذات کی جانب ہے اسی لیے اسناد کی حیثیت اس پر موقوف ہے کہ آپ تک رسائی کیسی ہے۔ راوی اپنے سے حضور اکرم ﷺ تک تمام واسطوں کو کیسے پاتا ہے۔ اتصال اور تسلسل کی بحث سے واضح ہے کہ اسناد حدیث کی حیثیت کو متعین کرتا ہے۔ محدثین کے ہاں اس سلسلے میں یہ کوششیں رہی ہیں کہ روایت کم سے کم واسطوں سے حضور اکرم ﷺ تک پہنچے۔ اسی نقطۂ نظر سے اسناد کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اسناد عالی اور اسناد نازل۔ اس کے لیے علو اور نزول کی اصطلاحیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ علوم الحدیث کی تمام کتابوں میں اس پر مفصل بحثیں موجود ہیں۔ ذیل میں ان دونوں اقسام پر مختصر گفتگو کریں گے۔

الاسناد العالی

اسناد عالی وہ ہے جو متصل ہونے کے باوصف کم سے کم راویوں پر مشتمل ہو۔ علامہ قاسمی اسناد عالی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **وهو ما قربت رجال سنده من رسول الله ﷺ بسبب قلة عددها، بالنسبة الى سند آخر يرد بذلك الحديث بعينه بعدد كثير أو بالنسبة لمطلق الأسانيد.** (۱)

> اسناد عالی جس میں سند کے رجال قلت تعداد کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچیں اور یہ قرب بہ نسبت اسی حدیث کی دوسری سند کے ہو جس کے راویوں کی تعداد زیادہ ہو یا مطلق اسانید کی نسبت سے ہو۔

گویا علو سند کے لیے اصل بات راویوں کی کم سے کم تعداد ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے **فان قل عدده** (۲) سے اس کو واضح کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاحؒ نے **القرب من رسول الله** (۳) کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان

۱- قواعد التحدیث، ۱۰۸

۲- نزهة النظر، ۶۰

۳- ابن الصلاح، ۲۵۶

کے تتبع میں نوویؒ (۱)، عراقیؒ (۲)، سیوطیؒ (۳)، سخاویؒ (۴) اور محمد الانصاریؒ نے بھی یہی الفاظ استعمال کئے ہیں۔
امام حاکمؒ علو کے لیے تعداد کے بجائے صحت پر زور دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

والعالية من الاسناد ليس على مايتوهمه عوام الناس يعدون الاسانيد فما وجدوا منها اقرب عدداً الى رسول الله ﷺ يتوهمونه اعلىٰ. (۵)... والعالى من الاسانيد التى تعرف بالفهم لا بعد الرجال غير هذا فرب اسناد يزيد عدده على السبعة والثمانية الى العشرة وهو اعلى ممانقص عن ذلك و مثاله ما حدثناه ابو العباس محمد بن يعقوب حدثنا الحسن بن على بن عفان العامرى حدثنا عبدالله بن نمير عن الاعمش عن عبدالله بن مره عن مسروق عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: اربع من كن فيه كان منافقا خالصاً .و من كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من نفاق حتى يدعها ۔ إذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر وإذا وعد أخلف و إذا خاصم فجر ۔ هذا اسناد صحيح مخرج فى كتاب مسلم عن عبدالله بن نمير عن ابيه و قد بلغ عدد رواته سبعة وهو اعلىٰ من الاربع الذى قدمنا ذكره، فان الغرض فيه القرب من سليمان بن مهران الاعمش فان الحديث له و هو امام من ائمة الحديث. (٦)

اسناد عالی وہ نہیں جسے لوگوں نے خیال کر رکھا ہے۔ وہ اسانید کی گنتی کرتے ہیں جسے تعداد کے لحاظ سے حضور اکرم ﷺ کے قریب سمجھتے ہیں اسے اعلیٰ خیال کرتے ہیں۔ اسناد عالی وہ ہے جو سمجھ آئے نہ کہ رجال کی گنتی سے طے ہو۔ کئی ایسے اسناد ہیں جن میں راویوں کی تعداد

۱- تقریب مع تدریب ، ۳۶۰

۲- عراقی نے قرب کے ساتھ عدد کا لفظ بھی استعمال کیا ہے: القرب من رسول الله من حيث العدد. (فتح المغيث للعراقى، ۲/۲۹۸)

۳- تدریب ، ۳۶۰

۴- سخاوی اور محمد الانصاری نے عراقی کا تتبع کیا ہے، فتح المغيث، ۳ / ۲۸۶؛ فتح الباقی، ۲/۸۱

۵- معرفة علوم الحديث، ۹؛ فتح الباقی، ۲/۸۱

۶- ایضاً، ۱۱؛ توجيه النظر ، ۱۴۳ (حدیث کے لیے دیکھیے: مسلم، الجامع، كتاب الايمان، باب آية المنافق، ۱/۵۶)

سات اور آٹھ سے دس تک ہے اور اس کے باوجود وہ کم تعداد والے اسانید سے اعلیٰ ہیں۔

اس کی مثال وہ روایت جسے ہم سے ابوالعباس محمد بن یعقوب نے ان سے حسن بن علی بن عفان العامری نے بیان کیا ان سے عبداللہ بن نمیر نے اعمش سے بیان کیا انھوں نے عبداللہ بن مرہ سے، انہوں نے مسروق سے اور انھوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

چار خصلتیں ہیں کہ جس شخص میں پائی گئیں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی خصلت پائی گئی وہ نفاق کی علامت ہوگی حتیٰ کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب معاہدہ کرے تو غداری کرے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔ یہ اسناد صحیح ہے مسلم کی کتاب میں اس کی تخریج ہوئی ہے۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے رواۃ کی تعداد سات ہے اور وہ اس چار راویوں کی روایت، جسے ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اعلیٰ ہے اس میں مقصد سلیمان بن مہران الاعمش سے قرب ہے کیونکہ اس حدیث کی روایت ان سے ہے اور وہ ائمہ حدیث میں سے ایک امام ہیں۔

اسناد عالی کی اقسام

ابن الصلاح سے لے کر سخاوی تک سب نے اسناد عالی کی پانچ اقسام بیان کی ہیں۔(۱) حافظ عراقی نے لکھا ہے کہ ابوالفضل محمد بن طاہر نے ایک جز میں اس پر خصوصی گفتگو کی ہے۔(۲) بنیادی طور پر دو مرکزی اقسام ہیں۔ ایک کا تعلق واسطوں کی تعداد سے اور دوسری کا صفتِ علو سے۔

روایۃ بہ نسبت قرب من الرسول ﷺ

پہلی قسم وہ ہے جس کا تعلق حضور اکرم ﷺ کے ساتھ قرب کا ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

اولھا: القرب من رسول اللہ ﷺ باسناد نظیف غیر ضعیف(۳)

پہلی قسم جو نبی کریم ﷺ کے قریب ہے اور جس کی سند صاف ستھری اور غیر ضعیف ہے۔

امام نووی کہتے ہیں:

۱- ابن الصلاح، ۲۵۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۲۸۲، ۲۸۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۹۷

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۹۷؛ ڈاکٹر نورالدین عتر نے محمد بن طاہر کی کتاب العلو والنزول کا حوالہ دیا ہے۔ منہج النقد، ۳۵۸

۳- ابن الصلاح، ۲۵۶؛ المقنع، ۲ / ۴۲۲

اجلها القرب من رسول الله با سناد صحيح نظيف (۱)

سب سے بڑی وہ ہے جو صحیح اور صاف ستھری سند کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے قریب ہے۔

حافظ عراقیؒ لکھتے ہیں:

القسم الأول القرب من رسول الله من حيث العدد با سناد نظيف غير ضعيف. فاما اذا كان قرب الاسناد مع ضعف بعض الرواة فلا التفات الى هذا العلو (۲)

پہلی قسم وہ ہے جو تعداد کے لحاظ سے حضور اکرم ﷺ کے قریب ہو اور اس کی سند صاف ستھری ہو اور ضعیف نہ ہو اور اگر یہ قرب ضعف کے ساتھ ہو تو پھر اس علو کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔

ان سب حضرات نے قرب کے ساتھ سند کے نظیف اور صحیح ہونے کی شرط بھی لگائی ہے۔ حافظ ابن حجر بنیادی طور پر دو اقسام کا ذکر کرتے ہوئے علو مطلق اور علو نسبی کی بات کرتے ہیں۔ وہ نخبة الفكر میں لکھتے ہیں:

فان قل عدده فما ان ينتهي إلى النبي ﷺ او إلى إمام ذى صفة علية كشعبة فالأول: العلو المطلق والثاني النسبي. (۳)

شرح نخبة میں وہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فالاول وهو ما ينتهي الى النبي ﷺ العلو المطلق. فان اتفق ان يكون سنده صحيحا كان الغاية القصوى، الا فصورة العلو فيه موجودة مالم يكن موضوعاً فهو كالعدم. (۴)

پہلی علو مطلق ہے جس کی سند نبی ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اگر اس پر اتفاق ہو کہ سند صحیح ہے تو یہی مقصود اعلیٰ ہے ورنہ حدیث میں علو کی صورت موجود رہے گی جب تک وہ موضوع نہ ہو۔ اگر روایت موضوع ہے تو وہ کالعدم ہے۔

اگر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ امام حاکم سے حافظ ابن حجر تک نقطہ نظر کا کچھ فرق آیا ہے۔ امام حاکم تعداد کے بجائے صحت کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ ابن الصلاح سے عراقی تک قرب کے ساتھ صحت کی بات کی گئی ہے۔

۱- تقريب مع تدريب، ۳۶۰؛ ابنا سی بھی اس کو اجل انواع العلو کہتے ہیں۔ الشذ الفياح، ۲۹۲

۲- فتح المغيث للعراقى، ۳/ ۲۹۸؛ الشذ الفياح، ۲۹۲

۳- نخبة الفكر مع نزهة النظر، ۶۰

۴- ایضاً، ۶۰

حافظ ابن حجر ضعف کے بجائے وضع کی بات کرتے ہیں ان کے نزدیک اگر حدیث موضوع نہیں ہے تو قلت تعداد کی وجہ سے اس کے علو کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

علو مطلق سب سے افضل اور علو کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ محمد بن اسلم الطوسی الزاہد (۱) کا قول ہے:

قرب الاسناد قرب أوقربة الى الله. (۲)

اسناد کا قریبی ہونا اللہ کے نزدیک ہونا ہے۔

علماء نے اس قسم پر کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں مشہور وہ ہیں جو ثلاثیات پر لکھی گئی ہیں جیسے ثلاثیات مسند اور ثلاثیات بخاری وغیرہ۔ مثلاً مسند کی ثلاثیات میں مندرجہ ذیل حدیث:

قال الامام احمد: حدثنا سفیان، قال: قلت لعمرو! سمعت جابراً یقول: مرّ رجل في المسجد معه سهام فقال له النبی صلی الله علیه وسلم: امسك بنصلها؟ قال: نعم (۳)

امام احمد کہتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا کہ میں نے عمرو سے کہا: میں نے جابر کو کہتے سنا کہ ایک شخص مسجد میں سے گزرا، اس کے پاس تیر تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہا کیا میں اس کے سرے کو پکڑ سکتا ہوں؟ اس نے کہا: ہاں

امام بخاری کی ثلاثیات میں سے مندرجہ ذیل حدیث بیان کی جاسکتی ہے۔

حدثنا مكي ابن ابراهيم، قال حدثنا يزيد بن عبيد عن سلمة، قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: من یقل علی مالم أقل فلیتبوأ مقعده من النار. (۴)

بخاری کہتے ہیں کہ ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ان سے یزید بن عبید نے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا کہ جس شخص نے میری طرف سے ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو اسے اپنا ٹھکانہ آگ میں بنانا چاہیے۔

اس علو کو بعض جھوٹے لوگوں نے اپنے کذب کی ترویج کے لیے ایک وسیلہ کے طور پر بھی استعمال کیا جیسے رتن

۱۔ ابو الحسن محمد بن اسلم الطوسی (م ۲۴۲ھ) الامام الربانی الزاہد صاحب المسند والاربعین۔ یزید بن ہارون ویعلیٰ بن عبید اللہ اور اس کے بھائی محمد جعفر بن عون اور عبید اللہ بن موسیٰ المقری سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ کا شمار ثقہ حفاظ اور اولیاء ابدال میں ہوتا تھا۔ ذہبی نے تاریخ اسلام میں ان پر مفصل لکھا ہے۔ اسحٰق کہتے ہیں کہ میں نے پچاس برسوں میں ان سے بڑا امام نہیں سنا۔ حلیة الاولیاء، ۹/ ۲۵۰ - ۲۶۶

۲۔ ابن الصلاح، ۲۵۶، فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۹۷، الشذا الفیاح، ۲۹۳؛ المقنع، ۲ / ۴۲۲

۳۔ ثلاثیات المسند، ۱/۲۶۴

۴۔ ثلاثیات البخاری، ۳؛ الثلاثیات فی الحدیث النبوی، ۷۱-۷۲

ہندی، بعض نے صحابہ سے سماع کا جھوٹا دعویٰ کیا جیسے ابراہیم بن ہدبہ دینار بن عبداللہ اور ابوالدنیا الاشج وغیرہم۔ لیکن محدثین نے ان پر اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ ان سے روایت ناجائز قرار دی گئی۔

روایۃ یقرب من الامام

دوسری قسم وہ ہے جس کا ذکر امام حاکم نے کیا ہے۔ امام حاکم لکھتے ہیں:

وکذلک کل اسناد یقرب من الامام المذکور فیہ فاذا صحت الروایۃ الی ذلک الامام بالعدد الیسیر فانہ عالی۔ (۱)

اسی طرح ہر سند جو اس میں مندرج امام کے قریب ہے وہ سند عالی ہوگی بشرطیکہ کم سے کم تعداد کے ساتھ اس امام سے صحیح روایت ہو۔

حافظ ابن الصلاح امام حاکم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

القرب من امام من ائمۃ الحدیث و ان کثر العدد من ذلک الامام الی رسول اللہ ﷺ فاذا وجد ذلک فی اسنادٍ وُصف بالعلو نظراً الی قربۃ من ذلک الامام و ان لم یکن عالیا بالنسبۃ إلی رسول اللہ ﷺ (۲)

ائمہ حدیث میں سے کسی امام کا قرب ہو اگرچہ اس امام سے حضور اکرم ﷺ تک تعداد کثیر ہو جائے۔ اگر اسناد میں یہ خصوصیت موجود ہو تو اسے امام سے قربت کی وجہ سے علو سے متصف کیا جائے گا۔ گو وہ حضور اکرم ﷺ کی نسبت سے عالی نہ ہو۔

حافظ عراقیؒ اس قسم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والقسم الثانی من اقسام العلو القرب الی امام من ائمۃ الحدیث کالاعمش و ھشیم و ابن جریج و الاوزاعی و مالک و سفیان و زھیر و حماد بن زید و اسماعیل بن علیۃ و غیرھم من ائمۃ الحدیث. (۳)

علو کی اقسام میں دوسری قسم وہ ہے جس میں ائمہ حدیث میں سے کسی امام سے قرب ہو مثلاً اعمش، ہشیم، ابن جریج اوزاعی، مالک، سفیان، شعبہ، زہیر، حماد بن زید اور اسماعیل بن علیہ وغیرہ۔

حافظ عراقی امام حاکم کی رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکلام الحاکم یشیر الی ترجیح ھذا القسم علی غیرہ و انہ المقصود

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث، ۱۱؛ توجیہ النظر، ۱۹۳؛ الشذا لفیاح، ۲۹۲

۲۔ ابن الصلاح، ۲۵۷؛ الشذ الفیاح، ۲۹۲

۳۔ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۹۸-۲۹۹؛ الشذا لفیاح، ۲۹۵

من العلو و انما يوصف بالعلو اذاصح الاسناد الى ذلك الامام بالعدد اليسير كما صرّح به الحاكم و هو كذلك. (۱)

اور حاکم کے کلام سے اس قسم کو دوسری اقسام پر ترجیح حاصل ہونے کا اشارہ ملتا ہے اور یہی علو سے مقصود ہے۔ حدیث علو سے اس وقت متصف ہوگی جب اس امام تک اسناد صحیح ہو، کم سے کم تعداد ہو جیسا کہ امام حاکم نے تصریح کی ہے اور ایسا ہی ہے۔

عراقی کے علی الرغم ابن الصلاح حاکم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و كلام الحاكم يوهم أن القرب من رسول الله ﷺ لا يعد من العلو المطلوب اصلا. وهذا غلط من قائله لأن القرب منه ﷺ باسناد نظيف غير ضعيف أولىٰ بذلك ولا ينازع في هذا من له مسكة من معرفة، و كأن الحاكم أراد بكلامه ذلك اثبات العلو للاسناد بقربة من إمام وان لم يكن قريباً إلى رسول الله ﷺ. (۲)

حاکم کے کلام سے اشارہ ملتا ہے کہ سند میں رسول اللہ سے قرب مطلوبہ علو میں بالکل شمار نہیں ہوتا اور یہ کہنے والے کی غلطی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ سے قرب جو صاف ستھرے اسناد سے بغیر کسی ضعف۔ سے حاصل ہوتا ہے وہ امام کے قرب سے بہتر ہے۔ اور جس شخص کو تھوڑی سی بھی معرفت ہے وہ اس سے اختلاف نہیں کرے گا۔ اور حاکم اس بات سے امام کی قربت سے اسناد عالی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں خواہ اسے حضور اکرم ﷺ کا قرب حاصل نہ ہو۔

حافظ ابن حجر اسے علو نسبی کہتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والثاني العلو النسبي و هو ما يقل العدد فيه إلى ذلك الامام ولو كان العدد من ذلك الإمام إلى منتهاه كثيراً۔ (۳)

دوسری قسم علو نسبی ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کی سند میں امام حدیث تک راویوں کی تعداد کم ہو گو اس امام سے آخر سند تک یہ تعداد زیادہ ہو جائے۔

علو نسبی کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وقد عظمت رغبة المتأخرين فيه، حتىٰ غلب ذلك على كثير منهم

۱- فتح المغيث للعراقي، ۳/۲۹۹

۲- ابن الصلاح، ۲۵۷؛ الشذا لفياح، ۴۹۲

۳- نزهة النظر، ۶۰

بحيث اهملوا الاشتغال بما هو اهم منه. و انما كان ذلك العلو مرغوباً فيه، لكونه اقرب الى الصحة و قلة الخطأ، لانه ما من راوٍ من رجال الاسناد الا و الخطأ جائز عليه. فلما كثرت الوسائط و طال السند كثرت مظان التجويز، و كلما قلت قلت. فان كأن في النزول مزية ليست في العلو كان تكون رجاله أوثق منه أو أحفظ أو أفقه، أو الاتصال فيه اظهر، فلا تردد في أن النزول حينئذ اولى. و اما من رجح النزول مطلقا، واحتج بأن كثرة البحث تقتضي المشقة فيعظم له الاجر ـ فذلك ترجيح بامر أجنبي عما يتعلق بالتصحيح و التضعيف ـ (۱)

عالی اسناد حاصل کرنے کا متاخرین کو اس قدر شغف تھا کہ اس کی دھن میں جو امور اس سے بھی زیادہ اہم تھے ان کو اکثر نے نظر انداز کر دیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ عالی اسناد اقرب الی الصحت اور قلیل الخطا ہوتی ہے کیونکہ اسناد کے ہر ایک راوی میں خطا کا احتمال ہوتا ہے بنا بریں جس قدر راوی زیادہ ہوں گے اسی قدر خطا کا احتمال زیادہ ہوگا اور جس قدر راوی کم ہونگے خطا کے احتمالات بھی کم ہونگے تاہم اسناد نازل میں کوئی ایسی خصوصیت ہے جو عالی میں نہیں ہو سکتی ہے جیسے نازل کے رجال بہ نسبت عالی کے ثقاہت، حفظ یا فقاہت میں زیادہ ہوں یا نازل کا اتصال بہ نسبت عالی زیادہ ظاہر ہو تو بلا شبہ اس صورت میں نازل عالی سے افضل ہوگی۔ گو بعض لوگوں نے نازل کو عموماً ترجیح دی ہے بایں دلیل کہ نازل کے چونکہ رجال زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ان پر غور و پرداخت کرنے میں زیادہ کدو کاوش کرنی پڑے گی اور جس قدر زیادہ کدو کاوش کی جائے گی اسی قدر زیادہ ثواب ملے گا۔ لیکن اس ترجیح کا دار و مدار ایک ایسے امر پر ہے جس کا حدیث کی تصحیح و تضعیف سے کوئی تعلق نہیں۔

علو بہ نسبت روایۃ صحیحین

حافظ ابن الصلاح کے نزدیک تیسری قسم وہ ہے جس کے علو کا تعلق صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی روایت کی نسبت کی وجہ سے ہے یا دیگر قابل اعتماد کتب حدیث کی نسبت سے ہو اور وہ اسے چار مختلف ناموں پر مشتمل قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ نزهة النظر، ٦٠

الثالث: العلو بالنسبة الى رواية الصحيحين أو أحدهما أو غيرهما من الكتب المعتمدة، و ذلك ما اشتهر آخراً من الموافقات والابدال والمساواة والمصافحة. (۱)

سند عالی کی تیسری قسم وہ حدیث ہے جو صحیحین، ان میں سے ایک یا ان کے علاوہ دیگر قابل اعتماد کتابوں کی نسبت سے ہو اور یہ وہ قسم ہے جو بعد میں موافقات، ابدال، مساوات اور مصافحہ کے ناموں سے مشہور ہوئی۔

حافظ عراقی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والقسم الثالث العلو المقيد بالنسبة الى رواية الصحيحين و بقية الكتب الستة و سماه ابن دقيق العيد علو التنزيل ولم يذكر ابن طاهر هذا القسم وجعل القسم الثالث علو تقدم السماع و جمع بينه و بين قسم تقدم الوفاة فجعلهما قسماً واحداً (۲)

تیسری قسم وہ علو ہے جو صحیحین اور بقیہ چھ کتابوں کی نسبت سے مقید ہے۔ ابن دقیق العید نے اس کا نام علو التنزیل رکھا۔ ابن الطاہر نے اس قسم کا ذکر نہیں کیا ہے۔ انھوں نے تیسری قسم علو تقدم السماع قرار دی۔ اسے تقدم الوفاۃ کی قسم کو جمع کر کے ایک قسم بنا دیا۔

حافظ عراقی مزید لکھتے ہیں:

لكن هذا القسم يوخذ من كلام ابن طاهر في آخر الجزء المذكور وإن لم يذكره في الاقسام. (۳)

لیکن اسی قسم کو ابن طاہر کے کلام سے جو اس نے اس جزء کے آخر میں کیا ہے، اخذ کیا جا سکتا ہے اگر چہ اس نے اقسام میں اسے ذکر نہیں کیا۔

یہ علو مطلق نہیں ہے بلکہ ان کتابوں کی نسبت سے ہے کیونکہ ایک راوی جب حدیث کو کتاب کے طریق سے روایت کرتا ہے گو اس نے اس طریق سے نزول کیا ہے اگر اس کے علاوہ روایت کرے۔ لیکن مطلق عالی بھی ہو سکتی ہے جیسے ترمذی کی روایت جو ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے:

كان على موسى يوم كلمه ربه كساء صوف و جبة صوف. (۴)

۱- ابن الصلاح، ۲۵۸؛ المقنع، ۲/ ۴۲۲

۲- فتح المغيث للعراقي، ۳/ ۲۹۹

۳- ایضاً، ۳/ ۲۹۹

۴- ترمذی، السنن، كتاب اللباس، باب ماجاء في لبس الصوف، ۴/ ۲۲۴ ۔ اسے نقل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جب موسیٰ اللہ سے ہم کلام ہوئے تو انھوں نے اون کا جبہ پہن رکھا تھا۔

حافظ عراقیؒ کہتے ہیں: **رواہ الترمذی عن علی بن حجر (۱) عن خلف بن خلیفة (۲) فلو رویناہ من طریق الترمذی وقع بیننا و بین خلف تسعة فاذا رویناہ من جزء ابن عرفة (۳) وقع بیننا و بینه سبعة بعلو درجتین فهذا مع کونه علوا بالنسبة فهو ایضاً علو مطلق ولا یقع عن شیخه بالسماع من الجزء المذکور و قول ابن الصلاح ان هذا النوع من العلو علو تابع لنزول محمول علی الغالب والا فهذا الحدیث عال للترمذی و عال لنا و لیس هو عالیا بالنسبة فقط، و هذا النوع الذی یقع فیه الموافقات والابدال و المساوات و المصافحات علی ماسیأتی بیا نها. (۴)**

اس حدیث کو ترمذی نے علی بن حجر سے، انھوں نے خلف بن خلیفہ سے روایت کیا۔ اگر ہم اسے ترمذی کے طریقہ سے روایت کریں تو ہمارے بعد خلف کے درمیان نو راوی ہیں اور اگر ہم جزابن عرفہ سے روایت کریں ہمارے بعد اس کے درمیان سات واسطے بنتے ہیں اس

کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں: هذا غریب لا نعرفه الا من حدیث حمید الا عرج ، و حمید هو ابن علی الکوفی. قال سمعت محمداً یقول: حمید بن علی الاعرج منکر الحدیث۔ (۴/۲۲۵)

۱- علی بن حجر، ابوالحسن المروزی (م ۲۴۴ھ) پہلے بغداد میں رہے پھر مرو منتقل ہو گئے۔ اپنے والد، نیز خلف بن خلیفہ، عیسیٰ بن یونس، ابن علیہ اور ابن المبارک جیسے جید اہل علم سے استفادہ کیا۔ ازاں بعد ان سے امام بخاری، مسلم، ترمذی وغیرھم نے روایت کیا۔ تاریخ بغداد ، ۱۱/ ۴۱۶ بعد ؛ تذکرة الحفاظ، ۲ / ۴۵۰؛ خلاصة تذهیب الکمال، ۲۷۲

۲- خلف بن خلیفہ بن صاعد الاشجعی بطریق ولاء (م ۱۸۱ھ یا ۱۷۱ھ) ابواحمد کوفہ میں رہے پھر واسط منتقل ہوئے اور وہاں ایک مدت رہنے کے بعد بغداد آ گئے اور وفات تک وہیں رہے۔ صحابی رسول عمرو بن حریث کو دیکھا اپنے والد سے اور انس بن مالک کے بھتیجے حفص، اسماعیل ابن ابی خالد، ابو مالک الاشجعی اور مالک بن انس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے سریج بن نعمان، سعید بن منصور، داود ابن رشید، ابن ابی شیبہ، قتیبہ اور علی بن حجر وغیرہ نے روایت کی۔ عمرو بن حریث کی روایت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ ابن معین اور نسائی کا کہنا ہے۔ لا باس به ابن عمار سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے۔ خلاصہ تذهیب الکمال ، ۱۲۷۸؛ المجرح ، ۶ / ۲۰۷؛ سیر ، ۸ / ۳۴۲

۳- الحسن ابن عرفہ، ابوعلی العبدی البغدادی المودب (م ۲۵۷ھ) انھوں نے ثوری کے بھانجے عمار بن محمد، عیسیٰ بن یونس، ابن المبارک، ابوبکر بن عیاش ابن علیہ، خلف بن خلیفہ، مبارک بن سعید الثوری وغیرہم سے روایت کی اور ان سے ترمذی، ابن ماجہ نے روایت کی۔ نسائی نے ان سے بواسطہ زکریا الساجی روایت کی اور ابوبکر بن ابی الدنیا، ابویعلی، ابن ابی حاتم وغیرہ نے روایت کی۔ ابن معین کہتے ہیں۔ لیس بہ باس۔ کئی اور محدثین نے کہا: صدوق، نسائی نے بھی کہا: "لا باس به". تاریخ بغداد ، ۷ / ۳۹۴؛ شذرات، ۲ / ۱۳۶؛ سیر أعلام ۱۱/ ۵۴۷

۴- فتح المغیث للعرقی، ۳ / ۲۹۹ – ۳۰۰؛ فتح المغیث للسخاوی ، ۳ / ۲۹۰

طرح یہ دو درجہ عالی سند بنتی ہے اور علو نسبی کے ساتھ علو مطلق کی حامل بھی ہے اور آج کسی شخص کے پاس اس سے اعلیٰ حدیث نہیں ہے۔ اور ہمارے شیخ کے بعد خلف تک آخری راوی ہے جس نے اپنے شیخ سے اس جزء کی بطریق سماع روایت کی اور ابن الصلاح کا اسے تابع للنزول کہنا محمول علی الغالب ہے ورنہ یہ حدیث ترمذی کے ہاں بھی عالی اور ہمارے ہاں بھی عالی ہے اور یہ فقط نسبت کی وجہ سے عالی نہیں ہے۔ یہ وہ قسم ہے جس میں موافقات، ابدال، مساواۃ اور مصافحات واقع ہوتی ہیں۔

امام نوویؒ تیسری قسم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الثالث: العلو بالنسبة إلى رواية أحد الكتب الخمسة أو غيرها من المعتمدة(۱) و هو ما كثر اعتناء المتأخرين به من الموافقة والابدال والمصافحة (۲)

تیسری قسم قابل اعتماد کتب خمسہ وغیرہ کی روایت کی طرف نسبت ہے۔ متاخرین کے ہاں موافقت، ابدال مساوات اور مصافحہ کی صورت میں بکثرت اعتنا پایا جاتا ہے۔

علماء اصول حدیث نے اسناد عالی کی اقسام بیان کرتے ہوئے ان اقسام کا مسلسل ذکر تیسری قسم کے تحت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان اقسام کو علو نسبی کے تحت ذکر کیا ہے۔(۳) انھوں نے موافقت، مساوات، بدل اور مصافحہ کو علو نسبی کے تحت ذکر کیا ہے۔

الموافقہ

ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وهي الوصول الى شيخ احد المصنفين من غير طريقه اى الطريقة التي تصل الى ذلك المصنف المعين. (۴)

۱۔ ابن الصلاح نے "الكتب المعتمدة المعروفة" کی اصطلاح استعمال کی (ابن الصلاح ۲۵۸) امام نووی نے "الكتب الخمسة اوغيرها من الكتب المعتمدة" کا جملہ استعمال کیا (تقريب مع تدريب ۳۶۳، ۳۶۳) حافظ عراقی نے "الكتب الستة" لکھا (فتح المغيث ۳/۳۰۰) جب کہ حافظ ابن حجر نے اس قسم کا سرے سے ذکر نہیں کیا۔ ابن الملقن نے "الصحيحين اوغيرهما من الكتب المعروفة المعتمدة" کہا (المقنع ۲/۴۲۲)

۲۔ تدریب، ۳۶۳

۳۔ نزهة النظر، ۶۰

۴۔ ایضاً، ۶۰

کسی مصنف کے شیخ تک ایسی سند پہنچانا جو اس معین مصنف کی سند سے مغائر ہو۔

حافظ ابن الصلاحؒ موافقت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما الموافقة فهي ان يقع لك الحديث عن شيخ مسلم فيه مثلاً عاليا بعدد اقل من العدد الذى يقع لك به ذلك الحديث عن ذلك الشيخ اذا رويته عن مسلم عنه(۱)

موافقت یہ ہے کہ ایک مسلم شیخ سے ایک حدیث اس طرح واقع ہو کہ وہ عالی ہو اور راویوں کی تعداد اس سے کم ہو جو اس شیخ سے مروی حدیث میں ہوں بشرطیکہ آپ نے اس مسلم شیخ سے روایت کی ہو۔

حافظ عراقیؒ موافقت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالموافقه ان يروى الراوى حديثاً فى أحد الكتب الستة باسناد لنفسه من غير طريقها بحيث يجتمع مع أهل الستة فى شيخه مع علو هذا الطريق الذى رواه منه على ما لو رواه من طريق أحد الكتب الستة. (۲)

موافقت یہ ہے کہ راوی کتب ستہ میں سے کسی ایک حدیث کو اپنی سند سے اس طرح روایت کرے جو اس کتاب کی سند سے مختلف ہو اور مصنف کے شیخ سے ملا دے۔ اس کا طریق روایت کتب ستہ کی کتاب کی روایت سے عالی ہو۔

امام نوویؒ اور ابن الملقنؒ ابن الصلاحؒ کی عبارت تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

والموافقة ان يقع لك حديث عن شيخ مسلم من غير جهته بعدد أقل من عددك إذا رويته عن مسلم عنه۔ (۳)

موافقت یہ ہے کہ تمہیں ایک حدیث شیخ مسلم سے ملے جو اس کے طریق سے نہ ہو اس کی تعداد بھی اس سے کم ہو اگر تم اس مسلم شیخ سے روایت کرو۔

ان تعریفات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن الصلاح کی تعریف گنجلک ہے۔ امام نووی نے اسے سہل کرنے کی کوشش کی ہے۔ حافظ عراقی کی تعریف زیادہ واضح اور حافظ ابن حجر کی مختصر اور واضح۔

حافظ عراقیؒ نے اس کی مثال دی ہے فرماتے ہیں:

۱- ابن الصلاح، ۲۵۸؛ ابن الملقن، المقنع، ۲ / ۴۲۲- ۴۲۳

۲- فتح المغیث للعراقی ۳ / ۳۰۰

۳- تقریب مع تدریب، ۳۶۳؛ المقنع، ۲ / ۴۲۲- ۴۲۳

مثاله حديث رواه البخاری (۱) عن محمد بن عبدالله الانصاری (۲) عن حميد عن انس مرفوعا (كتاب الله القصاص) فاذا رويناه من جزء الانصاری تقع موافقة للبخاری فی شيخه مع علو درجة (۳)

اس کی مثال حدیث جسے بخاری نے مرفوعاً محمد بن عبدالانصاری سے انھوں نے حمید سے اور انھوں نے انس سے روایت کی ہے کتاب القصاص۔ اگر ہم اسے جزء الانصاری سے روایت کریں تو یہ بخاری کے لیے اپنے شیخ سے درجہ علو میں موافقت ہوگی۔

حافظ ابن حجرؒ اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مثاله: روی البخاری عن قتيبة (۴) عن مالك حديثاً. فلو رويناه من طريقه كان بيننا و بين قتيبة ثمانية ولو روينا ذلك الحديث بعينه من طريق ابی العباس سراج (۵) عن قتيبة مثلاً لكان بيننا و بين قتيبة فيه سبعة فقد حصلت لنا الموافقة مع البخاری فی شيخه بعينه مع علو الإسناد علی الإسناد إليه. (۶)

مثلاً ایک حدیث کی اسناد بخاری تک پہنچتی ہے اور بخاری نے قتیبہ سے اور قتیبہ نے مالک سے روایت کی پس اگر اس اسناد سے حدیث مذکور کی روایت کی جائے گی تو قتیبہ تک اس

---

۱ - بخاری، الجامع، کتاب التفسير، ۵ / ۱۵۴؛ ایضاً، کتاب الصلح، باب الصلح فی الدية، ۳/۱۶۹:
حدثنا محمد بن عبدالله الانصاری قال: حدثنی حميد ان انساً حدثهم ان الربيع. وهی ابنة النضر. كسرت ثنية جارية، فطلبوا الارش و طلبوا العفو فابوا، فاتوا النبی ﷺ فا مرهم بالقصاص فقال انس ابن النضر: أتكسر ثنية الربيع يا رسول الله؟ لا والذی بعثك بالحق لا تكسر ثنيتها، فقال: يا انس كتاب الله القصاص فرضی القوم وعفوا فقال النبی ﷺ ان من عباد الله من لو اقسم علی الله لأبره.

۲- محمد بن عبداللہ الانصاری ابوعبداللہ البصری القاضی (م ۲۱۴ھ)۔ انھوں نے اپنے والد، سلیمان التیمی حمید الطویل، ابن جریج اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے روایت کی۔ یحییٰ بن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا۔ ابوحاتم نے "صدوق" کہا اور ایک مرتبہ کہا میں تین ائمہ کے سوا کسی کو نہیں مانتا۔ یعنی احمد بن حنبل، سلیمان بن داؤد الھاشمی اور محمد بن عبداللہ الانصاری۔ طبقات ابن سعد، ۷/۲۹۴؛ تاریخ بغداد، ۵/۴۰۸؛ شذرات، ۲/۳۵؛ سیر اعلام، ۹/۵۳۲

۳- فتح المغيث للعراقی، ۳/ ۳۰۰

۴- قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف۔ بن عبداللہ الثقفی مولاھم ابورجاء (م ۲۴۰ھ) مالک، لیث اور ابن لھیعہ وغیرہ سے روایت کیا اور ان سے بخاری اور مسلم نے روایت کی۔ الفرہبانی کہتے ہیں کہ وہ "صدوق" تھے۔ حاکم کے بقول "ثقہ مامون" تھے۔ تهذيب التهذيب، ۸/ ۳۵۰-۳۶۱؛ تذكرة الحفاظ، ۲/ ۴۴۳؛ سير اعلام، ۱۱/ ۱۳

۵- ابوالعباس محمد بن اسحاق السراج النیساپوری (م ۳۱۳ھ) اپنے وقت کے اجل علماء میں سے تھے۔ صاحب تصانیف تھے۔ ثقہ محدث تھے اور زہد و ورع میں ممتاز تھے۔ الجرح، ۳/۱۱/۱۹۶؛ تذكرة الحفاظ، ۲/ ۷۳۱؛ سير اعلام، ۱۴/ ۳۸۸ و بعد

۶- نزهة النظر، ۶۰

کے آٹھ رجال ہوں گے۔ اگر وہی حدیث ابو العباس سراج عن قتیبہ سے روایت کریں تو قتیبہ تک اس کے رجال سات ہونگے۔ اس سند کے رجال پہلی سند سے کم ہیں۔ اور یہ سند بخاری کی اسناد کے ساتھ قتیبہ میں جو بخاری کے شیخ ہیں جا کے مل گئی۔ اس لیے علو کے ساتھ اس اسناد میں موافقت پائی جائے گی۔

بدل

حافظ ابن الصلاحؒ بدل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما البدل فمثل أن يقع لك مثل هذا العلو عن شيخ غير شيخ مسلم هو مثل شيخ مسلم في ذلك الحديث. (۱)

بدل یہ ہے کہ ایک حدیث ایسے ہی علو کے ساتھ شیخ مسلم کے علاوہ کسی شیخ سے مروی ہو اور وہ اس حدیث میں شیخ مسلم کی طرح ہو۔

امام نووی کے الفاظ میں:

والبدل أن يقع هذا العلو عن مثل شيخ مسلم. (۲)

اور بدل یہ ہے کہ حدیث اس علو کے ساتھ شیخ مسلم جیسے اور شیخ سے مروی ہو۔

حافظ عراقی لکھتے ہیں؛

واما البدل فهو ان يقع توافقه في شيخ شيخه مع العلو أيضاً ۔ (۳) ومثاله حديث ابن مسعود الذى رواه الترمذى و قد تقدم (۴)

اور جہاں تک بدل کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ اس کے شیخ کے شیخ سے علو کے ساتھ توافق ہو۔ اور اس کی مثال ابن مسعود کی حدیث ہے جسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

البدل وهوا لوصول إلى شيخ شيخه كذلك. كان يقع لناذلك بعينه من طريق اخرى إلى القعنبي عن مالك فيكون القعنبي بدلاً من قتيبة (۵)

۱- ابن الصلاح، ۲۵۸-۲۵۹؛ المقنع، ۲ / ۴۲۳

۲- تقریب مع تدریب، ۳۶۳

۳- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۰۰

۴- ترمذی، السنن، کتاب اللباس، ماجاء فی لبس الصوف، ۴/۲۲۴

۵- نزھۃ النظر، ۶۱

بدل یہ ہے کہ کسی مصنف کے شیخ الشیخ کے علو کے ساتھ ملا دی جائے۔ مثلاً یہی حدیث ایک اور طریق سے القعنبی عن مالک سے مروی ہو سو قعنبی قتیبہ کا بدل ہوگا۔

قعنبی بخاری کے شیخ الشیخ ہیں روایت کی یہ سند ان کے ساتھ مل گئی ہے۔ چونکہ اس اسناد میں قتیبہ کی جگہ پر قعنبی واقع ہیں لہٰذا اس میں علو کے ساتھ بدل بھی پایا جائے گا۔ اس کو موافقہ بھی کہتے ہیں۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و قد یرد البدل الی الموافقة فیقال فیما ذکرناه انه موافقة عالیة فی شیخ شیخ مسلم ولولم یکن ذلك عالیا فهو ایضاً موافقة و بدل لکن لا یطلق علیه اسم الموافقة و البدل لعدم الالتفات الیه. (۱)

کبھی بدل کا اطلاق موافقہ پر بھی ہوتا ہے لہٰذا یہ کہا جاتا ہے کہ یہ موافقہ عالیہ شیخ مسلم کے شیخ میں واقع ہوئی ہے اور اگر سند عالی نہ ہو تو بھی موافقہ اور بدل واقع ہوتے ہیں لیکن اس کے لیے موافقت اور بدل کے نام کا اطلاق نہیں ہوتا بہ سبب عدم التفات کے۔

امام نوویؒ نے عبارت کو نکھارا۔ وہ لکھتے ہیں:

وقد یسمی هذا موافقة بالنسبة الی شیخ شیخ مسلم. (۲)

اور کبھی اسے موافقت بھی کہا جاتا ہے بوجہ اس نسبت کے جو اسے شیخ مسلم کے شیخ سے ہوتی ہے۔

حافظ عراقی اس موافقت کو موافقت مقیدہ کہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

و قد یسمونه موافقة مقیدة فیقال :هو موافقة فی شیخ شیخ الترمذی مثلاً(۳)

اور کبھی اسے موافقہ مقیدہ کا نام بھی دیا جاتا ہے سو مثال کے طور پر یہ کہا گیا: وہ شیخ الترمذی کے شیخ سے یہ موافقت ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ نے کہا تھا کہ سند عالی نہ ہو تو بھی وہ موافقت اور بدل ہوگی تاہم اس پر موافقت و بدل کے نام کا اطلاق نہیں کیا جائے گا بوجہ عدم التفات کے۔ حافظ عراقی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت :و فی کلام غیره من المخرجین اطلاق اسم الموافقة و البدل مع عدم العلو . فان علا قالوا موافقة عالیة او بدلا عالیاً کذا رأیته فی کلام الشیخ جمال الدین الظاهری وغیره. ورایت فی کلام الظاهری و الذهبی

۱۔ ابن الصلاح، ۲۵۹

۲۔ تقریب مع تدریب، ۳۶۳؛ المقنع، ۲/ ۴۲۲

۳۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۰۰

فوافقناه بنزول فنسمياه مع النزول موافقة و لكن مقيدة بالنزول كما قيدها غيرهما بالعلو (۱).

میں کہتا ہوں: ابن الصلاح کے علاوہ دوسرے تخریج کرنے والوں کے کلام میں سند عالی کے بغیر موافقت اور بدل کے نام کا اطلاق کیا گیا ہے اور اگر سند عالی ہو تو اسے موافقہ عالیہ یا بدل عالی کہا جائے گا۔ اور میں نے شیخ جمال الدین الظاہری وغیرہ کے کلام میں ایسا ہی دیکھا اور میں نے ظاہری اور ذہبی کے کلام میں دیکھا تو ہم نے اسے نزول کہنے میں ان سے موافقت کی۔ ان دونوں نے اسے موافقة مع النزول کہا جیسے دوسرے لوگوں نے علو کے ساتھ مقید کیا۔

مساوات

مساوات سے مراد یہ ہے کہ ایک حدیث جو دوسری سے عالی تھی روایت کی گئی اور کسی مصنف کی اس حدیث کی سند کے رجال کی تعداد اس کے برابر ہو۔ حافظ ابن الصلاح اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما المساواة فهي في أعصارنا ان يقل العدد في اسنادك لاالي شيخ مسلم و أمثاله ولا إلى شيخ شيخه بل إلى من هو أبعد من ذلك كالصحابي أو من قاربه، وربما كان إلى رسول الله ﷺ بحيث يقع بينك و بين الصحابي مثلاً من العدد مثل ما وقع من العدد بين مسلم وبين ذلك الصحابي فتكون بذلك مساوياً لمسلم مثلاً في قرب الاسناد و عدد رجاله. (۲)

اور جہاں تک مساوات کا تعلق ہے تو ہمارے زمانے میں یہ ہے کہ تمہاری سند میں رجال کی تعداد کم ہو۔ اور یہ شیخ مسلم یا اس جیسے اشخاص تک کی بات نہیں اور نہ ہی شیخ الشیخ تک کے رجال کی بات ہے بلکہ اس سے دور صحابی یا اس کے قریب کے لوگوں تک بلکہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ تک بھی شامل ہیں۔ یہ تعداد مثلاً آپ کے صحابیؓ کے درمیان اتنی واقع ہو جتنی مسلم اور اس صحابی کے درمیان ہے تو یہ سند قرب اسناد اور رجال کی تعداد کے لحاظ سے مسلم کے مساوی ہوگی۔

امام نوویؒ نے حسب معمول ابن الصلاح کی عبارت کو آسان بنایا۔ وہ لکھتے ہیں:

۱- فتح المغيث للعراقي، ۳/ ۳۰۰-۳۰۱: مقابلہ کیجیے: ابن الصلاح، ۲۵۹

۲- ابن الصلاح، ۲۵۹

والمساواة فی أعصارنا قلة عدد اسنادك إلى الصحابی أو من قاربه بحيث يقع بينك و بين صحابی مثلاً من العدد مثل ما وقع بين مسلم وبينه(۱).

اور ہمارے زمانے میں مساوات کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری اسناد جو صحابی یا اس کے قریب شخص تک پہنچتی ہے اس میں مثال کے طور پر رجال کی کم تعداد جو تمہارے اور صحابی کے درمیان واقع ہے وہ اس تعداد جیسی ہو جو مسلم اور صحابی کے درمیان واقع ہے۔

حافظ عراقیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما المساواة فهو أن يكون بين الراوی و بين الصحابی أو من قبل الصحابی إلى شيخ أحد الستة و بين ذلك الصحابی أو من قبله على ما ذكرا و يكون بينه و بين النبیﷺ كما بين أحد الائمة الستة و بين النبیﷺ من العدد. وهذا كله كان يوجد قديما و اما اليوم فلا توجد المساواة الا ان يكون عدد ما بين الراوی الآن و بين النبیﷺ كعدد ما بين أحد الائمة الستة و بين النبیﷺ. (۲)

مساوات یہ ہے کہ راوی اور صحابی یا صحابی سے ائمہ ستہ کے شیوخ تک اور اس صحابی یا اس سے پہلے تک جیسا ذکر کیا گیا ہے۔ یا اس کے درمیان اور نبی ﷺ کے درمیان جیسا کہ ائمہ ستہ میں سے کسی ایک اور نبی ﷺ کے درمیان رجال کی تعداد ویسی ہو۔ یہ سب کچھ قدیم زمانے میں تھا جہاں تک آج کے دور کا تعلق ہے تو اس میں مساوات نہیں پائی جاتی الا یہ کہ اب ایک راوی اور نبی ﷺ کے درمیان اتنی تعداد ہو جتنی ائمہ ستہ میں سے کسی ایک اور نبی ﷺ کے درمیان ہو۔

حافظ ابن حجرؒ مساوات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المساواة: وهی استواء عدد الإسناد من الراوی الى آخره أی الإسناد مع إسناد أحد المصنفين. (۳)

مساواۃ یہ ہے کہ ایک راوی کے اسناد میں رجال کی تعداد آخر سند تک مصنفین کتب حدیث میں سے کسی ایک کی سند کی تعداد کے برابر ہو۔

حافظ ابن حجرؒ اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱- تقریب مع تدریب، ۳۶۳

۲- فتح المغيث للعراقی، ۳/۳۰۱

۳- نزهة النظر، ۶۱

كان يروى النسائي مثلاً حديثاً يقع بينه و بين النبي ﷺ فيه احد عشر نفساً، فيقع لنا ذلك الحديث بعينه آخر باسناد الى النبي ﷺ يقع بيننا فيه و بين النبي ﷺ احد عشر نفساً فتساوى النسائي من حيث العدد مع قطع النظر من ملاحظة ذلك الاسناد الخاص. (۱)

گویا ایک حدیث کو جس طرح نسائی نے ایک اسناد سے روایت کیا ہم نے بھی ایک عالی اسناد سے اس کو روایت کیا ہے۔ جس طرح نسائی اور آنحضرت ﷺ کے درمیان گیارہ رجال ہیں اسی طرح ہمارے بعد آنحضرت کے درمیان گیارہ ہی رجال ہیں چونکہ یہ اسناد نسائی کے اسناد کے ساتھ مساوی ہے، لہٰذا اس میں مساوات پائی گئی۔

حافظ عراقی نے اس کی مثال دیتے ہوئے لکھا ہے:

و مثال المساواة لشيوخنا حديث النهي عن نكاح المتعة. (۲) أخبرنا به محمد بن اسماعيل بن عبدالعزيز قال أنا عبدالعزيز بن عبدالمنعم الحراني قال أنبانا أسعد بن سعيد بن روح و عفيفة بنت أحمد الفارقانية و اللفظ لها قالا اخبرتنا فاطمة بنت عبدالله الجوز ذانية قالت: أخبرنا أبوبكر بن زيد ة قال أخبرنا سليمان بن أحمد الطبراني قال حدثنا أبوالز نباع روح بن الفرج حدثنا يحيىٰ بن بكير حدثني الليث قال الطبراني و ثنا يوسف القاضي ثنا أبو الوليد الطيالسي ثنا ليث بن سعد حدثني الربيع بن سبرة الجهني عن أبيه سبرة انه قال "أذن لنا رسول الله بالمتعة" الحديث و فيه: ثم ان رسول الله قال: (من كان عنده شئ من هذه النساء اللاتي يتمتع بهن فليخل سبيلها) و اللفظ لحديث يحيىٰ بن بكير هذا حديث صحيح أخرجه مسلم (۳) و النسائي (۴) عن قتيبة عن الليث فوقع لنا بدلاً لهما عالياً من حديثه وورد حديث

۱- نزهة النظر، ۶۱

۲- بخاری، الجامع، کتاب النكاح، باب تحريم المتعة، ۶/ ۲۰۹

۳- مسلم، الجامع، کتاب النكاح، باب نكاح المتعة، ۴/۱۳۱، حديث، ۳۴۱۹

۴- نسائی، السنن، کتاب النكاح، باب تحريم المتعة، ۶/ ۱۲۷، حديث ۳۳۷۹

النهي عن نكاح المتعة من حديث جماعة من الصحابة منهم علي بن ابي طالب وهو متفق عليه من حديثه من طريق مالك، وقد رواه النسائي في جمعه لحديث مالك عن زكريا ابن يحيىٰ خياط السنة عن ابراهيم بن عبدالله الهروي عن سعيد بن محبوب عن عبثر بن القاسم عن سفيان الثوري عن مالك عن ابن شهاب عن عبدالله والحسن ابني محمد بن علي بن أبيهما عن علي. فباعتبار هذا العدد كان شيخنا ساوي فيه النسائي وكأني لقيت النسائي وصافحته به ولله الحمد (۱)

اور ہمارے شیوخ کے ساتھ مساوات کی نکاح متعہ سے ممانعت کی حدیث ہے۔ ہمیں محمد بن اسماعیل بن عبدالعزیز نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ مجھے عبدالعزیز بن عبدالمنعم الحرانی نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسعد بن سعید بن روح اور عفیفہ بنت احمد الفارقانیہ نے خبر دی اور الفاظ اس خاتون کے ہیں انھوں نے کہا کہ ہمیں فاطمہ بنت عبداللہ الجوزذانیہ نے خبر دی۔ وہ کہتی ہیں کہ ہمیں ابوبکر بن زیدہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ سلیمان بن احمد الطبرانی نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابوالزنباغ روح بن الفرج نے حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں مجھ سے لیث نے حدیث بیان کی۔ طبرانی کہتے ہیں کہ ہم سے یوسف القاضی نے بیان کیا انھوں نے کہا کہ ہم سے ابوالولید الطیالسی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے الربیع بن سبرہ الجہنی نے اپنے والد سے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ نے ہمیں متعہ کی اجازت دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس کوئی ایسی عورت ہے جس سے متعہ کیا اسے فارغ کر دیا جائے اور اس حدیث کے الفاظ یحییٰ بن بکیر کے ہیں۔ یہ صحیح حدیث ہے جسے مسلم اور نسائی نے قتیبہ بن لیث سے تخریج کی ہے سو ہمیں ان دونوں کا بدل بسند عالی میسر ہے اور نکاح متعہ کی ممانعت پر وارد حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ان میں علی بن ابی طالب بھی ہیں۔ ان کی یہ حدیث بہ روایت مالک متفق علیہ ہے اور نسائی نے یہ حدیث مالک بذریعہ زکریا بن یحییٰ خیاط السنہ، ابراہیم بن عبداللہ الہروی سے وہ سعید بن محبوب سے اور وہ عبثر بن القاسم سے وہ سفیان ثوری سے وہ مالک سے وہ ابن شہاب

۱- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۰۱

سے اور وہ عبداللہ اور حسن بن محمد بن علی سے اور وہ اپنے والد علی سے روایت کرتے ہیں۔ اس تعداد کے اعتبار سے ہمارے شیخ نسائی کے مساوی ہیں۔ ایسے لگا کہ میں نسائی سے ملا ہوں اور ان سے مصافحہ کیا ہے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

المصافحہ

مصافحہ کے معنی ہاتھ ملانے کے ہیں جب کوئی شاگرد اپنے استاد کی سند میں برابر ہو تو گویا اس نے اپنے استاد سے مصافحہ کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاحؒ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما المصافحة: فهي أن تقع هذه المساوات التي و صفنا ها لشيخك لا لك فيقع ذلك لك مصافحة إذ تكون كانك لقيت مسلما في ذلك الحديث و صافحته به لكونك قد لقيت شيخك المساوي لمسلم. فان كانت المساوا ة لشيخ شيخك كانت المصافحة لشيخك ، فتقول كأن شيخي سمع مسلما وصافحه. وإن كانت المساواة لشيخ شيخ شيخك فالمصافحة لشيخ شيخك فتقول فيها: كأن شيخ شيخي سمع مسلماً وصافحه. ولك ان لا تذكر لك في ذلك نسبة، بل تقول: كان فلاناً سمعه من مسلم، من غير ان تقول فيه "شيخي" او "شيخ شيخي". (۱)

اور مصافحہ یہ ہے کہ مساوات جسے ہم بیان کر آئے ہیں آپ کے لیے نہیں، آپ کے شیخ کے لیے واقع ہو تو تمہارے لیے مصافحہ کے وقوع کی طرح ہے گویا تو اس حدیث میں مسلم سے ملا ہے اور اس سے مصافحہ کیا ہے کیونکہ اپنے شیخ سے ملا ہے جو مسلم کے مساوی ہے۔ پھر اگر یہ مساوات آپ کے شیخ کے شیخ سے ہو تو یہ مصافحہ آپ کے شیخ کے لیے ہوگا۔ سو تم کہہ سکتے ہو کہ گویا میرے شیخ نے مسلم کو سنا اور اس سے مصافحہ کیا۔ اور اگر مساواۃ تمہارے شیخ کے شیخ کے شیخ سے ہو تو مصافحہ تمہارے شیخ کے شیخ کا ہوگا۔ سو تم کہہ سکتے ہو کہ گو میرے شیخ کے شیخ نے مسلم سے سنا اور مصافحہ کیا۔ تمہارے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ تم اس میں نسبت کا ذکر نہ کرو بلکہ کہو کہ گویا فلاں شخص نے مسلم سے سنا بجائے اس کے کہ یہ کہو کہ میرے شیخ یا میرے شیخ کے شیخ نے سنا۔

۱- ابن الصلاح، ۲۵۹

امام نوویؒ، حافظ ابن الصلاحؒ کی عبارت کو مختصر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

والمصافحة ان تقع هذه المساواة لشيخك، فيكون لك مصافحة كانك صافحت مسلما فاخذته عنه ،فان كانت المساواة لشيخ شيخك كانت المصافحة لشيخك وان كانت المساواة لشيخ شيخ شيخك فالمصافحة لشيخ شيخك-(۱)

اور مصافحہ یہ ہے کہ یہ مساواۃ آپ کے شیخ سے واقع ہو تو یہ تمہارے لیے مصافحہ ہوگی گویا تم نے مسلم سے مصافحہ کیا اوران سے اخذ کیا۔ اور اگر یہ مساوات آپ کے شیخ کے شیخ سے ہو تو مصافحت تمہارے شیخ کی ہوگی اور اگر مساوات آپ کے شیخ کے شیخ سے ہو تو یہ مصافحت آپ کے شیخ کے شیخ کی ہوگی۔

حافظ عراقیؒ مصافحت کی وضاحت اپنے انداز میں کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

وأما المصافحة فهو أن تعلو طريق أحد الكتب الستة عن المساواة بدرجة فيكون الراوى كأنه سمع الحديث من البخارى أو مسلم مثلاً وهو المراد بقولى: و حيث راجحه الاصل أى وحيث رجح أحد من الائمة الستة براوٍ واحدٍ على الراوى الذى وقع له ذلك الحديث سموه مصافحة بمعنى أن الراوى كأنه لقى أحد الائمة الستة وصافحه بذلك الحديث و مثلت بالكتب الستة لان الغالب على المخرجين استعمال ذلك بالنسبة اليهم فقط و قد استعمله الظاهرى وغيره بالنسبة الى مسند احمد ولا مشاحة فى ذلك.(۲)

اور مصافحت یہ ہے کہ کتب ستہ میں کسی ایک میں سند عالی کے ساتھ مساوات کے اس درجہ پر ہو کہ گویا اس نے حدیث بخاری یا مسلم سے سنی ہے۔ میرے قول حیث راجحه الاصل سے یہی مراد ہے یعنی ائمہ ستہ میں سے کسی ایک نے ایک راوی کو اس روای پر ترجیح دی جس سے یہ حدیث واقع ہو۔ مصافحہ کا نام اس لیے دیا کہ گویا وہ ائمہ ستہ میں سے کسی ایک سے ملا اور اس حدیث کے ساتھ اس نے مصافحہ کیا۔ میں نے کتب ستہ کی مثال اس لیے دی کہ تخریج

۱- تقریب مع تدریب، ۳۶۴- ۳۶۵

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۰۱- ۳۰۲؛ محمد الانصاری، فتح الباقی، ۳۸۴

کرنے والوں میں صرف ان ہی پر یہی غالب استعمال ہوتا ہے اور ظاہری وغیرہ نے مسند احمد کی نسبت سے بھی استعمال کیا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

حافظ ابن حجر مصافحہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المصافحة وهي الاستواء مع تلميذ ذلك المصنف على الوجه المشروح اولاً و سميت مصافحة لان العادة جرت في الغالب بالمصافحة بين من تلاقيا. و نحن في هذه الصورة كانا لقينا النسائي فكأنا صافحناه(۱).

مصافحہ اس مصنف کے شاگرد کا علو سند میں (جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے) مساوی ہونا ہے۔ اسے مصافحہ اس لیے کہا گیا کہ غالب عادت یہ ہے کہ جب دو شخص ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں۔ اور ہم اس حالت میں گو نسائی سے ملے ہیں تو گویا ہم نے ان سے مصافحہ کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ سند عالی کے مقابلے میں سند نازل ہوتی ہے گو بعض کا خیال ہے کہ ہر عالی سند کے مقابل میں نازل نہیں ہوتی۔ مگر ہمارے بیان سے ثابت ہوا ہے کہ ہر ایک عالی کے مقابلے میں نازل ضرور ہوتی ہے(۲)۔

پچھلی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اپنی تقسیم میں سند عالی کو علو مطلق اور علو نسبی میں تقسیم کیا اور پھر علو نسبی کے تحت مذکورہ بالا چار اقسام کو بیان کیا جب کہ ابن الصلاح کے تتبع میں حافظ عراقی، امام نووی اور ان کے شارحین سخاوی اور سیوطی وغیرہ نے سند عالی کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ علو مطلق اور علو نسبی اور پھر علو نسبی میں صحاح ستہ کی نسبت سے تیسری قسم جس کے ضمن میں مندرجہ بالا چار اقسام بیان ہوئی ہیں۔ حافظ ابن حجر اس پر اکتفا کرتے ہیں جب کہ باقی مصنفین نے دو اور اقسام کو بیان کیا ہے۔ معاصر مصنف ڈاکٹر نور الدین عتر نے پانچ اقسام اور ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱- علو مسافة بقلة الوسائط   **۲- علو صفة**

علو بالمسافة کو وہ تین اقسام میں بیان کرتے ہیں۔ نظیف صحیح سند کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کا قرب، ائمہ حدیث میں سے کسی امام کا قرب، علو بہ نسبت کتب مشہورہ۔

علو کی دوسری قسم علو الصفة کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱- العلو بتقدم الراوی   **۲- العلو بتقدم السماع من الشيخ(۳)**

۱- نزهة النظر، ۶۱

۲- ایضاً، ۶۱

۳- منهج النقد في علوم الحديث، ۳۵۹-۳۶۱

العلو بتقدم الراوی

حافظ ابن الصلاحؒ کے نزدیک چوتھی قسم کا تعلق تقدم الراوی سے ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

الرابع: من انواع العلو العلو المستفاد من تقدم وفاة الراوی. (۱)

علو کی اقسام میں سے چوتھی قسم وہ علو ہے جو راوی کی وفات کے تقدم سے مستفاد ہے۔

امام نوویؒ اور ابن ملقنؒ ابن الصلاحؒ کی عبارت کو مختصر کر کے کہتے ہیں:

الرابع: العلو بتقدم وفات الراوی (۲)

چوتھی قسم وہ علو ہے جو راوی کی وفات کے تقدم سے حاصل ہوتا ہے۔

حافظ عراقیؒ اسے ذرا وضاحت سے لکھتے ہیں:

هذا القسم الرابع من اقسام العلو و هو تقدم وفاة الراوی عن شیخ علی وفاة راو آخر عن ذلك الشیخ. (۳)

سند عالی کی اقسام میں چوتھی قسم یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے دوسرے راوی سے پہلے وفات پا جائے۔

حافظ ابن الصلاحؒ اور حافظ عراقیؒ نے دونوں مثالیں دی ہیں۔ ذیل میں ہم ان دونوں مثالوں کو نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

مثاله ما ازویه عن شیخ أخبرنی به عن واحد عن البیهقی الحافظ عن الحاکم ابی عبدالله الحافظ اعلیٰ من روایتی لذلك عن شیخ أخبرنی به عن واحد عن ابی بکر عبدالله بن خلف (۴) عن الحاکم. وان تساوی الاسناد ان فی العدد. لتقدم الوفاة البیهقی علی وفات ابن خلف. لأن البیهقی مات سنة ثمان و خمسین واربعمائة ومات ابن خلف سنة سبع و ثمانین واربعمائة وروینا عن ابی یعلی الخلیل بن

۱- ابن الصلاح، ۲۷۱

۲- تقریب مع تدریب، ۳۶۵؛ المقنع، ۲ / ۴۲۳

۳- فتح المغیث، ۳ / ۳۰۲

۴- ابی بکر بن خلف الشیرازی، النیسا پوری (م ۴۸۷ھ)، صاحب معرفة علوم الحدیث امام حاکم اور دوسرے اجل علماء سے سماع کیا۔ ثقہ متقن راوی تھے۔ اہل علم کی کثیر تعداد دوسرے علاقوں سے ان کے پاس استفادہ کے لیے آئی۔ العبر، ۳/ ۳۱۵؛ شذارت، ۳/ ۳۷۹

عبدالله الخليلي الحافظ الحنبلي (۱) قال: قد يكون الاسناد يعلوا على غيره بتقدم موت راويه وان كانا متساويين في العدد. و مثل ذلك من حديث نفسه بمثل ما ذكر ناه(۲).

اس کی مثال وہ ہے جسے میں نے ایک شیخ سے روایت کی جس نے مجھے ایک شخص سے خبر دی کہ اس نے بیہقی سے اور انھوں نے ابوعبداللہ حاکم سے روایت کی۔ میری یہ روایت میری اس روایت سے اعلیٰ ہے جو میں نے اس شیخ سے کی جس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک شخص کے ذریعہ ابوبکر عبداللہ خلف سے اور وہ حاکم سے روایت کرتے ہیں اگر چہ تعداد میں دونوں اسناد برابر ہیں لیکن بیہقی کو وفات میں ابن خلف پر تقدم حاصل ہے۔ بیہقی چار سو اٹھاون ہجری میں فوت ہوئے جب کہ ابن خلف نے چار سو ستاسی میں وفات پائی۔ اور ہم نے حافظ ابو یعلی خلیل بن عبداللہ الخلیلی الحنبلی سے روایت کی کہ انھوں نے کہا: کبھی راوی کی موت کے تقدم کی وجہ سے سند عالی ہو جاتی ہے اگر چہ تعداد رجال میں دونوں مساوی ہوتی ہیں اور اس کی مثال وہی حدیث ہے جسے ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

امام نوویؒ نے حافظ کی مثال ہی کو نقل کیا ہے۔ حافظ عراقیؒ اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مثاله من سمع سنن ابی داؤد على الزكي عبدالعظيم (۳) اعلى ممن سمعه على النجيب الحراني (۴) ومن سمعه على النجيب اعلى ممن سمعه على ابن خطيب المزه (۵) والفخر بن البخاری (۶) و ان اشترك

۱۔ ابو یعلی خلیل بن عبداللہ الخلیلی القزوینی (م ۴۴۶ھ) اپنے وقت کے ثقہ حافظ اور متمکن محدث تھے۔ اجل اساتذہ سے سماع کیا اور بعض کی اجازت سے روایت کیا۔ حدیث کے علل اور رجال کے حالات سے خوب آگاہ تھے۔ شذرات، ۳/۲۷۴؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۱۲۳؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۶۶۶

۲۔ ابن الصلاح، ۲۶۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۲-۳۰۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۲۹۸

۳۔ الزکی عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری ابو محمد شامی الاصل مصری (م ۶۵۶ھ) اپنے وقت کے اجل علماء سے استفادہ کیا اور اس مقصد کے لیے کثرت سے سفر کیے۔ حدیث کے متبحر عالم تھے، حدیث کے علل و سقم خوب سمجھنے والے تھے۔ اپنے وقت کے امام اور حجت تھے۔ صاحب تصانیف تھے، سیر اعلام النبلاء ۲۳/۳۱۹

۴۔ النجیب الحرانی، ابوالفرج عبداللطیف بن عبدالمنعم بن الصیقل الحرانی التاجر۔ محدث مصر (م ۶۷۲ھ) میں حران میں پیدا ہوئے اور اس کے والد اسے لے کر وہاں سے منتقل ہوئے۔ ابن کلیب ابن المعطوس اور ابن الجوزی سے سماع حدیث کیا۔ دارالحدیث کاملیہ میں شیخ الحدیث متعین ہوئے ۶۷۲ھ میں پچاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ شذرات الذھب، ۵/۳۳۶

۵۔ ابن خطیب المزہ شہاب الدین عبدالرحیم بن یوسف بن یحییٰ الموصلی ثم الدمشقی نزیل قاہرہ (م ۶۸۷ھ) حنبل ابن عبداللہ اور ابن طبرزد سے سماع حدیث کیا۔ وہ ایک فاضل محدث متقی اور ثقہ تھے۔ شذرات الذھب ۵/۴۰۱)

۶۔ فخر بن البخاری، مسند الدنیا، ابوالحسن علی بن احمد بن عبدالواحد السعدی المقدسی الصالحی الحنبلی (م ۶۹۰ھ) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الأربعة في رواية الكتاب عن شيخ واحد وهو ابن طبرزذ (۱) لتقدم وفاة الزكي على النجيب و تقدم وفاة النجيب على من بعده.(۲)

اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے سنن ابی داود کوزکی عبدالعظیم سے سنا یہ اس سے اعلیٰ ہے جس نے نجیب الحرانی سے سماع کیا اور جس نے نجیب الحرانی سے سنا تو یہ سماع اس سے اعلیٰ ہے جس نے خطیب المرزہ اور فخر بن بخاری سے سنا۔ اگر چہ یہ چاروں ایک شیخ سے سماع میں مشترک ہیں اور وہ ابن طبرزد ہیں اس لیے زکی کی وفات کو نجیب کی وفات پر تقدم حاصل ہے اسی طرح نجیب کو اپنے بعد مرنے والے لوگوں پر تقدم حاصل ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں:

یہ علو جو وفات کے تقدم پر مبنی ہے ایک شیخ سے دوسرے شیخ کی نسبت سے مستفاد ہے اور ایک راوی سے دوسرے راوی پر قیاس سے متعلق ہے لیکن وہ علو جو مجرد وفات شیخ کے تقدم سے مستفاد ہے اور جس میں ایک راوی کے دوسرے راوی پر قیاس کو پیش نظر نہیں رکھا گیا تو اس کی حد بعض اہل علم نے پچاس برس رکھی ہے۔(۳)

اور یہ رائے اس بات پر مبنی ہے جو حافظ ابو علی النیسابوری سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن عمیر الدمشقی (۴) کو، جو حدیث کے ائمہ میں سے تھے، یہ کہتے سنا!

اسناد خمسین سنة من موت الشيخ علو. (۵)

شیخ کی موت کے پچاس سال بعد کی اسناد عالی ہے۔

حنبل، ابن طبرزذ اور الکندی وغیرہ سے سماع کیا۔ ابو المکارم اللبان اور ابن الجوزی وغیرہ نے انہیں روایت کی اجازت دی۔ ابن رجب نے طبقات میں کہا ہے کہ وہ روایت عالیہ میں اپنے وقت کے منفرد محدث تھے۔ بڑے بڑے ائمہ نے ان سے سماع کیا۔ انھوں نے لمبی عمر پائی تھی۔ طبقات الحنابلة، ۳۲۵/۲

۱- ابن طبرزذ، ابو حفص، موفق الدین عمر بن محمد بن معمر الدارقزی المؤدب (م ۶۰۷ھ) ابن حسین اور ابو غالب البناء سے سماع کیا۔ آخری عمر میں دمشق گئے تو سننے کے لیے لوگوں کا اژدحام ہوتا تھا۔ جامع منصور میں مجلس املاء منعقد ہوتی اور لوگوں کی بڑی تعداد استفادہ کرتی۔ ظریف تھے اور اکثر مزاح کرتے۔ شذرات، ۲۶/۵؛ العبر، ۱۲/۵ سیر اعلام، ۵۰۷/۲۱

۲- فتح المغیث، ۳۰۲/۳

۳- ابن الصلاح، ۲۶۱

۴- احمد بن عمیر بن یوسف ابو الحسن الکلابی الدمشقی (م ۳۲۰ھ) جو ابن جوصاء کے نام سے معروف تھے۔ شام کے ممتاز محدث تھے۔ صاحب تالیف تھے۔ اخذ حدیث کے لیے کثرت سے سفر کیے۔ حافظہ بہت عمدہ تھا۔ ثقہ تھے۔ تذکرة الحفاظ، ۵۹۷/۳؛ میزان، ۱۲۵/۱؛ شذرات، ۲۸۵/۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۵/۱۵

۵- ابن الصلاح، ۲۶۲؛ فتح المغیث ۳۰۳/۳؛ سیر اعلام، ۱۲/۱۵؛ الارشاد، ۱۷۷

اور حافظ ابوعبداللہ بن مندہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

اذا مر علی الاسناد ثلاثون سنة فهو عالی (۱)

جب ایک اسناد پر تیس سال گذر جائیں تو وہ عالی ہے۔

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ پہلے سے زیادہ وسیع ہے (**و هذا اوسع من الاول**)(۲)

العلو بتقدم السماع

علو کی پانچویں قسم وہ ہے جو سماع کے تقدم سے حاصل ہو۔ یعنی جس شخص نے شیخ سے پہلے سنا وہ بعد میں سننے والے سے اعلیٰ سند کا حامل ہوگا۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

الخامس: العلو المستفاد من تقدم السماع. انبؤنا عن محمد بن ناصر الحافظ قال: من العلو تقدم السماع. (۳)

پانچویں قسم وہ علو ہے جو تقدم سماع سے مستفاد ہے۔ ہم کو حافظ محمد بن ناصر سے یہ خبر پہنچی ہے کہ انھوں نے کہا: تقدم سماع علو ہی سے ہے۔

امام نووی اور ابن الملقن کہتے ہیں: **العلو متقدم السماع. (۴)** علو کا تعلق تقدم سماع سے ہے۔
حافظ عراقی اسی قسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

القسم الخامس من اقسام العلو و هو تقدم السماع من الشيخ فمن تقدم سماعه من شيخ كان اعلىٰ ممن سمع من ذلك الشيخ نفسه بعده. (۵)

علو کی اقسام میں سے پانچویں قسم وہ ہے جس کو شیخ سے سماع کا تقدم حاصل ہے سو جس شخص کو شیخ سے سماع میں تقدم حاصل ہے وہ اعلیٰ ہوگا بہ نسبت اس شخص کے جس نے اس شیخ سے بعد میں سماع کیا۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ محمد بن طاہر بھی تقدم سماع کو علو کا ذریعہ سمجھتے ہیں، تاہم ابن طاہر اور اس کی متابعت میں ابن دقیق العید مذکورہ بالا دونوں قسموں کو ایک قرار دیتے ہیں۔ (۶)

۱- ابن الصلاح، ۲۶۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۰۳؛ ارشاد طلاب الحقائق، ۱۷۷
۲- ایضاً، ۲۶۲
۳- ایضاً، ۲۶۲
۴- تقریب مع تدریب، ۳۶۵؛ المقنع، ۲ / ۴۲۶
۵- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۰۳
۶- ایضاً، ۳ / ۳۰۳

حافظ ابن الصلاحؒ نے بھی اسی طرح کا اشارہ دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

و کثیر من هذا یدخل فی النوع المذکور. (۱)

اور اس قسم کا بہت حصہ مذکورہ بالا قسم میں داخل ہے۔

تاہم وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس قسم کا کچھ حصہ مذکورہ بالا قسم میں داخل نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وفیه مالا یدخل فی ذلك بل یمتاز عنه مثل أن یسمع شخصان من شیخ واحد، وسماع احدهما من ستین سنة مثلاً وسماع الآخر من أربعین سنة. فاذا تساوی السند إلیهما فی العدد فالإسناد الی الأول الذی تقدم سماعه أعلی. (۲)

اور اس قسم میں ایسی صورتیں بھی ہیں جو پہلی قسم میں داخل نہیں بلکہ اس سے ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص سے دو شخص سماع کرتے ہیں اور ان میں سے ایک کا سماع ساٹھ سال سے ہے جب کہ دوسرے کا چالیس سال جب ان دونوں کی سند تعداد رجال کے لحاظ سے مساوی ہوگی تو جسے سماع میں تقدم حاصل ہوگا اس کی اسناد اعلیٰ ہوگی۔

حافظ عراقی اسے بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

قلت: و اهل الحدیث مجمعون علی أفضلیة المتقدم فی حق من اختلط شیخه اوخرف لهرم اومرض وهو واضح، اما من لم یحصل له ذلك فربما کان السماع المتاخر أرجح بأن یکون تحدیثه الاول قبل ان یبلغ درجة الاتقان و الضبط ثم کان الشیخ متصفاً بذلك فی حالة سماع الراوی المتاخر السماع فلهذا مزیة و فضل علی السماع المتقدم وهو ارفع و أعلی لکنه علو معنوی علی ما سیأتی. (۳)

میں کہتا ہوں کہ تمام اصحاب حدیث اس شخص کی افضلیت پر متفق ہیں جسے سماع کا تقدم حاصل ہے اپنے اس شیخ سے جو مختلط ہوگیا یا بڑھاپے کی وجہ سے حافظہ خراب ہوگیا یا بیمار ہو گیا۔ یہ بات واضح ہے لیکن جس شیخ کو ان میں سے کوئی چیز لاحق نہیں ہوئی تو بعض اوقات

۱- ابن الصلاح، ۲۶۲

۲- ایضاً، ۲۶۲

۳- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۰۴

بعد کا سماع زیادہ قابل ترجیح ہے اس لیے کہ پہلا بیان حدیث اتقان اور ضبط کے حصول سے قبل کا ہے اور پھر وہ شیخ متاخر سامع حدیث کے لیے اتقان ضبط سے متصف ہو گیا لہٰذا اس کی فضیلت ہے اور یہ سماع متقدم سے افضل ہوگا۔ اس طرح سماع متاخر اعلیٰ وارفع ہے لیکن یہ علو معنوی ہوگا جیسا کہ آگے ہم بیان کریں گے۔

یہ پانچ اقسام ہیں جنہیں جامعیت ووضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔(۱) حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ ابن طاہر اور ابن دقیق العید نے تقدم الوفاۃ اور تقدم السماع کو ایک قسم قرار دیا لیکن جس قسم کو حذف کیا اس کی جگہ پر نئی قسم کا اضافہ کیا جس کا تعلق مشہور مصنفین کتب کی نسبت سے علو سے ہے۔ ابن طاہر نے اس قسم کو مزید دو میں تقسیم کیا ایک کا تعلق بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوحاتم اور ابوزرعہ کی نسبت سے ہے اور دوسری کا تعلق دیگر مصنفین کی نسبت سے ہے جیسے ابن ابی الدنیا، خطابی اور ان جیسے دیگر مصنفین سے ہے۔(۲)

سند عالی کی اہمیت

اسناد اس امت کی ایک خصوصیت ہے اور یہ سنن مؤکدہ میں سے ایک سنت ہے عبداللہ بن المبارک کا مشہور قول ہے:

الإسناد من الدين لو لا الإسناد لقال من شاء ماشاء.

اسناد دین میں سے ہے اگر اسناد نہ ہو تو جس کا جی چاہے وہ کہے۔

اور سند عالی کا طلب کرنا بھی سنت ہے اس لیے تو اسے حاصل کرنے کے لیے سفر کیے گئے۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں:

طلب الإسناد العالى سنة عمن سلف. (۳)

اسناد عالی کا طلب کرنا اسلاف کی سنت ہے۔

یحییٰ بن معین کے بارے میں روایت ہے کہ مرض وفات میں ان سے پوچھا گیا کہ کسی شے کی خواہش ہے؟ تو انھوں نے کہا!

بيت خالى و اسناد عالى. (۴) خالی گھر اور عالی سند۔

۱- ابن الصلاح، ۲۴۲

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۳۰۴

۳- ابن الصلاح ،۲۵۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۹۷

۴- ایضاً، ۲۵۶

سند کا علو اس کے خلل کو دور کرتا ہے۔ رجال میں سے ہر راوی کے بارے میں اس بات کا احتمال ہے کہ غلطی سے یا عمداً خلل واقع ہو۔ سو جتنے راوی کم ہوں گے اتنا خلل کا احتمال بھی کم ہوگا اور جس قدر راوی زیادہ ہوں گے اس قدر خطا کا احتمال زیادہ ہوگا۔(۱)

- حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی کہتے ہیں:

اجمع اهل النقل علی طلبهم العلو و مدحه اذ لو اقتصروا علی سماعه بنزول لم یرحل احد منهم. (۲)

سند عالی کی طلب اور اس کی تعریف پر علمائے حدیث کا اجماع اس لیے ہے کہ اگر وہ سماع نازل پر اکتفا کر لیں تو ان میں کوئی شخص بھی طلب حدیث کے لیے سفر نہیں کرے گا۔

علم حدیث سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ طلبہ حدیث نے حصول علم کے کتنے تھکا دینے والے سفر کیے۔ صرف ایک حدیث سننے کے لیے طویل سفر اختیار کیے ابن خلاد اور پھر خطیب نے بعض اہل نظر کی یہ رائے نقل کی ہے کہ اسناد میں نزول افضل ہے کیونکہ اس میں زیادہ محنت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے پھر متن اور اس کا تنقیدی جائزہ بھی شامل ہوتا ہے۔ جتنا اجتہاد زیادہ ہوگا اتنا ثواب بڑھے گا۔ ابن خلاد کہتے ہیں کہ جو لوگ حدیث کو قیاس سے قوی سمجھتے ہیں وہ اس رائے کے حامل ہیں حافظ ابن الصلاح کا خیال ہے کہ یہ کمزور نقطہ نظر ہے۔(۳) ابن دقیق العید کا کہنا ہے کہ محنت ومشقت فی نفسہ کوئی مطلوب شی نہیں۔ روایت سے اصل مقصود تو صحت وثقاہت ہے۔(۴)

حافظ سیوطیؒ نے اس سلسلے میں علامہ ابن حزم کا قول نقل کیا ہے جو قابل توجہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

نقل الثقة عن الثقة یبلغ به النبی صلی الله علیه وسلم مع الإتصال. خص الله به المسلمین دون سائر الملل، وأما مع الإرسال والإعضال فیوجد فی کثیر من الیهود، لکن لایقربون فیه من موسٰی قربنا من محمد صلی الله علیه وسلم بل یقفون بحیث یکون بینهم و بین موسٰی اکثر من ثلاثین عصراً، وانما یبلغون إلی شمعون ونحوه ۔ قال: وأما النصاری فلیس عندهم من صفة هذا النقل إلاتحریم الطلاق فقط

۱- ابن الصلاح، ۲۵۶

۲- مسئلة العلو و النزول، بحوالہ منهج النقد، ۳۵۸

۳- ابن الصلاح، ۲۶۴؛ تدریب، ۳۶۸؛ توضیح الافکار، ۲ / ۴۰۰

۴- فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۹۷

وأما النقل بالطريق المشتملة على كذاب او مجهول العين. فكثير في نقل اليهود والنصارىٰ. قال: وأما اقوال الصحابة والتابعين: فلايمكن اليهود أن يبلغوا إلى صاحب نبين اصلاً، ولا الى تابعين له ولا يمكن نصارى ان يصلوا أعلى من شمعون و بولص (۱)

ابن حزم کہتے ہیں کہ ثقہ سے ثقہ کی روایت جو نبی کریم تک متصلاً پہنچے یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام ملتوں میں صرف مسلمانوں کے لیے مختص کی ہے۔ جہاں تک مرسل اور معضل روایت کا تعلق ہے تو یہود کے ہاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ لیکن ہمیں روایت میں جو قرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے وہ انہیں موسیٰ سے حاصل نہیں بلکہ وہ اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں ان کے اور موسیٰ کے درمیان تیس زمانوں کا فاصلہ ہے۔ وہ صرف شمعون وغیرہ تک پہنچتے ہیں جہاں تک نصاریٰ کا تعلق ہے تو ان کے ہاں اس طرح کی روایت صرف تحریم طلاق تک محدود ہے۔ جہاں تک ایسی روایتوں کا تعلق ہے جس میں کذاب اور مجہول العین راوی ہیں تو وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ صحابہ وتابعین کے اقوال کے سلسلے میں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہودی کسی نبی کے صحابی یا تابعی تک نہیں پہنچے اور نصاریٰ کے لیے بھی اس بات کا امکان نہیں کہ وہ شمعون اور پال سے آگے جاسکیں۔

ابوعلی الجبائی کہتے ہیں:

خصّ اللّٰہ تعالیٰ هذه الأمة بثلاثة اشياء لم يعطها من قبلها. الإسناد والأنساب والإعراب. (۲)

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تین خصوصیات سے نوازا ہے جو ان سے پہلے کسی امت کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اسناد، انساب اور اعراب۔

قرآن مجید کی آیت "او آثرة من علم" (۳) سے امام حاکم وغیرہ نے اسناد حدیث مراد لیا ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ انسؓ کی حدیث جس میں بیان ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا:

۱- تدریب، ۳۵۹

۲- ایضاً، ۳۵۹

۳- الاحقاف/۴

يا محمد! أتانا رسولك فزعم أنك تزعم ان الله أرسلك؟قال:
صدق قال:فمن خلق السماء؟ قال:الله. قال:فمن خلق الارض؟
قال:الله. قال:فمن نصب هذه الجبال، وجعل فيها ما جعل؟ قال:
الله. قال:فبالذى خلق السماء و خلق الارض و نصب هذه الجبال،
آلله ارسلك؟ قال:نعم. قال:وزعم رسولك ان علينا خمس
صلوٰت فى يومنا و ليلتنا، قال:صدق قال؛ فبالذى أرسلك آلله
امرك بهذا؟ قال:نعم. قال:وزعم رسولك ان علينا زكوٰة فى
أموالنا قال:صدق. قال :فبالذى ارسلك الله امرك بهذا؟ قال:
نعم قال وزعم رسولك ان علينا صوم شهر رمضان فى سنتنا؟ قال:
صدق . قال:فبالذى أرسلك، آلله امرك بهذا؟ قال:نعم قال:
وزعم رسولك أن علينا حج البيت من استطاع اليه سبيلا. قال:
صدق . قال:ثم ولى قال:والذى بعثك بالحق:لا أزيد عليهن ولا
أنقص منهن قال النبى ﷺ. لئن صدق ليد خلنّ الجنة. (۱)

اے محمد ﷺ! آپ کا ایلچی ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا آپ ﷺ کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس ایلچی نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا تو آسمان کس نے پیدا کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے پھر اس نے کہا زمین کس نے پیدا کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے۔ پھر اس نے کہا پہاڑوں کو کس نے کھڑا کیا اور ان میں جو چیزیں ہیں وہ کس نے پیدا کیں؟ آپ نے فرمایا اللہ نے۔ تب اس شخص نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آسمان کو پیدا کیا اور زمین بنائی اور پہاڑوں کو کھڑا کیا کیا اللہ تعالیٰ نے سچ مچ آپ ﷺ کو بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں پھر وہ شخص بولا آپ کے ایلچی نے ہم سے کہا کہ ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں ہر دن اور رات میں، آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا قسم ہے اس کی جس نے آپ ﷺ کو بھیجا کیا اللہ نے آپ کو ان نمازوں کا حکم کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ پھر وہ شخص بولا آپ ﷺ کے ایلچی نے کہا کہ ہم پر ہمارے مالوں کی زکوۃ ہے۔ آپ ﷺ نے

---

۱ - مسلم، الجامع، کتاب الایمان، باب السؤال عن ارکان اسلام، ۳۲/۱

فرمایا اس نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا قسم اس کی جس نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے زکوٰۃ کا حکم کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر وہ شخص بولا آپ کے ایلچی نے کہا ہم پر رمضان کے روزے فرض ہیں ہر سال۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو بھیجا اللہ نے آپ کو ان روزوں کا حکم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر وہ شخص بولا آپ کے ایلچی نے کہا کہ ہم پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو کوئی راہ چلنے کی طاقت رکھے (یعنی خرچ راہ اور سواری ہو اور راستہ میں امن ہو) آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ یہ سن کر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا اور کہنے لگا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو سچا پیغمبر کر کے بھیجا میں ان باتوں سے زیادہ کروں گا نہ کم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ سچا ہے تو جنت میں جائے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر علو اسناد کا طلب کرنا غیر مستحب ہوتا تو اس کے سوال کو ناپسند کیا جاتا (۱) حاکم سے علو سند کو حاصل کرنے کے خلاف کچھ منقول نہیں۔ (۲)

السند النازل

سند نازل سے مراد وہ سند ہے جس میں حضور اکرم ﷺ سے روایت کرنے والی تعداد زیادہ ہے۔ عام طور پر اس کی تعریف علو کے مقابلے میں کی جاتی ہے، چنانچہ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

اما النزول فهو ضد العلو (۳) نزول علو کی ضد ہے۔

امام حاکم نزول کی تعریف کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

و لعل قائلا يقول للنزول ضد العلو فمن عرف العلو فقد عرف ضده وليس كذلك فان للنزول مراتب لا يعرفها الّا أهل الصنعة فمنها ما تؤدى الضرورة الى سماعه نازلا و منها ما يحتاج طالب العلم الى معرفة و تبحر فيه فلا يكتب النازل وهو موجود باسناد أعلى منه. (۴)

شاید کہنے والا کہے کہ نزول علو کی ضد ہے سو جو علو کو پہچانے لگا وہ اس کی ضد کو بھی پہچان لے گا حالانکہ معاملہ ایسا نہیں کیونکہ نزول کے بھی مراتب ہیں جنہیں اہل فن کے سوا کوئی نہیں جانتا ان میں سے ایک تو وہ ہے جو سماع نازل کو ضروری بناتا ہے اور وہ بھی جس کی معرفت اور اس

۱- معرفة علوم الحديث، ٦؛ فتح المغيث للعراقى، ٣/٢٩٧؛ تدريب، ٣٥٩

۲- فتح المغيث للعراقى، ٣/٢٩٧

۳- ابن الصلاح، ١٤٣؛ تقريب مع تدريب، ٣٦٧

۴- معرفة علوم الحديث، ١٢؛ توجيه النظر، ١٢٣

میں تبحر طالب علم کی احتیاج ہے۔ لہٰذا سماع نازل اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک اس سے اعلیٰ اسناد موجود ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ امام حاکم کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فهذا ليس نفيا لكون النزول ضداً للعلو على الوجه الذى ذكرته، بل نفيا لكونه يعرف بمعرفة العلو. وذلك يليق بما ذكره هو فى معرفة العلو فانه قصر فى بيانه و تفصيله، وليس كذلك ما ذكرناه نحن فى معرفة العلو، فانّه مفصل تفصيلاً مفهماً لمراتب النزول (۱)

امام حاکم کی یہ بات اس قول کی نفی نہیں ہے کہ نزول علو کی ضد ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ اس کی نفی ہے کہ نزول کی معرفت علو کی معرفت سے متعلق ہے۔ اور یہ مناسب ہے جیسا کہ انہوں نے علو کی معرفت میں ذکر کیا ہے کیونکہ انھوں نے اس کی تفصیل اور بیان میں کمی کی ہے۔ اور ہم نے علو کی معرفت میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ ایسا نہیں بلکہ وہ اتنا مفصل ہے کہ اس سے مراتب نزول کا فہم حاصل ہوتا ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ ہم تک علی ابن المدینی اور ابو عمرو المستملی النیسابوری کا یہ قول پہنچا ہے کہ: النزول شؤم یعنی نزول بدفالی ہے۔ تو یہ اسی طرح کے اور اقوال جو نزول کی مذمت میں وارد ہوئے ہیں وہ نزول کی بعض قسموں سے مخصوص ہیں۔ اگر علو کے تحت نزول کا تعین ہو جائے تو علو کی افادیت کی ترجیح کے لیے ایک مفید طریقہ ہے اور یہ پسندیدہ ہے اور مردود نہیں ہے (۲)۔

نزول کی اقسام

نزول کی اقسام بھی علو کی طرح پانچ ہیں۔ ہر مرتبہ علو کے مقابل میں مرتبہ نزول ہے۔ اسی ترتیب اور اسی تفصیل کے ساتھ نزول کی اقسام کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

وما من قسم من اقسام العلو الخمسة الا و ضده قسم من اقسام النزول. فهوا ذاً خمسة اقسام. وتفصيلها يدرك من تفصيل اقسام العلو على نحو ما تقدم شرحه. (۳)

علو کی پانچ قسموں میں کوئی ایسی قسم نہیں جس کے مقابل اقسام النزول میں سے کوئی قسم

۱- ابن الصلاح، ۲۶۳-۲۶۴

۲- ایضاً، ۲۶۳-۲۶۴

۳- ایضاً، ۲۶۳

موجود نہ ہو لہٰذا اس کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ اور اس کی تفصیل علو کی اقسام کی شرح میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حافظ ابن حجر نے حسب معمول اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھا:

و یقابل العلو باقسامه المذکورة النزول فیکون کل قسم من اقسام العلو یقابله قسم من اقسام النزول خلاف لمن زعم ان العلو قد یقع غیر تابع النزول. (۱)

علو بمع مذکورہ اقسام کے مقابل نزول ہوگا۔ لہٰذا اقسام علو کی ہر قسم کے مقابلے میں نزول کی اقسام میں سے ایک قسم ہوگی۔ یہ رائے اس شخص کے خلاف ہے جس کا خیال ہے کبھی علو نزول کے بغیر بھی واقع ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک کا قول ہے:

لیس جو دة الحدیث قرب الاسناد بل جو د ة الحدیث صحة الو جال. (۲)

حدیث کے جید ہونے کا مطلب قرب اسناد نہیں بلکہ حدیث کی عمدگی رجال کی صحت پر بنی ہے۔

حافظ سلفی سے منقول ہے:

قال: الاصل الاخذ عن العلماء فنزولهم اولیٰ من العلو عن الجهلة عن مذهب المحققین من النقلة. والنازل حینئذ هو العالی فی المعنی عندالنظر والتحقیق(۳)

انھوں نے کہا کہ اصحاب روایت میں سے محققین کے مذہب میں اصل یہ ہے کہ علماء سے بسند نازل اخذ کرنا اس علو سے اولیٰ ہے جس میں جاہل شامل ہوں۔ اہل نظر و تحقیق کے مطابق ایسے میں سند نازل علو معنوی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

نظام الملک سے منقول ہے کہ:

۱- نزهة النظر، ۶۱

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۰۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۳۰۴؛ شرح علل الترمذی، ۱/ ۶۲

۳- ایضاً، ۳/ ۳۰۵؛ ایضاً، ۳/ ۳۰۴

عندی ان الحدیث العالی ماصح عن رسول الله ﷺ و ان بلغت رواته مائة.(۱)

میرے نزدیک وہ حدیث عالی ہے جو صحیح ہے گو اس کے راویوں کی تعداد سو تک پہنچ جائے۔

حافظ سلفی نے یہی بات اپنے ابیات میں کہی ہے:

لیس حسن الحدیث قرب رجال — عند ارباب علمه النقاد

بل علو الحدیث بین اولی الحفظ — و الاتقان صحة الاسناد

واذا ما تجمعا فی حدیث — فاغتنمه فذاك اقصی المراد. (۲)

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ متعارف معنوں میں علو نہیں ہے جس کا اطلاق اصحاب حدیث کے ہاں ہوتا ہے۔ بلکہ معنوی لحاظ سے علو ہے(۳)۔

۞۞۞
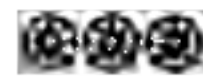
۱- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۵؛ ابن الصلاح، ۲۶۳

۲- ایضاً ۳/۳۰۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۳۰۵

۳- ابن الصلاح، ۲۶۳

بیان روایت (الاقران والمدبج)

روایت کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ کبھی دو اشخاص (راوی و مروی عنہ) ایک روایت میں مشترک صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ کبھی عمر میں بڑا شخص اپنے سے کم عمر راوی سے روایت کرتا ہے اور کبھی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کم عمر اپنے سے بڑی عمر والے شخص سے روایت کرتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو راوی ایک شیخ سے روایت کرتے ہیں لیکن ایک پہلے مر جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک راوی دو شیوخ سے روایت کرتا ہے جو ہم نام ہوتے ہیں اور کوئی راوی کسی شیخ سے روایت کرتا ہے اور شیخ اس روایت سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ سب پہلو بیانِ روایت کے ہیں۔ ذیل میں ان انواع کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق بیان روایت سے ہے۔

اشتراک صفت

اشتراک صفت کا مطلب یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ ایک ہی روایت میں شریک ہیں اور دونوں میں کوئی قدر مشترک ہے اس طرح ایسی روایت کو روایۃ الاقران کہا جاتا ہے۔

روایۃ الاقران

اقـران قـریـن کی جمع ہے جس کے معنی ساتھی کے ہیں۔ جب دو شخص عمر اور اسناد میں ایک دوسرے کے متقارب ہوں تو یہ روایۃ الاقران ہوگی۔ حافظ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

وهـم المتقاربون فی السن و الاسناد و ربما اکتفی الحاکم أبو عبدالله فیه بالتقارب فی الاسناد و إن لم یوجد التقارب فی السن. (۱)

یہ عمر اور اسناد باہم گر متقارب ہیں۔ امام حاکمؒ ابو عبداللہ نے شاید تقارب فی الاسناد پر اکتفا کیا ہے گو تقارب فی السن موجود نہ ہو۔

امام نوویؒ نے اس عبارت کو مختصر کر کے لکھا:

القـریـنـان هـمـا الـمتقاربان فی السن و الاسناد وربما اکتفی الحاکم بالاسناد. (۲)

---

۱ - ابن الصلاح، ۳۰۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۳۶۸

۲- تقریب مع تدریب، ۲۴۹؛ حافظ عراقیؒ نے امام حاکم کے الفاظ نقل کیے ہیں "اذا تقارب سنهما و اسنادهما".
فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۳۶۸؛ معرفة علوم الحدیث، ۲۱۵

قرینان سے مراد وہ لوگ ہیں جو عمر اور اسناد میں متقارب ہوں۔ امام حاکم نے اسناد پر اکتفا کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فان تشارك الراوی و من روی عنه فی أمر من الأمور المتعلقة بالرواية مثل السن و اللقی، وهو الأخذ من المشائخ فهو النوع الذی يقال له رواية الاقران. (۱)

اگر راوی اور مروی عنہ روایت سے متعلق امور میں سے کسی ایک امر جیسے عمر، ملاقات یعنی مشائخ سے اخذ کرنے کا عمل میں اشتراک رکھتے ہوں۔ یہ وہ نوع ہے جسے روایت الاقران کہا جاتا ہے۔

روایت الاقران کی اقسام

حافظ ابن الصلاح نے روایت الاقران کی دو قسمیں قرار دی ہیں (۲) اور ان کے تتبع میں امام نوویؒ وغیرہ نے بھی دو قسمیں قرار دی ہیں (۳)۔ حافظ ابن حجرؒ نے روایت الاقران کو ایک قسم قرار دیا ہے اور اس کی تقسیم نہیں کی (۴)۔ ابن الصلاح کی تقسیم کے مطابق اس کی مندرجہ ذیل دو قسمیں ہیں: المدبج اور غیر المدبج (۵)

۱۔ المدبج

المدبج م کے ضمہ، دال کی فتح اور باء کی تشدید سے پڑھا جاتا ہے جس کے معنی مزین کے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں: **والتدبيج مأخوذ من ديباجتی الوجه. (۶)**

تدبیج ماخوذ ہے چہرے کے دونوں رخساروں سے۔

حافظ سخاویؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و بذلك سماه الدار قطنی اخذاً من ديباجتی الوجه، وهما الخدان: لتساويهما و تقابلهما (۷)

۱۔ نزهة النظر، ۶۲

۲۔ ابن الصلاح، ۳۰۹، ۳۱۰

۳۔ تدريب الراوی، ۳۲۶؛ فتح المغيث للعراقی، ۳/۳۶۸؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴/۱۸۲

۴۔ نزهة النظر، ۶۲

۵۔ ابن الصلاح، ۳۰۹، ۳۱۰

۶۔ نزهة النظر، ۶۲

۷۔ فتح المغيث للسخاوی، ۴/۱۸۲؛ تدريب، ۳۲۶؛ فتح الباقی، ۵۵۳

اسی لیے دارقطنی نے اسے چہروں کے دونوں رخساروں سے جو ایک جیسے اور ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں۔ اخذ کرتے ہوئے یہ نام دیا۔

حافظ عراقیؒ کہتے ہیں:

ان الظاهر انه سمي به لحسنه ، لانه لغة: المزين (۱)

ظاہر یہ ہے کہ اسے یہ نام اس کی خوبی کی وجہ سے دیا گیا ہے کیونکہ لغت میں اس کے معانی مزین کے ہیں۔

حافظ ابن الصلاحؒ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمنها المدبج و هو ان يروى القرينان كل واحد من الآخر. (۲)

اور ان میں سے ایک مدبج ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں ساتھی ایک دوسرے سے روایت کریں۔

حافظ ابن حجرؒ کے الفاظ میں: **وان روى كل منهما عن الآخر. (۳)**

اگر ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے روایت کرے۔

حافظ ابن الصلاحؒ اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مثاله في الصحابة: عائشة و أبوهريرة روى كل واحد منهما عن الآخر. وفي التابعين رواية الزهري عن عمر بن عبدالعزيز ورواية عمر عن الزهري. وفي اتباع التابعين روايةمالك عن الأوزاعي ورواية الأوزاعي عن مالك و في اتباع الا تباع رواية احمد بن حنبل عن علي بن المديني ورواية علي عن احمد. و ذكر الحاكم في هذا رواية احمد بن حنبل عن عبدالرزاق ورواية عبدالرزاق عن احمد و ليس هذا بمرضي. (۴)

صحابہ میں اس کی مثال عائشہ صدیقہ اور ابو ہریرہ کی ہے دونوں ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔ تابعین میں زہری عمر بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں اور عمر زہری سے۔ تبع تابعین میں مالک اوزاعیؒ سے اور اوزاعی مالک سے روایت کرتے ہیں اور اتباع الاتباع

۱- فتح المغيث للعراقي، ۴/ ۳۶۸

۲- ابن الصلاح، ۳۰۹

۳- نزهة النظر ، ۶۲

۴- ابن الصلاح، ۳۰۹-۳۱۰؛ تدريب ، ۳۲۶؛ فتح المغيث للعراقي، ۴/ ۳۶۸؛ عراقیؒ نے ليس هذا بمرضي کی جگہ ليس بجيد کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ فتح المغيث للسخاوي، ۴/ ۱۴۳؛ معرفة علوم الحديث ، ۲۱۵- ۲۱۸

میں احمد بن حنبل، علی بن المدینی سے اور ابن المدینی احمد بن حنبل سے۔ حاکم نے اس طبقہ میں مثال جو بیان کی ہے وہ احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں عبدالرزاق سے اور عبدالرزاق بیان کرتے ہیں احمد بن حنبل سے اور یہ مثال اتنی اچھی نہیں۔

۲۔ غیر المدبج

غیر المدبج وہ روایت ہے جس میں قرینین میں سے صرف ایک دوسرے سے روایت کرے۔ حافظ ابن الصلاح اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و منها غير المدبج و هو أن يروى أحد القرينين عن الآخر و لا يروى الآخر عنه فيما نعلم. مثاله: رواية سليمان التيمي عن مسعر و هما قرينان وَلا نعلم لمسعر رواية عن التيمي.(۱)

دوسری قسم غیر مدبج کہلاتی ہے۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ ساتھیوں میں سے ایک دوسرے سے روایت کرے لیکن دوسرا اس سے روایت نہ کرے۔ اس کی مثال سلیمان التیمی عن مسعر ہے۔ یہ دونوں ساتھی ہیں لیکن ہمیں علم نہیں ہے کہ مسعر نے التیمی سے روایت کی ہو۔(۲)

حاکم کہتے ہیں:

ولا احفظ لمسعر عن سليمان رواية . (۳)

مجھے مسعر عن سلیمان کی روایت یاد نہیں۔

علامہ سیوطیؒ نے ایک اور مثال دی ہے۔ **زائدة بن قدامة عن زهير بن معاوية** روایت ثابت ہے جب کہ زہیر کی زائدہ سے روایت معلوم نہیں۔(۴)

یہی وہ روایت ہے جسے حافظ ابن حجر روایت الاقران کہتے ہیں۔ انھوں نے دو ہی قسمیں بیان کی ہیں ایک روایت الاقران دوسری مدبج۔ وہ مدبج پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو الأخص من الأول فكل مدبج اقران و ليس كل اقران مدبجاً. (۵)

۱۔ ابن الصلاح، ۳۱۰؛ فتح المغيث للعراقی، ۴ / ۳۶۸

۲۔ ایضاً، ۳۱۰؛ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں کیونکہ مسعر نے سلیمان سے روایت کی ہے۔ تدریب، ۴۳۰؛ فتح المغيث للعراقی، ۴ / ۳۶۸؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴ / ۱۸۳

۳۔ معرفة علوم الحديث، ۲۲۰؛ فتح المغيث للعراقی، ۴ / ۳۶۸

۴۔ تدريب الراوی، ۴۲۷

۵۔ نزهة النظر، ۶۲

یہ پہلی قسم سے اخص ہے لہٰذا ہر مدبج اقران ہوگی لیکن ہر اقران مدبج نہیں ہوگی۔

حافظ ابن حجرؒ استاد اور شاگرد کی مشترک روایت کو مدبج نہیں مانتے وہ لکھتے ہیں:

واذا روی الشیخ عن تلمیذ صدق ان کلا منھا یروی عن الآخر فھل یسمی مدبجا؟ فیہ بحث، والظاھر لا. لانہ من روایۃ الا کابر عن الاصاغر و التدبیج ماخوذ من دیباجتی الوجہ فیقتضی ان یکون ذلک مستویاً من الجانبین فلا یجیئ فی ھذا. (۱)

جب شیخ اپنے راست کو شاگرد سے روایت کرے بایں صورت کہ دونوں ایک دوسرے سے روایت کریں تو کیا یہ مدبج کہلائے گی؟ یہ غور طلب مسئلہ ہے۔ بظاہر مدبج نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ یہ روایۃ الأکابر عن الأصاغر کے قبیل سے ہے۔ اور تدبیج، دیباجتی الوجہ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب چہرے کے دو رخسار ہیں اور یہ اس بات کی مقتضی ہے کہ جانبین برابر ہوں اور اس میں ایسا نہیں کیونکہ شاگرد ہمسر نہیں ہوتا۔

حافظ عراقیؒ کہتے ہیں:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں اقران کی ایک جماعت جمع ہو جاتی ہے مثلاً:

کحدیث روایۃ أحمد بن حنبل عن ابی خیثمۃ زھیر بن حرب عن یحیی بن معین عن علی بن المدینی عن عبید اللہ بن معاذ عن ابیہ عن شعبۃ عن ابی بکر بن حفص عن ابی سلمۃ عن عائشۃ قالت : کن أزواج النبی ﷺ یا خذن من شعورھن حتی یکون کالو فرۃ. (۲) فأحمد و الأربعۃ فوقہ خمستھم اقران کما قال الخطیب. (۳)

جیسے حدیث جسے احمد بن حنبل نے ابوخیثمہ زہیر بن حرب سے انھوں نے یحییٰ بن معین سے انھوں نے علی بن المدینی سے انھوں نے عبیداللہ بن معاذ سے انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے شعبہ سے اور وہ ابوبکر بن حفص سے وہ ابوسلمہ سے اور وہ عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی ازواج مطہرات اپنے بال اس طرح کاٹتیں کہ گچھا لگتے۔ سو جیسا خطیب نے کہا ہے احمد اور ان کے اوپر کے چار مل کر پانچ اقران بنتے ہیں۔

حافظ سخاویؒ نے ایک اور مثال دی ہے:

۱- نزھۃ النظر، ۶۲

۲- مسلم، الجامع، کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ، ۱/۱۴۷

۳- فتح المغیث، ۴/ ۳۶۸؛ تدریب، ۴۲۷

رواية ابن المسيب عن ابن عمر، عن عمر، عن عثمان،عن أبی بکر لحديث "ما نجاة هذا الأمر"(۱) ففيه اربعة من الصحابة فی نسق. وكذا اجتمع اربعة من الصحابة فی عدة احاديث بعضها فی الصحيحين وغيرهما.(۲)

ابن المسیب ابن عمرؓ سے، وہ عمرؓ، عثمان اور ابوبکر سے حدیث ما نجاة هذا الامر روایت کرتے ہیں اس میں چار صحابہ ایک ترتیب میں ہیں۔ اسی طرح چار صحابہ صحیحین وغیرہ کی کئی احادیث میں جمع ہو گئے ہیں۔

حافظ سخاوی کے ہاں اس پر مزید بحث بھی موجود ہے۔ دلچسپی رکھنے والے دیکھ سکتے ہیں۔(۳)

حافظ سیوطی کہتے ہیں (۴) کہ اس نوع کی معرفت کا فائدہ یہ ہے کہ سند میں دو ساتھیوں کے ذکر سے کسی شخص کو یہ وہم نہ ہو کہ سند میں کوئی غلطی واقع ہوئی ہے اور اس میں واقع حرف عن غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ واؤ عطف ہونی چاہیے جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہ دونوں اس روایت حدیث میں شریک ہیں جس کے راوی کا ذکر پہلی سند میں ہوا ہے۔

مصادر اقران و مدبج

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اقران پر ابوالشیخ اصفہانی اور مدبج پر دارقطنی نے کتابیں لکھیں (۵) حافظ عراقی کے مطابق دارقطنی نے ہی اس روایت کو مدبج کا نام دیا اور اسی نے سب سے پہلے جامع کتاب لکھی۔(۶)

❁❁❁

۱- احمد بن حنبل، المسند، ۶/۱
۲- فتح المغیث، ۴/۱۸۳
۳- ایضاً، ۴/۱۸۳–۱۸۵
۴- تدریب، ۴۴۹
۵- نزهة النظر، ۶۲
۶- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۶۸؛ تدریب، ۴۴۷

روایۃ الأکابر عن الأصاغر

اکابر، اکبر کی جمع ہے اور اصاغر، اصغر کی جمع ہے۔ روایۃ الأکابر عن الأصاغر کے لفظی معنی ہیں: ''بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا'' اور محدثین کی اصطلاح میں اس سے ایسی روایت مراد ہے جس میں راوی عمر یا علم اور ضبط کے اعتبار سے بڑا اور اونچا ہو، حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

قدیروی الکبیر القدر أو السن أوھما عمن دونہ فی کل منھما أوفیھما. (۱)

کبھی مرتبے یا عمر میں یا دونوں میں بڑا شخص اپنے سے کسی ایک یا دونوں میں کم درجہ کے شخص سے روایت کرے۔

حافظ ابن حجر اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

وان روی عمن دونہ فی السن أوفی اللقی أوفی المقدار فھذا النوع ھو روایۃ الأکابر عن الأصاغر. (۲)

اگر راوی ایسے شخص سے روایت کرے جو عمر میں یا معین مشائخ سے روایت کرنے میں یا ضبط وغیرہ امور میں اس سے کمتر ہو تو اسے روایت الاکابر عن الاصاغر کہا جاتا ہے۔

معاصر مولفین نے اسے اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً مناع القطان کہتے ہیں:

روایۃ الشخص عمن ھو دونہ فی السن والطبقۃ أوفی العلم والحفظ. (۳)

ایک شخص کا ایسے شخص سے روایت کرنا جو عمر، درجہ یا علم وحفظ میں اس سے کم ہو۔

اہمیت

حافظ ابن الصلاح اس کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

ومن الفائدۃ فیہ أن لایتوھم کون المروی عنہ أکبر و أفضل من الراوی نظراً الی ان الاغلب کون المروی عنہ کذلک فیجھل بذلک منزلتھما و قد صح عن عائشۃ أنھا قالت: ''امرنا ان ننزل الناس منازلھم''. (۴)

۱- الباعث الحثیث، ۱۸۳ ۲- نزھۃ النظر، ۶۲

۳- مباحث فی علوم الحدیث، ۱۵۷؛ محمود الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ۱۸۸

۴- ابن الصلاح، ۳۰۷؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، ۴/ ۲۶۱، ابوداؤد نے اسے منقطع قرار دیا ہے جب کہ امام حاکم سے تساہل ہوا ہے۔ انھوں نے معرفۃ علوم الحدیث (۴۹) میں اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن الصلاح اور ابن کثیر نے ان کا تتبع کیا ہے۔ البتہ حافظ عراقی نے النکت میں حدیث کے ضعیف ہونے پر متنبہ کیا ہے۔

اوراس کی معرفت حاصل کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ یہ خیال نہ رہے کہ مروی عنہ راوی سے بڑا اور افضل ہوتا ہے کیونکہ اغلباً مروی عنہ ایسا ہی ہوتا ہے اور اس طرح دونوں کے مقام ومرتبہ سے ناواقفیت رہے۔ اور عائشہؓ سے صحیح روایت ہے کہ انھوں نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق رکھیں۔

حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:

وهو نوع مهم تدعوا إليه الهمم العلية، والأنفس الزكية، ولذاقيل كما تقدم في محله: لا يكون الرجل محدثاً حتى يا خذ عمن فوقه و مثله و دونه . وفائدة ضبطه الخوف من ظن الانقلاب في السند مع ما فيه من العمل فقوله ﷺ انزلوا الناس منازلهم. (۱)

اقسام

روایۃ الاکابر عن الاصاغر کی کئی اقسام ہیں اور ان کا تعلق مختلف نسبتوں سے ہے مثلاً:

۱۔ عمر اور طبقہ کا فرق

حافظ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

أن يكون الراوي أكبر سنا و أقدم طبقة من المروي عنه...والخطيب اذ ذاك في عنفوان شبابه و طلبه (۲)

راوی مروی عنہ سے عمر میں اور طبقے میں مقدم ہو جیسے زہری اور یحییٰ بن سعید الانصاری کی امام مالک سے روایت یا ابی القاسم عبداللہ بن احمد الازہری کی متاخرین میں سے خطیب کے شیوخ کی روایت۔ انھوں نے بعض تصانیف میں خطیب سے روایت کی حالانکہ خطیب اس وقت جوان تھے اور طلب علم کے مراحل میں تھے۔

۲۔ راوی مرتبہ میں بڑا ہو

حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں:

ان يكون الراوي اكبر قدراً من المروي عنه ...عبيدالله بن موسى. (۳)

۱۔ فتح المغیث للسخاوی، ۱۷۹/۴

۲۔ ابن الصلاح، ۳۰۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳۶۲/۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۱۷۹؛ تدریب، ۴۲۴

۳۔ ایضاً، ۳۰۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۶۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۱۷۹، تدریب، ۴۲۴

یہ کہ راوی مروی عنہ سے مرتبہ میں بڑا ہو یعنی حافظ و عالم ہو اور مروی عنہ صرف راوی ہو۔ جیسے مالک عبداللہ بن دینار سے روایت کریں اور احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ عبیداللہ بن موسیٰ سے روایت کریں۔

۳۔ راوی بہمہ وجوہ بڑا ہو

حافظ ابن الصلاح کے الفاظ میں:

و منها ان یکون الراوی اکبر من الوجهین جمیعاً... و نظائر ذلك كثيرة.(۱)

اور ان میں ایک قسم یہ ہے کہ راوی بہمہ وجوہ مروی عنہ سے بڑا ہو۔ اور اس کی مثال وہ روایات ہیں جن میں بہت سے علماء و حفاظ اپنے رفقا اور تلامذہ سے روایت کرتے ہیں۔ جیسے: حافظ عبدالغنی (۲) محمد بن علی الصوری (۳) سے روایت کریں یا ابوبکر البرقانی (۴) خطیب سے اور خطیب ابونصر بن ماکولا (۵) سے روایت کرے۔

ابن الصلاح کے بقول اس کے نظائر کثیر ہیں۔(۶)

اس کے تحت وہ روایات بھی آتی ہیں جن میں کسی صحابی نے کسی تابعی سے روایت کی ہو یا تابعی نے تبع تابعی سے کی ہو۔ حافظ ابن الصلاح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ویندرج تحت هذا النوع ما یذکر من روایة الصحابی عن التابعی کروایة

۱- ابن الصلاح، ۳۰۸

۲- حافظ عبدالغنی بن سعید ابو محمد الازدی المصری (م ۴۰۹ھ) اپنے وقت کے اجل محدثین سے سماع کیا اور ازاں بعد ایک کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔ صاحب تصانیف تھے۔ اپنے وقت کے حفظ حدیث میں امام تھے۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۲۴۷؛ وفیات الاعیان، ۳/ ۲۲۳؛ شذرات الذهب، ۳/ ۱۸۸؛ سیر، ۱۷/ ۲۶۸

۳- محمد بن علی الصوری ابو عبداللہ الساحلی الشامی (م ۴۴۰ھ) اپنے وقت کے حافظ حدیث تھے۔ ثقاہت اور عدالت میں ممتاز تھے۔ ان کے اساتذہ حافظ عبدالغنی بن سعید نے ان سے سماع کیا۔ خطیب بغدادی نے ان سے کسب فیض کیا۔ العبر، ۳/۲۹۷؛ تاریخ بغداد، ۳/ ۱۰۳؛ شذرات، ۳/ ۲۶۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۶۲۷

۴- ابوبکر البرقانی احمد بن محمد الخوارزمی (م ۴۲۵ھ) اپنے وقت کے اجل حافظ حدیث۔ کثرت سے سفر کیے۔ فقہ میں خصوصی دسترس تھی۔ حدیث اور فقہ میں تصانیف مرتب کیں۔ تاریخ بغداد، ۴/ ۳۷۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳/ ۱۰۷۴؛ شذرات، ۳/ ۲۲۸؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/ ۴۶۴

۵- ابونصر بن ماکولا العجلی البغدادی (م ۴۷۴ھ) اپنے وقت کے ثقہ محدث تھے۔ علم حدیث پر کئی تالیفات مرتب کیں۔ ہم عصر کبار محدثین ان کی تعظیم کرتے اور ان کی مجالس علمی میں شریک ہوتے۔ (وفیات الاعیان، ۳/ ۳۰۵؛ شذرات الذهب، ۳/ ۳۸۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/ ۵۶۹

۶- ابن الصلاح، ۳۰۸

العبادلة وغيرهم من الصحابة عن كعب الاحبار(۱) وكذلك رواية التابعي عن تابع التابعي، كما قد مناه من رواية الزهري والانصاري عن مالك وكعمرو بن شعيب (۲) بن محمد بن عبدالله بن عمرو بن العاص لم يكن من التابعين، و روى عنه اكثر من عشرين نفساً من التابعين جمعهم عبدالغني بن سعيد الحافظ في كتيب له. و قرأت بخط الحافظ أبو محمد الطبسي(۳) في تخريج له قال: عمرو بن شعيب ليس بتابعي و قد رویٰ عنه نيف و سبعون رجلاً من التابعين(۴) والله اعلم.

اور اس نوع کے تحت وہ روایت آئے گی جس میں صحابی تابعی سے روایت کرتا ہے جیسے عبادلہ (عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمر اور ابن عمرو بن العاص) وغیرہ جو صحابہ ہیں اور کعب احبار سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح تابعی کی تبع تابعی سے روایت جیسا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

۱۔ ایسی ہی روایات سے مستشرقین نے اور ان کی متابعت میں مسلمان معاشروں کے منکرین حدیث نے استدلال کیا ہے کہ صحابہ نے کعب احبار سے کہانیاں سن کر انہیں حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ استدلال بددیانتی اور تحریف پر مبنی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا ایک حوالہ جو دیا گیا ہے اس میں بددیانتی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ فتح الباری میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بارے میں نقل کیا گیا:

أصاب زاملتين من كتب اهل الكتاب و كان يرويها للناس عن النبى ۔ (فتح الباری، ۱/۱۶۶) یعنی ان کے ہاں اہل کتاب کی تحریریں تھیں اور ان میں سے وہ بیان کرتے تھے۔ معترض نے عن النبی کا جملہ اپنی طرف سے اضافہ کر کے یہ ظاہر کیا کہ وہ اہل کتاب کی کہانیاں حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے حالانکہ یہ خیانت ہے۔ ابن حجر کی عبارت میں عن النبی کے الفاظ موجود ہی نہیں ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد محمد السماحی، المنهج الحديث في علوم الحديث (قسم التاريخ الحديث) ۲۰۹-۲۵۷۔ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ کعب الاحبار سے عمر اور علی سمیت صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کی ہے: (الباعث الحثيث، ۱۸۴)

۲۔ عمرو بن شعیب بن محمد عبداللہ بن عمرو بن العاص (م ۱۱۸ھ) جلیل القدر عالم اپنے والد سے روایت کی اسی طرح سعید بن المسیب، طاؤس، سلیمان بن یسار اور عروہ بن الزبیر وغیرہم سے اور ان سے زہری، قتادہ، عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار اور مکحول وغیرہ نے روایت کی۔ ترمذی بخاری سے نقل کرتے ہیں احمد، علی، اسحق اور ابوعبیدہ ان کی روایت جو والد اور دادا سے ہے اسے قبول کرتے ہیں۔ محدثین کے ہاں ان کے سلسلے میں مختلف آراء ہیں تہذیب الاسماء، ۲/۳۸؛ تاریخ اسلام للذھبی، ۴ / ۲۸۵؛ سیر اعلام النبلاء ۵ / ۱۶۵-۱۸۰؛ میزان الاعتدال، ۳ / ۲۶۳؛ تہذیب التہذیب، ۸/۴۱؛ شذرات الذهب، ۱۵۵/۱۷

۳۔ میسر مصادر میں تعین نہ ہو سکا۔

۴۔ ابن الصلاح، ۳۰۸-۳۰۹؛ فتح المغیث، ۴ / ۱۸۰؛ حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ میں نے ایک جزء میں ان کے نام جمع کیے ہیں اور وہ پچاس ہیں۔ حافظ عراقی نے پچاس سے اوپر شمار کیے ہیں۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۶۷۔ علامہ سیوطی نے ان کے نام دیے ہیں۔ تدریب، ۴۲۵-۴۲۶؛ توضیح الافکار، ۲ / ۴۷۴

زہری اور انصاری کی مالک سے روایت اور جیسے عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص جن کا شمار تابعین میں نہیں ہوتا اور ان سے بیس سے زیادہ تابعین نے روایت کی ہے۔ حافظ عبدالغنی بن سعید نے ایک کتابچہ میں انہیں جمع کیا ہے اور میں نے حافظ ابو محمد الطبسی کے خط میں ان کی تخریج میں یہ پڑھا ہے کہ عمرو بن شعیب تابعی نہیں حالانکہ ان سے ستر سے اوپر تابعین نے روایت کی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے روایۃ الاکابر کے تحت لکھا ہے:

ومن اجلّ مایذکر فی هذا الباب ما ذکره رسول الله ﷺ فی خطبته عن تمیم الداری(۱) لما أخبره به عن رؤیة الدجال فی تلك الجزیرة التی فی البحر. والحدیث فی الصحیح. (۲) وکذلك فی صحیح البخاری روایة معاویة بن أبی سفیان عن مالك بن یخامر (۳) عن معاذ، وهم بالشام، فی حدیث :لا تزال طائفة من أمتی ظاهرین علی الحق(۴)

اس سلسلے میں سب سے اہم مثال جو ذکر کی جاتی ہے وہ روایت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں تمیم الداری سے ذکر کیا جو اس نے سمندر کے ایک جزیرے میں دجال کو دیکھنے کے بارے میں بیان کی۔ اسی طرح صحیح بخاری میں وہ حدیث جسے معاویہ بن ابی سفیان، مالک بن یخامر سے بذریعہ معاذ روایت کرتے ہیں اور وہ سب شام میں تھے۔ آپ کی حدیث یہ ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔

علامہ احمد محمد شاکر اس نوع میں ایک اور مثال کا ذکر کرتے ہیں جس میں صحابی تابعی سے اور صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ایسی کوئی مثال نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ صحابہ نے تابعین سے فقط اسرائیلیات اور موقوفات روایت کی ہیں لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ یہ نوع موجود ہے۔

۱۔ تمیم بن اوس بن خارجہ الداری ابو رقیہ (م ۴۵ھ) مشہور صحابی جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بیت المقدس میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ تقریب التہذیب، ۱/ ۱۱۳

۲۔ الباعث الحثیث، ۱۸۳ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی الجامع میں نقل کیا ہے۔ کتاب الفتن باب خروج الدجال، ۸/۲۰۳-۲۰۴ :ابو داؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب فی أمارات الملاحم ۴/۴۸۲، ۵۰۰؛ ترمذی، السنن، کتا ب الفتن، ۴/۵۲۱-۵۲۲ ابن ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب طلوع الشمس ۲/۱۳۵۴

۳۔ مالک بن یخامر تابعی۔ بعض لوگوں نے انہیں صحابہ میں شمار کیا لیکن یہ ثابت نہیں۔ الجرح و التعدیل، ۴/ ۱/ ۲۰۳؛ ابن سعد، ۷/ ۴۴۱

۴۔ بخاری، الجامع، کتاب الاعتصام، باب قول النبی لاتزال طائفة من امتی......، ۸/۱۴۹، حدیث ۷۳۱۱؛ مسلم، الجامع، کتاب الأیمان، باب نزول عیسی، ۱/۹۵

حافظ خطیب بغدادی نے اس موضوع پر تالیف چھوڑی ہے اور حافظ عراقی نے ایسی بیس حدیثیں جمع کی ہیں (۱)

ان میں ایک مثال مندرجہ ذیل روایت ہے:

السائب بن یزید الصحابی عن عبدالرحمن بن عبدالقاری التابعی عن عمر بن الخطاب عن النبی ﷺ قال: من نام عن حزبه او شيء منه فقرأه فيما بين صلوٰة الفجر و صلوٰة الظهر كتب له كانما قرأه من الليل. رواه مسلم فی صحیحه(۲)

سائب بن یزید صحابی عبدالرحمٰن بن عبدالقادر تابعی سے اور وہ عمر بن الخطاب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنی تلاوت یا اس کا کچھ حصہ پڑھنے سے پہلے سو گیا اور پھر اسے صبح اور ظہر کی نماز کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا کہ گویا اس نے رات ہی کو پڑھ لیا۔

دوسری مثال:

سهل بن سعد الساعدی الصحابی عن مروان بن الحكم التابعی عن زيد بن ثابت: أن رسول الله ﷺ أملى عليه: لا يستوى القاعدون من المومنين و المجاهدون فی سبيل الله فجاء ابن أم مكتوم و هو يملّها علی قال: يا رسول الله: والله لو أستطيع لجاهدت، و كان اعمیٰ، فانزل الله علی رسوله و فخذه علی فخذی فثقلت علیّ حتی خفت ان ترضّ فخذی، ثم سرّی عنه. فانزل الله: غير أولی الضرر. رواه البخاری(۳)

سہل بن سعد الساعدی صحابی جو تابعی مروان بن حکم سے اور وہ زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انہیں قرآن مجید کی آیت "لا يستوى القاعدون" الخ املاء کرا رہے تھے کہ ان ابن ام مکتوم آئے اور کہا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم اگر مجھ میں استطاعت ہوتی میں جہاد کرتا سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل کی۔ آپ کی ران

۱۔ الباعث الحثیث، ۱۸۳

۲۔ ایضاً، ۱۸۴ – ۱۸۵؛ مسلم، الجامع، کتاب المسافرین، باب جامع الصلوٰة و من نام عنه، ۲/۱۷۱؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الصلوة، باب من نام عن حزبه، ۲/۷۵–۷۶؛ نسائی، السنن، کتاب قیام اللیل، باب متی یقضی من نام عن حزبه من اللیل، ۳/۲۵۹، حدیث: ۱۷۹۱؛ ابن ماجة، السنن، کتاب الصلوٰة، باب ما جاء فی من نام عن حزبه، ۱/۴۲۶، حدیث: ۱۳۴۳

۳۔ بخاری، الجامع، کتاب الجهاد، باب قول الله عزو جل: لا یستوی القاعدون، ۳/۲۱۱–۲۱۲؛ مسند احمد، ۵/۱۳۸؛ ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، تفسیر سورة النساء، ۵/۲۴۲

میری ران پر تھی مجھ پر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ میری ٹانگ کچلی جائے گی پھر یہ ختم ہو گیا۔سو اللہ تعالیٰ نے غیر أولی الضرر نازل کیا یعنی سوائے معذور لوگوں کے۔اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

روایۃ الأصاغر عن الأکابر یہ وہ روایت ہے جس میں چھوٹے بڑوں سے روایت کرتے ہیں۔روایات کی بڑی تعداد اسی قسم کے متعلق ہے اس لیے اس کے بارے میں زیادہ بحثیں نہیں ہوئیں۔

مصادر

اس موضوع پر ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم المنجنیقی (م ۳۰۴ھ) نے ایک کتاب ما رواہ الأکابر عن الأصاغر تالیف کی۔

❀❀❀

روایۃ الآباء عن الابناء

تعریف

ایسی حدیث جس کی سند میں باپ بیٹے سے روایت کرے باپ کی بیٹے سے روایت کہلاتی ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

و منہ الآباء عن الابناء. والصحابة عن التابعین و الشیخ عن تلمیذہ ونحو ذلك. (۱)

باپ کی بیٹے سے صحابہ کی تابعین سے اور شیخ کی شاگرد سے روایت اسی قبیل سے ہے۔

صحابہ کی تابعین سے اور شیخ کی شاگرد سے روایت کے متعلق ہم پچھلی فصل میں مفصل لکھ آئے ہیں۔ یہاں ہم باپ کی بیٹے سے روایت کی مثالیں بیان کرتے ہیں۔

مثال

حافظ ابن الصلاح نے خطیب سے نقل کرتے ہوئے اس کی کئی مثالیں دی ہیں ہم ان میں سے چند ایک ان ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

روینا فیه عن العباسؓ بن عبد المطلب عن ابنه الفضلؓ "ان رسول الله ﷺ جمع بین الصلوٰتین بالمزدلفة"(۲)

عباس بن عبدالمطلب اپنے بیٹے فضل سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں دو نمازیں جمع کیں۔

وروینا فیه عن وائل بن داؤد عن ابنه بکر عن الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة قال :قال رسول الله ﷺ:اخروا (۳)

۱۔ نزهة النظر، ۶۲

۲۔ ابن الصلاح، ۳۱۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۱۹۳–۱۹۴؛ بخاری، الجامع، کتاب الحج، باب الجمع بین الصلاتین، ۲/۱۷۲، ۱۷۷

۳۔ یعنی جانور کی پشت پر درمیان میں بوجھ لادو اور بہت پیچھے نہ کرو تا کہ اسے بوجھ اٹھانا آسان ہو۔ فیض القدیر، ۱/۲۱۳

الاحمال فان اليد مغلقة (۱) والرجل موثقة (۲) ۔ قال الخطيب: لا يروى عن النبی ﷺ فيما نعلمه الا من جهة بكر وأبيه (۳)

ہم سے روایت کی گئی ہے کہ وائل بن داؤد اپنے بیٹے بکر سے روایت کرتے ہیں وہ زہری سے بذریعہ سعید بن المسیب ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جانوروں پر بوجھ پیچھے ڈالو کیونکہ ہاتھ بند ہیں اور پاؤں بندھے ہوئے ہوں۔ خطیب کہتے ہیں کہ ہمارے علم تک یہ حدیث بکر اور اس کے والد کے علاوہ کسی اور طریق سے مروی نہیں۔

ورويـنا فيه عن معتمر بن سليمان التيمی قال: حدثنی ابی قال: حدثتنی انت عنی عن ايوب عن الحسن قال: "ويح" كلمة رحمة. وهذا طريف يجمع انواعاً (۴)

اور ہم نے معتمر بن سلیمان التیمی سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ میرے والد نے مجھ سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا: تم مجھ سے روایت کرتے ہوئے بذریعہ ایوب، بذریعہ الحسن یہ کہا کہ ویح کلمہ رحمت ہے ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ دلچسپ حدیث ہے کہ اس میں کئی انواع جمع ہیں۔

و آخر مارويناه من هذا النوع وأقرب به عهداً ما حدثنيه ابو المظفر عبدالرحيم بن الحافظ أبی سعد المروزی. رحمهما الله بها من لفظه قال: أنبأنی والدی عنی فيما قرأت بخطّه قال: حدثنی ولدی ابو

۱- یعنی جانور کی اگلی، ٹانگ بوجھ کی وجہ سے آسانی سے متحرک نہیں ہوتی اس لیے اسے بند دروازے سے مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ فیض القدیر، ۱/ ۲۱۳

۲- پاؤں بندھا ہوا ہے یعنی بوجھ سے لدا ہے۔ اس لیے بوجھ اگر اگلے حصے پر رکھا جائے تو اگلی ٹانگوں کو تکلیف اور اگر بالکل پیچھے رکھا جائے تو پاؤں کو تکلیف ہوتی ہے اس لیے درمیان میں ہونا چاہیے۔ فیض القدیر ۱/۲۱۳؛ المقنع ۲/ ۵۳۶

۳- سیوطی نے اس حدیث کو ابوداؤد کی مراسیل سے منسوب کیا ہے اور زہری سے روایت کیا ہے۔ اور اسے حسن کہا ہے۔ حدیث ۲۹۲۔ طبرانی نے الاوسط میں سعید بن المسیب عن ابی هريرة روایت کی ہے۔ الباعث الحثيث، ۱۸۹؛ ابن الصلاح، ۳۱۳؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴/ ۱۹۲

۴- ابن الصلاح، ۳۱۳؛ امام نووی الارشاد میں کہتے ہیں کہ اس میں روایة الاب عن الابن ہے روایة الاكبر عن الاصغر ہے روایة التابعی عن تابعيه ہے۔ تین تابعین ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں اور کئی ایک نے اپنے آپ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں انتہائی درجہ کا حسن اور غرابت پائی جاتی ہے۔ تدريب، ۲۳۲؛ فتح المغيث، ۴/ ۳۷۲؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴/ ۱۹۲

المظفر عبدالرحيم من لفظه واصله، فذكر باسناده عن ابی أمامة أن رسول الله ﷺ قال: "احضروا موائدكم البقل فانه مطردة للشيطان مع التسمية" (۱)

اور آخری چیز اور ہمارے عہد کے قریب جو ہم نے اس نوع سے روایت کی ہے وہ روایت ہے جو مجھ سے ابوالمظفر عبدالرحیم بن الحافظ ابوسعد المروزی نے اپنے الفاظ میں بیان کی۔ کہتے ہیں کہ میرے والد مجھ سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ میں نے ان کی تحریر میں پڑھا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے سے میرے بیٹے ابوالمظفر نے اپنے الفاظ اور اپنی سند سے ابوامامہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی کھیتی میں محافظ جانور رکھو اس لیے کہ وہ تسمیہ کے ساتھ شیطان کو بھگانے والا ہے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جسے ابوبکرؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ غلط ہے(۲) وہ حدیث یہ ہے:

عن أبی بكر الصديقؓ عن عائشة عن رسول الله ﷺ أنه قال: فی الحبة السوداء شفاء لكل داء الامن السام (۳)

ابوبکر صدیق بذریعہ عائشہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کالے دانے میں ہر بیماری کی شفا ہے سوائے موت کے۔

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ یہ روایت ابوبکر بن ابی عتیق عن عائشہ ہے اور وہ عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں موسیٰ بن عقبہ نے کہا:

لا نعرف أربعة ادركوا النبی ﷺ هم و ابناء هم الا هؤلاء الأربعة فذكر ابا بكر الصديق، و اباه، وابنه عبدالرحمن وابنه محمداً ابا عتيق (۴)

۱- ابن الصلاح، ۳۱۴؛ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ شیخ ابوعمرو نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے حالانکہ ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا وہ مزید کہتے ہیں: واخلق به ان يكون كذلك. یعنی اسی لائق ہے کہ اسے موضوع کہا جائے۔ الباعث الحثیث، ۱۸۹، ابن ملقن اور حافظ عراقی نے بھی اسے موضوع کہا ہے۔ المقنع، ۲ / ۵۳۸

۲- ابن الصلاح، ۳۱۴

۳- بخاری، الجامع، کتاب الطب، باب الحبة السوداء، ۷/۱۳، ۱۵ حدیث ۵۶۸۷؛ مسلم الجامع، کتاب السلام، باب التداوی بالحبة السوداء، ۷/۲۵

۴- ابن الصلاح، ۳۱۴؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۷۳

ہمارے علم میں ایسے چار لوگ نہیں جنہوں نے خود اور ان کے بیٹوں نے نبی اکرم ﷺ کا عہد پایا ہو سوائے ان چاروں کے۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق، ان کے والد، ان کے بیٹے عبدالرحمٰن اور ان کے بیٹے محمد ابوعتیق کا ذکر کیا۔

حافظ ابن کثیر نے مزید مثالیں دیتے ہوئے کہا کہ ان کے ساتھ عبداللہ بن زبیر، ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر بن ابی قحافہ شامل کئے جاسکتے ہیں اور وہ عمر میں بڑے اور صحابہ میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے زیادہ مشہور ہیں۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ حمزہؓ اور عباسؓ نے اپنے بھتیجے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی ہے۔(۱)

مصادر

ا۔ روایۃ الآباء عن الابناء

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

وللخطيب الحافظ فيه كتاب. (۲)

یعنی خطیب بغدادی کی اس موضوع پر کتاب ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

و قد صنف الخطيب فى رواية الاباء عن الابناء تصنيفاً و افرد جزء لطيفاً فى رواية الصحابة عن التابعين. (۳)

روایۃ الآباء عن الابناء کے متعلق خطیب نے ایک کتاب لکھی ہے اور روایۃ الصحابۃ عن التابعین کے بارے میں مستقل رسالہ لکھا ہے۔

۲۔ مارواہ الکبار عن الصغار، والآباء عن الابناء

اس کتاب کے مولف اسحاق بن ابراہیم بن یونس المنجنیقی (م ۳۰۴ھ) ہیں۔(۴)

۱- الباعث الحثيث، ۱۸۹

۲- ابن الصلاح، ۳۱۳؛ المقنع، ۲ / ۵۳۵؛ الرسالة، ۱۳۴

۳- نزهة النظر، ۶۲

۴- الرسالة، ۱۳۴

روایۃ الابناء عن الآباء

جب سند حدیث میں بیٹا باپ سے روایت کرے تو وہ روایۃ الأبنـــاء عن الآبـاء ہوگی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

روایۃ الأبناء عن الآباء کثیرۃ جداً۔ (۱)

حافظ ابن حجر روایۃ الآباء عن الابناء کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و فی عکسہ کثرۃ لانہ ھو الجادۃ المسلوکۃ الغالبۃ ۔ (۲)

اور اس کا عکس یعنی روایۃ الابناء عن الآباء بہ کثرت ہے اور یہی روایت کا غالب طریق ہے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ روایۃ الابن عن الأب عن الجد۔

بیٹے کی بذریعہ باپ دادا سے روایت۔

۲۔ روایۃ الابن عن الاب دون الجد۔

دادا کی نسبت کے بغیر بیٹے کی باپ سے روایت

ابن الصلاح پہلی قسم کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

نحو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ ولہ بھذا الاسناد نسخۃ کبیرہ اکثرھا فقھیات جیاد. و شعیب ھو ابن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص ۔ وقد احتج اکثر أھل الحدیث بحدیثہ حملاً لمطلق الجد فیہ علی الصحابی عبداللہ بن عمرو بن العاص دون ابنہ محمد والد شعیب، لما ظھرلھم من اطلاقہ ذلک۔ (۳)

مثال کے طور پر عمرو بن شعیب اپنے والد کے ذریعہ اپنے دادا سے۔ اس سند کا ان کا ایک بڑا

۱- الباعث الحثیث، ۱۹۰

۲- نزھۃ النظر، ۶۲

۳- ابن الصلاح، ۳۱۵

رسالہ ہے جس میں اکثر عمدہ مسائل ہیں اور شعیب، محمد بن عبداللہ بن عمرو العاص کے بیٹے ہیں۔ اکثر اصحاب حدیث نے ان کے باپ محمد کا خیال کئے بغیر محض ان کے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص کی موجودگی کے باعث ان کی حدیث کو قابل حجت مانا ہے۔

اسی طرح بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی سند۔ بہز نے اس سند کے ساتھ ایک بڑا رسالہ روایت کیا ہے جو بہت اچھا ہے۔ بہز کے دادا معاویہ بن حیدہ (۱) القشیری ہیں۔

تیسری مثال طلحہ بن مصرف (۲) عن ابیہ عن جدہ کی ہے۔ اور اس کے دادا کا نام عمرو بن کعب الیامی ہے۔ بعض نے کعب بن عمرو کہا ہے۔ (۳) ابوالقاسم منصور بن محمد العلوی کہتے ہیں کہ بعض اسناد عالی ہیں اور بعض معالی ہیں اور حدثنی ابی عن جدی معالی میں سے ہے (۴) اس طرح کی روایت کے قابل حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ حافظ عراقی نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ (۵)

حافظ سخاوی نے عمرو بن شعیب کی روایت کے بارے میں مفصل بحث کی ہے۔ شیخ احمد محمد شاکر نے الباعث الحثیث میں اسے مختصراً پیش کیا ہے۔ عمرو عن ابیہ عن جدہ کے سلسلے میں محدثین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ سخاوی نے چار اقوال نقل کئے ہیں (۶) جنہیں حافظ عراقی سے نقل کیا گیا ہے۔

۱۔ مطلقاً حجت ہے۔

اس سلسلے میں انھوں نے امام بخاری کا قول نقل کیا ہے:

قال البخاری: رایت احمد بن حنبل و علی بن المدینی و اسحاق بن راھویہ و أبا عبید و عامۃ اصحابنا یحتجون بحدیث عمرو بن شعیب

۱۔ حاء کے فتح اور یا کے سکون کے ساتھ: معاویہ بن حیدہ بن قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ القشیری (بصرہ میں مقیم ہوئے) نبی اکرم ﷺ سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے حکیم اور عروہ بن رویم اللخمی اور حمید المزنی نے روایت کی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور شرف صحبت حاصل کیا۔ خراسان میں فوت ہوئے۔ بخاری نے کتاب الشہادۃ اور کتاب النکاح میں روایت نقل کی۔ تھذیب، ۱۰/ ۱۸۷؛ الاصابۃ، ۶/ ۱۴۹

۲۔ میم کے ضمہ، صاد کے فتحہ اور را کے کسرہ مشدد کے ساتھ مصرف پڑھا جائے گا۔ طلحہ بن مصرف بن عمرو بن کعب بن جحدب بن معاویہ بن سعد بن الحارث الہمدانی الیامی ابوالحسن (م ۱۱۲ھ) انس، عبداللہ بن ابی اوفی، قرہ بن شراحیل اور خیثمہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابواسحاق السبیعی (جو ان سے عمر میں بڑے تھے) اسماعیل بن ابی خالد اور زبید بن الحارث الیامی اور اعمش (جو ان کے اقران تھے) نے روایت کی۔ ابن معین، ابوحاتم اور العجلی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں! کان ثقۃ ولہ احادیث صالحۃ۔ تھذیب التھذیب، ۵/ ۲۵۔۲۶، سیر اعلام النبلاء، ۵/ ۱۹۱

۳۔ ابن الصلاح، ۳۱۵-۳۱۶

۴۔ ایضاً، ۳۱۶-۳۱۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۱۹۹

۵۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۷۵

۶۔ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۲۰۱-۲۰۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۷۵-۳۷۶

عن أبيه عن جده ما تركه أحد من المسلمين (۱) وقال مرة: اجتمع علي و يحيي بن معين و أبو خيثمة و شيوخ من أهل العلم فتذاكروا حديث عمرو بن شعيب فثبتوه وذكروا أنه حجة (۲)

بخاری کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل وعلی بن المدینی واسحق بن راہویہ، ابوعبیدہ اور اپنے عام اصحاب حدیث کو عمرو بن شعیب عن أبيه عن جده سے استدلال کرتے دیکھا۔ مسلمانوں میں کسی نے اسے ترک نہیں کیا۔۔۔۔ایک مرتبہ انھوں نے کہا کہ علی، یحیی بن معین، ابوخیثمہ اور اہل علم میں سے شیوخ جمع ہوئے اور عمرو بن شعیب کی حدیث کے بارے میں گفتگو کی۔ سب نے اس کی تثبیت کی اور اسے حجت قرار دیا۔

۲۔عدم استدلال

ابوداؤد کی رائے ہے کہ اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ ابوعبید آجری ان سے نقل کرتے ہیں:

قيل له: عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده حجة عندك ؟ قال: لا ولا نصف حجة (۳)

ان سے کہا گیا کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ آپ کے نزدیک حجت ہے تو کہا کہ نہیں بلکہ آدھی دلیل بھی نہیں۔

ابن عدی کہتے ہیں کہ والد کے ذریعہ دادا سے ان کی روایت مرسل ہے کیونکہ اس کے دادا محمد کو شرف صحبت حاصل نہ تھا۔ ابن حبان الضعفاء میں عمرو کے ذکر میں کہتے ہیں۔ اگر وہ والد کے علاوہ ثقات سے روایت کریں تو ثقہ ہیں اور اگر والد کے ذریعہ دادا سے روایت کریں تو چونکہ شعیب عبداللہ سے نہیں ملے لہٰذا روایت منقطع ہوگی اور اگر دادا سے مراد محمد ہو تو اسے شرف صحبت حاصل نہیں لہٰذا مرسل ہوگی۔ حافظ عراقی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: قد صح سماع شعيب من عبدالله بن عمرو كما صرح به البخاري في التاريخ و احمد و كما رواه الدار قطني و البيهقي في السنن باسناد صحيح (۴)

۱۔ التاریخ الکبیر، ۳/۱/۳۴۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۲۰۱

۲۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۷۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۲۰۱؛ تدریب، ۴۳۵

۳۔ ایضاً، ۴/۳۷۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۲۰۲

۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۷۶؛ تدریب، ۴۳۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۲۰۱

میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن عمرو سے شعیب کا سماع ثابت ہے جیسا کہ بخاری نے تاریخ میں اور احمد نے تصریح کی ہے اور جیسا کہ دار قطنی اور بیہقی نے سنن میں صحیح اسناد سے روایت کیا ہے۔

۳۔ دادا کا تعین

تیسرا قول یہ ہے کہ دادا کے بارے میں وضاحت ہو کہ وہ عبداللہ ہے یا نہیں۔ یہ دار قطنی کا قول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کے تین اجداد میں سب سے نیچے محمد ہے درمیان میں عبداللہ ہے اور سب سے اوپر عمرو ہے۔ شعیب نے محمد سے سماع کیا اور محمد نبی اکرم ﷺ سے نہیں ملا اور اس نے اپنے دادا عبداللہ سے سنا جو ظاہر ہے کہ صحابی ہے اگر وہ واضح کریں اور ظاہر کریں تو اس صورت میں حدیث صحیح ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس کی روایت کو ترک نہیں کیا۔ اور شعیب کا سماع اپنے دادا عمرو سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر وہ کہے کہ میں نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے سنا تو یہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ کہے: عن جده قال سمعت النبي ﷺ اور اس کی مراد عبداللہ بن عمرو ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ اس طرح کی کئی احادیث کتب سنن میں موجود ہیں۔(۱)

۴۔ آباء کا مفصل ذکر

یہ فرق کہ سب آباؤ اجداد کا ذکر ہے۔ یا عن ابيه عن جده پر اقتصار ہے۔ اگر سب کی تصریح ہے تو حجت ہے ورنہ نہیں۔ یہ رائے ابو حاتم بن حبان البستی کی ہے۔ انھوں نے اپنی صحیح میں ایک حدیث اس طرح نقل کی ہے:

> عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن محمد بن عبدالله بن عمرو عن أبيه مرفوعاً: (ألا احدثكم با حبكم إلي و اقربكم مني مجلساً يوم القيامة؟) الحديث. قال الحافظ أبو سعيد العلائي في كتاب الوشي المعلم فيما قرأته عليه ببيت المقدس ما جاء فيه التصريح برواية محمد عن أبيه في السند فهو شاذ نادر. (۲)

> عمرو بن شعیب اپنے والد سے محمد بن عبداللہ بن عمرو سے اور وہ اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور قیامت کے دن نشست میں مجھ سے قریب تر ہوگا۔ الحدیث۔ حافظ ابو سعید العلائی اپنی کتاب الوشی المعلم میں، جسے میں نے ان کے سامنے بیت المقدس میں پڑھا، لکھتے ہیں کہ جس سند میں محمد عن ابیہ کی تصریح نہیں ہے وہ شاذ و نادر ہے۔

۱۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۷۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۲۰۱

۲۔ ایضاً، ۴/۳۷۶؛ تدریب، ۴۳۵: ابن حجر نے اس کا خلاصہ کیا ہے اور ابو الفضل بن طاہر نے اپنی کتاب المبهمات کے آخر میں ایک بڑی فصل میں اسے بیان کیا ہے۔ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۲۰۵

حافظ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں کہ سب سے زیادہ دلچسپ روایت ابوالفرج عبدالوہاب التمیمی الفقیہ الحنبلی کی ہے۔ بغداد کی جامع المنصور میں ان کا وعظ وفتویٰ کا حلقہ تھا۔ انھوں نے اپنے والد کے ذریعے نو آباء سے روایت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اخبرنی بذلك الشيخ ابو الحسن مويد بن محمد بن علی النيسابوری بقراءتی عليه بها، قال: أخبرنا أبو منصور عبدالرحمن بن محمد الشيبانی فی كتابه إلينا، قال: اخبرنا الحافظ أبوبكر احمد بن علی، قال: حدثنا عبدالوهاب بن عبدالعزيز ابن الحارث بن اسد بن ليث بن سليمان بن الأسود بن سفيان بن يزيد بن اكينة (۱) بن عبدالله التميمی من لفظه: قال سمعت أبی يقول: سمعت أبی يقول: سمعت أبی يقول: سمعت علی بن أبی طالب و قد سئل عن الحنان المنان، فقال: الحنان الذی يقبل علی من اعرض عنه و المنان الذی يبدأ بالنوال قبل السؤال. (۲)

مجھے شیخ ابوالحسن موید بن محمد بن علی النیسابوری نے اپنے سامنے میری قرأت پر مجھے بتاتے ہوئے کہا: ابومنصور عبدالرحمٰن بن محمد الشیبانی نے ہماری طرف لکھے ہوئے مکتوب کے ذریعہ خبر دی، انھوں نے کہا کہ ہمیں حافظ ابوبکر احمد بن علی نے خبر دی، انھوں نے کہا کہ ہمیں عبدالوہاب بن عبدالعزیز بن الحارث بن اسد بن لیث بن سلیمان بن الاسود بن سفیان بن یزید بن اکینہ بن عبداللہ التمیمی نے اپنے لفظوں میں بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو کہتے سنا: میں نے علی بن ابی طالب سے سنا ہے جب ان سے الحنان المنان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا: الحنان وہ ہے جو اعراض کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور المنان وہ ہے جو سوال سے پہلے عطا کرتا ہے۔

۵۔ روایۃ الابن عن الاب فقط

دوسری قسم وہ ہے جس میں بیٹا صرف باپ سے روایت کرتا ہے۔ (۳) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

۱- اکینۃ: مصغر

۲- ابن الصلاح نے اسے مختصر کیا ہے جب کہ یہ تسلسل بارہ تک پہنچتا ہے، ابن الصلاح، ۳۱۶؛ حافظ عراقی نے رزق اللہ بن عبید کی مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں بارہ آباء کا ذکر ہے۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۷۷ - ۳۷۸؛ سخاوی نے ان روایات کا بھی ذکر کیا جن میں چودہ آباء کا ذکر ہے۔ فتح المغیث، ۴ / ۲۰۴-۲۰۵

۳- ابن الصلاح، ۳۱۷

وذلك باب واسع. (۱) اور یہ بہت وسیع باب ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: وذلك كثير جداً. (۲) ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں: وهو كثير. (۳)

مثال

حافظ ابن الصلاحؒ اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو نحو رواية أبی العشراء الدارمی عن ابيه عن رسول الله و حديثه معروف. (۴)

اس کی مثال ابو العشراء الدارمی عن ابيه عن رسول الله ﷺ کی روایت ہے اور مشہور حدیث ہے۔

مصادر

ا۔ روایۃ الابناء عن آبائھم

اس کتاب کے مولف ابونصر الوائلی/ الوایلی ہیں۔ حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ حافظ ابونصر الوایلی/ الوائلی نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے اور اس میں اہم پہلو وہ ہے جس میں وہ لوگ ہیں جو صرف الاب یا الجد کے عنوان سے آئے ہیں اور ان کے نام مذکور نہیں ہیں۔ (۵) حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ حافظ ابونصر الوایلی نے جامع کتاب لکھی اور بعض متاخرین نے اس پر عمدہ اشیاء کا اضافہ کیا ہے۔ (۶)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وجمع الحافظ صلاح الدين العلائی من المتأخرين مجلداً كبيراً فی معرفة من روى عن ابيه عن جده عن النبی ﷺ و قسمه اقساما، فمنه

۱- ابن الصلاح، ۳۱۷

۲- الباعث الحثيث، ۱۹۰

۳- تدريب، ۴۳۴

۴- ابن الصلاح ۳۱۷؛ فتح المغيث، ۴/ ۲۰۰؛ تدريب، ۴۳۴؛ حافظ ابن الصلاح ابوالعشراء کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اسامہ بن مالک ابن قہطم بکسر القاف ہے جو میں نے بیہقی وغیرہ کے خط میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اسے قحطم (بالحاء) بھی پڑھا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا نام عطارد بن برز بتسکین الراء و بتحریکھا کچھ لوگوں نے اسے لام کے ساتھ ابن بلز پڑھا ہے۔ اس کے نام اور اس کے والد کے نام پر کافی اختلاف منقول ہے۔ ابن الصلاح، ۳۱۷؛ فتح المغيث للسخاوی ۴/ ۲۰۰؛ تدريب، ۴۳۴

۵- ابن الصلاح، ۳۱۵

۶- الباعث الحثيث، ۱۹۲

ما يعود الضمير في قوله عن جده على الراوي، ومنه ما يعود الضمير فيه على ابيه، و بيّن ذلك و حققه و خرج في كل ترجمة حديثاً من مرويه۔ وقد لخصت كتابه المذكور وزدت عليه تراجم كثيرة جداً اكثر ما وقع فيه الرواية عن الآباء باربعة عشرا باً۔ (۱)

اور متاخرین میں سے حافظ صلاح الدین العلائی نے ایک بڑی کتاب ان راویوں کے بارے میں لکھی جنہوں نے دادا سے بذریعہ والد روایت کی۔ اس کو کئی اقسام پر تقسیم کیا۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس میں اس کی روایت عن جدہ میں ضمیر راوی کی طرف راجع ہوتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس میں ضمیر اس کے والد کی طرف راجع ہوتی ہے۔ مصنف نے اسے وضاحت کے ساتھ لکھا اور محققانہ بحث کی اور حدیث کے روایوں میں سے ہر ایک کے احوال کی تخریج کی۔ میں نے اس کتاب کی تلخیص کی اور اس میں بہت سے تراجم کا اضافہ کیا۔ اور زیادہ سے زیادہ جو آباء روایت میں آئے ہیں وہ چودہ ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ بعض اسانید میں فلان عن أبیه عن أبیه عن أبیه آتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ منقول ہے تاہم یہ کم واقع ہوا ہے۔ اور اس میں بھی صحیح کم ہے۔ (۲)

۲۔ کتاب من روی عن أبیه عن جده

اس کے مولف قاسم بن قطلوبغا (م ۸۷۹ھ) ہیں۔ مولف نے کتاب کو دو ابواب میں اور ہر باب کو چار فصول میں تقسیم کیا ہے۔ فصل اول نہایت اہم ہے۔ یہ کتاب ہم تک مکمل نہیں پہنچی۔ استاذ باسم فیصل نے کتاب کی تحقیق کی اور آخر میں ضمیمہ کا اضافہ کیا جس میں بعض رواۃ کے حالات اور باب اول سے جو چیزیں رہ گئی تھیں ان کو شامل کیا۔ موضوع پر اہم کتاب ہے۔ (۳)

۳۔ الوشی المعلم فی من روی عن أبیه عن جده

اس کتاب کے مولف صلاح الدین خلیل بن کیکلدی العلائی ہیں۔ کتانی کہتے ہیں:

هو أجمع مصنف صنف في هذا (۴)

ابن حجر نے اس کی تلخیص بھی لکھی۔ (۵)

❀❀❀

۱۔ نزهة النظر، ۶۲   ۲۔ الباعث الحثيث، ۱۹۲

۳۔ المدخل إلى دراسة علوم الحديث، ۴۶۵ سے ماخوذ   ۴۔ الرسالة، ۴۴

۵۔ الرسالة، ۴۴؛ كشف الظنون، ۲/۲۰۰۴

سابق ولاحق

سابق لغوی اعتبار سے السبق سے اسم فاعل ہے جس کے معنی آگے بڑھنے والے کے ہیں (المتقدم) الاحق، اللحاق سے اسم فاعل ہے جس کے معنی متاخر کے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سابق وہ راوی ہے جو پہلے مر جاتا ہے اور لاحق وہ ہے جو بعد میں مرتا ہے، اصطلاحاً اس سے مراد ایسے دو راوی ہیں جو ایک شیخ سے روایت کرتے ہیں لیکن ان دونوں میں موت کی وجہ سے بعد زمانی ہے۔ امام نووی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

من اشترك في الرواية عنه اثنان تباعد ما بين وفاتهما. (۱)

شیخ سے روایت میں دو ایسے راویوں کا اشتراک جن کی وفات میں بعد زمانی ہو۔

حافظ عراقی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان يشترك راويان في الرواية عن شخص واحد، واحد الراويين متقدم والآخر متاخر بحيث يكون بين وفاتهما أمد بعيد. (۲)

یہ کہ دو راوی ایک شخص سے روایت میں مشترک ہوں۔ ایک راوی متقدم ہو اور دوسرا متاخر ہو اس طرح کہ دونوں کی وفات میں بہت زمانے کا فرق ہو۔

حافظ ابن حجرؒ اسے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وان اشترك اثنان عن شيخ و تقدم موت احدهما على الآخر فهو السابق واللاحق (۳)

اگر دو راوی ایک شیخ سے روایت کرنے میں شریک ہوں اور ایک دوسرے سے پہلے مر گیا تو پہلے مرنے والے کی روایت کو سابق اور مقابل کی روایت کو لاحق کہا جاتا ہے۔

مثال

حافظ ابن الصلاحؒ نے اس کی دو مثالیں دی ہیں وہ لکھتے ہیں:

۱- تقریب مع التدریب، ۴۳۸

۲- فتح المغيث للعراقي، ۴/ ۳۷۸؛ فتح المغيث للسخاوي، ۴/ ۲۰۶

۳- نزهة النظر، ۶۴

و من أمثلة أن محمد بن إسحاق الثقفي النيسابوري روى عنه البخاري الإمام في تاريخه وروى عنه أبو الحسين أحمد بن محمد الخفاف النيسابوري و بين وفا تيهما مائة وسبع و ثلاثون سنة او اكثر. و ذلك أن البخاري مات سنة ست و خمسين و مائتين ومات الخفاف سنة ثلاث و تسعين و ثلاثمائة. و قيل مات في سنة اربع او خمس وتسعين و ثلا ثمائة. و كذلك مالك بن أنس الإمام حدث عنه الزهري و زكريا بن دويد الكندي و بين و فاتيهما مائة و سبع و ثلاثون سنة أو أكثر إذ مات مالك بن انس سنة تسع و سبعين و مائة و مات الزهري سنة أربع و عشرين و مائة. (۱)

اوراس کی مثالوں میں سے ایک یہ ہے محمد بن اسحاق النیسابوری ہیں ان سے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے اوران سے ابوالحسن احمد بن محمد الخفاف النیساپوری نے بھی روایت کی ہے۔ ان دونوں کی وفات میں ایک سوسینتیس سال یا زیادہ کا وقفہ ہے کیونکہ بخاری دوسوچھپن میں فوت ہوئے اور خفاف تین سوترانوے، پچانوے یا چورانوے ہجری میں فوت ہوئے۔ اسی طرح امام مالک ابن انسؒ ہیں۔ ان سے زہریؒ اور زکریا بن دوید الکندی نے روایت کی ہے اوران کی وفات میں ایک سوسینتیس برسوں کا یا اس سے بھی زیادہ کا فرق ہے، کیونکہ مالک بن انسؒ ایک سواناسی میں فوت ہوئے جب کہ زہریؒ نے ایک سو چوبیس میں وفات پائی۔

حافظ ابن کثیرؒ اختصار میں لکھتے ہیں:

وممن روى عن مالك زكريا بن دويد الكندي. و كانت وفاته بعد وفاة الزهري بمائة وسبع و ثلاثين سنة أو أكثر. (۲)

اور جن لوگوں نے مالک سے روایت کی ان میں سے زکریا بن دوید الکندی ہے اس کی وفات زہری کی وفات کے ایک سوسینتیس سال یا زیادہ بعد واقع ہوئی۔

شیخ احمد شاکر نے اسی مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ مولف نے جو مثال دی ہے وہ عمدہ نہیں ہے کیونکہ

۱- ابن الصلاح، ۳۱۸

۲- الباعث الحثیث، ۱۹۳

زکریا بن دوید کے بارے میں حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ وہ "کذاب" ہے اور مالک، ثوری اور دیگر بڑے ائمہ سے سماع کا دعویٰ کیا ہے اور اسے گمان تھا کہ وہ ایک سو تیس سال کا ہے۔(۱)

حافظ عراقی کہتے ہیں:

قلت: هكذا مثل ابن الصلاح تبعاً للخطيب بزكريا بن دويد و هو ان كان روى عن مالك فانه احد الكذا بين ـ قال ابن حبان: كان يضع الحديث وادعى انه سمع من حميد الطويل و روى عنه نسخة موضوعة فلا ينبغي حينئذٍ أن يمثل به۔ (۲)

میں کہتا ہوں کہ ابن الصلاح نے خطیب کی متابعت میں زکریا کی مثال دی ہے، اگرچہ اس نے مالک سے روایت کی تاہم اس کا شمار کذابوں میں ہوتا ہے۔ ابن حبان کا کہنا ہے کہ زکریا حدیثیں وضع کرتا تھا۔ اس نے حمید الطویل سے سماع کا دعویٰ کیا ہے اور اس نسخۂ موضوعہ کی روایت کی ہے اس صورت حال میں اس کی مثال دینا مناسب نہیں۔

ابن حجرؒ نے اس کی مثال دیتے ہوئے لکھا:

واكثر ما وقفنا عليه من ذلك ما بين الرا و يين فيه في الوفاة مائة وخمسون سنة۔ و ذلك أن الحافظ السلفي سمع منه أبو علي البرداني أحد مشائخه حديثاً و رواه عنه و مات على رأس الخمس مائة۔ ثم كان آخر أصحاب السلفي بالسماع سبطه أبا القاسم عبدالرحمن بن مكي و كانت وفاته سنة خمسين و ستمائة۔ ومن قديم ذلك أن البخاري حدث عن تلميذه أبي العباس السراج شيئا في التأريخ وغيرهٗ ۔ ومات سنة ست و خمسين و مائتين و آخر من حدث عن السراج بالسماع أبو الحسين الخفاف و مات سنة ثلاث و تسعين و ثلثمائة، وغالب ما يقع من ذلك ان المسموع منه قد يتاخر بعد أحد الراويين عنه زماناً

۱- الباعث الحثیث، ۱۹۲

۲- فتح المغیث العراقی، ۳ / ۳۷۸- ۳۷۹؛ لسان المیزان ۳/ ۱۳۹؛ میزان الاعتدال، ۲ / ۷۲ (ترجمۃ: ۲۸۷۳)؛ المغنی فی الضعفاء ۱/ ۲۳۹، (ترجمۃ: ۲۱۹۱)؛ الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی، ۱ / ۲۹۳ (ترجمۃ ۲۰۲) ؛التنزیہ الشریعۃ، ۱ / ۶۰ رقم: ۵

حتی یسمع منه بعض الاحداث ویعیش بعد السماع منه دهراً طویلا.

فیحصل من مجموع ذلك هذه المدة والله الموفق.(۱)

میری دانست میں ایسے دوراویوں کا بنظر وفات زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو سال کا فاصلہ ثابت ہوتا ہے جیسے حافظ سلفی ہیں۔ ان سے ابو علی البردانی جو سلفی کے مشائخ میں سے بھی ہیں، سماع کر کے ان سے روایت کی ان کی وفات اوائل پانچ سو (۵۰۰) ہجری میں ہوئی اور سب سے آخر میں سلفی سے ان کے پوتے ابو القاسم عبدالرحمٰن بن مکی نے سماع کر کے ان سے روایت کی۔ ان کی وفات چھ سو پچاس (۶۵۰ھ) میں ہوئی۔ بنابریں ابو علی اور ابو القاسم کی وفات کے درمیان ڈیڑھ سو سال کا فاصلہ ثابت ہوتا ہے۔ سلفی سے آگے بخاری کے شاگرد ابو العباس سراج گزرے ہیں۔ امام بخاری نے ان سے کئی ایک روایتیں نقل کی ہیں اور بخاری کی وفات دو سو چھپن (۲۵۶ھ) میں ہوئی ہے اور سب سے آخر سراج سے ابو الحسن خفاف نے حدیث کی سماعت کر کے روایت کی ہے اور خفاف کی وفات تین سو ترانوے (۳۹۳ھ) میں ہوئی اس بنیاد پر امام بخاری اور خفاف کے درمیان ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال کا فاصلہ ہوتا ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ شیخ جس سے دوراویوں نے حدیث سنی ایک راوی کے فوت ہو جانے کے بعد بھی ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ پھر شیخ کی آخری عمر میں دوسرا راوی جو کم عمر ہو اس سے حدیث سن کر مدت مدید تک زندہ رہے۔ اس بنا پر دونوں کے درمیان بڑا فاصلہ واقع ہوگا۔

ابن الصلاح اس کے فوائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن فوائده ذلك تقریر حلاوة علو الاسناد فی القلوب. (۲)

امام سخاویؒ لکھتے ہیں:

الأمن من ظن سقوط شئی فی اسناد المتاخر و تفقه الطالب فی معرفة العالی و النازل، والأقدم من الرواة عن الشیخ، و من به ختم حدیثه، و تقریر حلاوة علو الإسناد فی القلوب. (۳)

۱۔ نزهة النظر، ۶۳

۲۔ ابن الصلاح، ۳۱۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۳۰۶

۳۔ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۳۰۶

مصادر

ا۔ السابق واللاحق فی تباعد مابین وفاۃ راویین عن شیخ واحد

حافظ ابن الصلاحؒ نے لکھا ہے کہ خطیب نے اس پر کتاب لکھی جس کا نام السابق واللاحق ہے۔(۱)
حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں:

وقد اکثر من التعرض لذلك شیخنا الحافظ الکبیر ابو الحجاج المزی فی کتابه "التهذیب" وهو مما یتحلی به کثیر من المحدثین ، ولیس من المهمات فیه. (۲)

ہمارے شیخ حافظ کبیر ابوالحجاج المزی نے اپنی کتاب التھذیب میں اس سے بحث کی ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے اکثر محدثین متصف ہیں اور بڑی اہم چیز نہیں ہے۔

ا- ابن الصلاح، ۳۱۸؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۰۶؛ سخاوی نے اس فن پر ذہبی کی کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ الباعث الحثیث، ۱۹۳

۲- الباعث الحثیث، ۱۹۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۰۶

دو شیخوں کا ہم نام و ہم وصف ہونا

اگر ایک راوی دو شخصوں سے روایت کرتا ہو اور دونوں کے باپ دادا بھی ہم نام ہوں اور دونوں کی نسبت بھی ایک ہو تو اس میں تعین کیسے ہو۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

وان روى الراوى عن اثنين متفقى الإسم أومع إسم الأب أو مع إسم الجد، أو مع النسبة ولم يتميزا بما يخص كلا منهما، فان كانا ثقتين لم يضر و من ذلك ما وقع في البخاري في روايته عن أحمد غير منسوب عن ابن وهب فإنه إما أحمد بن صالح او أحمد بن عيسىٰ. أو عن محمد غير منسوب عن اهل العراق، فانه إما محمد بن سلام أو محمد بن يحيىٰ الذهلى. و قد استوعبت ذلك في مقدمة شرح البخارى. و من أراد ذلك ضابطاً كلياً يمتاز به أحدهما عن الآخر فبا ختصاصه أى الشيخ المروى عنه بأحدهما يتبين المهمل . و متى لم يتبين ذلك، أو كان مختصاً بهما معاً فاشكاله شديد. فيرجع فيه الى القرائن والظن الغالب.(۱)

اگر ایک راوی دو شخصوں سے روایت کرتا ہو اور دونوں کے باپ دادا بھی ہم نام ہوں اور دونوں کی نسبت بھی ایک ہی ہو اور دوسری کسی صفت سے بھی دونوں میں امتیاز نہ ہوتا ہو تو اگر دونوں ثقہ ہیں تو کوئی مضرت نہیں جیسا کہ بخاری نے احمد بن وہب سے روایت کی ہے چونکہ احمد غیر منسوب ہے اس لیے اس سے مراد یا تو احمد بن صالح ہے یا احمد بن عیسیٰ اسی طرح بخاری کی روایت محمد عن اہل العراق میں محمد غیر منسوب ہے اس لیے اس سے یا تو محمد بن سلام مراد ہے یا محمد بن یحییٰ الذہلی۔ میں نے مقدمہ شرح بخاری میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ جو شخص ان میں ایک کو دوسرے سے مکمل طور ممتاز دیکھنا چاہے تو کسی اختصاص سے تعین کر سکے گا یعنی مروی عنہ شیخ کے ذریعہ ان میں سے ایک کو واضح کیا جا سکے گا۔ اور جب یہ واضح نہ ہو یا دونوں شیخ سے اختصاص رکھتے ہوں تو پھر یہ زیادہ مشکل ہو جائے گا ان حالات میں قرائن یا ظن غالب سے کام لیا جائے گا۔

۱- نزھة النظر ، ۶۳

شیخ کا انکار کرنا

اگر مروی عنہ راوی کی روایت کا انکار کرے تو اس روایت کی کیا حیثیت ہوگی؟ حافظ ابن حجر نے اس پر محققانہ بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں:

و إن روی عن شیخ حدیثاً فجحد الشیخ مرویه: فان کان جزما کأن یقول: کذب علی أو مارویت له هذا، أو نحو ذلك. فان وقع منه ذلك رُدّ ذلك الخبر، لکذب واحد منهما لا بعینه، ولا یکون ذلك قادحاً فی واحد منهما، للتعارض، أو کان جحده احتمالاً، کأن یقول: ما اذکر هذا، اولا أعرفه. قُبِل ذلك الحدیث فی الأصح لأن ذلك یحمل علی نسیان الشیخ. و قیل: لایقبل. لأن الفرع تبع للأصل فی إثبات الحدیث، بحیث إذا ثبت الأصل الحدیث ثبتت روایة الفرع. فکذلك ینبغی أن یکون فرعا علیه وتبعاً له فی التحقیق. وهذا متعقب بان عدالة الفرع تقتضی صدقه، وعدم علم الأصل لاینا فیه ـ فالمثبت مقدم علی النافی ـ وأما قیاس ذلك بالشهادة ففاسد، لأن شهادة الفرع لا تسمع مع القدرة علی شهادة الأصل بخلاف الروایة فافترقا. وفیه ای فی هذا النوع صنّف الدار قطنی کتاب "من حدث و نسی" و فیه ما یدل علی تقویة المذهب الصحیح، لکون کثیر منهم حدثوا بأحادیث فلما عرضت علیهم لم یتذکروها؛ لکنهم لا عتمادهم علی الرواة عنهم صاروا یروونها عن الذی رووها عنهم عن أنفسهم. کحدیث سهیل بن أبی صالح عن أبیه عن أبی هریرةؓ مرفوعاً فی قصة الشاهد والیمین، قال عبدالعزیز بن محمد الدراوردی: "حدثنی به ربیعة بن أبی عبدالرحمن عن سهیل، قال: فلقیت سهیلاً فسألته عنه فلم

يعرفه، فقلت :انّ ربيعة حدثني عنك بكذا، فكان سهيل بعد ذلك

يقول:حدثني ربيعة عني أني حدثته عن أبي به"۔ ونظائره كثيرة (۱)

اگر راوی نے ایک حدیث ایک شیخ سے روایت کی اور شیخ نے اس روایت کا انکار کر دیا اگر یہ انکار یقین پر مبنی ہے جیسے وہ یہ کہتا ہے کہ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے یا میں نے یہ روایت نہیں بیان کی یا اسی طرح کی کوئی اور بات تو یہ حدیث مردود ہوگی کیونکہ اس صورت میں ان دونوں میں سے ایک بلاتعین جھوٹا ہے لیکن تعارض کی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی مجروح شمار نہیں ہوگا اور اگر یہ انکار بطور احتمال ہے جیسے وہ یہ کہے: مجھے یاد نہیں ہے یا میں اسے نہیں پہچانتا۔ تو اصح مسلک یہ ہے کہ وہ حدیث مقبول ہوگی کیونکہ اسے شیخ کے نسیان پر محمول کیا جائے گا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ اس صورت میں بھی حدیث کو قبول نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ اثبات حدیث میں شیخ اصل اور راوی فرع ہے جب اصل سے حدیث ثابت ہوگی تو تب فرع کی روایت ثابت ہوگی۔ اسی طرح مناسب ہے کہ راوی مروی عنہ کے لیے فرع کی حیثیت ہو اور تحقیق میں اس کے تابع ہو۔ مگر یہ استدلال قابل گرفت ہے کیونکہ فرع کی عدالت اس کے صدق کی متقاضی ہے اور اصل کا لاعلم ہونا اس کے منافی نہیں ہے لہٰذا مثبت منفی پر مقدم ہے۔ جہاں تک اس کو شہادت پر قیاس کرنے کا تعلق ہے۔(۲) تو یہ قیاس فاسد ہے اس لیے کہ شہادت میں اصل کی شہادت پر قدرت ہوتے ہوئے فرع کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے جب کہ روایت میں ایسا نہیں ہے، سو دونوں میں فرق ہے اس بحث کے متعلق دار قطنی نے ایک کتاب بعنوان من حدث و نسی لکھی ہے۔ اس کتاب میں صحیح قول کی تائید کی گئی ہے اس لیے کہ اس میں بہت سے ایسے مشائخ کا ذکر ہے جنہوں نے احادیث روایت کیں اور جب ان کے سامنے پیش کی گئیں تو انھوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ چونکہ ان کو اپنے تلامذہ پر کامل وثوق تھا اس لیے پھر ان احادیث کو انھوں نے بایں الفاظ روایت کیا کہ ان احادیث کو ہم ان سے اس لیے روایت کرتے ہیں کہ وہ قائل ہیں کہ ہم نے انہیں یہ حدیثیں بیان کی ہیں۔

اس کی مثال قصة شاهد واليمين ہے جسے سهيل بن ابی صالح عن ابيه عن ابی هريرة

۱- نزهة النظر، ۶۴

۲- یعنی اصل اگر شہادت سے انکار کرے تو فرع کی شہادت نامقبول ہوگی۔

مرفوعاً روایت کیا ہے۔ عبدالعزیز بن محمد الدرا وردی کہتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے ربیعہ بن عبدالرحمٰن نے سہیل سے روایت کی۔ جب سہیل سے میری ملاقات ہوئی تو ان سے میں نے اس حدیث کے متعلق سوال کیا۔ ان کا جواب تھا کہ مجھے یاد نہیں تب میں نے سہیل سے کہا کہ یہ حدیث ربیعہ نے مجھے تم سے روایت کی ہے۔ اس وقت سے سہیل اس حدیث کو یوں روایت کرتے ہیں کہ ربیعہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی اور ربیعہ مجھ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ان کو اپنے والد سے روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر نظائر بھی بکثرت موجود ہیں۔

المسلسل

تعریف:

مسلسل السّلسلة سے ماُ خوذ ہے جس کا لغوی مفہوم ہے دو یا چند چیزوں کا باہم ملا ہوا ہونا۔(۱)

حافظ ابن الصلاحؒ المسلسل من الحدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

التسلسل من نعوت الاسانید و هو عبارة عن تتابع رجال الاسناد وتواردهم فيه و احداً بعد واحدٍ على صفة أو حالة واحدة. (۲)

تسلسل کا تعلق اسانید کی صفات سے ہے اور مسلسل نام ہے سند کے راویوں کے تتابع کا اور وہ ایک دوسرے کے بعد ایک ہی صفت یا ایک ہی حالت میں وارد ہوں۔

امام نوویؒ نے ابن الصلاح کی تلخیص کرتے ہوئے لکھا:

المسلسل: هو ما تتابع رجال إسناده على صفة أو حالة للرواة تارة وللرواية تارة أخرى. (۳)

مسلسل وہ روایت جس کی سند کے راوی ایک صفت یا حالت پر متتابع ہوں۔ یہ تتابع کبھی راویوں میں ہو اور کبھی روایت میں۔

حافظ عراقی المسلسل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

التسلسل من صفات الأسانيد ۔ فالحديث المسلسل هو ما توارد رجال إسناده واحداً فواحداً على حالة واحدة أو صفة واحدة سواء كانت الصفة للرواة أو الاسناد و سواء كان ما وقع منه في الاسناد في صيغ الاداء أو متعلقًا بزمن الرواية أو بالمكان و سواء كانت أحوال الرواة أو صفاتهم أقوالاً أو أفعالاً ۔ (۴)

تسلسل کا تعلق اسناد کی صفات سے ہے۔ سو حدیث المسلسل وہ ہے جس کی سند کے رجال

۱- لسان العرب، ۱۱/۳۴۵

۲- ابن الصلاح، ۲۷۵

۳- تقریب مع تدریب، ۲۸۰

۴- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۱۹—۳۲۰

میں ایک کا دوسرے سے ایک حالت یا ایک صفت پر توارد ہو یہ صفت راویوں کی ہو یا اسناد کی، اور اسناد میں یہ وقوع صیغہ، ادا میں یا روایت کے زمانہ سے متعلق ہو یا مکان سے اور راویوں کے احوال وصفات کا تعلق اقوال سے ہو یا افعال سے۔

ان تعریفات کا جائزہ لیں تو ان میں اختصار اور تطویل کا فرق ہے بنیادی تصور ایک ہے۔ ابن الصلاح نے جو تعریف کی ہے بعد میں آنے والوں نے اس کو الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ایک معاصر مؤلف د/ عجاج الخطیب مسلسل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المسلسل هو الحديث الذى يتصل إسناده بحال هيئة أو وصف ۔ قولي أو فعلي ۔يتكرر فى الرواة أو الرواية أو يتعلق بزمن الرواية أو مكانها (۱)

حافظ ابن حجر نے حدیث المسلسل کی تعریف کرتے ہوئے جو انداز اختیار کیا ہے اس میں تعریف بھی ہے اور تشریح بھی۔ وہ لکھتے ہیں:

و ان اتفق الرواة فى اسناد من الأسانيد فى صيغ الأداء كسمعت فلانا، أوحدثنا فلان، قال حدثنا فلان، وغيره ذلك من الصيغ أوغيرها من الحالات القولية كسمعت فلانا يقول: أشهد بالله لقد حدثنى فلان الخ، أو الفعلية كقوله: دخلنا على فلان فاطعمنا تمراً الخ، أو القولية والفعلية معاً كقوله: حدثنى فلان وهو آخذ بلحيته، قال: آمنت بالقدر الخ، فهو المسلسل وهو من صفات الإسناد۔ (۲)

اور اگر اسانید میں سے کسی سند میں روایت کے الفاظ پر اتفاق ہو جائے جیسے **سمعت فلانا** یا "**حدثنا فلان**"، **قال حدثنا فلان** وغیرہ۔ یہ اتفاق الفاظ یا حالات پر ہو سکتا ہے اور پھر یہ حالت قولی ہو سکتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے: "میں نے فلاں شخص کو کہتے سنا: اس پر میں اللہ کو گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ فلاں شخص نے مجھ سے حدیث بیان کی۔" یا یہ حالت فعلی ہو سکتی ہے جیسے کوئی شخص کہے: "فلاں شخص کے پاس ہم گئے پھر اس نے ہمیں کھجوریں کھلائیں"۔ یا حالت قولی و فعلی کا مجموعہ ہو سکتی ہے جیسے کوئی شخص کہے: "مجھ سے فلاں شخص نے حدیث بیان کی دراں حالے کہ وہ اپنی داڑھی کو پکڑے ہوئے تھا، اس نے کہا: میں قدر پر ایمان لایا" تو وہ حدیث مسلسل ہوگی اور اس کا تعلق اسناد کی صفات سے ہے۔

۱۔ اصول الحدیث علومه و مصطلحه، ۳۹۹

۲۔ نزهة النظر، ۶۴

حدیث مسلسل کی اقسام

حافظ ابن حجرؒ نے تو تعریف ہی میں اقسام کو سمو دیا ہے البتہ دوسرے مصنفین نے ان صفات کو الگ بیان کیا ہے۔ حدیث مسلسل کی کئی اقسام ہیں۔ حافظ ابن الصلاح اقسام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تنقسم الى مالا تحصيه. ونوعه الحاكم أبو عبدالله الحافظ إلى ثمانية أنواع، والذى ذكره فيها انما هو صور و أمثلة ثمانية ولا انحصار لذلك فى ثمانية كما ذكرناه. (۱)

اور یہ بے شمار انواع پر منقسم ہے۔ امام ابوعبداللہ نے اسے آٹھ انواع پر تقسیم کیا ہے اور اس میں جو کچھ انھوں نے ذکر کیا ہے وہ صرف آٹھ صورتیں اور مثالیں ہیں۔ ان انواع کو جیسا کہ ہم نے کہا ہے آٹھ میں منحصر نہیں کیا جاسکتا۔

امام نووی اقوال وافعال کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

والانواع كثيرة غيرها. (۲) یعنی ان کے علاوہ بہت سی اقسام ہیں۔

صاحب **توجيه النظر** مسلسل کی تعریف وانواع کے سلسلے میں امام حاکم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولم يذكر الحاكم تعريف المسلسل و انما نوعه الى ثمانية انواع اكتفى فيها بذكر امثلتها ثم قال فى آخرها: فهذه انواع المسلسل من الأسانيد المتصلة التى لا يشوبها تدليس وآثار السماع بين الراويين ظاهرة غير أن رسم الجرح و التعديل عليهما محكم و إنى لا احكم لبعض هذه الأسانيد بالصحة فانما ذكرتها ليستدل بشواهدها عليها. (۳)

امام حاکم نے مسلسل کی تعریف نہیں بیان کی صرف آٹھ (۸) انواع کی تقسیم بیان کی اور صرف مثالوں پر اکتفا کیا اس کے بعد کہا: یہ اسناد متصلہ میں سے مسلسل کی اقسام ہیں جن میں تدلیس کا دخل نہیں ہے اور دو راویوں کے درمیان سماع کے آثار ظاہر ہیں سوائے اس کے کہ ان پر جرح و تعدیل کا ضابطہ جاری ہوگا۔ میں ان اسانید کی صحت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دیتا۔ میں نے صرف اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ ان سے شواہد کے طور پر استدلال کیا جاسکے۔

۱- ابن الصلاح، ۲۷۵، معرفة علوم الحديث، ۲۹-۳۴

۲- تقريب مع تدريب، ۳۸۰

۳- توجيه النظر، ۱۲۸

الجزائری نے اس کے بعد ابن الصلاح کا پورا اقتباس نقل کیا ہے جس کا کچھ حصہ ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ ابن الصلاح کے مطابق یہ صرف مثالیں ہیں جنہیں بیان کیا گیا ہے(۱)۔ذیل میں اُن اقسام کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

المسلسل باحوال الرواۃ القولیہ

وہ حدیث جس کا تعلق راویوں کے توارد قولی سے ہے اس کی مثال معاذ بن جبل کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یا معاذ إنی أحبك ، فقل فی دبر كل صلوٰۃ :اللهم أعنی علی ذكرك وشكرك و حسن عبادتك. (۲)

معاذ میں تم سے محبت رکھتا ہوں سو ہر نماز کے بعد کہا کریں: اے اللہ! اپنے ذکر شکر اور حسن عبادت پر میری مدد فرما۔

یہ دو راویوں پر مشتمل مسلسل حدیث ہے جس میں إنـی احبك فقل دہرایا گیا ہے۔(۳) نسائی نے غیر مسلسل حدیث کے طور پر نقل کیا ہے۔(۴)

المسلسل باحوال الفعلیہ

وہ مسلسل حدیث جس میں راویوں کے تتابع فعلی کا اظہار ہے۔اس کی مثال ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، جس کے الفاظ ہیں:

قال شبك بيدی أبو القاسم و قال: خلق الله الأرض يوم السبت (۵)

اس حدیث کی روایت میں راویوں نے "تشبیك ید" کا تسلسل قائم رکھا۔(۶)

المسلسل باحوال القولیہ والفعلیہ

وہ حدیث جس میں قولی و فعلی دونوں حالتوں کا تسلسل پایا جاتا ہے۔اس کی مثال حدیث انس بن مالک ہے۔

۱- ابن الصلاح ، ۲۷۵، توجیہ النظر ، ۱۱۸

۲- ابو داؤد ،السنن، كتاب الصلاة ، باب فی الاستغفار، ۲ / ۸۱

۳- ایضاً، المناهل السلسلة فی الاحاديث المسلسلة ، ۱۳-۱۵؛ محمد السماحی، ۲۸۶

۴- نسائی، السنن، کتاب الصلوٰۃ ، باب الدعاء بعد الذكر ، ۱ / ۱۹۲

۵- معرفة علوم الحديث ، ۳۳-۳۴؛ فتح المغيث للعراقی، ۴ / ۳۲۰؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴ / ۳۹

۶- ایضاً؛ المناهل السلسلة ، ۳۱-۳۲؛ شیخ محمد السماحی نے قسم المصطلح میں مفصل ذکر کیا ہے، ۲۸۵-۲۹۴

حدثنا محمد بن عبدالله الحاكم ثنا الزبير بن عبدالواحد قال: حدثنا شهاب بن خراش قال: سمعت يزيد الرقاشي يحد بحدث عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: لا يجد العبد حلاوة الإيمان حتى يومن بالقدر خيره و شره، حلوه و مره. قال: وقبض رسول الله ﷺ على لحيته وقال: آمنت بالقدر خيره و شره، حلوه و مره. قال: وقبض انس على لحيته و قال: آمنت بالقدر خيره و شره، حلوه ومره. قال واخذ شهاب بلحيته و قال: آمنت بالقدر خيره و شره و اخذ سعيد بلحيته وقال: آمنت بالقدر خيره و شره، حلوه و مره، قال: و أخذ سليمان بلحيته و قال: آمنت بالقدر خيره و شره، حلوه و مره. قال: و أخذ الزبير بلحيته و قال آمنت بالقدر خيره و شره، حلوه و مره و قال واخذ الحاكم بلحيته و قال: آمنت بالقدر خيره و شره، حلوه ومره.(۱)

یزید الرقاشی انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ ایمان کی حلاوت نہیں پا سکتا جب تک وہ قدر پر ایمان نہ لائے، وہ اچھی ہو یا بری، میٹھی ہو یا کڑوی۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیا اور فرمایا: میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں۔ اچھی بھی اور بری بھی اور میٹھی بھی اور کڑوی بھی۔ کہتے ہیں کہ شہاب نے اسی طرح کیا اور کہا کہ میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں اچھی بھی اور بری بھی میٹھی بھی اور کڑوی بھی۔ اسی طرح سعید نے کیا اور کہا میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں، اچھی بھی اور بری بھی میٹھی بھی اور کڑوی بھی۔ اسی طرح سلیمان نے کیا اور کہا کہ میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں اچھی بھی اور بری بھی میٹھی بھی اور کڑوی بھی۔ اسی طرح زبیر نے کیا اور کہا کہ میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں، اچھی بھی اور بری بھی میٹھی بھی اور کڑوی بھی۔ اسی طرح حاکم نے بھی کیا اور کہا کہ میں قدر پر ایمان رکھتا ہوں اچھی بھی بری بھی، میٹھی بھی اور کڑوی بھی۔

۱۔ فتح المغیث للعراقی ۴ / ۳۴۰–۳۴۱؛ المناهل السلسلة، ۳۵–۳۸؛ معرفة علوم الحديث، ۳۱–۳۲. حاکم نے اسے مکمل تسلسل کے ساتھ نقل کیا، اسی طرح عراقی نے بھی یہ سلسلہ اسی طرح حدیث کے آخری راوی ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم الانصاری تک جاری رہا۔

المسلسل بصفات الرواۃ القولیۃ

وہ حدیث جس میں راویوں کی صفات قولیہ کا توارد ہو۔ عراقی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

واحوال الرواۃ القولیہ متقاربۃ بل متماثلۃ ۔ (۱)

اور اس کی مثال وہ حدیث مسلسل ہے جو سورۃ الصف کی قراءت سے متعلق ہے۔ اسے امام ترمذی (۲) نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے:

قال: حدثنا عبداللہ بن عبدالرحمن أخبرنا محمد بن کثیر عن الأوزاعی عن یحیی بن أبی کثیر عن أبی سلمۃ عن عبداللہ بن سلام قال: قعدنا نفراً من أصحاب رسول اللہ ﷺ فتذاکرنا فقلنا: لو نعلم أی الاعمال أحب إلی اللہ تعالیٰ لعملناہ فأنزل اللہ عزوجل: "سبح للّٰہ ما فی السموات وما فی الارض و ھو العزیز الحکیم یا ایھا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون" ۔ (۳) قال: ابن سلام فقرأ ھا علینا رسول اللہ ﷺ قال أبو سلمۃ: فقرأہ علینا عبداللّٰہ بن سلام۔ قال یحیی: فقرأ علینا أبو سلمۃ ۔ قال ابن کثیر: فقرأ ھا علینا الأوزاعی۔ قال عبداللہ: فقرأھا علینا ابن کثیر۔ (۴)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ انہیں محمد بن کثیر نے الاوزاعی سے انھوں نے یحییٰ بن کثیر سے انھوں نے ابوسلمہ سے اور انھوں نے عبداللہ بن سلام سے روایت کی کہ انھوں نے کہا: ہم اصحاب رسول میں سے چند لوگ بیٹھے ہوئے تذکرہ کر رہے تھے۔ ہم نے کہا کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم عمل کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصف نازل کی "جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ اہل ایمان تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے۔" ابن سلام نے کہا کہ رسول اللہ نے ہمارے سامنے اسے پڑھا۔ ابوسلمہ نے کہا

۱- فتح المغیث للعراقی ۴/ ۳۲۱

۲- ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، باب سورۃ الصف، ۵/ ۴۱۲-۴۱۳

۳- الصف/ ۱-۲

۴- المنہج الحدیث، ۲۸۷

کہ ہمارے سامنے عبداللہ بن سلام نے اسے پڑھا۔ یحییٰ نے کہا کہ ابو سلمہ نے ہمارے سامنے اسے پڑھا ابن کثیر نے کہا کہ اوزاعی نے اسے ہمارے سامنے پڑھا۔ عبداللہ نے کہا کہ ابن کثیر نے اسے ہمارے سامنے پڑھا۔

المسلسل بصفات الرواۃ الفعلیہ

یہ وہ حدیث ہے جس میں راویوں کی صفات فعلیہ کا توارد ہو مثلاً جیسے راویوں کے ناموں کا اتفاق جیسے محمد تسلسل کے ساتھ آئے، صفات کا اتفاق جیسے مسلسل بالفقہاء، حفاظ، معمرین یا صوفیا وغیرہ یا جیسے کوفیوں، عراقیوں، دمشقی یا مصریوں نے روایت کیا ہو۔ (۱) مسلسل بالفقہاء کی مثال کے لیے ابن عمرؓ کی مرفوع روایت:

"البیعان با لخیار" (۲) اس کی روایت میں فقہاء کا تسلسل ہے (۳)

المسلسل بصفات الروایہ

وہ مسلسل حدیث جس میں روایت کی صفات کا توارد ہو جیسے روایت کی ادائیگی کے الفاظ کا تتابع، یا زمانے اور مکان کا توارد ہو۔ صیغ الاداء کے متعلق روایت کی مثال وہ مسلسل حدیث ہے جس میں ایک لفظ دہرایا جارہا ہو جیسے سمعت فلانا یا أخبر فلان یا شهدت علی فلان (۴)

روایت کی زمانی صفت کی مثال وہ روایت ہے جس میں یوم العید، وقص الاظفار کو دہرایا گیا (۵)

روایت کی مکانی صفت کی مثال وہ روایت ہے جس کا تعلق ملتزم میں اجابت دعا کے ساتھ ہے (۶: اجابة الدعا فی الملتزم) وغیرہ۔

حافظ ابن الصلاح نے امام حاکم کے حوالے سے لکھا تھا کہ انھوں نے آٹھ انواع کا ذکر کیا ہے لیکن اسے آٹھ میں منحصر نہیں کیا جاسکتا۔ حافظ عراقی نے ابن الصلاح کی رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

لم یقل الحاکم انه منحصر فی ثمانیة أنواع کما فهمه ابن الصلاح و إنما قال بعد ذکره الثمانیة "فهذه انواع المسلسل من الأسانید المتصلة التی لا تشوبها تدلیس و اثار السماع بین الراویین ظاهرة"

۱- فتح المغیث للعراقی ۴/۳۲۱؛ تدریب، ۳۸۱

۲- بخاری، الجامع، کتاب البیوع، باب البیعان علی الخیار، ۱۸/۳؛ مسلم، الجامع، کتاب البیوع، باب ثبوت خیار المجلس، ۹/۵؛ فتح المغیث للعراقی ۴/ ۳۲۱

۳- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۲۱

۴- ایضاً، ۴/ ۳۲۱

۵- ایضاً، ۴/۳۲۱؛ تدریب، ۳۸۱

۶- ایضاً، ۴/ ۳۲۱

فالحاكم انما ذكر من أنواع المسلسل ما يدل على الاتصال . فالأول المسلسل بسمعت و الثاني المسلسل بقولهم قم فصب على حتى اريك وضوء فلان و الثالث المسلسل بمطلق ما يدل على الاتصال من سمعت أوأخبرنا أو حدثنا، و ان اختلفت الفاظ الرواة، والرابع المسلسل بقولهم فان قيل لفلان من أمرك بهذا قال يقول: أمرني فلان . والخامس المسلسل بالاخذ باللحية وقولهم آمنت بالقدر الحديث و قد تقدم و السادس المسلمل بقولهم و عدهن في يدى و السابع المسلسل بقولهم شهدت على فلان والثا من المسلسل تشبيك باليد مع ان من أمثلة ما يدل على الاتصال ولم يذكره كالمسلسل بقولهم: اطعمنا و سقانا. والمسلسل بقولهم: اضافنا بالا سودين التمر و الماء. والمسلسل بقولهم: اخذ فلان بيدى و المسلسل بالمصافحة و المسلسل بقص الاظفار يوم الخميس و نحو ذلك. (۱)

جیسا کہ ابن الصلاح نے سمجھا ہے امام حاکم نے یہ نہیں کہا کہ حدیث مسلسل صرف آٹھ انواع میں منحصر ہے۔ انھوں نے آٹھ انواع ذکر کرنے کے بعد صرف یہ کہا کہ یہ ان احادیث مسلسل کی انواع ہیں جن کی اسناد متصل ہیں جن میں تدلیس کا دخل نہیں اور جہاں دو راویوں کے سماع کے آثار واضح ہیں۔ سو حاکم نے مسلسل کی صرف ان انواع کا ذکر کیا ہے جو اتصال پر مبنی ہیں۔ سو ان کے نزدیک مسلسل کی پہلی قسم وہ ہے جس میں سمعت ہے دوسری وہ ہے جس میں ان کا قول ہے: ''کھڑے ہو جایئے اور پانی ڈالیے میں تمہیں وضو کر کے دکھاتا ہوں'' تیسری مسلسل وہ ہے جو مطلق اتصال پر دلالت کرتی ہے جیسے سمعت، اخبرنا یا حدثنا ہے گو راویوں کے الفاظ میں اختلاف واقع ہو۔ چوتھی مسلسل وہ ہے جس میں ان کا قول ہے: تمہیں ایسا کرنے کے لیے کس نے کہا؟ اور وہ کہے! مجھے فلاں شخص نے حکم دیا ہے پانچویں مسلسل جس میں داڑھی کو مٹھی میں لینے اور قدر پر ایمان رکھنے کا تذکرہ ہے چھٹی وہ جس میں ہے: انہیں میرے ہاتھ پر گننا۔ ساتویں مسلسل وہ ہے جس میں ہے: میں نے فلاں کے خلاف گواہی دی۔ اور آٹھویں مسلسل وہ ہے جس میں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں ڈالنے کا ذکر

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۲۱-۳۲۲

ہے۔اگرچہ ایسی مثالیں موجود ہیں جو اتصال سند پر دلالت کرتی ہیں لیکن امام حاکم نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔جیسے مسلسل جس میں اطعمنا و سقانا کا ذکر ہے یا وہ مسلسل جس میں اضافنا بالاسودین التمر والماء منقول ہے۔یا وہ مسلسل جس میں اخذ فلان بیدی وارد ہوا ہے اسی طرح مسلسل بالمصافحہ اور مسلسل جس میں جمعرات کے دن ناخنوں کے کاٹنے کا ذکر ہے۔

حدیث مسلسل میں اصل اہمیت اتصال سند کی ہے۔حافظ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

و خیرھا ما کان فیه دلالة علی اتصال السماع وعدم التدلیس ، ومن فضیلة التسلسل اشتماله علی مزید الضبط من الرواة. (۱)

حدیث مسلسل میں سب سے اچھی وہ ہے جس میں اتصال سماع کی نشاندہی ہوتی ہے اور تدلیس سے بھی محفوظ ہے۔اور تسلسل کی خوبی ہے کہ وہ رواۃ کے زیادہ ضبط پر مشتمل ہو۔

مسلسل روایات کی خوبیوں کے باوجود بعض میں ضعف کے امکانات موجود ہوتے ہیں اسی طرح کوئی مسلسل مرفوع ہونے کے باوجود کسی سطح پر منقطع ہو جاتی ہے اور یہ اسناد کا نقص ہے۔جیسے عبداللہ بن عمرو کی مرفوع حدیث ہے!

الراحمون یرحمهم الرحمن. (۲)

حدیث کے آغاز میں سمعتہ کی وجہ سے مسلسل ہے۔سند کے آغاز سے سفیان بن عیینہ تک تسلسل ہے لیکن اس سے اوپر نبی اکرم ﷺ تک یہ تسلسل منقطع ہو جاتا ہے۔حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

ومن رواہ مسلسلاً الی منتهاہ فقد وھم (۳)

جس نے اسے آخر تک مسلسل روایت کیا اسے وہم ہوا۔

مسلسل کی اقسام میں صحیح ترین وہ ہے جو المسلسل بالحفاظ ہے جیسے حدیث مالك عن نافع عن ابن عمرؓ حافظ ابن حجر المسلسل بالائمة الحفاظ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مفید علم نظری ہے:

و منها المسلسل بالائمة الحفاظ حیث لا یکون غریباً کالحدیث الذی رواہ احمد بن حنبل مثلاً و یشارکه فیه غیرہ عن الشافعی و یشارکه فیه غیرہ عن مالك بن انس. فانه یفید العلم عند سامعه بالاستدلال من

۱- ابن الصلاح ، ۲۷۶

۲- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۲۲ ۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں: الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء: بخاری، الادب المفرد، ۱۳۷؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الادب ،باب فی الرحمة ، ۵ / ۲۳۱؛ ترمذی، السنن کتاب البر، باب ماجاء فی رحمة المسلمین، ۴ / ۳۲۳

۳- نزهة النظر ، ۶۴

جهة جلالة رواته وان فيهم من الصفات الائقة الموجبة للقبول ما يقوم مقام العدد الكثير من غيرهم. (۱)

وہ حدیث جو غریب نہ ہو جس کے سلسلہ سند میں تمام روات ائمہ حفاظ ہوں مثلاً ایک حدیث کی روایت امام احمد بن حنبل نے ایک اور شخص کے ساتھ امام شافعی سے کی اور پھر امام شافعی نے اور شخص کے ساتھ امام مالک سے اس کی روایت کی۔ یہ سامع کے لیے مفید علم نظری ہوگی بوجہ اس کے رواۃ کی جلالت شان اس لیے کہ ان رواۃ میں ایسے قابل قبول اوصاف موجود ہیں جن کے سبب یہ راوی ایک جم غفیر کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔

ہم اپنی اس بات کو امام نووی کے اقتباس پر ختم کرتے ہیں جو مختصر اور جامع ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و صفات الرواة اما أقوال أو افعال و أنواع كثيرة غيرهما؛ كمسلسل التشبيك باليد والعد فيها، و كاتفاق أسماء الرواة أو صفاتهم أو نسبتهم كأحاديث رويناها كل رجالها دمشقيون. و كمسلسل الفقهاء. و صفات الرواية كالمسلسل "بسمعت" أو "باخبرنا" او "أخبرنا فلان" والله. وأفضله مادل على الأتصال، و من فوائده زيادة الضبط، و قلما يسلم عن خلل فی التسلسل، و قد ينقطع تسلسله فی وسطه كمسلسل أول حديث سمعته على ما هو الصحيح فيه. (۲).

اور راویوں کی صفات قولی ہوں گی یا فعلی اور ان کے علاوہ بھی بڑی اقسام ہیں۔ جیسے وہ مسلسل جس میں ہاتھوں کا ایک دوسرے میں جوڑنا ہے یا راویوں کے ناموں کا ایک جیسا ہونا یا ان کی صفات اور نسبتوں کا یکساں ہونا جیسے وہ احادیث جنہیں ہم نے روایت کیا جس کے تمام راوی دمشقی ہیں یا مسلسل الفقہاء۔ اور روایت کی صفات پر مبنی حدیث مسلسل جیسے: سمعت، اخبرنا یا اخبرنا فلان واللہ اور ان سب سے افضل وہ ہے جو اتصال سند پر مبنی ہے اور اگر راویوں کا ضبط ہو تو یہ اس کے لیے مفید ہے اور کم ہی ایسی مسلسل احادیث ہیں جن کے تسلسل میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ کبھی یہ تسلسل درمیان میں منقطع ہو جاتا ہے جیسے وہ مسلسل جس کے آغاز میں سمعتہ ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں انقطاع واقع ہوا ہے۔

اس روایت میں تسلسل عمرو بن دینار پر ختم ہوا ہے اور عمرو بن دینار کا ابو قابوس اور ابو قابوس کا عبداللہ بن عمرو سے اور عبداللہ بن عمرو کا نبی اکرم ﷺ سے سماع منقطع ہے۔ (۳)

۱- نزهة النظر، ۲۷

۲- تقريب مع تدريب، ۳۸۰-۳۸۱

۳- تدريب، ۳۸۱: فتح المغيث للعراقی ۳۲۲/۴

مصادر مسلسل:

میسر مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی اس نوع پر اہل علم نے آغاز ہی سے توجہ دی اور کتب ورسائل مرتب کیے۔ ان میں سے اکثر تالیفات ضائع ہوگئیں جبکہ کچھ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں بصورت مخطوط موجود ہیں۔ الحمدللہ ان کی ایک بڑی تعداد زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہے۔

حدیث مسلسل پر قدیم ترین تالیف ابن شاذان ابوبکر احمد بن ابراہیم البغدادی (م ۳۸۳ھ) کی معلوم ہوتی ہے۔

ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ) نے بھی المسلسلات کے نام سے ایک کتاب مرتب کی۔

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) جنہوں نے فنون حدیث کے تقریباً ہر فن پر تالیفات چھوڑیں، اس فن پر ان کی تالیف مسلسل العیدین ہے جو شائع ہوچکی ہے۔

حافظ اندلس ابن الطیلسان القاسم بن محمد القرطبی (م ۶۴۲ھ) خلیل بن کیکلدی العلائی (م ۷۶۱ھ)، ابن مسدی محمد بن یوسف الازدی (م ۶۶۳ھ) وغیرھم کی طرف بھی تالیفات منسوب کی گئی ہیں (۱)۔

امام سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے "الجواهر المکللة فی الأخبار المسلسلة تالیف کی اور اس میں ایسی سو (۱۰۰) احادیث کا ذکر کیا۔ امام سخاوی نے اس فن پر پچاس تالیفات کی نشاندہی کی ہے۔ (۲)

سخاوی کے ہمعصر امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے المسلسلات الکبری تالیف کی جس میں پچاسی (۸۵) احادیث مسلسل کا ذکر کیا۔ بقول مصنف اسی تالیف سے عالی سند روایات کو منتخب کیا اور اسے جیاد المسلسلات کا نام دیا۔ (۳)

ابن عقیلہ محمد بن احمد المکی (م ۱۱۵۰ھ) جو اپنے والد کی طرح عقیلہ کے نام سے معروف ہوئے اس فن پر ان کی تالیفات میں عقد الجواهر فی سلسلة الأکابر اور الفوائد الجلیلة وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ (۴)

مرتضی زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) کی طرف اس فن پر متعدد تالیفات منسوب ہیں۔ جن میں سے التعلیقة الجلیلة علی مسلسلات ابن عقیله، الاسعاف بالحدیث المسلسل، المرقاة العلية وغیرہ ہیں۔ (۵)

برصغیر کے ممتاز عالم شاہ ولی اللہ الدہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے الفضل المبین فی المسلسل من حدیث

۱- الرسالة المستطرفة، ۶۹-۷۲؛ الاعلام ۵/۱۸۱؛ ۶/۱۳؛ ۷/۱۵۰: تفصیل کے لیے دیکھیے: المدخل إلی دراسة علوم الحدیث، ۹۶۱-۹۷۰

۲- الرسالة، ۷۱؛ الضوء اللامع، ۸/۲

۳- أیضاً، ۷۱؛ حسن المحاضرہ، ۱/۳۳۹؛ تدریب، ۳۸۱

۴- الرسالة، ۷۱؛ الأعلام، ۶/۱۳

۵- الرسالة، ۷۱

النبی الأمین ﷺ تحریر کی۔مطبوع ہے۔(۱)

الشنقیطی، محمد حبیب اللہ المدنی (م۱۳۶۳ھ) نے اس فن پر دو تالیفات اکمال المنة اور الخلاص النافعة مرتب کیں۔دونوں مطبوع ہیں۔(۲)

محمد عبد الباقی الأیوبی (م۱۳۶۴ھ) نے المناهل السلسلة فی الأحادیث المسلسلة تالیف کی اس میں انھوں نے دوسو بارہ (۲۱۲) احادیث جمع کی ہیں۔مطبوع ہے۔(۳)

❀❀❀

۱- المدخل إلی دراسة علوم الحدیث، ۹۶۸

۲- الأعلام، ۷۹/۶

۳- المدخل، ۹۶۹

المعنعن والمؤنن

بعض اوقات راوی اپنے مروی عنہ کا نام لینے کے بجائے عن فلان کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ چونکہ اس میں عدم اتصال کا احتمال ہوتا ہے اس لیے علماء حدیث نے اس کا خصوصی مطالعہ کیا ہے۔

المعنعن

هو الذی یقال فیه :"فلان عن فلان"(۱) من غیر تصریح بالتحدیث والسماع. (۲)

معنعن وہ حدیث ہے جس کی سند میں فلان عن فلان ہو اور اس میں حدیث بیان کرنے یا سننے کی تصریح نہ ہو۔

حافظ عراقی عنعنہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العنعنة مصدر، عنعن الحدیث إذا رواه بعن من غیر بیان للتحدیث والاخبار و السماع. (۳)

العنعنۃ مصدر ہے۔ عنعنۃ الحدیث کا مطلب ہے جب راوی عن سے روایت کرے اور اس میں تحدیث، اخبار اور سماع کی وضاحت نہ ہو۔

المؤنن

المؤنن وہ حدیث ہے جس کی سند میں یہ الفاظ ہوں ان فلاناً قال کذا و کذا (۴) فلاں شخص نے ایسی بات کہی۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اس کی حیثیت عن کی ہے اور اسے اتصال پر محمول کیا جائے گا اگر راویوں کے درمیان ملاقات ثابت ہو گئی۔ اسی طرح جب تک انقطاع واضح نہ ہو جائے تو متصل شمار ہو گی اس کی مثال ایسی ہے جیسے:

۱- مقدمہ ابن الصلاح، ۶۱؛ تقریب مع تدریب، ۱۳۲

۲- توضیح الافکار، ۱/ ۳۳۰

۳- فتح المغیث للعراقی ۱/ ۸۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۱/ ۱۹۹؛ تدریب، ۱۳۲

۴- ابن الصلاح، ۶۲؛ قواعد التحدیث، ۱۲۳

"مالك عن الزهري ان سعيد بن المسيب قال كذا"

امام مالک سے مروی ہے کہ وہ عن فلان اور أنّ فلانا کو برابر سمجھتے تھے۔ احمد بن حنبل انہیں مساوی نہیں گردانتے تھے اور ابن عبد البر نے جمہور اہل علم کی رائے نقل کرتے ہوئے کہا کہ عن اور أنّ سب مساوی ہیں۔ مزید کہا:

وأنه لا اعتبار بالحروف والألفاظ و إنما هو باللقاء و المجالسة والسماع والمشاهدة يعني مع السلامة من التدليس. فاذا كان سماع بعضهم من بعض صحيحاً كان حديث بعضهم عن بعض باى لفظ ورد محمولاً على الاتصال حتى يتبين فيه الانقطاع. (١)

حروف اور الفاظ معتبر نہیں ہیں جو چیز مطلوب ہے وہ ملاقات، مجلس اور مشاہدہ ہیں۔ بشرطیکہ راوی تدلیس سے محفوظ ہو۔ اگر ایک دوسرے سے سماع ثابت ہے تو حدیث کسی لفظ کے ساتھ بھی وارد ہو اتصال پر محمول ہوگی تا آنکہ اس میں انقطاع واضح ہو جائے۔

ابن عبد البر نے ابو بکر البردیجی (۲) سے نقل کیا ہے کہ حرف ان انقطاع پر محمول ہوگا حتی کہ کسی اور جہت سے اس حدیث کے بارے میں سماع ثابت نہ ہو۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بے معنی بات ہے اس لیے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر سند صحابی سے متصل ہو تو الفاظ کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (۳) خواہ قال: قال رسول الله ہو یا ان رسول الله ﷺ قال ہو۔ "عن رسول الله ﷺ انه قال" ہو یا "سمعت رسول الله ﷺ يقول" یہ سب متصل ہیں (۴)

احمد بن حنبل کی رائے کو خطیب نے نقل کیا ہے:

سليمان بن الاشعث قال سمعت احمد قيل له ان رجلا قال: عروة ان

۱- ابن الصلاح، ۶۲

۲- ابو بکر البردیجی۔ حافظ ابو بکر، احمد بن ہارون البردیجی (م ۳۰۱ھ) آذربائیجان کے گاؤں بردیج سے تعلق تھا۔ یہ بستی بردعہ کے قریب تھی اس لیے انہیں بردعی بھی کہا جاتا ہے۔ ثقات رجال حدیث میں سے ہیں بغداد میں قیام پذیر رہے۔ ابو سعید الاشج علی بن اشکاب، ہارون اسحق الھمدانی اور بحر بن نصر الخولانی وغیرہ سے احادیث بیان کیں اور ان سے ابو بکر الشافعی، ابن لولو الوراق، ابو علی بن الصواف وغیرہ سے روایت کی۔ دار قطنی کہتے: ثقة جبل۔ حاکم کہتے ہیں کہ ان سے ہمارے شیخ ابو علی نے ۳۰۳ھ میں مکہ میں سماع کیا لیکن ذہبی کہتے ہیں کہ ۳۰۱ھ میں بردیج میں انتقال کیا۔ معجم البلدان، ۲ / ۱۱۸؛ شذرات الذھب، ۲ / ۲۳۴؛ تاریخ بغداد، ۵/ ۱۹۴؛ سیر اعلام، ۱۴/ ۱۲۲

۳- ابن الصلاح، ۶۲-۶۳؛ فتح المغيث للعراقی ۱/ ۸۹

۴- فتح المغيث للعراقی ۱/ ۸۸-۸۹؛ قواعد التحديث، ۱۲۳

عائشة قالت يا رسول الله ، وعن عروه عن عائشة سواء قال كيف هذا سواء ليس هذا بسواء ۔ (۱)

سلیمان بن الاشعث کہتے ہیں کہ میں نے احمد کو سنا جب ان سے کہا گیا کہ ایک شخص کہتا ہے: عروہ نے کہا کہ عائشہؓ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ عروہ سے روایت ہے کہ وہ عائشہ سے روایت کرتے ہیں: کیا یہ دونوں برابر ہیں تو امام احمد نے کہا: یہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ یہ برابر نہیں ہے۔

حدیث معنعن کی حیثیت

حافظ ابن الصلاح اس کی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

عده بعض الناس من قبيل المرسل و المنقطع حتى يتبين اتصاله بغيره والصحيح والذى عليه العمل انه من قبيل الإسناد المتصل. وإلى هذا ذهب الجماهير من ائمة الحديث وغيرهم واودعه المشترطون للصحيح فى تصانيفهم فيه و قبلوه، و كاد ابو عمر بن عبدالبر الحافظ يدعى. اجماع ائمة الحديث على ذلك و ادعىٰ أبو عمرو الدانى المقرئ الحافظ (۲) اجماع اهل النقل على ذلك. و هذا بشرط ان يكون الذين اضيفت العنعنة اليهم قد ثبتت ملاقاة بعضهم بعضاً مع براء تهم من وصمة التدليس فحينئذ يحمل على ظاهر الاتصال الا ان يظهر فيه خلاف ذلك. و كثر فى عصرنا و ما قاربه بين المنتسبين الى الحديث استعمال "عن" فى الإجازة . فاذا قال احدهم: "قرأت على فلان عن فلان" او نحو ذلك فظنّ به انه رواه بالإجازة ولا يخرجه ذلك من قبيل الإتصال على ما لا يخفى. (۳)

۱۔ الكفاية ، ۴۰۸

۲۔ ابوعمرو، عثمان بن سعید القرطبی بن الصیر فی الدانی جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ التیسیر ان کی مشہور تصنیف ہے۔ ان کا تعلق اندلس کے شہر دانیہ سے تھا۔ قیروان اور مصر میں مقیم رہے۔ ذہبی کے بقول انھوں نے ابو مسلم کاتب، مکہ میں احمد بن فراس اور مغرب میں ابوالحسن القابسی سے سماع کیا۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ علوم القرآن میں ان کا شمار ائمہ میں ہوتا ہے۔ انہیں قرآن کی روایت، تفسیر اور اس کے معانی پر عبور حاصل تھا۔ حدیث اور اس کے طرق و رجال میں بھی معرفت حاصل تھی۔ مالکی المذہب تھے اور اپنے شہر دانیہ میں ۴۴۴ھ میں فوت ہوئے۔ النجوم الزاهرة ، ۵/۵۴؛ نفح الطيب، ۱/ ۳۹۲؛ الصلة، ۳۹۸؛ مفتاح السعادة ، ۱/ ۳۸۶

۳۔ ابن الصلاح ، ۶۱ — ۶۲؛ فتح المغيث للعراقى، ۱/ ۸۸-۸۹

بعض لوگوں نے اسے مرسل اور منقطع میں شمار کیا ہے جب تک دوسرے راوی سے اس کا اتصال ثابت نہ ہو جائے۔ اور صحیح رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق اسناد متصل سے ہے اس رائے پر عمل بھی ہے اور جمہور ائمہ حدیث کی بھی یہی رائے ہے۔ جن مصنفین نے اپنی تصانیف میں صحت کی شرط رکھی انھوں نے اسے اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے اور اسے قبولیت بخشی ہے۔ ابوعمر ابن عبدالبر کا تو تقریباً یہ دعویٰ ہے کہ اس پر ائمہ حدیث کا اجماع ہے اور حافظ قاری ابوعمرو الدانی سے اس پر اہل نقل کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، لیکن یہ قبولیت اس شرط پر ہوگی کہ جن لوگوں کی طرف عنعنہ منسوب کیا ان کی آپس میں ملاقات ثابت ہو اور ان پر تدلیس کا داغ بھی نہ ہو۔ اسی صورت میں ظاہری اتصال پر محمول کیا جائے گا ہمارے اور اس کے قریبی عہد میں حدیث سے نسبت رکھنے والے لوگوں میں اجازۃ میں عن کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص یہ کہے: قرأت علی فلان عن فلان یا اسی طرح کے کوئی اور الفاظ تو یہ گمان کیا جائے گا کہ یہ اس راوی سے بطریق اجازہ روایت کر رہا ہے۔ یہ طریقہ اسے اتصال کے دائرہ سے خارج نہیں کرتا۔

امام نوویؒ نے ابن الصلاحؒ کے بیان کو اپنے الفاظ میں ملخصاً نقل کیا ہے۔ (۱) حافظ عراقی نے بھی ابن الصلاح کی تائید میں لکھا ہے البتہ ابن عبدالبر کے دعویٰ اجماع میں لفظ کاد پر لکھا ہے لا حاجة الی قوله کاد یعنی اس کی ضرورت نہیں کیونکہ انھوں نے اجماع کا دعویٰ کہا ہے (۲) حافظ سخاوی (۳) اور علامہ سیوطی (۴) نے اسی بات کو مزید وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔

ابومظفر السمعانی (۵) نے ذکر کیا ہے کہ عنعنہ میں طویل صحبت شرط ہے۔ امام مسلم نے اسے ناپسند کیا ہے اور اپنی صحیح کے خطبہ میں حدیث معنعن کے موقوف ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

وهذا القول يرحمك الله في الطعن في الاسانيد مخترعٌ مستحدث غير مسبوق صاحبه إليه و لا مساعد له من أهل العلم عليه و ذلك ان

۱- تقریب مع تدریب، ۱۳۲

۲- فتح المغیث للعراقی، ۱/ ۸۸

۳- فتح المغیث، ۱/ ۲۹۸-۲۹۹

۴- تدریب، ۱۳۲-۱۳۳

۵- ابوالمظفر منصور بن محمد التمیمی السمعانی المروزی، حنفی عالم فقیہ تھے بعد میں شافعی ہو گئے سمعان بنی تمیم کی ایک شاخ ہے۔ ۴۸۹ ہجری میں وفات پائی۔ وہ صاحب الانساب عبدالکریم بن محمد السمعانی کے دادا تھے۔ النجوم الزاهرة، ۵/ ۱۶۰؛ مفتاح السعادة، ۲/ ۱۹۱، اللباب، ۱/ ۵۶۳

القول الشائع المتفق عليه بين اهل العلم بالاخبار و الروايات قديماً و حديثاً ان كل رجل ثقة روى عن مثله حديثاً و جائز ممكن له لقاء ہ والسماع منه لكونهما جميعاً كانا فى عصر واحد و ان لم يات فى خبر قط انهما اجتمعا ولا تشا فها بكلام فالرواية ثابتة والحجة بها لازمة الا ان تكون هناك دلاله بينة ان هذا الراوى لم يلق من روىٰ عنه اولم يسمع منه شيأ. فاما و الامر مبهم على الامكان الذى فسرنا فالرواية على السماع ابداً حتى يكون الدلالة التى بيّنّا۔ (۱)

اللہ آپ پر رحم کرے اسناد کے بارے میں یہ قول نیا ایجاد کیا ہوا ہے جو پہلے کسی نے نہیں کیا اور نہ علماء حدیث نے اس کی موافقت کی۔ اس لیے مشہور مذہب جس پر اگلے اور پچھلے اہل علم کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی ثقہ شخص کسی ثقہ شخص سے ایک حدیث روایت کرے اور دونوں میں ملاقات جائز اور ممکن ہو اس لیے کہ دونوں ایک زمانے میں موجود تھے۔ گو کسی حدیث میں اس کی تصریح نہ ہو کہ وہ دونوں ملے تھے یا ان میں رد و بدل بات چیت ہوئی تھی تو وہ حدیث حجت ہے اور وہ روایت ثابت ہے۔ البتہ اگر وہاں اس امر کی کوئی کھلی دلیل ہو کہ درحقیقت یہ راوی اپنے مروی عنہ سے نہیں ملا یا اس سے کچھ نہیں سنا تو وہ حدیث حجت نہ ہوگی۔ لیکن جب تک یہ امر مبہم رہے تو صرف ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہوگا اور یہ سماع پر محمول کی جائے گی۔

حافظ ابن الصلاح نے امام مسلم کی عبارت کا خلاصہ نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

و فيما قاله مسلم نظر، قد قيل ان القول الذى رده مسلم هو الذى عليه ائمة هذا العلم على بن المدينى والبخارى وغيرهما. (۲)

اور جو کچھ امام مسلم نے کہا ہے اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ جس رائے کو امام مسلم نے رد کیا وہی ہے جس پر حدیث کے ائمہ کا اتفاق ہے۔ علی بن المدینی اور بخاری وغیرہ۔

امام نووی نے اسی بات کو زیادہ منقح کر کے پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

۱- مسلم، الجامع، مقدمة، ۱/۲۳-۲۴

۲- ابن الصلاح، ۲۱

و فی اشتراط ثبوت اللقاء و طول الصحبة و معرفته بالرواية عنه اختلاف ، منهم من لم يشترط شيئاً من ذلك وهو مذهب مسلم ابن الحجاج وادعی الا جماع فيه، و منهم من يشترط اللقاء وحده وهو قول البخاری و ابن المدينی و المحققين . و منهم من شرط طول الصحبة و منهم من شرط معرفته بالرواية عنه. (۱)

ملاقات کے ثبوت ، طویل صحبت اور اس کی روایت کی معرفت کی شرائط کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ اس سلسلے میں کوئی شرط نہیں لگاتے اور یہ امام مسلم کا مذہب ہے اور اس پر انھوں نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ کچھ لوگ صرف ملاقات کی شرط لگاتے ہیں اور یہ رائے امام بخاری علی بن المدینی اور دیگر محققین کی ہے۔ کچھ لوگ جو طویل صحبت کی شرط لگاتے ہیں (۲) اور کچھ وہ لوگ ہیں جو مروی عنہ کی روایات کی معرفت ضروری قرار دیتے ہیں۔ (۳)

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں زیادہ وضاحت کے ساتھ امام مسلم کی رائے سے اختلاف کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

و هذا الذی صار إليه مسلم قد انكره المحققون وقالوا اهذا الذی صار إليه ضعيف ۔ والذی رده هو المختار الصحيح الذی عليه ائمة هذا الفن ۔ (۴)

اور جو رائے امام مسلم نے اختیار کی ہے اسے محققین نے ناپسند کیا ہے اور کہا ہے کہ جو رائے انہوں نے اختیار کی ہے وہ کمزور ہے اور جسے رد کیا وہی پسندیدہ اور صحیح ہے۔ اسی پر اس فن کے ائمہ کا اتفاق ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ جو لوگ معنعن حدیث طویل صحبت کی شرط کی وجہ سے مطلقاً منقطع مانتے ہیں وہ متشدد ہیں اور جو معاصرت پر اکتفا کرتے ہیں وہ متساہل ہیں اور درمیانی راہ وہ ہے جسے بخاری اور ان سے موافقت کرنے والوں نے اختیار کی ہے۔ اس کے بعد ضد اور غرور ہی رہ جاتا ہے۔ (۵)

حافظ ابن حجر نے نزهة النظر میں جامع بات کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

۱- تقریب مع تدریب ، ۱۳۴؛ علامہ سیوطی نے ان آراء کی تفصیل دی ہے۔ ملاحظہ کیجئے: تدریب متعلقہ صفحات

۲- جیسے ابوالمظفر السمعانی

۳- جیسے ابوعمرو الدانی اور ابوالحسن القابسی

۴- شرح مسلم للنووی، ۱/۲۳-۲۴

۵- تدریب ، ۱۳۳

و عنعنة المعاصر محمولة على السماع بخلاف غير المعاصر فانها تكون مرسلة أو منقطعة. فشرط حملها على السماع ثبوت المعاصرة، الامن المدلس، فانها ليست محمولة على السماع. و قيل: يشترط فی حمل عنعنة المعاصر على السماع يشترط ثبوت لقائها ای الشيخ و الراوی عنه ولو مرة واحدة ليحصل الأمن فی باقی العنعنة عن كونه من المرسل الخفی و هو المختار، تبعاً لعلی بن المدينی و البخاری وغيرها من النقاد. (۱)

جو راوی شیخ کا معاصر ہو اور بلفظ عن شیخ سے روایت کرے اس کی روایت سماع پر محمول ہوگی بشرطیکہ مدلس نہ ہو اور اگر راوی اس کا معاصر نہ ہو تو اس کی روایت مرسل یا منقطع سمجھی جائے گی۔ بعض کے نزدیک بلفظ عن معاصر کی روایت اس شرط پر سماع پر محمول کی جائے گی کہ دونوں کی ایک بار بھی ملاقات ثابت ہو، تاکہ بلفظ عن روایت کرنے میں مرسل خفی کا جو احتمال ہے وہ رفع ہو جائے۔ علی بن المدینی اور امام بخاری وغیرہ نقادانِ فن کا یہی مذہب ہے اور میرے نزدیک بھی یہی مختار ہے۔

معنعن حدیثوں کی مثالیں بخاری و مسلم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ دونوں بزرگوں نے بکثرت معنعن احادیث نقل کی ہیں۔(۲) بالخصوص مسلم نے، لیکن علماء حدیث اس سلسلے میں یہ اعتذار پیش کرتے ہیں کہ ان کے ہاں طرق کثیرہ سے مروی مستخرجات ہیں(۳) ابن الصلاح اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ووجدت مثل ما حكاه عن البرديجی ابوبكر الحافظ للحافظ الفحل يعقوب بن شيبة (۴) فی مسنده الفحل ثاره ذكر ماروا

۱- نزهة النظر، ۶۶

۲- قواعد التحديث، ۵۴

۳- ایضاً، ۱۰۲

۴- یعقوب بن شیبہ ابو یوسف السدوسی البصری نزیل بغداد صاحب مسند کبیر (م ۲۶۲ھ) عالم اور محدث تھے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں: اگرچہ وہ مسند کی تکمیل نہیں کر پائے تھے لیکن ان سے بہتر مسند کسی نے تصنیف نہیں کی۔ علی بن عاصم اور یزید بن ہارون وغیرہ سے سماع کیا اور یحییٰ بن معین کے اصحاب اور اس طبقے کے لوگوں سے احادیث لکھیں۔ ان کے پوتے، نواسے سمیت کئی لوگوں نے ان سے روایت حدیث کی۔ خطیب نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ ان کا شمار بڑے علماء اور ائمہ حدیث میں ہوتا ہے۔ خطیب کہتے ہیں کہ ان کے گھر پہ ۴۰ لحاف موجود رہتے جو ان وراقین کے لیے تھے جو مسند لکھتے تھے۔ مسند عشرہؓ، ابن مسعودؓ، عمارؓ، عباسؓ اور بعض موالی کی مسانید مکمل کر سکے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/ ۱۳۱؛ النجوم، ۳/ ۳۷؛ سیر اعلام، ۱۲/ ۴۷۶

أبو الزبير (۱) عن ابن الحنفية (۲) عن عمار (۳) قال أتيت النبی ﷺ وهو يصلی فسلمت عليه فرد علی السلام (۴) وجعله مسنداً مو صولاً.
و ذكر روائية قيس بن سعد (۵) لذلك عن عطاء بن ابی رباح (۶) عن ابن

۱- ابوالزبیر: محمد بن مسلم بن تدرس (بفتح المثناه و ضم المهملة) المکی الحافظ مولی حکیم بن حزام القرشی الاسدی (م ۱۲۸ھ) ابن عباس، ابن عمر، جابر، ابوالطفیل، سعید بن جبیر، عائشہ وغیرہ سے روایت کی اوران سے ایوب، شعبہ، سفیان، حماد بن سلمہ، مالک، لیث اور لوگوں کی کثیر تعداد نے روایت کی ان سے روایت کرنے والوں میں آخری آدمی سفیان بن عیینہ تھے۔ عقل اور حافظہ کے لحاظ سے اپنے عہد کے سب سے بڑے انسان تھے۔ عطاء کہتے ہیں کہ ہم جابرؓ کے پاس ہوتے وہ احادیث سناتے جب باہر نکلتے تو مذاکرہ کرتے۔ ابوالزبیر ہم میں سب سے زیادہ حدیث یادرکھنے والے ہوتے۔ ابن معین اور نسائی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ تذكرة الحفاظ، ۱ / ۱۲۶؛ سير اعلام، ۵ / ۳۸۰؛ ابن سعد، ۵ / ۴۸۱؛ طبقات خليفه، ۲۸۱؛ ميزان الاعتدال، ۴ / ۳۷؛ تهذيب التهذيب، ۹ / ۴۴۰؛ شذرات، ۱ / ۱۷۵

۲- ابن الحنفیہ: ابوالقاسم محمد بن علی بن ابی طالب الھاشمی (م ۸۱ھ) المعروف بابن الحنفیہ کیونکہ ان کی والدہ خولہ بنت جعفر بن قیس بن حنیفہ میں سے تھی۔ ان کی ذات میں حضور کا نام اور کنیت جمع تھیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اس کنیت کی اجازت دی تھی۔ "فانه قال لعلی: سيولدلك غلام بعدی و قد نحلته اسمی و كنيتی ولا يحل لا حد من امتی بعده" گو اس کے بارے میں علماء کے تحفظات ہیں۔ بڑے صاحب علم اور بہت عبادت گذار۔ فرقہ کیسانیہ ان کے بارے میں عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ فوت نہیں ہوئے وہی مہدی منتظر ہیں۔ اپنے والد علی، عثمان، عمار، معاویہ، ابوہریرہ اور ابن عباس وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ان کے اقرباء کے علاوہ عطاء بن ابی رباح، منہال بن عمرو، محمد بن قیس بن مخرمہ اور ایک بڑی جماعت نے روایت کی۔ العجلی کہتے ہیں کہ وہ تابعی اور ثقہ تھے۔ ابن سعد، ۵ / ۹۱؛ صفة الصفوة، ۲/ ۴۲؛ حلية الاولياء، ۳/ ۱۷۴؛ وفيات الاعيان، ۱ / ۴۴۹؛ سير اعلام، ۴ / ۱۱۰

۳- عمار ابن یاسر بن عامر بن مالک ابوالیقظان مولی بنی مخزوم (م ۳۷ھ) ابوحذیفہ نے انہیں آزاد کیا۔ وہ اور ان کے ماں باپ اولین اسلام لانے والوں میں ہیں۔ ابوجہل نے ان کی والدہ سمیہ کو قتل کیا تھا وہ اسلام کی پہلی شہید شمار ہوتی ہیں۔ مسدد کہتے ہیں کہ مہاجرین میں ان کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس کے ماں باپ مسلمان نہ ہوں۔ انھوں نے نبی ﷺ، حذیفہ بن الیمان سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے، پوتے، محمد اور سلمہ بن محمد، ابن عباس، ابوموسیٰ الاشعری عبداللہ بن جعفر اور ابو الطفیل وغیرہ نے روایت کی بدر سمیت تمام غزوات میں شریک رہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ان کے اور حذیفہ کے درمیان مواخات قائم کی تھی۔ انھوں نے سب سے پہلے اسلام کا اعلان کیا اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد بنائی اور نماز ادا کی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ تقتله فئة باغية. سیدنا علی کے ساتھ دیتے ہوئے صفین میں ۳۷ھ میں شہید ہوئے اس وقت ان کی عمر ۹۳ برس تھی۔ تهذيب التهذيب ؛ الاستيعاب بهامش الاصابة، ۲ / ۴۶۹؛ الطبری، ۶ / ۲۱؛ حلية الاولياء، ۱ / ۱۳۹؛ صفة الصفوة، ۱ / ۱۷۵؛ الاصابة، ۴/ ۵۷۵

۴- ابن ابی شيبة، المصنف، كتاب الصلاة، ۲ / ۷۵

۵- قیس بن سعد: ابوعبدالملک یا ابوعبداللہ الحبشی المکی (م ۱۱۹ھ) مولی نافع بن علقمہ یا مولی ام علقمہ۔ طاؤس، عطاء بن ابی رباح، مجاہد اور عمرو بن دینار سے روایت کی اور ان سے ہشام بن حسان، جریر بن حازم اور حماد نے روایت کی۔ ان کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن سعد کے مطابق وہ ثقہ تھے۔ ان کی روایات کی تعداد زیادہ نہیں۔ تهذيب الاسماء، ۲ / ۶۲؛ تهذيب التهذيب، ۸/ ۳۹۸؛ كتاب الثقات، ۷/ ۳۲۸

۶- عطاء ابن ابی رباح: ابو محمد المکی القرشی مولی ابن خثیم الفہری (م ۱۱۵ھ) ان کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ چاروں عبادلہ سمیت کئی صحابہ سے روایت کی اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے روایت کی جیسے عمرو بن دینار، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الحنفية ان عماراً مربالنبي وهو يصلی (۱) فجعله مرسلاً من حيث

كونه قال: ان عماراً فعل و لم يقل عن عمار. (۲)

میں نے اس کی مثال اس روایت میں پائی جسے یعقوب بن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں حافظ ابوبکر

البردیجی سے نقل کی ہے۔ ابوالزبیر نے محمد بن الحنفیہ سے اور انھوں نے عمار بن یاسر سے نقل کیا

کہ انھوں نے کہا: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا درآں حالیکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے میں نے

انہیں سلام کیا اور انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے مسند کو موصول بنا دیا۔ اور قیس بن سعد

کی روایت کا ذکر بھی کیا۔ عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے وہ محمد بن الحنفیہ سے روایت کرتے

ہیں کہ عمار بن یاسر نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرے درآں حالیکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

انھوں نے اس کو مرسل بنایا جب یہ کہا: عمار نے یہ کام کیا اور عمار سے کوئی بات نقل نہیں کی۔

معنعن اور مؤنن حدیث کے متصل ہونے کا مسئلہ دقت طلب ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حدیث کے

ظاہری الفاظ اتصال کا منظر پیش کرتے ہیں لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ اتصال نہیں اور اگر مزید غور کیا جائے تو اتصال

کی صورت نکل آتی ہے۔ خطیب نے الکفایہ میں کئی مثالیں دی ہیں (۳)

ایک مثال جسے علوم الحدیث کے علماء نے پیش کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

مالك عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ أدرك عمر بن الخطاب

ويسير في ركب يحلف بأبيه فقال: ألا ان الله ينهاكم أن تحلفو بآباء كم.

من كان حالفاً فليحلف بالله اوليصمت. (۴)

زہری اور قتادہ وغیرہ وہ اپنے زمانے میں مفتی اہل مکہ اور مشہور ائمہ میں سے تھے۔ امام اوزاعی کہتے ہیں کان عطاء ارضی الناس عند الناس یعنی عطاء لوگوں کے نزدیک سب انسانوں سے پسندیدہ تھے ان کی جلالت شان، امامت اور ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن سعد، ۵ / ۳۶۷؛ طبقات خليفة / ۲۸۰؛ الجرح والتعديل، ۳/ا / ۳۳۰؛ تاريخ اسلام، ۴/ ۲۷۸؛ سير اعلام النبلاء، ۵ / ۷۸؛ البداية، ۹ / ۳۰۶؛ تهذيب التهذيب، ۷ / ۱۹۹؛ شذرات الذهب، ۱/ ۱۴۷؛

۱- نسائی، السنن، کتاب الصلوٰة، باب ردالسلام ۳ / ۶؛ عبدالرزاق، المصنف، کتاب الصلاة، باب السلام فی الصلاة، ۲ / ۳۳۴

۲- ابن الصلاح، ۶۳؛ فتح المغيث للعراقي، ۱ / ۸۸

۳- الكفاية، ۴۰۶—۴۰۷

۴- بخاری، الجامع، كتاب الايمان، باب لا تحلفوا بآبائكم، ۷/ ۲۲۱؛ مسند احمد، ۲ / ۷؛ ترمذی، السنن، كتاب النذور، باب ما جاء في كراهية الحلف بغير الله، ۴ / ۱۱۰ حديث ۱۵۳۴، ترمذی نے اولیصمت کے بجائے اولیسکت کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور اسے حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

مالک نافع سے وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بن الخطاب کو اس حالت میں پایا کہ وہ سواروں کے درمیان اپنے باپ کی قسم کھا رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ آباء کی قسموں سے منع فرماتا ہے۔ جو قسم کھانا چاہتا ہے اسے اللہ کی قسم کھانی چاہیے ورنہ خاموش رہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

عن سالم قال: قال ابن عمر: سمعت عمر يقول: قال لي رسول الله ﷺ "ان الله ينهاكم أن تحلفوا بآباءكم" (۱)

سالم سے روایت ہے کہ ابن عمر نے کہا کہ میں نے عمر کو کہتے سنا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات سے منع کیا ہے کہ اپنے آباء کی قسمیں کھاؤ۔

پہلی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عمر نبی ﷺ سے مسنداً بیان کر رہے ہیں دوسری روایت ظاہر کرتی ہے کہ ابن عمر عمر کے ذریعہ نبی ﷺ سے مسنداً بیان کر رہے ہیں اس لیے مؤنن کو کیسے متصل مانا جائے۔

اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں ابن عمر کا ادراک مشترک متردد ہے ان کا نبی کریم ﷺ اور عمر دونوں سے تعلق تھا۔ انھوں نے دونوں کا زمانہ پایا اور دونوں سے شرف صحبت حاصل تھا لہٰذا دونوں سے روایت کرنے میں ان کا حرف مناسب تھا گو اس طریقہ پر ان دونوں سے اتصال کے تعین میں ادراک قاصر ہے۔

۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأیمان، باب لا تحلفوا بآبائکم، ۷ / ۲۲۱

تحمل واداء حدیث کے الفاظ

تاریخ حدیث کے طلبہ سے یہ امر مخفی نہیں کہ حدیث رسول کا ابلاغ اور حصول اولیں مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں کا محور تھا۔ اس دور میں علم سے مراد علم رسالت تھا۔ آغاز میں کئی صدیوں تک اس کے لیے "العلم" کی اصطلاح استعمال ہوتی رہی۔ بعض مؤلفین نے اس عنوان سے تالیفات بھی مرتب کیں مثلاً زہیر بن ابی خثیمہ کی "کتاب العلم" اور خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) کی کتاب تقیید العلم. رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کی حیثیت قیمتی موتیوں کی تھی جن سے ہر شخص اپنی جھولی بھرنا چاہتا تھا۔ ایک لفظ، چند الفاظ، بعض تشریحات و تعبیرات غرض جو کچھ میسر آتا اسے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ قرن اول کے مسلمانوں کا علمی سرمایہ ذات رسالتماب کی زبان مبارک سے نکلے الفاظ اور آپ ﷺ کے اسوہ کا بیان تھا۔ آنجناب ﷺ نے خود حصول علم اور ابلاغ علم کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی اس لیے قرون اولیٰ میں ایک علمی تحریک پروان چڑھی جس میں علم حدیث کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابی بکرة قال: قال رسول الله ﷺ: الا فلیبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من یبلغه ان یکون اوعیٰ له من بعض من سمعه. (۱)

ابوبکرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو حاضر ہے وہ ان لوگوں تک پہنچا دے جو حاضر نہیں ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی تک پہنچا دے جو اس سے زیادہ حفاظت کرتا ہے جو سننے والا ہے۔

عن عبدالله بن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: نضر الله امرأ سمع منّا حدیثا فبلغه کما سمعه فرب مبلغ اوعیٰ له من سامع. (۲)

عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس بندے کو تر و تازہ رکھے جس نے مجھ سے حدیث کو سنا اور جس طرح مجھ سے سنا تھا اسی طرح دوسروں تک پہنچایا۔ بسا اوقات مجھ سے سننے والے سے زیادہ حفاظت وہ کرتے ہیں جن تک پہنچائی جاتی ہے۔

۱- ابن سعد، ۲/ ii/ ۱۲۱— ۱۲۲؛ بخاری، الجامع، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، ۵/ ۱۲۸؛ مسلم، الجامع، کتاب القسامة، باب تغلیظ تحریم الدماء، ۵/ ۱۰۸؛ ابن ماجة، السنن، مقدمة، ۱/ ۸۵

۲- مسند، ۳/ ۲۲۵؛ ۴/ ۸۰، ۸۲؛ ۵/ ۱۸۳؛ ابن ماجة، السنن، مقدمة، ۱/ ۸۶

گویا حضور اکرم ﷺ نے ابلاغ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ صحابہ وتابعین کی جماعت نے اس ارشاد کو حکم کا درجہ دے کر احادیث رسول کے ابلاغ کی تحریک چلائی، صحابہ کرامؓ کے حلقہ ہائے درس تھے جو اس سرگرمی کا مرکز تھے۔ ان حلقوں میں اساتذہ اور طلبہ اپنا اپنا کام کرتے۔ اساتذہ طالب علم تک اپنی معلومات پہنچاتے اور طلبہ انہیں سیکھتے۔ سیکھنے سکھانے کی یہ سرگرمی بعد کی نسلوں تک جاری رہی تاہم اس کا اولیں تجربہ ومشاہدہ صحابہ وتابعین ہی نے کیا۔ اسی علمی سرگرمی کے دو پہلو ہیں ایک ابلاغ علم کا اور دوسرا حصول علم کا۔ ابلاغ علم کے لیے محدثین کے ہاں نقل اور اداء کی اصطلاحیں استعمال ہوئیں۔ ابلاغ علم کے کیا طریقے استعمال ہوئے؟ کون سے الفاظ اختیار کیے گئے؟ انہیں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ وصول علم کے لیے تحمل کی اصطلاح استعمال ہوئی۔ تحمل کے معنی بوجھ اٹھانے کے ہیں گویا ایک طالب علم بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھارہا ہے۔ علوم الحدیث کے مصنفین کے ہاں **نقل الحدیث و تحمله** (۱) اور **صیـــغ الاداء** (۲) وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ عبداللہ بن عباس (۳) اور عروہ بن الزبیر (۴) سے احادیث روایت کرنے کا طریقہ ملتا ہے۔

بعض محدثین نے اپنے شیوخ کی احادیث کو روایت کرنے کا طریقہ اپنایا جو بہت مشہور ہوا لیکن علمی سرگرمیوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے دیگر طریقے بھی متعارف ہوئے۔ رامہرمزی (۵) سے لے کر ابن الصلاح (۶) اور ان سے ابن حجر تک سب نے ان طریقوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک ہی طریقہ استاد کی نسبت سے ادا اور شاگرد کے لیے تحمل قرار پاتا ہے۔ خطیب نے الکفایہ میں ان طریقوں پر مفصل بحث کی ہے۔ (۷) ابن الصلاح نے ان کی آٹھ قسمیں قرار دی ہیں۔ (۸) حافظ عراقی لکھتے ہیں: **وجوہ الأخذ للحدیث و تحمله عن الشیوخ ثمانیة**(۹)

❀❀❀

۱- الشذا لفیاح، ۱۸۰؛ ابن الصلاح، ۱۳۲

۲- نزهة النظر، ۶۳

۳- بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب لیلبغ الشاهد الغائب، ۱/ ۳۴؛ ترمذی، السنن، کتاب الحج، بابما جاء فی حرمة مکة، ۳/ ۱۷۴؛ ابن ماجه، السنن، مقدمة، باب من بلغ علماً، ۱/ ۸۶

۴- کتاب المعرفة، ۱/ ۵۵۱

۵- المحدث الفاصل، ۳۳۵، ۵۱۳

۶- ابن الصلاح، ۱۳۲؛ الشذا الفیاح، ۱۸۰ بعد؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۸۷

۷- نزهة النظر، ۶۳؛ الکفایة، ۳۵۵-۳۵۹

۸- ابن الصلاح، ۱۳۲

۹- فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۸۷؛ ۳/ ۲۱۷

السماع

اخذ حدیث/تحمل حدیث کی پہلی قسم سماع ہے۔ سماع یہ ہے کہ شیخ حدیث کو اپنی کتاب یا حافظے سے پڑھے اور حاضرین (طلباء) اس کے الفاظ سنیں۔ یہ مجلس املاء کی مجلس ہو یا محض بیان کی۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

القسم الاول: السماع من لفظ الشیخ، وھو ینقسم الی املاء وتحدیث من غیر املاء و سواء کان من حفظه أو من کتابه. (۱)

پہلی قسم شیخ کے الفاظ کا سماع ہے اور وہ منقسم ہے املاء کے حدیث بیان کرنے اور بغیر املاء کے بیان کرنے پر۔ حدیث کا یہ بیان حافظے سے ہو یا کتاب دونوں یکساں ہیں۔

حافظ عراقی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

السماع من لفظ الشیخ، سواء حدث من کتابه أو من حفظه إملاء أو غیر املاء. (۲)

سماع، شیخ کے الفاظ کا سننا ہے خواہ وہ اپنی کتاب سے حدیث بیان کرے یا حفظ سے، املاء کے ذریعہ ہو یا بغیر املاء کے۔

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و ھذا القسم أرفع الأقسام عند الجماھیر (۳) و فیما نرویه عن القاضی عیاض بن موسیٰ السبتی أحد المتأخرین المطلعین قوله: "لاخلاف ان یجوز فی ھذا أن یقول السامع منه. حدثنا و أخبرنا وأنبانا و سمعت فلانا یقول و قال لنا فلان و ذکرلنا فلان." (۴)

اس کو حافظ ابن حجرؒ نے بھی دہرایا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

۱- ابن الصلاح، ۱۳۲؛ ابن کثیر، الباعث الحثیث، ۱۱۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۸۸

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۸۸ -

۳- ابن الصلاح، ۱۳۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۸۸

۴- ایضاً، ۱۳۲؛ الالماع، ۶۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۸۸؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۲۲؛ تدریب الراوی، ۲۳۹

وصيغ الأداء المشار إليه على ثمان مراتب. (۱)

حافظ ابن الصلاح قاضی عیاض کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: في هذا نظر، و ينبغي في ماشاع استعماله من هذه الألفاظ مخصوصاً بما سمع من غير لفظ الشيخ، على ما نبيّنه إن شاء الله تعالى: ان لا يطلق فيما سمع من لفظ الشيخ لما فيه من إيهام والإلتباس. (۲)

میں کہتا ہوں کہ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ ان الفاظ کا عام استعمال شیخ کے الفاظ کے بغیر سماع کے لیے مخصوص ہو جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اور اس کا اطلاق شیخ کے الفاظ کے سماع پر نہ ہو کیونکہ اس میں ایہام اور التباس کا امکان موجود ہے۔

حافظ ابو بکر خطیب (۳) نے ذکر کیا کہ اس سلسلے میں سب سے ارفع عبارتیں سمعت اور پھر حدثنا یا حدثنی ہیں کیونکہ کوئی اجازت اور مکاتبت کی احادیث میں سمعت کا لفظ نہیں استعمال کرے گا نہ عدم سماع کی تدلیس میں۔ بعض اہل علم حدثنا کے استعمال کو جائز گردانتے تھے۔ حسنؒ سے مروی ہے کہ وہ حدثنا ابو هريرة کا جملہ استعمال کرتے اور اس سے مراد یہ لیتے کہ انھوں نے اہل مدینہ کے سامنے حدیث بیان کی کیونکہ حسن کا ابو ہریرہ سے سماع ثابت نہیں۔ (۴) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کی رائے میں ابو ہریرہ سے حسن کا سماع ثابت ہے۔ (۵)

عراقی لکھتے ہیں:

ابوزرعہ اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ جو شخص حسن بصری سے حدثنا ابو هريرة نقل کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ (۶)

خطیب لکھتے ہیں:

ثم قول. أخبرنا وهو كثير في الاستعمال حتى ان جماعة من أهل العلم لم يكونوا يخبرون عما سمعوه من الشيخ إلا بقولهم: "أخبرنا" و منهم حماد بن سلمة، و ابن المبارك، و هشيم بن بشير، و عبيد الله

۱- نزهة النظر، ۶۴

۲- ابن الصلاح، ۱۳۲-۱۳۳

۳- الكفاية، ۲۸۴

۴- ایضاً، ۲۸۴، خطیب نے اہل مدینہ کی جگہ اہل بصرہ لکھا ہے۔ فتح المغيث للعراقي، ۲/۱۸۴؛ فتح المغيث للسخاوي، ۲/۱۶۸؛ تدريب الراوي، ۲۳۹

۵- ابن الصلاح، ۱۳۳

۶- فتح المغيث للعراقي، ۲/۱۸۸، تدريب الراوي، ۲۴۰

بن موسى، و عبدالرزاق بن همام، و يزيد بن هارون، و عمر و بن عون، و يحيىٰ بن يحيىٰ التميمي، و اسحاق بن راهوية، وأبو مسعود احمد بن الفرات، و محمد بن أيوب الرازيان و غيرهم. (۱)

اس کے بعد قول اخبرنا اکثر استعمال ہوتا ہے حتی کہ اہل علم کی اپنے شیخ سے سماع کو اخبرنا کے سوا کسی اور لفظ سے تعبیر نہیں کرتے۔ ان میں حماد بن سلمہ، ابن المبارک ہشیم بن بشیر، عبیداللہ بن موسیٰ، عبدالرزاق بن ہمام، یزید بن ہارون، عمرو بن عون، یحییٰ بن یحیی التمیمی، اسحاق بن راہویہ، ابو مسعود احمد بن الفرات اور محمد بن ایوب الرازیان وغیرہم شامل ہیں۔

خطیب نے محمد بن رافع سے نقل کیا ہے کہ عبدالرزاق اخبرنا کہا کرتے تھے تا آنکہ احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے ان سے کہا کہ حدثنا کہا کرو سو جو کچھ اس نے ان سے سماع کیا اسے حدثنا کے ساتھ بیان کیا اور اس سے پہلے صرف اخبرنا کہتے تھے۔ (۲) اور حافظ محمد بن ابی الفوارس کہتے ہیں کہ ہشیم، یزید بن ہارون اور عبدالرزاق اخبرنا کے سوا کوئی اور اصطلاح استعمال نہیں کرتے تھے اور کہتے کہ اگر تم حدثنا لکھا ہوا پاؤ تو اسے غلط سمجھنا (۳) حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں:

قلت: "حدثنا و اخبرنا" أرفع من "سمعت" من جهة أخرىٰ وهي أنه ليس في "سمعت" دلالة على أن الشيخ رواه الحديث و خاطبه به و في "حدثنا" و "أخبرنا" دلاّلة على انه خاطبه ورواه له اوهو ممن فعل به ذلك. (۴)

میں کہتا ہوں کہ حدثنا اور اخبرنا ایک اور جہت سے سمعت سے ارفع ہے اور یہ اس لیے ہے کہ سمعت میں اس امر پہ دلالت نہیں ہے کہ شیخ نے اس سے حدیث بیان کی ہے اور اسے مخاطب کیا ہے جب کہ حدثنا اور اخبرنا میں اس امر پر دلالت ہے کہ شیخ نے اسے مخاطب کیا اور اس سے روایت بیان کی ہے یا وہی شخص ہے جس نے یہ روایت کی ہے۔

ابو بکر خطیب نے اپنے شیخ فقیہ و حافظ ابو بکر البرقانی سے اس حقیقت کے بارے میں کہ وہ ابوالقاسم عبداللہ بن ابراہیم الجرجانی الابندونی سے روایت کرتے ہوئے حدثنا اور اخبرنا کے بجائے سمعت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ ابوالقاسم اپنی ثقاہت و صلاح کے باوجود روایت میں مشکل پسند تھے سو البرقانی ان کی مجلس میں اس

۱- ابن الصلاح، ۱۳۴؛ الكفاية، ۲۸۵؛ فتح المغيث للسخاوى، ۲ / ۱۷۰۔ ۱۷۱؛ الباعث الحثيث، ۱۱۰

۲- الكفاية، ۲۸۶؛ ابن الصلاح، ۱۳۴- ۱۳۵؛ فتح المغيث للعراقى، ۲ / ۱۸۹؛ فتح للسخاوى، ۲ / ۱۷۱

۳- ايضاً، ۲۸۶؛ ابن الصلاح، ۱۳۵؛ فتح المغيث للعراقى، ۲ / ۱۸۸- ۱۸۹

۴- ابن الصلاح، ۱۳۵.

طرح بیٹھتے کہ وہ انہیں دیکھ نہ سکیں اور نہ ہی انہیں ان کی موجودگی کا علم ہو۔ لہٰذا کسی بھی حاضر ہونے والے شخص سے جو حدیث وہ بیان کرتے تو یا اسے سن لیتے اس لیے وہ سمعت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور حدثنا اور اخبرنا کے الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ روایت اس حاضر ہونے والے شخص کے لیے تھی۔(۱)

اور جہاں تک قال لنا فلان یاذکر لنا فلان کا تعلق ہے تو یہ حدثنا فلان کے قبیل سے ہے۔ ممکن ہے کہ اس مذاکرہ میں اسے اس سے سنا ہو تو اس صورت میں حدثنا کے زیادہ مشابہ ہوگا۔(۲) ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں کہ اکثر محدثین کے ہاں اس کا استعمال ہے مذاکرات و مناظرات وغیرہ میں ان کے درمیان جو باتیں ہوتیں انہیں وہ قال فلان یاذکر فلان جیسی تعبیرات سے بیان کرتے۔(۳) اور حجاج بن محمد بن الاعور ابن جریج کی کتابوں سے روایت کرتے اور قال ابن جریج کے الفاظ استعمال کرتے لوگوں سے ان سے تحمل علم کیا اور ان کی روایات سے استدلال کیا کیونکہ ان کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ سماع کے بغیر روایت نہیں کرتے تھے۔(۴) حافظ ابن کثیر اپنی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: والذی ینبغی أن یکون أعلی العبارات علی هذا ان یقول "حدثنی" فانه اذا قال: "حدثنا" او "أخبرنا"، قد لا یکون قصده الشیخ بذلك ایضاً، لا حتمال ان یکون فی جمع کثیر. (۵)

میں کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں اعلیٰ عبارات اس طرح مناسب ہوتی کہ وہ کہتے: حدثنی اس لیے کہ جب وہ حدثنا یا اخبرنا کہتا ہے تو امکان ہے کہ اس سے کا مقصود شیخ نہ ہو کیونکہ اس میں بڑی جماعت کے شامل ہونے کا احتمال ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

فاللفظان الاولان من صیغ الاداء وهما سمعت و حدثنی صالحان لمن سمع وحده من لفظ الشیخ . هو شائع بین أهل الحدیث اصطلاحاً ولا فرق بین الحدیث والاخبار من حیث اللغة و فی ادعاء الفرق بینهما تکلف شدید لکن لما تقرر الاصطلاح صار ذلك حقیقة عرفیة فتقدم

۱- ابن الصلاح، ۱۳۵-۱۳۶؛ دیکھیے الکفایة، ۲۸۷؛ تدریب، ۲۳۱
۲- ایضاً، ۱۳۶؛ فتح المغیث، ۲/ ۱۸۹؛ تدریب، ۲۳۱
۳- ایضاً، ۱۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۸۹؛ تدریب، ۲۳۱
۴- ایضاً، ۱۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۰؛ تدریب، ۲۳۱؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۱۷۳
۵- ابن کثیر، الباعث، ۱۱۰

علی الحقیقة اللغویة، مع ان هذا الاصطلاح انما شاع عن المشارقة ومن تبعهم، وأما غالب المغاربة فلم یستعملوا هذا الاصطلاح بل الاخبار و التحدیث عندهم بمعنی واحد. فان جمع الراوی أی اتی بصیغة الجمع فی الصیغة الاولیٰ کان یقول حدثنا فلان أوسمعنا فلان یقول فهو دلیل علی انه سمع منه مع غیره و قد تکون النون العظمة لکن بقلة. (۱)

صیغ الاداء کے پہلے الفاظ سمعت و حدثنی اس راوی کے لیے موزوں ہیں جس نے تنہا شیخ کی زبانی حدیث سنی ہو۔ اور یہ اصطلاح اصحاب حدیث کے ہاں عام مستعمل ہے۔ ورنہ لغۃً تحدیث اور اخبار میں کوئی فرق نہیں اور فرق کا ادعا شدید تکلف ہے۔ لیکن جب اصطلاح متعین ہوگئی تو یہ حقیقت عرفیہ بن گئی اور حقیقت لغویہ پر مقدم ہوگئی اس کے باوجود اس اصطلاح کا عام تعارف صرف اہل مشرق اور ان کے متبعین کے ہاں پایا جاتا ہے جہاں تک مغاربہ کی اکثریت کا تعلق ہے تو وہ یہ اصطلاح استعمال ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے ہاں اخبار اور تحدیث ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور اگر راوی جمع کا صیغہ استعمال کرے یعنی ان الفاظ کو حدثنا فلان یا سمعنا عن فلان کہے تو اس بات کی دلیل ہے کہ راوی نے اور لوگوں کے ساتھ مل کر حدیث سنی ہے۔ کبھی نون عظمت کے لیے بھی آتا ہے لیکن بہت کم۔

۱۔ نزھۃ النظر، ۷۵۔

القراءة

اخذ وتحمل کی دوسری قسم قراءت ہے اور اکثر محدثین اس کے لیے عرض کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس صورت میں طالب علم شیخ کی مرویات پڑھتا ہے اور شیخ سنتا ہے تاکہ اس کے لیے منضبط کرے۔ حافظ ابن الصلاحؒ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

القسم الثانی: من أقسام الأخذ و التحمل، القراءة علی الشیخ، وأکثر المحدثین یسمونها "عرضا" من حیث إن القاری یعرض علی الشیخ ما یقرأه کما یعرض القرآن علی المقرئ. (۱) و سواء کنت أنت القاری، أو قرأ غیرک وأنت تسمع او قرأت من کتاب أو من حفظک أو کان الشیخ یحفظ ما یقرأ علیه أو لا یحفظه لکن یمسک أصله أو ثقة غیره. (۲)

اخذ وتحمل کی اقسام میں سے دوسری قسم قراءت علی الشیخ ہے۔ اکثر محدثین اسے عرض کہتے ہیں اس لیے کہ قاری اپنے شخص کو پیش کرتا ہے جیسے قرآن مقری پر پیش کیا جاتا ہے۔ تم پڑھ رہے ہو یا تمہارے سوا کسی اور نے پڑھا ہے اور تم نے سنا ہے یہ دونوں برابر ہیں اسی طرح تم نے کتاب سے پڑھا ہے یا حافظے سے۔ اور شیخ پڑھی جانے والی چیز کا حافظ ہے یا نہیں لیکن اس کے پاس اصل محفوظ ہو یا کسی اور ثقہ کے پاس ہو۔

حافظ عراقی اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلافا لبعض الاصولیین فیما إذا لم یمسک اصله بنفسه علی ما سیأتی فی التفریعات بعد هذه الترجمة؛ و هکذا ان کان ثقة من السامعین یحفظ ما یقرأ علی الشیخ، والحافظ لذلک مستمع لما یقرأ غیر غافل

۱۔ سخاوی نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھا: وکان اصله من وضع عرض شئی علی عرض شئی آخر لینظر فی استوائها وعدمه. فتح المغیث ۲، ۱۲۸/

۲۔ ابن الصلاح، ۱۳۷؛ تقریب مع تدریب، ۲۲۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۹۰؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۱۲۸

عـنـه، فذاك كاف أيضاً. ولم يذكر ابن الصلاح هذه المسألة الأخيرة.
والـحـكـم فيهـا متـجـه، ولا فرق بين امساك الثقة لأصل الشيخ و بين
حـفـظ الثقة لما يقرأ. و قد رأيت غير واحد من أهل الحديث وغيرهم
اكتفى بذلك، سواء كان الحافظ لذلك هو الذى يقرأ أوغيره. (۱)

بعض اصولیوں نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ اگر اس کے پاس اصل محفوظ نہیں۔اس کی تفصیل تفریعات میں آئے گی۔اسی طرح اگر سامعین میں کوئی ثقہ شخص اس کا حافظ ہے جو کچھ شیخ کے سامنے پڑھا جا رہا ہے اور حافظ اسے سن رہا ہے اور اس سے غافل نہیں تو یہ بھی کافی ہے۔ابن الصلاح نے اس مسئلہ کو نہیں بیان کیا۔کسی ثقہ شخص کا شیخ کے اصل کو تھامے رکھنے اور کسی ثقہ شخص کے حافظے سے پڑھے جانے والے کے محفوظ رہنے میں کوئی فرق نہیں۔اور میں نے کئی اصحاب حدیث کو اس پر اکتفا کرتے ہوئے دیکھا۔ان کے نزدیک پڑھنے والا حافظ اور نہ پڑھنے والا حافظ دونوں برابر ہیں۔

روایت کی حیثیت

حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ یہ ایک صحیح روایت ہے۔اگر چہ بعض لوگوں کا اختلاف بھی منقول ہے لیکن وہ قابل لحاظ نہیں۔(۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

والرواية بها سائغة عند العلماء الا عنه شذاذ لا يعتد بخلافهم. (۳)

روایت علماء کے ہاں مقبول ہے سوائے چند لوگوں کے جن کے اختلاف چنداں حقیقت نہیں۔
حافظ عراقی اس کی وضاحت کرتے ہوئے مفصل بحث کرتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

واجـمـعوا عـلـى صحة الرواية بـالـعـرض وردوا ما حكي عن بعض
لا يـعـتـد بـخـلافـه انـه كـان لايـراهـا وهو أبو عـاصم النبيل ، رواه
الـرامهـرمزى. (۴) وروى الخطيب (۵) عن وكيع قال:ما اخذ نا حديثا

۱- فتح المغيث للعراقى، ۲/۱۹۰
۲- ابن الصلاح، ۱۳۷
۳- اختصار علوم الحديث، ۱۱۰
۴- المحدث الفاصل، ۴۲۰؛ حدثنا اسحاق بن سيار النصيبى، قال: سمعت ابا عاصم قال: سمعت سفيان وابا حنيفة و مالكا و ابن جريج كل هؤلاء سمعتهم يقولون؛ لاباس بها، يعنى القراءة، وانا لاأراه، وما حدثت بحديث عن احد من الفقهاء قراءة.
۵- الكفاية، ۲۷۱

قط عرضاً و عن محمد بن سلام انه ادرك مالك بن انس و الناس يقرأون عليه فلم يسمع منه ذلك. (۱) و كذالك عبدالرحمن بن سلام الجمحي لم يكتف بذلك فقال مالك: اخرجوه عني. (۲)

روایت بذریعہ عرض کی صحت پر اجماع ہے اور اس سے اختلاف کو نا قابل اعتبار اور قابل رد قرار دیا ہے۔ اختلاف کرنے والوں میں ابو عاصم النبیل ہیں جن کا قول رامھر مزی نے نقل کیا ہے اور خطیب نے وکیع سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ہم نے حدیث بذریعہ عرض کبھی قبول نہیں کی۔ محمد بن سلام سے منقول ہے کہ انھوں نے مالک بن انس کو پایا کہ ان کے سامنے حدیثیں پڑھی جارہی تھیں لیکن انھوں نے سماع نہیں کیا۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن سلام الجمحی۔ ان کے بارے میں مالک نے کہا کہ اس کو میرے ہاں سے نکال دو۔

خطیب اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ذهب بعض الناس الى كراهة العرض وهو القراءة على المحدث ورأوا أنه لا يعقد الا بماسمع من لفظه وقال جمهور الفقهاء والكافة من أئمة العلم بالاثر ان القراءة بمنزلة السماع منه في الحكم. (۳)

بعض لوگ العرض کی کراہت کی جانب گئے ہیں اور العرض کے بعض محدث کے سامنے قراءت ہی کا نام ہے اور یہ قابل اعتماد نہیں جب تک شیخ کے الفاظ نہ سنے جائیں۔ اور جمہور فقہاء اور تمام ائمہ علم حدیث کا خیال ہے کہ حکم کے لحاظ سے قراءت سماع کے مرتبہ کی ہے۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ جو لوگ اس روایت کی صحت کو مانتے ہیں ان میں تابعین میں سے عطاء، نافع، عروہ، شعبی، زہری، مکحول (۴)، حسن (۵)، منصور اور ایوب ہیں اور ائمہ میں سے ابن جریج، ثوری،

۱- الکفایۃ، ۲۷۲

۲- ایضاً، ۲۷۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۹۱؛ المحدث الفاصل، ۴۲۱

۳- ایضاً، ۲۵۹-۲۶۰

۴- مکحول الشامی (م ۱۱۲ھ) ابو عبداللہ، ابو ایوب اور ابو مسلم الدمشقی کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ سے مرسلاً روایت کی۔ ابی بن کعب ثوبان، عبادہ بن الصامت وغیرھم سے روایت کی اور ان سے اوزاعی، عبدالرحمٰن بن یزید حجاج بن ارطاۃ وغیرہم نے روایت کی۔ العجلی کہتے ہیں: تابعی ثقہ۔ ابن عمار نے کہا مکحول امام اہل الشام تھے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ قدری تھے لیکن رجوع کرلیا۔ تہذیب التہذیب ۱۰/ ۲۵۸-۲۶۰؛ سیر اعلام، ۵/ ۱۵۵

۵- الحسن ابن ابی الحسن البصری (م ۱۱۰ھ) ابو سعید الامام۔ ام سلمہ اور ربیع بنت النضر یا زید بن ثابت کے مولیٰ تھے ائمہ ھدیٰ میں سے تھے۔ ان پر قدری ہونے کا الزام ہے جو غلط ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں: كان عالماً جامعاً رفيعاً ثقة مامونا عابداً ناسكاً كثير العلم فصيحاً. ما ارسله فليس بحجة: خلاصۃ تذھیب الکمال، ۷۷؛ طبقات ابن سعد، ۷/ ۱۵۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۶۶

ابن ابی ذئب (۱)، شعبہ، ائمہ اربعہ، ابن مہدی، شریک، لیث، ابوعبید اور بخاری کے علاوہ ایک مخلوق ہے جن کی کثرت کو شمار نہیں جاسکتا۔ (۲) بخاری (۳) نے اس پر ضمام بن ثعلبہ (۴) کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ خطیب نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے:

سمعت محمد بن اسماعيل يقول: قال بعض أهل العلم فقه هذا الحديث ان القراءة على العالم والعرض عليه جائز مثل السماع واحتج بأن الاعرابى عرض على النبى ﷺ فاقربه النبى ﷺ. (۵)

میں نے محمد بن اسمٰعیل کو کہتے سنا ہے کہ بعض اہل علم کے مطابق اس حدیث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عالم کے سامنے قراءت اور اس کے سامنے حدیث پیش کرنا سماع کی طرح جائز ہے اور استدلال میں کہا کہ اعرابی نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے رائے پیش کی اور آپ نے اس کی تصدیق کی۔

خطیب نے دیگر اقوال کے ساتھ احمد بن محمد بن عبید النیسابوری کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

۱- ابن ابی ذئب، محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب القرشی العامری ابوالحارث المدنی (م ۱۵۹ھ)۔ ائمہ اعلام میں سے تھے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ ابن المسیب کے مشابہ تھے۔ وهو اصلح و اورع و اقوم بالحق من مالك. جب خلیفہ المہدی نے حج کیا اور مسجد میں داخل ہوا تو مسیب بن زہیر نے ابن ابی ذئب سے کہا: یہ امیر المومنین ہیں ان کے لیے کھڑے ہو جایئے تو ابن ابی ذئب نے کہا: لوگ صرف اللہ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس پر المہدی نے کہا: "دعه فلقد قامت كل شعره فى راس" خلاصة تذهيب الكمال، ۳۴۸؛ التاريخ الكبير، ۱/ ۱/۱۵۲؛ وفيات، ۴/ ۱۸۳

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۹۱-۹۲۔ عراقی کے الفاظ ہیں: "فى خلق لا يحصون كثرة. فتح المغيث، ۲/۱۹

۳- بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب القراءة والعرض، ۱/ ۲۳؛ حدیث کے الفاظ ہیں:

"عن انس بن مالك قال: بينما نحن جلوس مع النبى ﷺ فى المسجد دخل رجل على جمل، فاناخه فى المسجد ثم عقله، ثم قال لهم: ايكم محمد. والنبى ﷺ متكئى بين ظهرانيهم. فقلنا: هذا الرجل الابيض المتكئى. فقال له الرجل: ابن عبدالمطلب، فقال له النبى ﷺ قد احببتك. فقال الرجل للنبى ﷺ: انى سائلك، فمشدد عليك فى المسألة فلا تجد على فى نفسك، فقال: سل عمابدا لك، فقال اسئلك بربك ورب من قبلك، آلله ارسلك إلى الناس كلهم؟ فقال: اللهم نعم. قال أنشدك بالله، آلله أمرك أن تصلى الصلوٰت الخمس فى اليوم والليلة؟ قال: اللهم نعم. قال انشدك بالله، آلله أمرك ان تاخذ هذه الصدقة من اغنيائنا فتقسمها على فقرائنا؟ فقال النبى ﷺ: اللهم نعم. فقال الرجل: آمنت بما جئت به وانا رسول من ورائى من قومى، وانا ضمام بن ثعلبة اخو بنى سعد بن بكر."

۴- ضمام بن ثعلبہ السعدی بنی سعد بن بکر میں سے تھے۔ ان کے قبیلے نے انہیں حضور اکرم ﷺ کے پاس بھیجا تھا۔ وكان رجلا جيد الشعر ذاغديرتين، الاصابة، ۲/ ۲۱۰؛ الاستيعاب، ۲/ ۲۱۳-۲۱۷

۵- الكفاية، ۲۶۱؛ توضيح الافكار، ۲/۲۹۹

سمعت محمد بن اسمٰعیل البخاری یقول: لیس یروی عن النبی ﷺ فی القراءۃ علی العالم او قال لمحدث حدیث أصح من حدیث ضمام. (۱)

میں نے محمد بن اسمٰعیل البخاری کو کہتے سنا کہ قراءت علی العالم یا ایک محدث کے لیے ضمام کی حدیث سے زیادہ کوئی صحیح حدیث نہیں روایت کی گئی۔

حافظ ابن صلاح اور عراقی لکھتے ہیں کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قراءت علی الشیخ سماع لفظی کے برابر ہے، کم ہے یا زیادہ تو اس بارے میں اختلاف ہے اور تین اقوال منقول ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

اختلفوا فی انھا مثل السماع من لفظ الشیخ فی المرتبۃ أو دونہ أو فوقہ. (۲)

۱۔ مساوات

امام مالک اور ان کے اصحاب حجاز اور کوفہ کے اکثر علماء اور امام بخاریؒ کی رائے کے مطابق ''قراءت علی الشیخ'' اور ''سماع'' برابر ہیں (۳) ابوبکر الصیرفی نے کتاب الدلائل میں امام شافعی سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے:

وباب الحدیث عند الشافعی فی القراءۃ علی المحدث و القراءۃ منہ سواء (۴)

خطیب نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے۔

قراءتک علی العالم و قراءۃ العالم علیک سواء اذا اقرلک بہ (۵)

عالم کے سامنے تمہاری قراءت اور تمہارے لیے عالم کی قراءت برابر ہیں اگر وہ اس کی تصدیق کرے۔

اسی طرح عکرمہ ابن عباسؓ سے بیان کرتے ہیں:

قال: انی قد قلت و ان اقراری لکم کقراءتی علیکم. (۶)

۱- الکفایۃ، ۲۶۱

۲- ابن الصلاح، ۱۳۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۲

۳- ایضاً، ۱۳۷–۱۳۸؛ ایضاً، ۲ / ۱۹۲؛ الکفایۃ، ۲۶۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۱۸۱، ۱۸۶

۴- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۲؛ توضیح الافکار، ۲ / ۲۹۹

۵- الکفایۃ، ۲۶۳؛ ایک اور روایت میں زیادہ واضح الفاظ ہیں: اقرؤا علی فان قراءتکم علی کقراءتی علیکم، الکفایۃ، ۲۶۴

۶- ایضاً، ۲۶۴

ابن عباس نے کہا کہ میں بعض وقت غیر متوجہ ہوتا ہوں لیکن تمہاری باتوں کی تصدیق گویا تمہارے سامنے پڑھنے کے مترادف ہے۔

۲۔قراءت کی ترجیح

ابن ابی ذئب اور ابوحنیفہ النعمان بن ثابت کے نزدیک قراءۃ علی الشیخ سماع لفظی سے زیادہ بہتر ہے اور اسے ترجیح حاصل ہے۔(۱) ابن فارس نے امام مالک کا قول اس کی تائید میں نقل کیا ہے(۲) ایسا ہی ابن جریج اور حسن بن عمارہ سے نقل کیا گیا ہے۔اور خطیب (۳) نے الکفایۃ میں مالکؒ سے یہی قول نقل کیا ہے۔لیث بن سعد، شعبہ، ابن ہیصہ یحیٰ بن سعید القصی الخلقانی، ابوعبید قاسم بن سلام اور ابوحاتم سے بھی یہی رائے منقول ہے(۴) خطیب نے مکی بن ابراہیم کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

کان ابن ابی ذئب یری القراءۃ علی العالم افضل من قراءۃ العالم علیك ۔(۵)

سعید بن سابق امام ابوحنیفہ کے بارے میں امام ابویوسف سے نقل کرتے ہیں:

قال أبو حنیفه: لأن اقرأ علی المحدث أحب إلي من أن یقرأ علي.(۶)

۳۔سماع کی قراءۃ علی الشیخ پر ترجیح

مشرق کے جمہور اہل علم سماع کو قراءۃ علی الشیخ پر ترجیح دیتے ہیں(۷) احمد بن الحواری کہتے ہیں:

سمعت وکیعا یقول ما أخذت حدیثاً قط عرضا. (۸)

وکیع کہتے ہیں کہ میں نے بطریق عرض کبھی حدیث اخذ نہیں کی۔

عیسیٰ بن اسحاق الطباع کہتے ہیں:

۱۔ ابن الصلاح، ۱۳۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۹۲؛ الکفایۃ، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۷۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۱۸۴

۲۔ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۱۸۶

۳۔ خطیب نے عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی سے نقل کیا ہے۔ ولکنی اقتصرت بقراءتی علیه لأن مالکا کان یذهب الی ان قراءۃ الرجل علی العالم البت من قراءۃ العالم علیه،الکفایۃ،۲۷۶

۴۔ الکفایۃ، ۲۷۲– ۲۷۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۹۲؛ ابن الصلاح، ۱۳۷– ۱۳۸

۵۔ ایضاً، ۲۷۲

۶۔ ایضاً، ۲۷۶؛ ابن الصلاح، ۱۳۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۱۸۴؛ تدریب، ۲۴۲

۷۔ ایضاً، ۲۷۱؛ ابن الصلاح، ۱۳۸؛ ایضاً ۲/ ۱۹۲

۸۔ ایضاً، ۲۷۱؛ توضیح الافکار، ۲/ ۲۹۹

لا اعد القراء ة شيئا بعد ما رأيت مالكا يقرأ عليه و هو ينعس. (۱)

میں قراءۃ علی الشیخ کے لیے کبھی آمادہ نہ ہوا جب سے میں نے مالک کو دیکھا کہ ان کے سامنے پڑھا جارہا تھا اور وہ اونگھ رہے تھے۔

ابن صلاح اور حافظ عراقی کہتے ہیں کہ یہی صحیح مسلک ہے۔(۲) حافظ ابن حجر نے اس پر مختصر گفتگو کی ہے وہ لکھتے ہیں:

القراء ة على الشيخ احد وجوه التحمل عند الجمهور وابعد من ابى ذلك من أهل العراق و قد اشتد انكار الإمام مالك وغيره من المدنيين عليهم فى ذلك. حتى بالغ بعضهم فرجحها على السماع من لفظ الشيخ. وذهب جمع جم منهم البخارى۔ و حكاه فى أول صحيحه(۳) عن جماعة من الائمة۔ الى ان السماع من لفظ الشيخ والقراء ة عليه يعنى فى الصحة و القوة سواء والله اعلم. (۴)

جمہور کے نزدیک شیخ سے حدیث حاصل کرنے کا یہ بھی ایک طریق ہے کہ شیخ کے سامنے قراءت کی جائے۔ گو بعض اہل عراق نے اس کا انکار کیا ہے (مگر چونکہ یہ انکار مستبعد تھا) اس لیے امام مالک وغیرہ اہل مدینہ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے یہاں تک کہ بعض نے اس قدر مبالغہ کیا کہ سماع پر بھی قراءت کو ترجیح دے دی۔ امام بخاری وغیرہ ایک فریق کا مسلک ہے کہ قراءت و سماع صحت و قوت میں دونوں برابر ہیں چنانچہ امام بخاری نے اوائل حدیث میں چند ائمہ حدیث سے اسی قول کو نقل بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

وقد انقرض الخلاف فى كون القراء ة على الشيخ لا تجزئ وانما كان يقوله بعض المتشددين من العراق (۵)

۱- الكفاية، ۲۷۴

۲- فتح المغيث للعراقى، ۲/۱۹۳؛ ابن الصلاح، ۱۳۷

۳- بخارى، الجامع الصحيح، كتاب العلم، باب القراءة و العرض، ۲۲/۱

۴- نزهة النظر، ۶۵

۵- فتح البارى، ۱/ ۱۳۷-۱۳۸، طبع بولاق

قراءۃ علی الشیخ کی روایت کے الفاظ

قراءۃ علی الشیخ پر مبنی روایت کو کس طرح بیان کیا جائے۔ محدثین کے ہاں اس کے کئی مراتب ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کے نزدیک اجود و اسلم یہ ہے کہ راوی کہے: قرأتُ علی فلان یا قرئی علی فلان و أنا اسمع فاقربه یہ عبارات بغیر کسی اشکال کے عام مستعمل ہیں۔ شیخ سے لفظی سماع میں وہ عبارات بھی مطلقاً جائز ہیں جو مقید طور پر بیان کی گئی ہو جیسے کوئی شخص کہے: حدثنا فلان قراء ۃ علیه یا اخبرنا قراء ۃ علیه اسی طرح شعر کے لیے انشدنا قراء ۃ علیه ۔(۱) جہاں تک قراء ۃ علی الشیخ کے لیے مطلقاً حدثنا یا اخبرنا کے استعمال کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

ا۔ مطلق ممنوع

بعض اصحاب حدیث نے مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ ابن المبارک، یحییٰ بن یحییٰ التمیمی، احمد بن حنبل اور نسائی وغیرہم کی رائے ہے۔ قاضی ابوبکر کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔(۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے قاضی عیاض کی متابعت میں اسے بیان کیا ہے۔

۲۔ مطلقاً جائز

کچھ لوگوں کی رائے ہے چونکہ یہ شیخ سے لفظی سماع کی طرح ہے اس لیے اس پر حدثنا، اخبرنا اور انبانا کا اطلاق جائز ہے۔ کہا گیا ہے کہ اکثر حجازیوں اور کوفیوں کا مذہب ہے اور زہری، مالک، سفیان بن عیینہ متقدمین میں آخری عالم یحییٰ بن سعید القطان کا یہی قول ہے اور محدثین کی ایک جماعت کے ساتھ امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور ان میں کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو سمعت فلان کے استعمال کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔(۳)

۳۔ لفظوں میں فرق

تیسرا مسلک یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں فرق ہے حدثنا کا اطلاق ممنوع ہے جب کہ اخبرنا کا استعمال جائز ہے۔ یہ مذہب امام شافعی اور ان کے اصحاب کا ہے اور یہی امام مسلم سے بھی منقول ہے اور تمام اہل مشرق بھی اسی مسلک کے حامل ہیں(۴) حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

۱۔ ابن الصلاح، ۱۳۸؛ اختصار علوم الحدیث، ۱۱۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۹۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۱۸۱؛ تدریب/۲۳۵؛ توضیح الافکار، ۲/۳۰۴–۳۰۵

۲۔ ابن الصلاح، ۱۳۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۹۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۱۸۸؛ تدریب، ۱۳۵؛ توضیح الافکار، ۲/۳۰۵

۳۔ ابن الصلاح، ۱۳۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۹۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۱۸۹؛ تدریب، ۱۳۵؛ توضیح الافکار، ۲/۳۰۵

۴۔ ایضاً، ۱۳۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۹۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۱۹۰؛ تدریب، ۱۳۵؛ توضیح الأفکار، ۲/۳۰۶

و ذکر صاحب "کتاب الانصاف" محمد بن الحسن التمیمی الجوھری المصری ان ھذا مذھب الاکثر من اصحاب الحدیث الذین لا یحصیھم احد، وأنھم جعلوا "أخبرنا" علماً یقوم مقام قول قائلہ: "أنا قرأتہ علیہ لأنہ لفظ بہ لی" قال: وممن کان یقول بہ من اھل زماننا أبو عبدالرحمن النسائی فی جماعۃ مثلہ من محدثینا۔ (۱)

اور محمد بن الحسن التمیمی الجوہری المصری صاحب کتاب الانصاف نے ذکر کیا ہے کہ یہ مذہب اصحاب حدیث کی اتنی اکثریت کا ہے کہ کوئی شخص ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ انھوں نے اخبرنا کو علم قرار دیا ہے جو اس قول کے قائم مقام ہے کہ میں نے اس کے سامنے پڑھا ہے نہ یہ کہ اس نے میرے سامنے لفظ ادا کیے۔ اس کا کہنا ہے کہ محدثین کی جماعت میں ہمارے زمانے کے ابوعبدالرحمٰن النسائی بھی یہی رائے رکھتے تھے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے اولین طور پر ان دولفظوں میں فرق کیا ہے وہ ابن وہب مصری ہیں لیکن اس کے خلاف یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ فرق ابن جریج اور اوزاعی سے بھی مروی ہے ابوبکر خطیب نے اسے بیان کیا ہے۔ (۲) ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ مصر میں وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ فرق بیان کیا ہو (۳) ابن الصلاح کے مطابق ان دونوں کے درمیان فرق کا مسئلہ اصحاب حدیث میں عام طور پر متعارف ہے اور اس فرق کو لغت کے حوالے سے بیان کرنا تکلف پر مبنی ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ ایک اصطلاح ہے جس کی بنا پر دو لفظوں کے درمیان تفریق کی گئی ہے اور پہلی قسم کو حدثنا کے ساتھ مختص کیا ہے کیونکہ اس میں نطق اور مشافہہ کا پہلو غالب ہے۔ (۴) حافظ ابن الصلاح اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن أحسن ما یحکی عمن یذھب ھذا المذھب ما حکاہ الحافظ

۱- ابن الصلاح، ۱۳۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۳؛ فتح المغیث للسخاوی ، ۲ / ۱۹۰؛ تدریب ، ۱۲۵؛ توضیح الافکار، ۲ / ۳۰۶

۲- خطیب نے نقل کیا ہے: قال یحییٰ بن سعید القطان: کان ابن جریج صدوقا اذا قال: حدثنی فھو سماع واذ قال اخبرنا واخبرنی فھو قراءۃ .... عن عباس بن الولید بن مزید ، قال: قلت لابی عمرو الاوزاعی: کتبتُ عنک حدیثا کثیرا فما القول فیہ قال. ماقرأتہ علیک وحدک قل فیہ: حدثنی ، وما قرأتہ علی جماعۃ انت فیھم فقل فیہ حدثنا ، وما قرأتہ علی وحدک فقل اخبرنی و ما قری علی جماعۃ انت فیھم فقل فیہ "اخبرنا" ۔الکفایۃ ، ۳۰۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۱۸۰؛ تدریب الراوی ، ۲۴۶

۳- ابن الصلاح، ۱۳۰

۴- ایضاً، ۱۴۰

ابوبكر البرقاني عن أبي حاتم محمد بن يعقوب الهروى أحد رؤساء أهل الحديث بخراسان أنه قرأ على بعض شيوخ عن الفربرى صحيح البخارى و كان يقول له في كل حديث: "حدثكم الفربرى" فلما فرغ من الكتاب سمع الشيخ يذكر أنه انما سمع الكتاب من الفربرى قراءة عليه، فاعاد ابوحاتم قراءة الكتاب كله و قال له في جميعه: "أخبركم الفربرى" والله أعلم.(۱)

اس رائے (یعنی دونوں لفظوں کا فرق) کے بارے میں بہترین قول وہ ہے جسے حافظ ابوبکر البرقانی نے خراسان کے اصحاب حدیث میں سے ایک رہنما ابوحاتم محمد بن یعقوب الہروی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے بعض شیوخ کے سامنے الفربری سے صحیح بخاری کی قراءت کی۔ وہ ہر حدیث پر کہتے: حدثکم الفربری یعنی تم سے الفربری نے حدیث بیان کی۔ جب وہ کتاب سے فارغ ہوئے تو شیخ کو بیان کرتے سنا کہ اس نے اس کتاب کا سماع الفربری کے سامنے قراءت سے کیا۔ ابوحاتم نے پوری کتاب کا اعادہ کیا اور اس کتاب کی قراءت میں کہا: اخبرکم الفربری۔

حافظ عراقی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: و كانه كان يرى انه لا بد من ذكر السند في كل حديث، وان كان الاسناد واحداً إلى صاحب الكتاب، وهو من مذاهب أهل التشديد في الرواية، والا لا كتفى بقوله له: اخبركم الفربرى بجميع صحيح البخارى، والصحيح انه لا يحتاج إلى اعادة السند في كل حديث على ماسيأتي في موضعه إن شاء الله. (۲)

میں کہتا ہوں کہ گویا اس کی رائے یہ تھی کہ ہر حدیث میں سند کا ذکر ضروری ہے اگرچہ صاحب کتاب تک ایک ہی سند کیوں نہ ہو۔ یہ شدت پسندی کا مذہب رکھنے والوں کی رائے ہے۔ ورنہ وہ اس بیان پر اکتفا کر سکتے تھے۔ "کہ الفربری نے پوری صحیح بخاری کی خبر دی" صحیح بات یہ ہے کہ وہ ہر حدیث میں سند کے اعادہ کرنے کے محتاج نہ تھے۔ اس کی وضاحت آگے اس کے مناسب موقع پر آئے گی۔ ان شاءاللہ

۱- ابن الصلاح، ۱۳۰؛ فتح المغيث للسخاوى، ۲ / ۱۹۱

۲- فتح المغيث للعراقى، ۲ / ۱۹۵

تفریعات

حافظ ابن الصلاح نے تفریعات کے عنوان سے قراءت اور سماع کے حوالے سے مفصل بحث کی ہے۔(۱) حافظ عراقی، علامہ سیوطی اور حافظ سخاوی نے ان کی پیروی کی ہے جب کہ امام نووی اور ابن کثیر نے مختصراً بیان کیا ہے۔ ابن کثیر (۲) نے فرع کا لفظ استعمال کیا ہے اور نووی (۳) نے فروع کا۔

الأول

حافظ ابن الصلاح قراءت علی الشیخ کی مختلف صورتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب قراءت کے وقت شیخ کی اصل کتاب کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو تاہم وہ ثقہ ہو اور جو پڑھ رہا ہو اس پر اس کی نظر ہو اور قراءت کا اہل ہو سو اگر شیخ پڑھی جانے والی عبارت کا حافظ ہو تو ایسے ہے جیسے اصل اس کے اپنے ہاتھ میں ہے بلکہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ دو شخصیتوں کے ذہن ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث ہیں اور اگر شیخ پڑھی جانے والی عبارت کا حافظ نہیں تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض ائمہ اصول کی رائے ہے کہ یہ سماع غیر صحیح ہے (۴) لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ سماع صحیح ہے اور شیوخ اور اصحاب حدیث کا عمل اسی پر ہے۔

اور اگر اصل قاری کے ہاتھ میں ہو اور وہ دین و معرفت کے لحاظ سے قابل اعتماد ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اس کی صحت قابل ترجیح ہے۔ اگر اصل نسخہ ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو قابل اعتماد نہیں اور اس کی قراءت لاپرواہی اور غفلت سے محفوظ نہ ہو تو یہ سماع قابل اعتماد نہیں خواہ اصل اس کے ہاتھ میں ہو یا کسی اور کے، بالخصوص جب شیخ پڑھی جانے والی چیز کا حافظ نہ ہو۔(۵)

الثانی

جب قاری قراءت علی الشیخ کرتے ہوئے کہے: أخبرك فلان یا قلت أخبرنا فلان یا اسی طرح کے الفاظ کہے اور شیخ خاموش رہے لیکن اس کی طرف متوجہ ہو اور سب کچھ سمجھ رہا ہو اور ناپسندیدگی کا اظہار نہ کر رہا ہو تو یہ کافی ہے۔(۶)

۱- ابن الصلاح، ۱۳۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۵؛ تدریب، ۲۴۷

۲- اختصار علوم الحدیث، ۱۰۴

۳- تقریب مع تدریب، ۲۴۷

۴- قاضی عیاض کہتے ہیں کہ قاضی ابوبکر الباقلانی نے اس بارے میں تردد کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ اکثر کی رائے اس کے خلاف ہے اور امام الحرمین کی بھی یہی رائے ہے بعض علماء نے اس کو جائز اور صحیح قرار دیا ہے اور اس پر تمام شیوخ اور اصحاب حدیث کا عمل ہے حافظ عراقی نے بعض اہل تشدید کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور النکت میں حافظ سلفی کے حوالے سے (الالماع، الضرب الثانی، ۷۵- ۷۶) اس کے خلاف علماء کا اتفاق بیان کیا ہے۔

۵- ابن الصلاح، ۱۳۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۱۹۵؛ تدریب، ۲۴۷

۶- ایضاً، ۱۳۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ /۱۹۶

جو فقہاء و محدثین اور اہل نظر کا خیال ہے کہ یہ سماع بغیر کسی شرط کے صحیح ہے۔(۱) قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔(۲) وہ کہتے ہیں کہ بعض ظاہریہ سے اسے مشروط طور پر صحیح کیا ہے اور اہل مشرق کی ایک جماعت کا اسی پر عمل ہے۔(۳) حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں:

واشترط بعض الظاهرية وغيرهم إقرار الشيخ نطقاء وبه قطع الشيخ أبو اسحاق الشيرازى و أبو الفتح سليم الرازى و أبو نصر بن الصباغ من الفقهاء الشافعيين. قال أبو نصر :ليس له أن يقول: "حدثنى" أو "أخبرنى" وله ان يعمل بما قرى عليه وهو يسمع. (۴)

۱۔ ابن الصلاح، ۱۳۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۹۲؛ تدریب، ۲۳۷؛ توضیح الافکار، ۲/۳۰۶-۳۰۷؛ الالماع، ۷۹۔

۲۔ الالماع، ۷۸

۳۔ فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۹۲

۴۔ ابن الصلاح، ۱۳۲

الإجازة

اجازہ کا مطلب زبانی یا لکھی ہوئی چیز کی روایت کرنے کا اذن دینا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کسی طالب علم سے یہ کہے کہ میں نے تجھے اجازت دی کہ تو مجھ سے فلاں چیز کی روایت کرے۔ اجازہ مصدر ہے۔ اصل میں اجوازۃ تھی واو کی حرکت کی وجہ نے اسے الف سے بدل دیا اور التقاء ساکنین کی وجہ سے ایک الف زاید یا اصلی ساقط ہو گیا تو اجازہ پڑھی گئی۔ اہل لغت نے اس کی اور وجوہ بھی بیان کی ہیں۔(۱) خطیب نے ابوالحسن احمد بن فارس بن حبیب سے نقل کیا ہے:

یقول: معنی الاجازۃ فی کلام العرب ماخوذ من جواز الماء الذی یسقاہ المال من الماشیۃ والحرث. یقال منہ استجزت فلاناً فأجازنی إذا سقاك ماء لارضك ولما شیتك. کذلك طالب العلم یسئال العالم أن یجیزہ علمہ فیجیزہ ایاہ والطالب مستجیز والعالم مجیز. (۲)

وہ کہتے ہیں کہ کلام عرب میں اجازت کے معنی پانی کے جواز سے ماخوذ ہیں جس سے جانوروں اور کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے اس شخص سے اجازت طلب کی سو اس نے اجازت دی۔ جب آپ نے اپنی زمین اور مویشی کو پانی دیا۔ اسی طرح طالب علم، عالم سے سوال کرتا ہے کہ اسے اپنے علم کی اجازت دے اور وہ اس کو اس علم کی اجازت دیتا ہے۔ لہٰذا طالب اجازت طلب کرنے والا اور عالم اجازت دینے والا ہے۔

حافظ ابن الصلاح اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: فللمجیز علی ھذا أن یقول: "اجزت فلا نامسموعاتی أو مرویاتی" فیعدیہ بغیر حرف جر من غیر حاجۃ إلی ذکر لفظ الروایۃ أو نحو ذلك. و یحتاج إلی ذلك من یجعل الإجازۃ بمعنی التسویغ

۱- تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۲۶- ۲۲۷

۲- الکفایۃ، ۳۱۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۸۲؛ تدریب، ۲۶۶؛ ابن الصلاح نے بھی خطیب کی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔(ابن الصلاح، ۱۶۳-۱۶۴)

والاذن ، والاباحة، وذلك هو المعروف ، فيقول :"اجزت لفلان رواية مسموعاتی" مثلاً ومن يقول منهم:"اجزت له مسموعاتی"فعلی سبيل الحذف الذی لا يخفی نظيره. (۱)

میں کہتا ہوں کہ اجازت دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ کہے "میں نے فلاں شخص کو اپنی مسموعات اور مرویات کی اجازت دی ہے" سو وہ بغیر حرف جر فعل متعدی استعمال کرتا ہے اور اس میں لفظ روایت یا اس قسم کے الفاظ کے استعمال کی ضرورت نہیں۔ اس کی احتیاج اس کو ہوگی۔ جو اجازت بمعنی تسویغ اذن اور اباحت کے استعمال کرے اور یہ معروف ہے سو وہ اس طرح کہے گا: "میں نے فلاں شخص کو اپنے مسموعات کی روایت کی اجازت دی ہے" اور جو شخص یہ کہے گا کہ میں نے اسے اپنی مسموعات کی اجازت دی ہے تو یہ علی سبیل الحذف ہوگا جس کی نظیر اہل علم سے مخفی نہیں۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ دوسری بات یہ ہے کہ اجازت اس وقت مستحسن ہوتی ہے جب اجازت دینے والا اس چیز کا عالم ہو جس کی وہ اجازت دے رہا ہے اور مجاز لہ بھی اہل علم میں سے ہو۔ اس لیے کہ اس میں توسع اور رخصت ہے جس کے لیے اہل علم ضرورت و احتیاج کی وجہ سے اس کے اہل ہیں۔ بعض لوگ تو اس حد تک پہنچے کہ اسے شرط قرار دیا۔ حافظ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

وحکاه ابو العباس الوليد بن بكر المالكی عن مالك و قال الحافظ ابو عمر: الصحيح انها لا تجوز الا لماهر بالصناعة و فی شیءٍ معينٍ لا يشكل إسناده. (۲)

اسے ابو العباس ولید بن بکر مالکی نے امام مالک سے نقل کیا ہے اور حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا روایت کے ماہر کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے اور یہ اجازت ایک معین شی میں ہو جس کے اسناد میں کوئی مشکل نہ ہو۔

۱- ابن الصلاح / ۱۴۴؛ فتح الباقی ، ۲۱۵. رامہرمزی کے اتباع میں خطیب بغدادی نے اجازہ کی پانچ انواع بیان کی ہیں۔ انہوں نے اس میں مکاتبہ اور مناولہ کو شامل کر دیا۔(الکفاية ، ۳۲۶—۳۵۰) المحدث الفاصل ،۴۳۵؛ قاضی نے چھ اقسام بیان کیں(الالماع، ۸۷) ابن صلاح نے قاضی عیاض کا تتبع کیا لیکن انہوں نے اس کی سات اقسام گنائیں(ابن الصلاح ، ۱۵۱— ۱۴۴) ازاں بعد سخاوی، عراقی اور انصاری نے اس کو نو اقسام میں تقسیم کیا۔(فتح المغيث للعراقی ، ۲/۲۰۳—۲۱۵؛ سخاوی ۲ / ۲۲۶— ۲۸۲؛ انصاری ، فتح الباقی، ۳۲۰—۳۴۴).

۲- ایضاً، ۱۴۴؛ فتح المغيث للعراقی ، ۲ / ۲۲۱؛ فتح المغيث للسخاوی ، ۲ / ۲۸۴؛ المنهل الروی ،۸۸؛ تدریب ،۲۲۶. ابن عبد البر کے الفاظ ہیں: تلخيص هذا الباب ان الاجازة لا تجوز الا لماهر بالصناعة حاذق بها، يعرف كيف يتناولها، ويكون فی شیء معين معروف لا يشكل اسناده فهذا هو الصحيح من القول فی ذلك۔ جامع بيان العلم و فضله، ۲ / ۱۸۰

خطیب لکھتے ہیں:

و کان مالك يشترط في الإجازة أن يكون فرع الطالب معارضا بأصل الراوی حتی کأنه هو وأن يكون المجيز عالما بما يجيز به معروفا بذلك ثقة في دينه و راويته وان يكون المستجيز من أهل العلم و عليه سمته حتى لا يوضع العلم عند غير أهله. (۱)

امام مالکؒ اجازت کے لیے شرط لگاتے تھے کہ طالب کے پاس مسودہ اصل راوی کے ساتھ مقابل ہو گویا وہی ہے اور اجازت دینے والا اس چیز کا عالم جس کی اجازت دے رہا ہے اور اس سلسلے میں معروف ہو دین ورروایت میں ثقہ ہو اور جس کو اجازت دی جارہی ہے وہ اہل علم میں سے ہو اور اس میں اس کی شہرت ہو تا کہ علم نااہل لوگوں کے پاس نہ جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اجازت دینے والے کے لیے مناسب ہے کہ جب وہ اجازت نامہ لکھے تو اسے الفاظ میں بھی ادا کرے۔ اگر وہ صرف کتاب پر اکتفا کرے تو یہ جائز ہوگا بشرطیکہ اجازت کا قصد ساتھ شامل ہو۔ البتہ یہ اجازت الفاظ میں ادا کی گئی اجازت سے کم تر درجہ کی ہوگی۔ اور ایسی روایت کی جو قراءت علی الشیخ پر مبنی ہے اور اس روایت کو الفاظ میں نہیں ادا کیا گیا، کی تصحیح مجرد کتابت سے غیر مستبعد ہے۔ (۲)

حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:

كثر تصريحهم في الأجائز "مما يجوز لي و عني روايته" فقيل كما نقله ابن الجزری أنه لا فائدة في قول "وعني" قال :والظاهر انهم يريدون ب "لي" مرويا تهم و ب "عني" مصنفاتهم و نحوها و هو كذلك، وحينئذ فكتا بتها ممن ليس له تصنيف أونظم أونثر أو بحث حفظ عنه و ما اشبهه عبث أوجهل . (۳)

اجازت کے سلسلے میں ان کی تصریحات بہت ہیں۔ "میرے لیے اور مجھ سے روایت جائز ہے" جیسا کہ ابن الجزری نے نقل کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ لفظ و عنی کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ظاہر ہے کہ لی سے ان کی مراد مرویات ہیں اور عنی سے ان کی تصنیفات اور یہ ایسا ہی ہے اس صورت میں جس کی کوئی تصنیف نہیں نہ ہی نظم و نثر میں کوئی شی اور نہ ہی کوئی ایسی بحث جس سے اس نے حفظ کیا ہو تو اس کی کتابت عبث اور جہل ہے۔

۱- الكفاية، ۳۱۷؛ المحدث الفاصل، ۴۳۸؛ معرفة علوم الحديث، ۲۵۹

۲- ابن الصلاح، ۱۲۵

۳- فتح المغيث للسخاوی، ۲/ ۲۸۶

خطیبؒ کہتے ہیں:

اختلف الناس فی الاجازة للأحادیث فذهب بعضهم إلی صحتها و دفع ذلك بعضهم والذین قبلوها اکثر .(۱)

اجازت کی اقسام

اجازت کی متنوع اقسام ہیں جنہیں علوم الحدیث کے تمام مصنفین نے نقل کیا ہے۔قاضی عیاض نے اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔ان سے پہلے کسی نے اس طرح بات نہیں کی۔انہوں نے اس کی چھ انواع بیان کی ہیں (۲) ابن الصلاح نے ایک کا اضافہ کر کے یہ تعداد سات کر دی ہے۔(۳) ان اقسام کو ہم حافظ ابن الصلاح سے نقل کرتے ہیں۔

۱۔معین شخص کو معین چیز کی اجازت

اگر کوئی عالم کسی خاص شخص کو اپنی خاص مرویات کی روایت کی اجازت دیتا ہے تو ''اجازت معین فی معین'' ہوگی جیسے مثلاً کوئی شخص کہتا ہے:

اجزت لك الکتاب الفلانی میں نے تمہیں فلاں کتاب کی اجازت دی ہے۔**یا ما اشتملت علیه فهرستی هذه** (۴) یا اس چیز کی اجازت جس پر میری فہرست مشتمل ہے۔یہ اجازت کی سب سے اعلیٰ نوع ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں بعض لوگوں کو گمان ہوا ہے کہ اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں حتی کہ اہل الظاہر بھی اس نوع پر کوئی اختلاف نہیں رکھتے۔

قاضی عیاض نے فرمایا:

۱۔ الکفایة، ۳۱۱

۲۔ الالماع، ۸۷-۱۷۰

۳۔ ابن الصلاح، ۱۶۲؛ علوم الحدیث کے جدید مصنفین نے ان انواع کی تفصیلات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ڈاکٹر عجاج الخطیب کا یہ جملہ اس کی مثال ہے:"ولا یهمنا بسط هذه الانواع تکلفت کتب علوم الحدیث بیبانها و بخاصة انها عرفت بعد القرن الرابع الهجری". اصول الحدیث، ۲۳۸، لیکن انہیں نظر انداز کر دینے سے بہت سے پہلو نظروں سے اوجھل رہ جائیں گے اسی لیے ہم نے انہیں نقل کیا ہے۔

۴۔ فہرست قاموس کے مطابق فارسی کا لفظ ہے فاء کے کسرہ ہا کے سکون، راء کے کسرہ، سین کے سکون اور تاء ساکنہ کے ساتھ اشیاء کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کے لیے آیا ہے۔Index , Table of contents، اسے معرب کیا گیا تو فهرس یفهرس، دحرج کے وزن پر بنایا گیا۔الفهرس کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔القاموس/ الشہاب الخفاجی نے شفاء العلیل میں القاموس کے الفاظ کو دہرایا ہے۔ابن خلدون نے البرنامج کو اس کے مترادف معنوں میں استعمال کیا ہے۔فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۰۳، حاشیہ، ۳

فهذه عند بعضهم التی لم یختلف فی جوازها ولا خالف فیه أهل الظاهر، وانما الخلاف بینهم فی غیر هذه الوجه۔ (۱)

قاضی ابوالولید الباجی نے تو اختلاف کی مطلق نفی کرتے ہوئے کہا:

لا خلاف فی جواز الروایة بالإجاز ة من سلف هذه الامة و خلفها وادعیٰ الاجماع من غیر تفصیل، وحکی الخلاف فی العمل بها۔ (۲)

روایت بذریعہ اجازت کے جواز میں اس امت کے سلف اور خلف میں کوئی اختلاف نہیں۔ انہوں نے بغیر تفصیل کے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ تاہم اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں اختلاف نقل کیا ہے۔

حافظ ابن الصلاح اسے نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: هذا باطل، فقد خالف فی جواز الروایة بالاجازة جماعات من أهل الحدیث والفقهاء والاصولیین، وذلك احدی (۳) الروایتین عن الشافعی. رُوی عن صاحبه الربیع بن سلیمان، قال: کان الشافعی لا یری الإجازة فی الحدیث. قال الربیع أنا اخالف الشافعی فی هذا. (۴)

میں کہتا ہوں کہ یہ باطل ہے۔ روایت بذریعہ اجازت کے جواز کی مخالف، اصحاب حدیث، فقہاء اور اصولیوں کے کئی گروہوں نے کی ہے اور امام شافعی سے بھی ایک روایت منقول ہے۔ ان کے شاگرد ربیع بن سلیمان روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی حدیث میں طریق اجازت کے قائل نہ تھے۔ ربیع کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں میرا امام شافعی سے اختلاف ہے۔

حافظ ابن الصلاح عدم جواز پر مزید بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شوافع کی ایک جماعت اس کے ابطال کی

۱۔ الالماع، ۸۸

۲۔ ابن الصلاح، ۱۵۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۲۰۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۲۳۰؛ المنهل الروی، ۸۴؛ تدریب، ۲۵۶؛ التقیید، ۳۱۴

۳۔ دوسری روایت جسے رامہرمزی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے: قال حسین الکرابیسی، لما قدم الشافعی قدمته اتیته فقلت له: اتاذن لی ان اقرأ علیك الکتب؟ فابی و قال: خذ کتب الزعفرانی فانسخها، فقد اجزتها لك، فاخذها اجازة. المحدث الفاصل، ۴۴۸؛ الکفایة، ۳۲۴

۴۔ ابن الصلاح، ۱۵۱-۱۵۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۲۰۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۲۳۰-۲۳۱

قائل ہے اوران میں دو قاضی، حسین بن محمد المروزی (۱) اور ابوالحسن الماوردی (۲) شامل ہیں۔ الماوردی نے اپنی کتاب الحاوی میں اس رائے کو قطعیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور دونوں نے کہا: "لو جازت الاجازۃ لبطلت الرحلۃ" اگر اجازت جائز ہے تو پھر رحلہ یعنی طلب حدیث کے لیے سفر باطل ہوگا۔ یہی بات شعبہ وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ (۳) اور اصحاب حدیث میں سے جن لوگوں نے اسے باطل قرار دیا ہے ان میں امام ابراہیم بن اسحاق الحربی، (۴) ابومحمد عبداللہ بن محمد الاصبہانی الملقب بابی الشیخ، (۵) حافظ ابونصر الوائلی السجزی (۶) شامل ہیں اور ابونصر نے بعض ملنے والوں سے اس کا فاسد ہونا نقل کیا ہے۔ ابونصر کہتے ہیں:

و سمعت جماعة من اهل العلم يقولون: قول المحدث: "قد أجزت لك أن تروى عنى" تقديره قد أجزت لك مالا يجوز فى الشرع: لان الشرع لا يبيح رواية ما لم يسمع (۷)

اور میں نے اہل علم کی ایک جماعت کو کہتے سنا: محدث کا قول کہ میں نے تجھے اجازت دی کہ تو مجھ سے روایت کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھے اس چیز کی اجازت دی ہے جو شریعت میں جائز نہیں ہے کیونکہ شریعت اس چیز کی روایت کی اجازت نہیں دیتی جو نہ سنی ہو۔

ابن الصلاح کہتے ہیں:

۱- القاضی حسین بن محمد بن احمد ابوعلی المروزی (م ۴۶۲ھ) اپنے زمانے کے شیخ الشافعیہ تھے ابونعیم الاسفرائینی سے روایت کی۔ انہیں بحرالامۃ کا لقب دیا گیا ہے۔ تہذیب الاسماء، ۱ / ۱۶۵

۲- القاضی ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری الشافعی الماوردی (م ۴۵۰ھ) اقضی القضاۃ، فقہ، اصول اور تفسیر کے امام تھے اور عربی زبان وادب میں بصیرت رکھتے تھے۔ خلفاء کے ہاں بڑی قدر ومنزلت رکھتے تھے ان کی تصانیف میں الحاوی، الاقناع اور ادب الدنیا والدین اور احکام السلطانیہ معروف ہیں۔ السبکی، ۳ / ۳۰۳؛ الوفیات، ۱/۳۲۶؛ شذرات، ۳/۲۸۵

۳- ابن الصلاح، ۱۵۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۰۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۲۳۱

۴- ابراہیم بن اسحاق ابواسحاق الحربی البغدادی (م ۲۸۵ھ) طلب علم کے لیے چھوٹی عمر ہی سے اسفار کا آغاز کر دیا تھا جو آخر عمر تک رہا۔ اپنے وقت کے نامور محدث اور اجل فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ زہد وورع میں ممتاز تھے۔ متعدد کتب کے مؤلف تھے۔ ایک کتاب غریب الحدیث کے نام سے ترتیب دی۔ یہ کتاب سلیمان بن ابراہیم کی تحقیق سے مرکز البحث العلمی، مکہ مکرمہ نے ۱۹۸۵ء میں شائع کی۔ تاریخ بغداد، ۶ / ۲۸؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲ / ۵۸۴؛ شذرات، ۲/ ۱۹۰

۵- ابومحمد عبداللہ بن محمد جعفر الاصفہانی الحبانی الملقب بابی الشیخ (م ۳۶۹ھ) جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا۔ تبحر عالم بہترین حافظہ کے مالک تھے۔ ثبت اور صادق تھے۔ باعمل شخصیت کے حامل تھے۔ خطیب کہتے ہیں: کان حافظاً متقناً۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳ / ۹۴۵؛ النجوم الزاہرۃ، ۴ /۱۳۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/ ۲۷۶

۶- ابونصر عبیداللہ بن سعید الوائلی السجزی (م ۴۴۴ھ) سجستان کی طرف غیر قیاسی نسبت ہے حدیث وسنت کی وسیع معرفت رکھتے تھے۔ خراسان، عراق، حجاز اور مصر کے علمی سفر کیے۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳ / ۱۱۱۸؛ ابن الاثیر، ۷ / ۱۶۸

۷- ابن الصلاح، ۱۵۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۳۲؛ تدریب، ۲۵۶

و يشبه هذا ما حكاه أبوبكر محمد بن ثابت الخجندي (۱) أحد من أبطل الاجازة من الشافعية عن أبي طاهر الدباس أحد ائمة الحنفية قال: من قال لغيره "اجزت لك ان تروى عني ما لم تسمع" فكأنه يقول: "أجزت لك أن تكذب علي" (۲)

اس سے ملتی جلتی بات شوافع میں سے عدم جواز کے قائل ابوبکر محمد بن ثابت الجندی نے ائمہ احناف میں سے ابوطاہر الدباس سے نقل کی ہے۔ اس نے کہا: جو شخص کسی دوسرے کو یہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے اس چیز کی روایت کی اجازت دی جو تو نے مجھ سے نہیں سنی تو گویا وہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے اجازت دی کہ تو محض جھوٹ باندھ لے۔

آمدی نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی رائے نقل کی ہے۔ (۳) قاضی عبدالوہاب نے امام مالکؒ سے ایک رائے اس کے حق میں نقل کی ہے۔ ابن حزم کا قول ہے کہ یہ بدعت ہے اور جائز نہیں۔ (۴) ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر اجازت دینے والا اور اجازت لینے والا عالم بالکتاب ہوں تو جائز ورنہ نہیں۔ احناف میں سے ابوبکر الرازی نے اسے اختیار کیا ہے۔ (۵)

خطیب طریق اجازت کے صحیح ہونے پر لکھتے ہیں:

و يقال: ان الأصل في صحة الإجازة حديث النبي ﷺ المذكور في المغازي حيث كتب لعبدالله بن جحش كتاباً و ختمه و دفعه اليه ووجهه في طائفة من اصحابه الى ناحية نخلة و قال له: لا تنظر في الكتاب حتى تسير يومين ثم انظر فيه. (٦)

کہا جاتا ہے کہ طریق اجازت کے صحیح ہونے کی بنیاد نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث ہے جو کتب مغازی میں مذکور ہے کہ آپ نے عبداللہ بن جحش کے لیے تحریر لکھی، اس میں مہر لگائی اور اسے عبداللہ کے سپرد کیا۔ اور اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ نخلہ کی طرف بھیجا۔ اسے کہا کہ اس تحریر کو اس وقت تک نہ دیکھنا جب تک تم دو دنوں کا سفر نہ کرلو۔ اس کے بعد اسے دیکھنا۔

۱- الجندی، خاء کے ضمہ، جیم کے فتح اور نون کے سکون کے ساتھ نسبت ہے ایک گاؤں کی طرف جو دریائے سیحون کے پاس ہے۔ جسے مجندہ کہتے ہیں۔ معجم البلدان، ۲ / ۳۴۷

۲- ابن الصلاح، ۱۵۲-۱۵۳؛ فتح المغيث للسخاوى، ۲ / ۲۳۳؛ فتح المغيث للعراقى، ۲ / ۲۰۴؛ تدريب، ۲۵۶؛ الكفاية، ۳۱۴

۳- فتح المغيث للعراقى، ۲ / ۲۰۴؛ فتح المغيث، ۲ / ۲۳۲؛ تدريب، ۲۵۷

۴- تدريب، ۲۵۷

۵- ايضاً، ۲۵۷

۶- الكفاية، ۳۱۴

اس کے بعد خطیب نے اس واقعہ کی اور روایات قدرے تفصیل کے ساتھ نقل کی ہیں۔(۱)

البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ علماء متقدمین نے طریق اجازت کو غیر مقید اور غیر مشروط جائز قرار دیا بلکہ یہ شرط لگائی ہے کہ محدث کو معلوم ہو کہ اس نے کس چیز کی اجازت دی ہے اور طالب نسخہ کو اصل راوی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تا کہ وہ بعینہ وہی ہو۔ اور اجازت طلب کرنے والا بھی اہل علم میں سے ہو تا کہ یہ علم نا اہل لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو۔(۲) اکثر متقدمین امام مالک کی طرح، غیر اہل علم کے لیے اجازت کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی طرح ان لوگوں کے لیے جو علم کی راہ میں محنت و مشقت نہیں کرتے اور ان لوگوں کے لیے جو تھوڑے وقت میں زیادہ علم کی اجازت کے طالب ہوتے۔ اکثر تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد آنے والے بہت سے اہل علم کا موقف یہ تھا کہ صرف علوم حدیث میں مہارت رکھنے والے ثقہ لوگوں کو اجازت دی جائے اور ان لوگوں کو جو علم کی قدر پہچانتے ہیں۔ اسی طرح ایک معروف شئ کی اجازت دی جائے جس کی اسناد مشکل نہ ہوں۔(۳) البتہ متاخرین نے اس میں تساہل برتا اور اجازت میں وسعت اختیار کی نتیجہ یہ ہوا کہ حفاظ اور مؤلفین سے صحیح سماع کے لیے طلب علم کی ہمتیں کمزور ہوئیں۔

حافظ ابن الصلاح اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ثم إن الذی استقر علیه العمل و قال به جماهیر أهل العلم من أهل الحدیث و غیرهم القول بتجویز الإجازة و إباحة الروایة بها و فی الاحتجاج لذلك غموض. و یتجه أن یقول إذا أجازله أن یروی عنه مرویاته، فقد أخبره بها جملة فهو كما لو أخبره تفصیلاً، و إخباره بها غیر متوقف علی التصریح نطقا كما فی القراء ة علی الشیخ كما سبق، و إنما الغرض حصول الإفهام و الفهم و ذلك یحصل بالإجازة المفهمة. (۴)

پھر جس رائے پر عملی استقرار ہوا اور اصحاب حدیث میں سے جمہور اہل علم وغیرہ کا موقف ٹھہرا وہ طریق اجازت کا جواز اور اس کی روایت کی اباحت ہے، تاہم اس طریق سے استدلال

۱- الکفایة، ۳۱۲-۳۱۳

۲- ایضاً، ۳۱۷؛ المحدث الفاصل، ۴۳۸؛ معرفة علوم الحدیث، ۲۵۹

۳- المحدث الفاصل، ۴۴۷-۴۴۸

۴- ابن الصلاح، ۱۵۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۰۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۴۳

کرنے میں دقت نظر مطلوب ہے۔ اور بسبب یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب ایک شخص نے کسی کو اپنی مرویات روایت کرنے کی اجازت دی تو بلاشبہ اس نے اسے سب کچھ بتا دیا گویا اس نے تفصیلاً بیان کیا اور اس کا یہ بیان زبانی تصریح پر موقوف نہیں ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے قراءت علی الشیخ میں اور جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ بلاشبہ مقصود تو افہام و فہم ہے اور یہ مفہوم اجازت سے حاصل ہو سکتا ہے۔

حافظ سخاویؒ نے طریق اجازت کے جواز پر مفصل لکھا اور کئی اصحاب علم کی آراء کو جمع کر دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے افادہ کے لیے نقل کر دیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

وصار بعد الخلف اجماعاً، و احی الله بها كثيراً من دوا وين الحديث مبو بها و مسندها، مطولها و مختصرها و الوفا من الاجزاء النثرية، مع جملة من المشيخات، و المعاجم، و الفوائد انقطع اتصا لها بالسماع، و اقتديت بشيخي فمن قبله فوصلت بها جملة. ورحم الله الحافظ علم الدين البرزالي حيث بالغ في الاعتناء. بطلب الاستجازات من المسندين للصغار و نحوهم ، فكتب غير واحد من الاستدعاء ات الفيا، اى مشتملاً على الف اسم ، وتبعه اصحابه كا بن سعد والوانى وانتفع الناس بذلك . وكذا ممن بالغ في عصرنا في ذلك مفيدنا الحافظ ابو نعيم المستملى وعمدة المحدثين النجم بن فهد الهاشمى، فجزاهم الله خيراً. و ممن أختار التعويل عليها مع تحقيق الحديث امام الحرمين، وما احسن قول الإمام أحمد: إنها لوبطلت لضاع العلم. ولذا قال عيسىٰ بن مسكين صاحب سحنون فيما رواه ابو عمرو الدانى من طريقه :هى رأس مال كبير ، وهى قوية: و قال السلفى: "هى ضرورية ؛ لأنه قد تموت الرواة و تفقد الحفاظ الوعاة فيحتاج الى إبقاء الإسناد، ولا طريق الا الإجازة. فالإجازة فيها نفع عظيم و رفد جسيم، إذالمقصود إحكام السنن المروية فى الأحكام الشرعية، و إحياء الآثار، و سواء كان بالسماع أو القراء ة ، أوالمناولة

أو الإجازه لقوله تعالىٰ "وما جعل عليكم في الدين من حرج" (۱) و قوله: 'بعثت بالحنيفية السمحة" (۲) قال: ومن منا فعها إن ليس كل طالب يقدر على رحلة و سفر اما لعلة توجب عدم الرحلة أوبعد الشيخ الذىٰ يقصده ، فالكتابة حينئذ أرفق، وفي حقه أوفق، فيكتب من بأقصى الغرب الى من باقصى الشرق، ويأذن له في رواية ما يصح عنه.

وقد كتب السلفي هذا من ثغر إسكندرية لأبي القاسم الزمخشرى صاحب الكشاف وهو بمكة يستجيزه جميع مسموعاته وإجازاته ورواياته وما ألفه في فنون العلم ، وانشاه من المقامات و الرسائل والشعر فاجابه بجزء لطيف فيه لغة و فصاحة مع الهضم فيه لنفسه......

قال ابو الحسن بن النعمة ، لم تزل مشائخنا في قديم الزمان يستعملون هذه الإجازات و يرونها من أنفس الطلبات و يعتقدونها راس مال الطالب، ويرون من عدمها المغلوب لا الغالب، فاذا ذكر حديثا أوقراءة أومعنى ما قالوا أين إسناده و على من اعتماده؟ فان عدم سنداً يترك سدى و نبذ قوله و لم يعلم فضله. (۳)

حافظ سخاویؒ کہتے ہیں: خلف کے بعد اس پر اجماع ہو گیا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کے کئی مطول ومختصر مبوب اور مسند دیوان زندہ کئے، اسی طرح ہزاروں نثری اجزاء تمام مشیخات ومعاجم اور فوائد سمیت جن کا متصل سماع منقطع ہو چکا تھا۔ اور میں نے اپنے شیخ اور ان سے پہلے شیوخ کی پیروی کی اور اس طرح میرا سب سے اتصال ہو گیا۔ اللہ کی رحمت ہو علم الدین البرزالی پر کہ انہوں نے چھوٹے مسندین سے بھی اجازت طلب کرنے میں حد سے زیادہ اہتمام کیا اور ہزار ناموں پر مشتمل کئی اجزاء لکھے۔ ان کے شاگردوں نے، جیسے ابن سعد اور وانی وغیرہ نے اس کی پیروی کی اور لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ ہمارے زمانے میں جن لوگوں نے اس کا اہتمام کیا ان میں ابو نعیم المستملی اور عمدۃ المحدثین نجم بن فہد الہاشمی

۱- الحج/ ۷۸

۲- مسند احمد، ۵/ ۲۶۶، ۶/ ۱۱۶، ۲۳۳

۳- فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۲۳۳-۲۳۵

ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اور جس شخص نے محقق حدیث ہوتے ہوئے اس طریق پر اعتماد کیا وہ امام الحرمین ہیں۔ امام احمد کا کتنا اچھا قول ہے کہ اگر اسے ناقابل اعتبار قرار دیا جائے تو علم ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے سحنون کے شاگرد عیسیٰ بن مسکین نے کہا اور ان کا یہ قول ابو عمر دالدانی نے روایت کیا کہ یہ طریق بڑا راس المال ہے اور قوی ہے۔

السلفی کا کہنا ہے کہ یہ ضروری ہے اس لیے کہ راوی مرتے ہیں اور محفوظ کرنے والے حفاظ ختم ہوتے ہیں جب کہ اسناد کے باقی رہنے کی احتیاج ہے۔ اجازت کے بغیر کوئی اور طریقہ نہیں ہے جو اسے محفوظ کرے۔ سو طریق اجازت میں بڑا نفع اور عظیم عطیہ ہے۔ چونکہ مقصود احکام شرعیہ میں مروی سنن کا استحکام اور آثار کا احیاء ہے، اس لیے ن کا بطریق سماع، قراءۃ، مناولہ یا اجازہ ہونا برابر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی'' اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''مجھے نرمی و سہولت والے خالص دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔'' السلفی کہتے ہیں کہ اس کے منافع میں سے یہ بھی ہے کہ ہر طالب سفر کی قدرت نہیں رکھتا یا تو کوئی بیماری ہو سکتی ہے جو سفر سے مانع ہو یا مطلوب شیخ کا دور ہونا ہے لہٰذا کتابت آسان ہے اور اس کے حق میں زیادہ مناسب بھی۔ اس طرح انتہاء مغرب میں بیٹھا شخص انتہائے مشرق میں موجود شخص کو لکھ سکتا ہے اور اپنی صحیح مرویات کی روایت کی اجازت دے سکتا ہے اور السلفی نے حدود سکندریہ سے صاحب کشاف ابو القاسم الزمخشری کو لکھا جب کہ وہ مکہ میں تھے ان سے اپنی تمام مسموعات، اجازات، روایات، فنون علم کی تالیفات اور مقامات مسائل اور اشعار پر مشتمل تحریروں کی اجازت طلب کی۔ زمخشری نے تواضع اور کسر نفسی کے اظہار کے ساتھ عمدہ جز بھیجا جو زبان و بیان پر مشتمل تھا۔ ابو الحسن بن النعمہ نے کہا: ہمارے مشائخ پرانے زمانے سے ان اجازات کو استعمال کرتے رہے ہیں، انہیں بہترین مقاصد خیال کرتے رہے ہیں، اسے طالب علم کا راس المال قرار دیتے رہے ہیں اور اس کی غیر موجودگی میں اپنے آپ کو غالب نہیں مغلوب سمجھتے رہے ہیں۔ جب کوئی شخص حدیث، قراءۃ یا کوئی مفہوم بیان کرے تو کہتے ہیں کہ اس کی اسناد کہاں ہے؟ اور کس پر اعتماد کیا گیا ہے۔ پس اگر سند موجود نہیں تو اسے بے کار چھوڑ دیا جائے گا، اس کی بات کو ٹھکرا دیا جائے گا اور اس کی فضیلت نامعلوم ہو جائے گی۔

علامہ سیوطی طریق اجازت کی صحت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اذا قلنا بصحة الإجازة فالمتبادر إلى الاذهان انها دون العرض ، وهو الحق، و حكى الزركشي في ذلك مذاهب: ثانيها و نسبه لا حمد بن ميسرة المالكي أنها على و جهها خيز من السماع الرديى ء قال: واختار بعض المحققين تفضيل الإجازة على السماع مطلقاً. ثالثها أنها سواء. حكى ابن عات في ريحانة النفس عن عبدالرحمن بن احمد بن بقي بن مخلد انه كان يقول: الاجازة عندى و عند أبي و جدى كالسماع. وقال الطوفي :الحق التفصيل :ففي عصر السلف السماع أولىٰ و أما بعد إن دونت الدواوين و جمعت السنن واشتهرت فلا فرق بينهما. [1]

جب ہم طریق اجازت کی صحت کے بارے میں کہتے ہیں تو اذہان اس طرف جاتے ہیں کہ یہ ''العرض'' سے کم تر ہے، اور یہی حق ہے۔ اور الزرکشی نے اسی سلسلے میں کئی مذاہب نقل کئے ہیں۔ ان میں دوسرا جسے اس نے احمد بن میسرہ مالکی کی طرف منسوب کیا ہے کہ ظاہری طور پر یہ کم تر درجہ کے سماع سے بہتر ہے اس کا کہنا ہے کہ بعض محققین نے اجازت کو سماع پر مطلق فضیلت دی ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ ابن عات نے ریحانۃ النفس میں عبدالرحمٰن ابن احمد بن بقی بن مخلد سے نقل کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: میرے نزدیک اور میرے والد اور دادا کے نزدیک اجازت سماع ہی کی طرح ہے۔ الطوفی کہتے ہیں کہ سچ یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے: سلف کے عہد میں سماع اولیٰ ہے اور اس کے بعد جب کتب مرتب ہوگئیں، سنن جمع کر دی گئیں اور مشہور ہوگئیں تو ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا۔

روایت بالاجازۃ پر عمل

ایسی روایت جو بطریق اجازت مروی ہو اس پر عمل کے بارے میں بھی اختلاف موجود ہے۔ بعض کے نزدیک یہ واجب العمل جب کہ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ ایسی روایت موجب عمل نہیں ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

ثم انه كما تجوز الرواية بالإ جازة يجب العمل بالمروى بها، خلافاً

1- تدریب، ۲۵۷- ۲۵۸

لمن قال من أهل الظاهر و من تابعهم: إنه لا يجب العمل به و إنه جار مجرى المرسل. و هذا باطل لأنه ليس في الإجازة ما يقدح في اتصال المنقول بها و في الثقة به. (۱)

پھر جیسے روایت بالا جازۃ جائز ہے اسی طرح ایسی مروی روایت پر عمل بھی واجب ہے۔ اہل ظاہر اور ان کے پیرو اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس پر عمل واجب نہیں اور ایسی روایت مرسل جیسی ہے۔ اور یہ رویہ باطل ہے کیونکہ طریق اجازت میں کوئی ایسی شے نہیں جو منقول بھا کے متصل ہونے کے لیے یا اس پر اعتماد کرنے کے لیے نقصان دہ ہو۔

خطیبؒ نے روایت بالا جازۃ پر مفصل لکھا ہے۔ اس کے واجب العمل ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

واحتج بعض أهل العلم ممن كان يرى وجوب العمل بحديث الإجازة بما اشتهر نقله ان النبي ﷺ كتب سورة براءة في صحيفة و دفعها إلى أبي بكر الصديقؓ ثم بعث علي بن ابي طالبؓ فاخذها منه و لم يقرأها عليه ولا هو ايضاً قرأها حتى وصل إلى مكة ففتحها و قرأها على الناس فصار ذلك كالسماع في ثبوت الحكم و وجوب العمل به(۲)

بعض اہل علم حدیث الاجازۃ پر عمل واجب سمجھتے ہیں حضور اکرم ﷺ سے منقول مشہور روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سورۂ براءۃ کو ایک صحیفہ میں لکھا اور اسے ابوبکر صدیقؓ کے حوالے کیا پھر علی ابن ابی طالب کو بھیجا انہوں نے وہ مکتوب ان سے لے لیا۔ علیؓ نے انہیں پڑھ کر سنایا اور نہ خود پڑھا یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے۔ آپ نے اسے وہاں کھولا اور لوگوں کے سامنے پڑھا۔ یہ واقعہ گویا ثبوت حکم اور اس پر وجوب عمل کے لیے سماع کی طرح متصور ہوگا۔

مزید فرماتے ہیں:

سألت أبانعيم احمد بن عبدالله الحافظ، قلت له: ما ترى في الإجازة؟ فقال: الإجازة صحيحة يحتج بها و استشهد بحديث عبدالله بن عكيم، قال: كتب لنا رسول الله ﷺ. قال أبو نعيم: ما ادركت احداً

۱- ابن الصلاح، ۱۵۴؛ فتح المغيث للعراقي، ۲/۲۰۴

۲- الكفاية، ۳۱۳

من شیوخنا الا وھو یری الإجازۃ و یستعملھا سوی ابی شیخ فانہ کان لا یعدھا شیئاً۔ (۱)

میں نے حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ سے پوچھتے ہوئے کہا: طریق اجازت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ طریق اجازت صحیح ہے اور اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے عبداللہ بن عکیم کی حدیث سے استدلال کیا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے لکھا۔ ابونعیم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ میں کسی کو بھی نہیں پایا الا یہ کہ وہ طریق اجازت کو درست سمجھتے اور استعمال کرتے سوائے ابوالشیخ کے کہ وہ اسے کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔

خطیب لکھتے ہیں:

قلت: ابو الشیخ هو عبدالله بن محمد بن جعفر بن حیان الأصبهانی، و ممن سمی لنا انه کان یصحح العمل با حادیث الإجازۃ. (۲)

میں کہتا ہوں کہ ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الاصبہانی ہیں اور ہم سے بیان کیا کہ وہ احادیث الاجازہ پر عمل کو صحیح سمجھتے تھے۔

خطیب نے حدیث اجازہ کے قبول اور عدم قبول کے سلسلے میں سینتالیس محدثین وعلماء کی فہرست دی ہے۔ متقدمین میں سے قبول کرنے والوں میں حسن بصری، نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر، ابن الشہاب الزہری، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، یحییٰ بن سعید الانصاری، قتادہ بن دعامہ، مکحول الشامی، ابان ابن ابی عیاش ایوب السختیانی سمیت امام شافعی، احمد بن حنبل، بخاری، مسلم اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیساپوری شامل ہیں۔ (۳)

عدم جواز کے قائلین میں بعض اقوال ان لوگوں کے بھی ہیں جنہیں قائلین کی فہرست میں نقل کیا گیا ہے۔ مثلاً یحییٰ بن سعید، حیوہ بن شریح اور مالک بن انس وغیرہ۔ ان کے علاوہ ابراہیم بن اسحٰق الحربی، شعبہ بن الحجاج کے نام مذکور ہیں۔ (۴)

خطیب مالک بن انس کی عدم جواز کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فقد ثبت عن مالك انه کان یحکم بصحۃ الروایۃ لأحادیث الإجازہ. (۵)

۱- الکفایۃ، ۳۱۳

۲- ایضاً، ۳۱۳

۳- ایضاً، ۳۱۳—۳۱۴

۴- ایضاً، ۳۱۴—۳۱۵

۵- ایضاً، ۳۱۶

مالکؒ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ احادیث اجازہ کی روایت کے صحیح ہونے کا حکم دیتے تھے۔

۲۔ کسی معین شخص کو غیر معین اجازت

طریق اجازت کی دوسری قسم یہ ہے کہ شیخ کسی معین شخص کو غیر معین اجازت دے جیسے کہے:

أجزت لك أولكم جميع مسموعاتي أومر وياتي وما اشبه ذلك (١).

یعنی میں نے تمہیں اپنی تمام مسموعات اور مرویات کی اجازت دی یا اسی طرح کا بیان۔

حافظ عراقیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن يعين الشخص المجازله دون الكتاب المجاز فيقول :أجزت لك جميع مسموعاتي أو جميع مروياتي وما أشبه ذلك. (٢)

شیخ ایک مجاز شخص کو متعین کرے، بغیر کسی مجاز کتاب کے، اور کہے: میں نے تمہیں اپنی تمام مسموعات یا مرویات کی اجازت دی ہے یا اس سے ملتی جلتی بات کرے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اختصار کرتے ہوئے لکھا:

إجازة لمعين في غير معين، مثل أن يقول :"أجزت لك أن تزوى عني ما أرويه؛ أو "ماصح عندك ، من مسموعاتي و مصنفاتي". (٣)

ایک معین شخص کے لیے غیر معین اجازت جیسے شیخ کہے: میں نے تجھے اجازت دی ہے کہ جو کچھ میں روایت کرتا ہوں اسے تو مجھ سے روایت کرے۔ یا جو کچھ تمہارے پاس میری مسموعات اور مصنفات سے صحیح طور پر موجود ہے۔

اس کی حیثیت

اس کی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

فالخلاف في هذا النوع أقوى و أكثر ، والجمهور من العلماء من المحدثين والفقهاء و غيرهم على تجويز الرواية بها أيضاً و على إيجاب العمل بماروى بها بشرطه. (٤)

١- ابن الصلاح ، ١٥٤

٢- فتح المغيث للعراقي، ٢ / ٢٠٤

٣- الباعث الحثيث ، ١١٨؛ المقنع ، ١ / ٣١٥

٤- ابن الصلاح ١٥٤؛ المقنع، ١ / ٣١٥

اسی نوع میں اختلاف اکثر اور زیادہ قوی ہے۔ جمہور علماء محدثین اور فقہاء وغیرہ اس کی روایت کے بھی جواز کے قائل ہیں اور اس طرح کی روایت پر مشروط وجوب عمل کی رائے رکھتے ہیں۔

ابن کثیر کے الفاظ ہیں:

و هذا مما یجوزه الجمهور أیضاً، روایةً و عملاً. (۱)

اور یہ اس نوع سے ہے جسے جمہور روایتاً اور عملاً جائز سمجھتے ہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں:

و الجمهور علی تجویز الروایة بها، وعلی وجوب العمل بما روی بها بشرطه، ولکن الخلاف فی هذا النوع أقوی من الخلاف فی النوع المتقدم. (۲)

جمہور اس کی روایت کو جائز اور وجوب عمل بھی شرط کے ساتھ تجویز کرتے ہیں لیکن اس نوع میں اختلاف پہلی نوع سے زیادہ قوی ہے۔

حافظ سخاوی نے اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے (۳) لیکن انھوں نے خطیب سے کافی استفادہ کیا ہے اس لیے مناسب ہے کہ ہم خطیب ہی کے بیان کو نقل کر دیں جو جامع ووافی ہے خطیب النوع الثانی من الواع الإجازة کے عنوان سے لکھتے ہیں:

وهو أن یدفع الطالب الی الراوی صحیفة قد کتب فیها ان رأی الشیخ أن یجیزلی جمیع ما یصح عندی من حدیثه فعل، فیقول له الراوی بلفظه قد أجزت لك کلما سألت، أویکتب له ذلك تحت خطه فی الصحیفة فیقرؤه علیه فهذا النوع دون المناولة فی المرتبة لأنه لم ینص فی الإجازة علی شیء بعینه ولا احاله علی تراجم کتب بأعیانها من أصوله ولا من الفروع المقروءة علیه و إنما احاله علی ما یصح عنده عنه وهو فی تصحیح ماروی الناس عنه علی خطر لأنه لا یقطع علی صحة

۱۔ الباعث الحثیث، ۱۱۸

۲۔ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۰۴

۳۔ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۲۸ و بعد

ماروی عنه الا بتواتر من الخبر و انتشار یقوم فی الظاهر مقام التواتر، وفی باب المناولة التی قدمنا ذکرها یقطع علی صحة روایاته. فیها فیجب علی الطالب الذی اطلقت له الإجازة ان یتفحص عن اصول الراوی من جهة العدول الأثبات فماصح عنده من ذلك جازله ان یحدث به و یکون مثال ما ذکرناه من قول الرجل قد وکلتك فی جمیع ماصح عندك انه ملك لی أن تنظر فیه علی وجه الوکالة المفروضة. فان هذا و نحوه عند الفقهاء من ائمة المدینة صحیح ومتی صح عنده وجوب الملك للموکل کان له التصرف فیه و کذلك هذه الإجازة المطلقه متی صح عنده فی الشیٔ انه من حدیثه جازله ان یحدث به عنه. (۱)

وہ یہ کہ طالب راوی کا لکھا ہوا صحیفہ اس کے سپرد کرے اور کہے کہ اگر شیخ مناسب سمجھے تو اس میں جو کچھ صحیح ہے اس کی مجھے اجازت دے۔ پس راوی اپنے الفاظ میں اسے کہے کہ جو کچھ تو نے سوال کیا ہے اس کی میں اجازت دیتا ہوں یا اپنے خط سے صحیفے میں لکھے اور وہ اسے اس کے سامنے پڑھے۔ یہ قسم مناولہ سے کم درجہ کی ہے اس لیے کہ اس نے اجازت میں کسی معین شی کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اصول وفروع پر پڑھی جانے والی تراجم کتب کو بعینہ اس کے حوالے کیا۔ اس نے جو کچھ اس کے حوالے کیا ہے وہ صحیح مرویات ہیں جو اس کے پاس تھیں۔ اور جو کچھ لوگوں نے اس سے روایت کیا ہے وہ تصحیح کے مرحلے میں ہے، کیونکہ اس کی مرویات کی صحت قطعی نہیں الا یہ کہ اس کا بیان ہو اور وہ مشتہر ہو اس طرح متواتر کے قائم مقام ہوگی اور جہاں تک مناولہ کا تعلق ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اس کی صحت روایت قطعی ہے لہٰذا طالب کے لیے جسے مطلق اجازت دی گئی ہے ضروری ہے کہ وہ عدل اور اثبات کے لحاظ سے راوی کے اصولوں کی تحقیق کرنے اور اس کے ہاں جو کچھ صحیح ہو اسے بیان کرنا جائز ہے اور اس کی مثال جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص کا قول ہے۔ تمہارے نزدیک اس میں جو کچھ صحیح ہے اس کے لیے میں نے تجھے وکیل کیا ہے۔ یہ میری ملکیت ہے تو اس کو وکالہ کے نقطۂ نظر سے دیکھو۔ یہ اور اس قسم کا بیان ائمہ مدینہ کے فقہاء کے ہاں جائز ہے۔ جب

۱- الکفایۃ، ۳۳۴

اس کے نزدیک موکل کی ملکیت کا وجوب ثابت ہو جائے تو اس کے لیے تصرف جائز ہے۔
اس طرح اجازت مطلقہ ہے جب اس کی صحت کسی شے میں ثابت ہو جائے تو اس حدیث کو بیان کرنا اس کے لیے جائز ہے۔

۳۔ غیر معین کے لیے عمومی اجازت

اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شیخ مسلمانوں کے لیے یا اپنے عہد کے لوگوں کو عمومی طور پر اپنے علم یا مرویات کی اجازت دے۔ حافظ ابن الصلاح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

النوع الثالث من أنواع الإجازة، أن يجيز لغير معين بوصف العموم مثل أن يقول: "أجزت للمسلمين ، أو أجزت لكل واحد أو أجزت لمن ادرك زماني" و ما أشبه ذلك. (۱)

انواع الاجازہ میں سے تیسری نوع یہ ہے کہ شیخ غیر معین لوگوں کے لیے عمومی اجازت دے مثلاً یہ کہے کہ میں نے مسلمانوں کو اجازت دی یا ہر شخص کو اجازت دی یا اس کو اجازت ہے جس نے میرا زمانہ پایا یا اس سے ملتے جلتے الفاظ استعمال کیے۔

حافظ عراقی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن يعم المجازله فلا يعينه ، كأجزت للمسلمين، أولكل أحدٍ، أولمن ادرك زماني و نحوذلك. (۲)

جن کو اجازت دی گئی انہیں عمومی طور پر بیان کرے اور کوئی تعیین نہ کرے جیسے میں نے مسلمانوں کو اجازت دی، یا ہر ایک کو اجازت دی یا اسے اجازت ہے جس نے میرا زمانہ پایا اور اسی طرح کے الفاظ۔

علامہ ابن کثیر نے اور مختصر کر کے اسے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

الإجازة لغير معين، مثل أن يقول: "أجزت للمسلمين" "او للموجودين" أو "لمن قال لا اله الا الله". وتسمى "الإجازة العامة"(۳)

۱۔ ابن الصلاح ، ۱۵۳؛ المقنع ، ۱/ ۳۲۹
۲۔ فتح المغيث للعراقي ، ۲/ ۲۰۵
۳۔ الباعث الحثيث ، ۱۱۸

غیر معین کے لیے اجازت جیسے کوئی کہے کہ میں نے مسلمانوں کو اجازت دی، یا جو موجود ہیں انہیں اجازت ہے یا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اسے اجازت ہے۔ اسے اجازہ عامہ کہا جاتا ہے۔

امام نوویؒ نے حافظ ابن الصلاحؒ ہی کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے لکھا:

يجيز غير معين بوصف العموم كأ جزت المسلمين أو كل أحد أو أهل زماني. (۱)

غیر معین کو عمومی طور پر اجازت دے جیسے میں نے مسلمانوں کو اجازت دی یا ہر ایک کو یا اپنے زمانے کے لوگوں کو اجازت دی۔

اگر ان عبارتوں پر غور کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سامنے ابن الصلاح کی کتاب ہے اور اسی کے الفاظ کم وبیش دہرائے جا رہے ہیں۔

غیر معین اجازت کی حیثیت

حافظ ابن الصلاح غیر معین اجازت کی روایت کی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

فهذا نوع تكلم فيه المتأخرون ممن جوز أصل الإجازة و اختلفوا في جوازه، فان كان ذلك مقيداً بوصف حاصر و نحوه فهو إلى الجواز أقرب. (۲)

یہ وہ نوع ہے جس کے بارے میں متاخرین نے ان سے جنہوں نے اصل اجازت کو جائز قرار دیا کلام کیا ہے۔ اور اس کے جواز کے بارے میں اختلاف کیا ہے اگر یہ اجازت بطریق حصر مقید ہو تو جوار کے قریب ہوگی۔

قاضی عیاض نے اس کی مثال دیتے ہوئے کہا:

أجزت لمن هو الان من طلبة العلم ببلد كذا، اولمن قرأ علّي قبل هذا.

میں نے اسے اجازت دی جو فلاں شہر میں اس وقت طلباء علم میں شامل ہے یا جس شخص نے اس سے پہلے میرے سامنے قراءت کی۔

قاضی عیاض ہی کہتے ہیں:

۱- تقریب مع تدریب، ۲۵۸

۲- ابن الصلاح، ۱۵۴

ما أحسبهم اختلفوا في جوازه ممن صح عنده الإجازة ، ولا رأيت منه لأحدٍ لأنه محصور موصوف كقوله لأولاد فلان وإخوة فلان . (۱)

میں نہیں سمجھتا کہ جن لوگوں کے نزدیک اجازت صحیح ہے وہ اس کے جواز کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں اور نہ میں نے کسی کو اس سے روکتے بھی نہیں دیکھا اس لیے کہ اس میں حصر ہے اور اس کا وصف بیان کیا گیا ہے جیسے کسی کا قول: میں اس شخص (فلاں) کی اولاد کے لیے یا فلاں بھائیوں کے لیے۔

تقریباً یہی بات نوویؒ، عراقیؒ اور ابن کثیرؒ نے کہی ہے (۲) اور اس کو سخاویؒ اور سیوطیؒ نے نقل کیا ہے۔(۳) حافظ ابن الصلاح نے ان علماء محدثین کا ذکر کیا ہے جو جواز کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حافظ ابوبکر خطیب نے اسے جائز قرار دیا ہے۔(۴) حافظ ابوعبداللہ بن مندہ کہتے ہیں: **اجزت لمن قال لا اله ا لا الله** (۵) یعنی میں نے ہر اس شخص کو اجازت دی جس نے لا الـه الا الـلـه کہا۔ جیسا کہ خطیب نے بیان کیا ہے کہ فقہاء محققین میں ایک اہم شخصیت قاضی ابوالطیب الطبریؒ نے ان تمام مسلمانوں کے لیے جو اجازت کے وقت موجود تھے اسے جائز قرار دیا ہے۔(۶) اسی طرح اندلس کے جلیل القدر شیوخ میں سے ابومحمد بن سعید نے ان سب طالب علموں کو اجازت دی جو قرطبہ میں داخل ہوئے۔(۷)

حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں:

أنبأني من سأل الحازمي أبابكر عن الإجازة العامة هذه فكان من جوابه: ان من ادركه من الحفاظ مثل ابی العلاء الحافظ وغيره كانوا يميلون الى الجواز (۸)

مجھے اس شخص نے بتایا جس نے ابوبکر الحازمی سے اجازت کے بارے میں پوچھا تھا۔ تو ان کا جواب تھا: جس نے حافظ ابوالعلاء جیسے حفاظ کو پایا ہے تو وہ جواز کی طرف میلان رکھتے تھے۔

۱- الالماع، ۱۰۱؛ المقنع، ۱/ ۳۱۲

۲- فتح المغيث للعراقی، ۲/ ۲۰۶؛ تقريب مع التدريب، ۲۵۸؛ الباعث الحثيث، ۱۱۸

۳- فتح المغيث للسخاوی، ۲/ ۲۴۷- ۲۴۸؛ تدريب، ۲۵۸

۴- ابن الصلاح، ۱۵۵؛ فتح المغيث للعراقی، ۲/ ۲۰۵- ۲۰۶

۵- ایضاً، ۱۵۵؛ ایضاً، ۲/ ۲۰۵

۶- ایضاً، ۱۵۵؛ ایضاً، ۲/ ۲۰۵

۷- ایضاً، ۱۵۵

۸- ابن الصلاح، ۱۵۵؛ المقنع، ۱/ ۳۱۲

حافظ عراقیؒ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھا:(۱)

قلت ممن أجازها:أبو الفضل أحمد بن الحسين بن خيرون البغدادی و أبو الوليد بن رشد المالكی و أبو الطاهر السلفی وغيرهم، و رجحه أبو عمرو بن الحاجب و صححه النووی من زياداته فی الروضة، و قد جمع بعضهم من أجاز هذه الإجازة العامة فی تصنيف له جمع فيه خلقاً كثيراً رتبهم علی حروف المعجم لكثرتهم، و هو الحافظ أبو جعفر محمد بن الحسين بن ابی البدر الكاتب البغدادی، و ممن حدث بها من الحفاظ ابوبكر بن خير الاشبيلی و من الحفاظ المتاخرين الحافظ شرف الدين عبد المؤمن بن خلف الدمياطی باجازته العامة من المؤيد الطوسی، وسمع بها الحفاظ ابو الحجاج المزی و ابو عبدالله الذهبی و ابو محمد البرزالی علی الركن الطاوسی بإ جازته العامة من أبی جعفر الصيدلانی وغيره، وقرأ بها الحافظ أبو سعيد العلائی علی أبی العباس بن نعمة بإجازته العامة من داؤد بن معمر بن الفاخر، و قرأت بها عدة أجزاء علی الوجيه عبدالرحمن العوفی بإجازته العامة من عبداللطيف بن القبيطی أبی اسحاق الكاشغری و ابن رواج و السبط و آخرين من البغداديين والمصرّيين و فی النفس من ذلك شیء، وانا أتوقف عن الرواية بها، (۲) و أهل الحديث يقولون:إذا كتبت فقمش(۳)، وإذا حدثت ففتش.(۴)

میں کہتا ہوں کہ جواز کے قائلین میں ابوالفضل احمد بن الحسین بن خیرون البغدادی، ابوالولید بن رشد المالکی اور ابوالطاہر السلفی وغیرھم شامل ہیں۔ابوعمر بن الحاجب نے جواز کو ترجیح دی ہے اور نووی نے زیادات الروضہ میں اس کو صحیح کہا ہے۔حافظ ابوجعفر محمد بن الحسین بن ابی

۱- فتح المغيث للعراقی، ۲/ ۲۰۵-۲۰۶؛ فتح المغيث للسخاوی، ۲/ ۲۴۹-۲۵۰

۲- و قال فی النكت: و بالجملة ففی النفس بها شیء، و الاحتياط ترك الرواية بها (۱۸۳)۔

۳- ای اجمع ما وجدت: فتح المغيث للسخاوی، ۲/۲۵۰

۴- ای تثبت الرواية: فتح المغيث للسخاوی، ۲/۲۵۰

البدر الکاتب البغدادی نے ان لوگوں کے نام جمع کیے ہیں جو اجازت عامہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ ایک بڑی تعداد جمع کر کے حروف معجم کی ترتیب سے مرتب کیا۔ حفاظ میں سے جن لوگوں نے اس طریق پر حدیث بیان کی ان میں ابوبکر بن خیر الاشبیلی شامل ہیں۔ متاخرین حفاظ میں سے حافظ شرف الدین عبدالمومن بن خلف الدمیاطی المؤید الطوسی نے باجازت عامہ حدیث بیان کی۔ حافظ ابوالحجاج المزی، حافظ ابوعبداللہ الذھبی اور حافظ ابومحمد البرزالی نے الرکن الطاؤسی کے سامنے ابوجعفر الصیدلانی وغیرہ سے اجازت عامہ کا سماع کیا۔ حافظ ابوسعید العلائی نے ابوالعباس بن نعمہ کے سامنے داؤد بن معمر بن الفاخر کی اجازت عامہ کی قراءت کی اور میں نے کئی اجزاء عبدالرحمٰن العوفی کے سامنے عبداللطیف بن القبیطی، ابواسحاق الکاشغری، ابن رواج، السبط اور دوسرے بغدادیوں اور مصریوں کی اجازت عامہ کے ذریعہ حدیث کی قراءت کی۔ اس بارے میں میرے جی میں کچھ کھٹکا ہے، لہٰذا میں نے اس کی روایت سے توقف کیا۔ اور اصحاب حدیث کا قول ہے: جب لکھو تو خوب جمع کرو اور جب بیان کرو تو خوب تحقیق کرو۔

عدم جواز

حافظ ابن الصلاح کا اپنا رجحان عدم جواز کی جانب لگتا ہے۔ وہ جواز کے قائلین کی فہرست دینے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت :ولم نرولم نسمع عن أحد ممن يقتدى به أنه استعمل هذه الإجازة فروى بها ولا عن الشرذمة المتأخرة الذين سوغوها والإجازة في أصلها ضعف و تزداد بهذا التوسع والاسترسال ضعفاً كثيراً لاينبغي احتماله. (۱)

کسی قابل اقتداء انسان کو ہم نے نہ دیکھا اور نہ سنا کہ اس نے اس طریق اجازت کو استعمال کیا اور روایت کیا اور نہ متاخرین کی اس چھوٹی جماعت کے سوا جس نے اسے جائز و مباح قرار دیا۔ اور اجازت میں اصلاً ضعف ہے اور اس میں توسع اور کھلی اجازت اس ضعف کو بڑھا دیتی ہے جس کا احتمال مناسب نہیں۔

علامہ سیوطیؒ بھی مطلق اجازت کے حوالے سے عدم جواز کے قائل نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جواز کے قائل لوگوں کی دلیل اتنی درست نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

۱- ابن الصلاح، ۱۵۵؛ المقنع، ۱/۳۱۷

الا یہ کہ اس طریق پر روایت مجموعی طور پر معضل حدیث کے بیان کرنے سے بہتر ہے۔ بلقینیؒ کہتے ہیں: یہ جو کہا جاتا ہے کہ اجازت عامہ کی اصل وہ ہے جسے ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے: عفان بیان کرتے ہیں کہ حماد نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں علی بن زید نے ابو رافع سے بیان کیا کہ عمر بن الخطاب نے کہا: عرب غلاموں میں سے جو شخص میری وفات پر موجود ہو وہ آزاد ہے: اس میں کوئی دلیل نہیں کہ آزادی کا نفاذ ضبط حدیث کے بیان کرنے اور عمل کا محتاج نہیں بخلاف اجازت کہ اس میں تحدیث، ضبط اور عمل کی ضرورت ہے، لہٰذا اسے دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر وہ حضور ﷺ سے مروی صحیح حدیث: بلغوا عنی ولو آیة کو دلیل بناتے تو یہ قوی طریقہ ہوتا۔(۱)

علامہ سیوطیؒ اسے نقل کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

قال شیخ الإسلام فی معجمه: کان محمد بن احمد بن عرام الاسکندری یقول: اذا سمعت الحدیث من شیخ و أجاز فیه شیخ آخر سمعه من شیخ رواه الأول عنه بالإجازة، فشیخ السماع یروی عن شیخ بالإجازة و شیخ الإجازة یرویه عن ذلك الشیخ بعینه بالسماع کان ذلك فی حکم السماع. (۲)

شیخ الاسلام اپنی معجم میں کہتے ہیں کہ محمد بن احمد بن عرام الاسکندری کہتے تھے: جب تم نے حدیث ایک شیخ سے سنی اور اس میں ایک اور شیخ نے اجازت دی جس نے اس شیخ سے اسے سنا جس سے پہلے شیخ نے بطریق اجازت روایت کیا۔ سو شیخ السماع اس شیخ سے بطریق اجازت روایت کرتا ہے اور شیخ الاجازۃ بعینہ اس شیخ سے بطریق سماع روایت کرتا ہے۔ یہ سب کچھ سماع کے حکم میں متصور ہوگا۔

علامہ سیوطی، حافظ ابن حجر کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و شیخ الإسلام یصنع ذلك کثیراً فی أمالیه و تخاریجه قلت: فظهر لی من هذا أن یقال: إذا رویت عن شیخ بالإجازة الخاصة عن شیخ بالإجازة العامة و عن آخر بالإجازة العامة عن ذلك الشیخ بعینه بالإجازة الخاصة، کان ذلك فی حکم الإجازة الخاصة عن الإجازة الخاصة، مثال ذلك: ان أروی عن شیخنا ابی عبدالله محمد بن محمد التکزی، وقد سمعت علیه و أجازنی خاصة، عن الشیخ جمال الدین

۱۔ تدریب، ۲۵۹

۲۔ ایضاً، ۲۵۹

الأسنوی فانه أدرك حياته، و لم يجزه خاصة، وأروی عن الشيخ أبی الفتح المراغی بالإجازة العامة عن الاسنوی بالخاصة۔ (۱)

اور شیخ اس طریقہ کو اپنی امالی اور تخریجات میں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مجھ پر واضح ہوا کہ اس طرح کہا جا سکتا ہے: جب تم نے ایک شیخ سے بطریق اجازت خاصہ ایک اور شیخ سے بطریق اجازت عامہ روایت کی اور دوسرے شیخ سے بطریق اجازت عامہ بعینہ اسی شیخ سے بطریق اجازہ خاصہ روایت کی تو یہ اجازۃ خاصہ کے ذریعہ اجازۃ خاصہ کے حکم میں ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے: جیسے میں اپنے شیخ ابو عبداللہ محمد بن محمد التنکزی سے روایت کروں درآں حالیکہ میں نے ان سے سماع کیا اور انہوں نے مجھے شیخ جمال الدین اسنوی سے خاص اجازت دی کیونکہ انھوں نے انھیں بقید حیات پایا لیکن انھیں خاص اجازت نہیں دی اور میں شیخ ابوالفتح المراغی سے بطریق اجازت عامہ روایت کرتا ہوں جنہوں نے اسنوی سے اجازت خاصہ حاصل کی۔

حافظ عراقیؒ نے اس میلان کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

وفی النفس عن ذلك شیء و أنا اتوقف عن الرواية بها۔ (۲)

اور میرے جی میں اس کے متعلق کھٹکا ہے اور میں اس طریق روایت سے توقف کرتا ہوں۔

حافظ سخاویؒ ابن الصلاحؒ کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد أنصف ابن الصلاح فی قصره النفی علی رؤيته و سماعه. لانه قد استعملها جماعات لمن تقدمه من الائمة المقتدی بهم، كالحافظ ابو الفتح نصر بن ابراهيم المقدسی الفقيه و كا لحافظ ابی محمد الكتانی و كا لحافظ السلفی، و من المتأخرين جماعة. (۳)

ابن الصلاح نے نفی کو رویت وسماع پر منحصر کر کے انصاف کیا ہے اس لیے ان سے پہلے ائمہ مقتدی بہ کی کئی جماعتوں نے اسے استعمال کیا ہے جیسے حافظ وفقیہ ابوالفتح ابراہیم المقدسی، حافظ ابو محمد الکتانی اور حافظ السلفی اور متاخرین کی ایک جماعت۔

۱- تدریب، ۲۶۰

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۶

۳- فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۲۴۵-۲۴۶

اسی طرح امام نوویؒ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: الظاهر من كلام مصححها جواز الرواية بها، و هذا يقتضى صحتها، واى فائدة لها غير الرواية بها. (۱)

میں کہتا ہوں کہ صحیح قرار دینے والے کے کلام میں طریق روایت کا جواز ظاہر ہوتا ہے، اس کی صحت اس کی مقتضی ہے ورنہ روایت کے بغیر اس کا کیا فائدہ۔

حافظ ابن حجرؒ عامہ مطلقہ کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں:

الا أن الرواية بها فى الجملة أولىٰ من إيراد الحديث معضلا، قال البلقينى: وما قيل من ان أصل الإجازة العامة ما ذكره ابن سعد فى الطبقات ، ثنا عفان ثنا حماد ثنا على بن زيد عن أبى رافع أن عمر بن الخطاب قال: من ادرك وفاتى من سبى العرب فهو حر، ليس فيه دلالة، لأن العتق النافذ لايحتاج الى ضبط و تحديث و عمل ، بخلاف الاجازه ففيها تحديث و عمل و ضبط فلا يصح ان يكون دليلا. (۲)

۴۔ اجازۃ للمجھول او بالمجھول

اس اجازت کی نوعیت یہ ہے کہ شیخ جس شخص کو اجازت دیتا ہے وہ غیر معین اور نامعلوم ہے تو یہ اجازت للمجھول ہوگی اسی طرح شیخ اگر کسی غیر متعین کتاب کی اجازت دیتا ہے جس کی حیثیت نامعلوم کی ہے تو یہ اجازت بالمجھول ہوگی حافظ ابن الصلاح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

النوع الرابع من أنواع الإجازة، الإجازة للمجهول أو بالمجهول . ويتشبث بذيلها الإجازة المعلقة بالشرط: و ذلك مثل أن يقول: "أجزت لمحمد بن خالد الدمشقى" و فى وقته ذلك جماعة مشتركون فى هذا الاسم و النسب، ثم لا يعين المجازله منهم، أويقول: "أجزت لفلان أن يروى عنى كتاب السنن" و هو يروى جماعة من كتب السنن المعروفة بذلك ثم لا يعين. فهذه إجازة فاسدة لا فائدة لها. (۳)

۱- تقريب مع تدريب ، ۲۵۹

۲- ایضاً، ۲۵۹

۳- ابن الصلاح، ۱۵۶؛ امام نووی نے "فهى باطلة" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تقريب مع تدريب ، ۲۶۰؛ المقنع ، ۳۱۸/۱؛ ابن الملقن نے بھی اسے فاسد کہا ہے۔

اجازت کی انواع میں چوتھی نوع اجازہ برائے نامعلوم یا نامعلوم کی اجازت ہے اور اس میں وہ اجازت بھی شامل ہے جو کسی شرط سے متعلق ہو۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے محمد بن خالد دمشقی کو اجازت دی ہے اور اس وقت اس نام ونسب میں ایک جماعت اشتراک رکھتی ہو اور پھر جسے اجازت دی گئی ہے اسے متعین بھی نہ کیا گیا ہو۔ یا اس طرح کہے کہ میں نے فلاں شخص کو کتاب السنن کی اجازت دی ہے اور وہ بہت سی معروف کتب السنن کی روایت کرتا ہو اور پھر کسی ایک کا تعین بھی نہ کرے تو ایسی اجازت فاسد ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

حافظ عراقیؒ اس نوع کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الإجازة للمجهول أو بالمجهول. (فالأول) كقوله أجزت لجماعة من الناس مسموعاتي (و الثاني) كقوله اجزت لك بعض مسموعاتي، وقد جمعت مثال الجهل فيهما في مثال واحد، وهو (أجزت أزفلة بعض مسموعاتي) والأزفلة بفتح الهمزة و اسكان الزاي.و فتح الفاء الجماعة من الناس. (۱)

چوتھی قسم اجازت برائے نامعلوم یا نامعلوم کی اجازت ہے۔ پہلی کی مثال جیسے کسی کا قول کہ میں نے لوگوں کی ایک جماعت کو اپنی مسموعات کی اجازت دی اور دوسری کی مثال کسی کا یہ قول کہ میں نے تجھے بعض مسموعات کی اجازت دی اور میں نے ان دونوں مجہول اجازتوں کی ایک مثال میں جمع کیا ہے۔ کہ میں نے اپنی بعض مسموعات کی اجازت ازفلہ یعنی انسانوں کی جماعت کو دی ہے اور ازفلہ ہمزہ کے فتح زا کے سکون اور فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس سے مراد انسانوں کی جماعت ہے۔

اگر شیخ کسی ایسی جماعت کو اجازت دے جن کے نام ونسب معین اور اجازت دینے والا ان کے تعینات سے واقف نہیں تو یہ درست ہے اور اسے اس قسم کے تحت نہیں لایا جا سکتا۔ یہ اسی طرح غیر قادح ہے جیسے کسی شیخ کی محفل میں کوئی شخص سماع کے لیے حاضر ہو اور وہ اسے نہ پہچانتا ہو (۲) اگر شیخ نے طلب اجازت میں نام زد اور منتسب لوگوں کو اجازت دی درآں حالیکہ وہ ان کے اعیان وانساب سے ناواقف ہے، ان کی تعداد بھی نہیں جانتا اور فرداً فرداً ان

۱۔ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۶

۲۔ ابن الصلاح، ۱۵۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۷

کے نام بھی واضح نہیں ہیں تو ایسی صورت میں بھی جائز ہوگی یہ اسی طرح ہے جیسے ان اشخاص کا سماع درست ہے جو اس کی مجلس سماع میں حاضر ہوں اگرچہ وہ ان کو اصلاً نہ پہچانتا ہو، ان کی تعداد جانتا ہو اور نہ فرداً فرداً ان کی شخصیتیں واضح ہوں۔(۱)

الاجازۃ المعلقہ بالمشیۃ

اگر کوئی شیخ یہ کہے اجزت لمن یشاء فلان (۲) یا اسی طرح کے الفاظ کہے تو اس میں جہالت بھی ہے اور تعلیق بالشرط بھی۔ ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں ہے (۳)۔ جب خطیب نے قاضی ابوالطیب الطبری الشافعی سے اس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے یہی جواب دیا اور اس کی تعلیل یہ کی کہ یہ اجازت للمجہول ہے یعنی کسی کے اس قول کے مطابق ہے: اجزت لبعض الناس من غیر تعیین میں نے بعض لوگوں کو بغیر تعیین کے اجازت دی سو جو چیز جہالت سے فاسد ہوتی ہے وہ تعلیق سے بھی فاسد ہوتی ہے اور یہ بات محدثین کے ہاں معروف ہے (۴) اور خطیب نے ابویعلیٰ بن الفراء الحنبلی اور ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن عمروس المالکی سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے اس کی اجازت دی ہے (۵) اور یہ تینوں بغداد میں اپنے اپنے مذاہب کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور یہ غیر معروفیت دوسری حالت میں مشیت کی موجودگی میں بڑھ جاتی ہے بخلاف جہالت واقعی کے جب وہ بعض لوگوں کو اجازت دے۔ اور جب اس نے کہا: اجزت لمن شاء تو گویا اس نے یہ کہا: اجزت لمن شاء فلان۔ بلکہ اس میں جہالت وانتشار زیادہ ہے کیونکہ یہ مشیت سے متعلق ہے اور پہلی کی بہ نسبت ان کی تعداد بے شمار ہو جاتی ہے۔ پھر اس میں ہے کہ اس نے جسے چاہا اجازت دی۔(۶)

حافظ عراقیؒ لکھتے ہیں:

قلت: و قد وجدت عن جماعة من ائمة الحديث المتقدمين والمتأخرين استعمال هذا، فمن المتقدمين الحافظ أبوبكر أحمد بن

۱- ابن الصلاح، ۱۵۶

۲- فتح المغیث للعراقی ۲/۲۰۷؛ تدریب، ۲۶۵؛ ابن الصلاح اسے چوتھی قسم میں درج کرتے ہیں (ابن الصلاح، ۱۵۶) جب کہ عراقی اور قطب القسطلانی نے اسے مستقل نوع قرار دے کر پانچویں قسم قرار دیا ہے۔ فتح المغیث العراقی، ۲/۲۰۷؛ توضیح الافکار، ۲/۳۱۳

۳- فتح المغیث للعراقی ۲/۲۰۷؛ امام نووی کے الفاظ ہیں: فالا ظهر بطلانه (تقریب مع تدریب، ۲۶۰)

۴- فتح المغیث للعراقی ۲/۲۰۷؛ تقریب مع تدریب، ۲۰۷

۵- فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۸؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۵۸؛ تدریب، ۲۶۱؛ توضیح الافکار، ۲/۳۱۳

۶- ابن الصلاح، ۱۵۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۲/۲۰۸؛ توضیح، ۲/۳۱۴؛ التقیید، ۱۸۴-۱۸۵

أبي خيثمة زهير بن حرب (۱) صاحب يحيىٰ بن معين و صاحب التأريخ، قال الامام ابو الحسن محمد بن ابي الحسين بن الوزان: ألفيت بخط أبي بكر بن أبي خيثمة، قد أجزت لأبي زكرياء يحيىٰ بن مسلمة أن يروى عني ما احب من كتاب التاريخ الذى سمعه منى، أبو محمد القاسم بن الاصبغ و محمد بن عبدالاعلى كما سمعناه منى واذنت له في ذلك ولمن احب من أصحابه، فان أحب أن تكون الإجازة لأحدٍ بعد هذا فانا أجزت له ذلك بكتابي هذا، و كتب احمد بن ابي خيثمة بيده في شوال من سنة ست و سبعين و مائتين. وكذلك أجاز حفيد يعقوب بن شيبة، و هذه نسخة فيما حكاه الخطيب يقول محمد بن احمد بن يعقوب بن شيبة: قد أجزت لعمر بن احمد الخلال و ابنه عبدالرحمن بن عمر ولختنه علي بن الحسين جميع ما فاته من حديثي مما لم يدرك سماعه من المسند وغيره، وقد أجزت ذلك لمن أحب عمر فليرووه عني ان شاء، وكتبت لهم ذلك بخطي في صفر سنة اثنين و ثلاثين و ثلاثمائة، قال الخطيب بعد حكاية هذا: ورأيت مثل هذه الإجازة لبعض المتقدمين الا أن اسمه ذهب من حفظي انتهى، وكأنه أراد بذلك ابن أبي خيثمه. والله أعلم.(۲)

میں کہتا ہوں کہ میں نے ائمہ متقدمین اور متاخرین ائمہ حدیث کی ایک جماعت کے ہاں اس کا استعمال پایا ہے۔ متقدمین میں سے حافظ ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ زہیر بن حرب یحییٰ بن معین کے شاگرد اور صاحب التاریخ۔ امام ابوالحسن محمد بن ابی الحسن بن الوزان نے کہا کہ میں نے ابوبکر بن ابی خیثمہ کے خط میں لکھا ہوا پایا کہ میں نے ابوزکریا یحییٰ بن مسلمہ کو اجازت دی ہے کہ وہ کتاب التاریخ سے، جو اس نے مجھ سے سنی ہے اور اسی طرح ابومحمد القاسم بن الاصبغ

۱- ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ زہیر بن حرب (م ۲۷۹ھ) التاریخ الکبیر کے مصنف انہیں الحافظ، الحجة کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں خطیب کہتے ہیں کہ وہ ثقہ، عالم، متقن حافظ، تاریخ میں بصیرت رکھنے والے اور ادب روایت کرنے والے تھے۔ سیر اعلام، ۱۱/ ۴۹۲؛ تاریخ بغداد، ۴/۱۶۲؛ تذکرة الحفاظ، ۲/۵۹۶

۲- فتح المغيث للعراقي، ۲/ ۲۰۸؛ المقنع، ۱/ ۳۱۸—۳۱۹؛ فتح المغيث للسخاوي، ۲/۲۵۸

اور محمد بن عبدالاعلی نے بھی مجھ سے جو سنا ہے، جو پسند کرے وہ مجھ سے روایت کرے اور میں نے اسے اور اپنے ساتھیوں میں جسے وہ پسند کرے اس امر کا اذن دیا ہے۔ اگر وہ پسند کرے کہ یہ اجازت اس کے بعد کسی کو حاصل ہو تو میں نے اس کو اس کتاب کی روایت کی اجازت دی۔ احمد بن ابی خیثمہ نے اپنے ہاتھ سے شوال دو سو چھہتر (۲۷۶ھ) میں لکھا۔ اسی طرح یعقوب بن شیبہ کے پوتے نے اجازت دی۔ اور اس کا یہ نسخہ ہے جس کا خطیب نے تذکرہ کیا ہے۔ محمد بن احمد بن یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں: میں نے عمر بن احمد الخلال اس کے بیٹے عبدالرحمٰن بن عمر اور اس کے داماد علی بن الحسین کو مسند وغیرہ میں سے ان ساری حدیث کی اجازت دی جو ان سے رہ گئی اور جس کا وہ سماع نہ کر سکے اور میں نے انہیں بھی اجازت دی جسے عمر پسند کرے اور اگر وہ چاہیں تو مجھ سے روایت کریں۔ اور یہ اجازت میں اپنے خط سے صفر تین سو بتیس ہجری (۳۳۲ھ) میں لکھی۔ اسے بیان کرنے کے بعد خطیب کہتے ہیں کہ میں نے بعض متقدمین کی ایسی اجازت دیکھی لیکن ان کا نام میرے حافظہ میں محفوظ نہیں رہا۔

حافظ عراقی کہتے ہیں: گویا اس سے ان کی مراد ابن ابی خیثمہ تھے۔ واللہ اعلم

حافظ ابن الصلاح طریق اجازت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فإن أجاز لمن شاء الرواية عنه، فهذا أولىٰ بالجواز من حيث إن مقتضى كل إجازة تفويض الرواية بها الى مشيئة المجاز له فكان هذا مع كونه بصيغة التعليق تصريحاً بما يقتضيه الاطلاق و حكايةً للحال لا تعليقاً في الحقيقة. و لهذا أجاز بعض ائمة الشافعيين في البيع ان يقول: بعتك هذا بكذا ان شئت فيقول: قبلت ۔ ووُجد بخط الشيخ أبي الفتح محمد بن الحسين الازدي الموصلي الحافظ: "اجزت رواية ذلك لجميع من احب ان يروي ذلك عني"۔ أما إذا قال: أجزت لفلان كذا و كذا إن شاء روايته عني، أولك ان شئت، اواجبت أو اردت فالأظهر الأقوى أن ذلك جائز؛ اذ قد انتفت فيه الجهالة و حقيقة التعليق و لم يبق سوى صيغته۔ والعلم عند الله تعالىٰ۔ (۱)

اگر اس نے ہر اس شخص کو اجازت دی جس نے خواہش کی تو اس کا جائز ہونا اولیٰ ہے اس

۱۔ ابن الصلاح، ۱۵۷-۱۵۸؛ فتح المغيث للعراقي، ۲ / ۲۰۸؛ التقييد، ۱۸۵

حیثیت سے کہ ہر اجازت کا مقتضا یہ ہے کہ مجازلہ کی خواہش پر روایت کی اجازت تفویض ہو اور یہ صیغۂ تعلیق ہی تصریح کے باوجود اطلاق اور حکایت حال کی مقتضی ہے حقیقی تعلیق کی نہیں اس لیے بعض شوافع ائمہ نے بیع میں اس بات کی اجازت دی ہے کہ کوئی شخص یہ کہے "میں نے تمہیں یہ چیز اتنے میں دی اگر تم چاہو" اور وہ کہے: "میں نے قبول کی"۔

حافظ شیخ ابوالفتح محمد بن الحسین الازدی الموصلی کے خط میں لکھا ہوا موجود پایا گیا: میں نے ان تمام کو جو پسند کریں اس کی روایت کی اجازت دی کہ وہ اسے مجھ سے روایت کریں۔ لیکن جب وہ یہ کہے کہ میں نے فلاں کو اجازت دی کہ وہ چاہے تو وہ مجھ سے اس اس طرح روایت کرے یا تمہارے لئے اجازت ہے اگر تم چاہو یا پسند کرو یا ارادہ کرو تو زیادہ واضح اور قوی بات یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ اس میں جہالت اور تعلیق کی حقیقت ختم ہوگئی اور صیغہ کے سوا کچھ باقی نہیں۔ اور علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

حافظ عراقیؒ اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: الفرق بينهما تعيين المبتاع هذا بخلافه في الإجازة فإنه مبهم، نعم وزانه في الإجازة ان يقول: أجزت لك أن تروى عني إن شئت الرواية عني؟ وأما المثال الذي ذكره فالتعليق و ان لم يضره فالجهالة مبطلة له، وكذالك ما وجد بخط أبي الفتح الأزدي: اجزت رواية ذلك لجميع من احب أن يروى ذلك عني، وأما تعليق الرواية مع التصريح فالمجاز له و تعيينه كقوله: اجزت لك كذا و كذا ان شئت روايته عني، أو أجزت لك إن شئت تروى عني، أو أجزت لفلان إن شاء الرواية عني و نحو ذلك: فالأ ظهر الأ قوى أن ذلك جائز إذ قد انتفت فيه الجهالة وحقيقة التعليق و لم يبق سوى صيغته. (۱)

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں میں فرق خریدی ہوئی چیز کا تعین ہے بخلاف اجازت کہ وہ مبہم ہے۔ ہاں اجازت میں یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے اجازت دی ہے کہ اگر تو مجھ سے روایت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اور جو مثال انہوں نے دی ہے سو تعلیق اگرچہ مضر نہیں لیکن

۱- فتح المغيث للعراقي، ۲ / ۲۰۸-۲۰۹؛ التقييد، ۱۸۶؛ قاری اگر غور کرے گا تو معلوم ہوگا کہ پوری عبارت تقریباً وہی ہے جو ابن الصلاح نے لکھی ہے۔ ابن الصلاح، ۱۵۸

جہالت اسے باطل کرنے والی ہے۔اسی طرح وہ جو ابوالفتح الازدی کی تحریر میں پایا گیا کہ میں نے ان تمام کو جو اسے مجھ سے روایت کرنا پسند کریں اجازت دی۔لیکن روایت کی تعلیق مجازلہ کی تصریح وتعیین کے ساتھ جیسے اس کا قول: میں نے تجھے اس چیز کی اگر تم مجھ سے روایت کرنا چاہو تو اجازت دی یا میں نے تجھے اجازت دی کہ اگر تم چاہو تو مجھ سے روایت کرو، یا میں نے فلاں شخص کو اجازت دی ہے کہ اگر وہ چاہے تو مجھ سے روایت کرے یا اسی طرح کے الفاظ تو زیادہ ظاہر اور قوی یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ اسی طرح جہالت اور تعلیق کی حقیقت ختم ہوگئی اور صیغہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔

۵۔اجازۃ للمعدوم

اجازت للمعدوم کا مطلب یہ ہے کہ شیخ اس شخص کو روایت کی اجازت دے جو موجود نہیں ہے۔حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم

الأول ان یعطف المعدوم علی الموجود کقوله:أجزت لفلان ولولده وعقبه ما تناسلوا او أجزت لك ولمن یولدلك و نحو ذلك. (۱)

پہلی قسم یہ ہے کہ معدوم موجود پر معطوف ہو جیسے کوئی کہے کہ میں نے فلاں شخص کو اجازت دی اور اس کے بیٹے کو اور اس کے بعد آنے والی نسل کو یا جیسے میں نے تجھے اجازت دی اور تیرے ہاں جو اولاد ہوگی اس کو بھی یا اسی طرح کے الفاظ ہوں۔

دوسری قسم

دوسری قسم کے بارے میں حافظ عراقی لکھتے ہیں:

القسم الثانی ان یخصص المعدوم بالإجازة من غیر عطف علی موجود ، کقوله:أجزت لمن یولد لفلان. (۲)

دوسری قسم یہ ہے کہ شیخ موجود پر عطف کئے بغیر معدوم شخص کو اجازت دے جیسے کسی کا قول کہ میں نے اس کو اجازت دی جو فلاں شخص کے ہاں پیدا ہوگا۔

۱- فتح المغیث ، ۲/۲۰۹۔ پر حافظ عراقی نے اسے چھٹی قسم قرار دیا ہے کیونکہ وہ اجازہ المعلقه بالمشیة کو مستقل قسم قرار دے کر پانچویں قسم لکھ چکے ہیں۔فتح المغیث ۲/۲۰۷، ۲۰۹ لیکن وہ التقیید (۲۲۰) میں اس کو پانچویں قسم ہی لکھتے ہیں۔

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۲۰۹

اس کی حیثیت

اجازۃ للمعدوم کی حیثیت کے بارے میں محدثین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے، حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

هذا نوع خاض فيه قوم من المتأخرين و اختلفوا في جوازه. (۱)

یہ قسم جس پر متاخرین میں کچھ لوگوں نے خاص توجہ دی ہے اور اس کے جواز میں اختلاف کیا ہے۔

جواز کی بحث میں دو آراء اختیار کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ دو قسموں میں فرق کر کے ایک کو جائز اور دوسری کے بارے میں تحفظات کا اظہار کیا گیا ہے دوسری یہ کہ بغیر فرق کیے مطلقاً جواز کی بات کی گئی ہے۔ حافظ ابن الصلاح ایک قسم کے جواز کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و مثاله: أن يقول أجزت لمن يولد لفلان فان عطف المعدوم على الموجود بأن قال: "أجزت لفلان و لمن يولد له أو أجزت لك و لولدك و لعقبك ماتناسلوا كان ذلك أقرب الى الجواز من الأول. و لمثل ذلك اجاز أصحاب الشافعي في الوقف القسم الثاني دون الأول. (۲)

اور اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں اس کو اجازت دی جو فلاں شخص کے ہاں پیدا ہوگا۔ اور اگر معدوم کو موجود پر عطف کرے بایں طور کہ کہے: میں نے فلاں شخص کو اجازت دی اور اسے بھی جو اس کے ہاں پیدا ہوگا۔ یا میں نے تجھے اور تیرے بیٹے اور تیرے نسل میں بعد میں آنے والوں کو اجازت دی۔ تو یہ دوسری قسم پہلی کی بہ نسبت جواز کے زیادہ قریب ہے اور ایسی صورت میں اصحاب شافعی نے پہلی کے بجائے دوسری قسم کو جائز قرار دیا ہے۔

حافظ ابن الصلاح دوسری قسم کے جواز پر مزید نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و فعل هذا الثاني في الإجازة من المحدثين المتقدمين أبوبكر بن ابي داؤد السجستاني، فإنا روينا عنه أنه سئل الإجازة فقال: قد أجزت لك ولأولادك و لحبل الحبلة يعني الذين لم يولدوا بعد. (۳)

۱- ابن الصلاح، ۱۵۸

۲- ایضاً، ۱۵۸

۳- ابن الصلاح، ۱۵۹؛ الكفاية، ۳۲۰؛ فتح المغيث للعراقي، ۲ / ۳۰۹؛ فتح المغيث للسخاوي، ۲ / ۲۵۵؛ تدريب، ۲۶۴

اجازت کی دوسری قسم کے جواز پر متقدمین محدثین میں سے ابوبکر بن ابی داؤد السجستانی کی رائے پر ہم سے روایت کیا گیا ہے کہ ان سے طریق اجازت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے تجھے، تیری اولاد اور اولاد کی اولاد کو اجازت دی، یعنی ان کو جو ابھی پیدا نہیں ہوئے۔

مطلق جواز

خطیب نے اجازہ للمعدوم کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یعلی بن الفراء(۱)، ابوالفضل عمروس المالکی (۲) سے سنا ہے کہ وہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔(۳) خطیبؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ اصحاب ابی حنیفہ و مالک دونوں قسموں کو جائز قرار دیتے ہیں۔(۴) قاضی عیاضؒ کہتے ہیں:

أجازه معظم الشيوخ المتأخرين ، و بهذا استمر عملهم بعد، شرقاً وغرباً. (۵)

عدم جواز

محدثین کی ایک جماعت کی رائے کہ اجازہ للمعدوم جائز نہیں ہے۔ ابوبکر خطیب نے قاضی ابوالطیب الطبری کی رائے نقل کی ہے کہ وہ اسے مطلقاً باطل گردانتے تھے۔(۶) حافظ ابن الصلاح نے عدم جواز پر بحث کرتے ہوئے ابونصر بن صباغ کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و حكى جواز ذلك أيضاً أبو نصر بن الصباغ الفقيه فقال: ذهب قوم إلى أنه يجوز ان يجيز لمن لم يخلق قال: "و هذا إنما ذهب إليه من يعتقد أن الإجازة اذن فى الرواية لا محادثة" ثم بين بطلان هذه الإجازة وهو الذى استقر عليه رأى شيخه القاضى ابى الطيب الطبرى

۱۔ ابو یعلی بن الفراء، محمد بن الحسین بن محمد (م ۴۵۸ھ) حنابلہ کے رئیس اور قاضی۔ ائمہ فقہ میں سے تھے حدیث میں کمزور تھے اس لیے اصول و فروع میں ضعیف احادیث سے استناد کیا۔ شذرات، ۳/۳۰۶

۲۔ ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن عمروس البغدادی المالکی (م ۴۵۲ھ) فتوی کے امام تھے۔ اپنے وقت میں مالکی فقہ کی سند تھے۔ شذرات، ۳/۲۹

۳۔ ابن الصلاح، ۱۵۹؛ فتح المغيث للعراقی، ۲/۲۰۹-۲۱۰؛ تدریب، ۲۶۲

۴۔ فتح المغيث للعراقی، ۲/۲۱۰

۵۔ الالماع، ۱۰۴؛ فتح المغيث للعراقی، ۲/۲۱۰

۶۔ الکفایة، ۳۲۵؛ المقنع، ۱/۳۲۱

الامام، و ذلك وهو الصحيح الذی لا ینبغی غیره، لأن الإجازة فی حکم الإخبار جملة بالمجاز علی ما قد مناه فی بیان صحة أصل الإجازة، فکما لا یصح الإخبار للمعدوم لا تصح الإجازة للمعدوم. ولو قدّرنا أن الإجازة اذن فلا یصح ایضاً ذلك للمعدوم کما لا یصح الإذن فی باب الوکالة للمعدوم لو قوعه فی حالة لا یصح فیها المأذون فیه من المأذون له. (۱)

فقیہ ابونصر بن الصباغ نے اس کے جواز کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ جو شخص ابھی پیدا نہیں ہوا اسے اجازت دینا جائز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ رائے صرف ان کی ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اجازت، روایت میں اذن ہے باہمی گفتگو میں نہیں۔ اس کے بعد اس اجازت کے بطلان کو واضح کیا۔ یہی رائے ان کے شیخ قاضی ابوالطیب الطبری کی بھی ٹھہری اور یہی صحیح ہے جس کے سوا کوئی رائے مناسب نہیں۔ اس لیے کہ اجازت، جیسا کہ ہم اصل اجازت کے سلسلے میں پہلے بیان کر چکے ہیں، مجاز کے لیے پوری طرح باخبر کر دینے کے حکم میں ہے سو جس طرح معدوم کو باخبر کرنا صحیح نہیں اسی طرح اسے اجازت دینا بھی صحیح نہیں۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ اجازت اذن ہے تو بھی معدوم کے لیے صحیح نہیں ہوگی جیسے وکالت میں معدوم کے لیے اذن صحیح نہیں اس لیے کہ وہ اس حالت میں ہے کہ وہ ماذون لہ سے ماذون فیہ کے لیے صحیح نہیں۔

چھوٹے بچے کے لیے اجازت

حافظ ابن الصلاح نے اجازت للمعدوم کے تحت چھوٹے بچے کے لیے اجازت کا تذکرہ کیا ہے وہ کہتے ہیں:

ولنذکر معه الإجازة للطفل الصغیر. (۲)

ہم اجازت للمعدوم کے ساتھ چھوٹے بچے کے لیے اجازت کا ذکر بھی کریں گے۔

امام نوویؒ نے ابن الصلاح کے تتبع میں چھوٹے بچے کے لیے اجازت کو اسی قسم میں بیان کیا ہے (۳) جب کہ حافظ عراقی نے اسے الگ قسم قرار دیا ہے (۴) اسی طرح قطب القسطلانی نے بھی الگ نوع کے طور پر ذکر کیا ہے (۵)

۱- ابن الصلاح، ۱۵۹

۲- ایضاً، ۱۵۸

۳- تقریب مع تدریب، ۲۶۳

۴- فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۲۱۰

۵- تدریب، ۲۶۳؛ توضیح الافکار، ۲/ ۳۰۹

کیا چھوٹے بچے کے لیے اجازت جائز ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و هـذا أيـضـاً يوجب بطلان الإجـازة لـلـطـفـل الصغير الذى لا يصح سـمـاعـه. قـال الخطيب سألت القاضى أبا الطيب الطبرى عن الإجازة لـلطفل الصغير هل يعتبر فى صحتها سنه أو تمييزه كما يعتبر ذلك في صـحة سـمـاعه؟ فقال: لا يعتبر ذلك. قال: فقلت له: ان بعض اصحابنا قال: لا تصح الإجازة لـمـن لا يصح سماعه. فقال: "قد يصح ان يجيز للغائب عنه ولا يصح السمَاع له" (۱) واحتج الخطيب لصحتها للطفل بـأن الإجـازة انـما هى اباحة المجيز للمجاز له ان يروى عنه والإباحة تـصـح للعاقل و غير العاقل. (۲) قـال: و عـلـى هذا رأينا كافة شيوخنا يـجيـزو ن لـلاطـفـال الغيب عنهم من غير أن يسألوا عن مبلغ أسنانهم وحال تمييز هم ولم نرهم أجازوا لمن لم يكن مولوداً فى الحال. (۳)

اور یہ ایسے چھوٹے بچے کے لیے اجازت کو باطل کر دینے کا موجب ہے، جس کا سماع درست نہیں ہے۔ خطیب کہتے ہیں: میں نے قاضی ابوالطیب الطبری سے چھوٹے بچے کی اجازت کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا بچے کے اجازت کی درستی میں اس کی عمر اور اس کا شعور معتبر ہوگا جیسا کہ اس کے سماع کی صحت میں معتبر ہوتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ خطیب کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جس کا سماع درست نہیں ہے اس کے لیے اجازت بھی صحیح نہیں انہوں نے کہا کہ کبھی غائب کے لیے اجازت صحیح ہوتی ہے لیکن سماع درست نہیں ہوتا۔ خطیب بچے کے لیے اجازت کی درستی پر دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اجازت دراصل اباحت ہے جو اجازت دینے والا اس شخص کو مہیا کر رہا ہے جسے اجازت دی جارہی ہے کہ وہ اس سے روایت کرے اور اباحت عاقل اور غیر عاقل دونوں کے لیے صحیح ہے۔ خطیب کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے تمام شیوخ کو اس رائے پر پایا ہے کہ وہ ان بچوں کو اجازت دیتے جو ان سے غائب ہیں بغیر اس کے کہ ان کے

۱- الکفایۃ، ۳۲۵

۲- ایضاً، ۳۲۵-۳۲۶

۳- ابن الصلاح، ۱۴۰؛ الکفایۃ، ۳۲۶

دانتوں کی تعداد اور ان کے شعور کی حالت معلوم کریں۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ انہوں نے غیر مولود کو اجازت دی ہو۔

حافظ ابن الصلاحؒ خطیب کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

قلت: كأنهم رأوا الطفل اهلاً لتحمّل هذا النوع من أنواع تحمل الحديث ليؤدى به بعد حصول أهليته، حرصاً على توسيع السبيل الى بقاء الإسناد الذى اختصت به هذه الامة و تقريبه من رسول اللهﷺ.(۱)

میں کہتا ہوں کہ گویا انہوں نے بچے کو تحمل الحدیث کے انواع میں سے اس نوع کے تحمل کا اہل گردانا تاکہ اہلیت کے حصول کے بعد اُسے ادا کرے۔ ایسا انہوں نے اس اسناد کی بقاء کے طریق کی توسیع کی خواہش پر کیا جو اس امت کی خصوصیت ہے اور جس سے رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

حافظ عراقیؒ نے اسے مستقل نوع کا حصہ قرار دیا ہے جس میں وہ کافر کو بھی شامل کرتے ہیں وہ اسے مستقل عنوان دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

النوع السابع من أنواع الإجازة، الإجازة لمن ليس بأهل حين الإجازة للأداء و الأخذ عنه، و ذلك يشمل صوراً، لم يذكر ابن الصلاح منها الا الصبى؛ ولم يفرده بنوع بل ذكره فى آخر الكلام على الإجازة للمعدوم (۲) و زدت عليه فى النظم الاجازة للكافر، فاما الإجازة للصبى فلا يخلو اما أن يكون مميزاً او لا . فان كان مميزاً فالإجازة له صحيحة كسماعه ، وان تقدم نقل خلاف ضعيف فى صحة سماعه فانه لا يعتد به، وإن كان غير مميز فاختلف فيه. (۳)

اجازت کی اقسام میں سے ساتویں قسم اس شخص کے لیے اجازت ہے جو اجازت کے وقت ادا و اخذ کا اہل نہیں۔ یہ کئی صورتوں پر مشتمل ہے۔ ابن الصلاح نے ان میں سے صرف بچے کا ذکر کیا ہے اور اسے منفرد قسم نہیں قرار دیا بلکہ معدوم پر کلام کے آخر میں اسے ذکر کیا ہے۔ میں نے نظم میں اس پہ اضافہ کرتے ہوئے کافر کے لیے اجازت کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک

۱- ابن الصلاح ، ۱۶۰؛ فتح المغيث للعراقى، ۲/ ۲۰۹، ۲۱۰؛ تدريب ، ۲۶۳؛ المنهل الروى ، ۸۶

۲- ايضاً، ۱۵۸

۳- فتح المغيث للعراقى، ۲/ ۲۱۰

بچے کے لیے اجازت کا تعلق ہے تو یہ دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو ممیز ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر ممیز ہوگا تو اس کے لیے اجازت بھی اسی طرح صحیح ہے جس طرح اس کا سماع ہے اگر چہ اس کے سماع کے بارے میں ضعیف اختلاف نقل ہوا ہے لیکن وہ کسی شمار میں نہیں اور اگر وہ غیر ممیز ہے تو پھر اس میں اختلاف ہے۔

کافر کے لیے اجازت کے ضمن میں حافظ عراقی لکھتے ہیں:

وأما الإجازة للكافر فلم أجد فيها نقلاً، وقد تقدم أن سماعه صحيح؛ ولم أجد عن أحد من المتقدمين و المتاخرين الإجازة للكافر إلا أن شخصاً من الأطباء بدمشق ممن رأيته بدمشق و لم أسمع عليه يقال له محمد بن عبد السيد بن الديان سمع الحديث في حال يهوديته على ابي عبدالله محمد بن عبدالمؤمن الصوري و كتب اسمه في طبقة السماع مع السامعين، و أجاز ابن عبدالمؤمن لمن سمع و هو من جملتهم، و كان السماع والإجازة بحضور الحافظ ابي الحجاج المزي و بعض السماع بقراءته ؛ و ذلك في غير ماجزء، منها جزء ابن عترة ، فلو لا أن المزي يرى جواز ذلك ما أقر عليه، ثم هدى الله ابن عبد السيد المذكور للاسلام و حدث و سمع منه أصحابنا. (ا)

جہاں تک کافر کے لیے اجازت کا تعلق ہے تو میں نے اس سلسلے میں کوئی نقلی دلیل نہیں پائی اور پہلے یہ رائے مذکور ہو چکی ہے کہ اس کا سماع صحیح ہے۔ میں نے متقدمین اور متاخرین میں سے کسی ایک کے ہاں بھی کافر کے لیے اجازت کا ذکر نہیں پایا الا یہ کہ دمشق کے اطباء میں سے ایک جسے میں نے وہاں دیکھا اور اس سے سماع نہیں کیا، جسے محمد بن عبدالسید بن عبدالدیان کہتے ہیں، اس نے اپنی یہودیت کے زمانے میں ابوعبداللہ محمد بن عبدالمومن الصوری سے حدیث کا سماع کیا اور اس کا نام دوسرے سامعین کے ساتھ طبقہ سماع میں لکھا گیا۔ ابن عبدالمومن نے تمام سامعین کو اجازت دی اور وہ بھی ان میں شامل تھا۔ یہ سماع اور اجازت حافظ ابوالحجاج المزی کی موجودگی میں واقع ہوئے اور بعض سماع کی قراءت انہوں نے کی۔ یہ سماع مذکورہ جزء کے علاوہ بھی ہے جیسے جزء ابن عترة۔ اگر حافظ المزی نے

ا- فتح المغیث للعراقی، ۲/۱۲۱؛ تدریب، ۲۶۳

اس کے جواز کی رائے نہ دی ہوتی تو میں اسے قبول نہ کرتا۔ پھر ابن السید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی وہ مسلمان ہوا، احادیث بیان کیں اور اس سے ہمارے اصحاب نے سماع کیا۔

حافظ عراقی خطیب کے حوالے سے مجنون کے لیے بھی اجازت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔(۱) بدعتی اور فاسق کے لیے اجازت کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

و من صورها الإجازة للفاسق و المبتدع ، و الظاهر جوازها و أولى من الكافر. (۲)

اور اجازت کی صورتوں میں سے ایک فاسق اور بدعتی کے لیے اجازت ہے۔ اس کا جائز ہونا ظاہر ہے اور یہ کافر سے اولیٰ ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اجازت للمجہول وللمعدوم کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

و كذلك الإجازة للمجهول كأن يكون مبهما و مهملاً و كذلك الإجازة للمعدوم ، كأن يقول اجزت لمن سيولد لفلان و قد قيل ان عطف على موجود صحّ، كأن يقول: أجزت لك و لمن سيولد لك، والاقرب عدم الصحة ايضاً، و كذلك الإجازة لموجود أو لمعدوم علقت بشرط مشية الغير، كأن يقول: اجزت لك ان شاء فلان أو اجزت لمن شاء فلان لا أن يقول اجزت لك ان شئت، وهذا على الأصح في جميع ذلك، و قد جوز الرواية جميع ذلك سوى المجهول. مالم يتبيّن المراد منه. الخطيب ، وحكاه عن جماعة من مشائخه، واستعمل الإجازة للمعدوم من القدماء أبو بكر بن ابى داؤد، وابو عبدالله بن مندة و استعمل المعلقة منهم ايضاً أبوبكر بن أبى خيثمة، وروى بالإجازة العامة جمع كثير جمعهم بعض الحفاظ في كتاب ورتبهم على حروف المعجم لكثرتهم وكل ذلك. كما قال ابن الصلاح . توسع غير مرضى، لأن الاجازة الخاصة المعينة مختلف في صحتها اختلافاً قوياً عند القدماء، وان كان العمل استقر

۱- فتح المغيث للعراقى، ۲ /۲۱۱؛ فتح المغيث للسخاوى، ۲ / ۲۲۲

۲- ايضاً، ۲ / ۲۱۱؛ تدريب، ۳۱۳

علی اعتبارها عند المتأخرین. فهی دون السماع بالاتفاق فکیف اذا حصل فیها الاسترسال المذکور؟ فانها تزداد ضعفاً، لکنها فی الجملة خیر من ایراد الحدیث معضلاً۔ (۱)

اسی طرح مجہول کے لیے اجازت کا مسئلہ گویا وہ مبہم اور مہمل ہے۔ اسی طرح معدوم کے لیے اجازت ہے جیسے اس نے کہا کہ فلاں شخص کا جو لڑکا پیدا ہوگا اس کو میں نے اجازت دی۔ یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اگر اس نے کسی موجود شخص پر معطوف کیا تو صحیح ہوگا جیسے وہ کہے کہ میں نے تجھے اجازت دی اور اسے بھی جو تیرے ہاں پیدا ہوگا۔ اور اقرب یہ ہے کہ یہ اجازت بھی صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے موجود یا معدوم کو اجازت دی اور اسے کسی اور کی مشیت سے معلق کر دیا مثلاً کہا کہ اگر فلاں شخص نے چاہا تو میں نے تجھے اجازت دی یا فلاں شخص نے جس کو چاہا اس کو میں نے اجازت دی تو اصح قول کے مطابق یہ بھی عدم جواز میں شامل ہے۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ اگر تم چاہتے ہو تو تم کو میں نے اجازت دی تو یہ جائز ہے۔ مجہول کے سوا تمام مذکورہ صورتوں میں خطیب روایت کرنا جائز بتاتے ہیں۔ اسی کے متعلق انہوں نے اپنے چند مشائخ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ متقدمین میں سے ابو بکر بن ابی داؤد اور عبداللہ بن مندہ نے معدوم کو اجازت دی ہے اور ابو بکر بن خیثمہ وغیرہ بعض متقدمین نے معلق کی بھی اجازت دی ہے اور اجازت عام کی بنیاد پر بھی ایک جم غفیر نے روایت کی ہے۔ چنانچہ بعض حفاظ نے بہ ترتیب حروف معجم ان کا نام ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا ہے، مگر بقول ابن الصلاح اجازت میں اس قدر توسیع غیر مناسب ہے کیونکہ بلا قراءت مخصوص معین اجازت میں متاخرین کے عمل کے باوجود متقدمین کے ہاں اس کی صحت میں قوی اختلاف ہے۔ اس لیے بالاتفاق اس کا مرتبہ سماع سے کم ہے اور جب اس میں توسیع ہوگی تو اس کا ضعف بڑھ جائے گا۔ تاہم ایک حدیث معضل یا معلق روایت کرنے سے اس قسم کی اجازت سے روایت کرنا بہتر ہے۔

معدوم کے ضمن میں بحث کرتے ہوئے حافظ عراقی نے خطیب کے حوالے سے غیر مولود کے اجازت کا تذکرہ کیا ہے۔ حافظ ابو سعید العلائی (۲) کے نزدیک والدین کی معیت میں اجازت جائز ہے۔ بعض اصحاب حدیث

۱- نزهة النظر، ۶۸

۲- حافظ صلاح الدین ابو سعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ العلائی الشافعی بیت المقدس کے عالم۔ حافظ ذہبی المختص میں ان کے بارے میں کہتے ہیں: حافظ، یستحضر الرجال و العلل مع صحة الذهن و سرعة الفهم. اسنوی کے مطابق: کان حافظ زمانه. ۷۶۱ھ میں فوت ہوئے۔ لحظ الألحاظ، ۴۳؛ ذیل طبقات الحفاظ، ۳۶۰

اس قسم کی اجازت سے احتراز کرتے ہیں جیسے محدث ابوالثناء محمود بن خلف المنبجی وغیرہ اور جن لوگوں نے غیر مولود کے لیے اجازت کو شامل کیا ہے وہ اصحاب علم واتقان نہیں۔(۱)

غیر مسموع کی اجازت

اجازت دینے والا مجاز کو ایسی چیز کی روایت کرنے کی اجازت دے جس کا اس نے سماع وتحمل نہیں کیا اور جسے مجیز کو بعد میں تحمل حاصل ہو۔ حافظ ابن الصلاح نے اس کے بعد قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ قاضی عیاض کے اس قول کو ابن الصلاح کے علاوہ حافظ عراقیؒ، علامہ نوویؒ اور حافظ سیوطیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں:

فهذا لم أرمن تكلم فيه من المشائخ ، ورأيت بعض المتأخرين والعصريين يصنعونه الا أني قرأت في فهرست أبي مروان عبدالملك بن زيادة الله الطبني قال: كنت عند القاضي بقرطبة أبو الوليد يونس بن مغيث(۲) فجاءه انسان فسأله الإجازة له لجميع ماروا ه الى تاريخها وما يرويه بعد، فلم يجبه إلى ذلك ، فغضب السائل، فنظر الى يونس؛ فقلت له يا هذا يعطيك ما لم ياخذ هذا محال، فقال يونس: هذا جوابي و هذا هو الصحيح، فان هذا يجيز بمالا خبر عنده منه، أوياذن له بالتحديث بما لم يحدث به بعد، و يبيح مالا يعلم. هل يصح له الإذن فيه فمنعه الصواب. (۳)

میرے خیال میں مشائخ میں سے کسی نے اس پر گفتگو نہیں کی ہے۔ میں نے بعض متاخرین اور ہم عصر علماء کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ الا یہ کہ میں ابو مروان عبدالملک بن زیادۃ الطبنی کی فہرست میں پڑھا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں قرطبہ کے قاضی ابوالولید یونس بن مغیث کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کے ہاں ایک شخص آیا اور اس سے اب تک کی تمام مرویات اور جنہیں وہ بعد میں روایت کرے گا، کی اجازت طلب کی۔ قاضی ابوالولید نے اس کو کوئی جواب نہ دیا، سائل

۱- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۱

۲- ابوالولید یونس بن مغیث بن محمد بن عبداللہ المعروف بابن الصفار۔ حدیث، فقہ، ادب اور لغت میں ید طولیٰ رکھتے تھے شاعر و خطیب تھے۔ ۴۲۹ھ میں وفات پائی۔ العبر، ۳ / ۱۶۹؛ الصلۃ، ۶۲۲؛ تاریخ قضاۃ اندلس، ۹۵

۳- الالماع، ۱۰۲؛ ابن الصلاح، ۱۶۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۲؛ تدریب، ۲۶۳

ناراض ہوا اور یونس کی طرف دیکھنے لگا تو میں نے اسے کہا کہ اے شخص یہ تمہیں وہ کچھ عطا کرے جو اس کے پاس نہیں؟ یہ محال ہے، اس پر یونس نے کہا کہ یہی میرا جواب ہے قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے کیونکہ اسی صورت میں وہ اس چیز کی اجازت جس کی اسے خبر نہیں اور اسے بیان کرنے کی اجازت دیتا جسے اس نے ابھی تک بیان نہیں کیا اور وہ عطا کرتا ہے جس کا اسے علم نہیں۔ کیا اس کے لیے یہ اجازت صحیح ہے؟ اس کا انکار کرنا ہی صحیح ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں: و هذا هو الصواب (۱) یعنی یہی درست ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ قاضی عیاضؒ کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت: ينبغي أن يبنى هذا على أن الإجازة في حكم الإخبار بالمجاز جملة أوهي إذن، فان جعلت في حكم الإخبار لم تصح هذه الإجازة، إذ كيف يخبر بما لا خبر عنده منه، وإن جعلت اذنا انبنى هذا على الخلاف في تصحيح الإذن في باب الوكالة فيما لم يملكه الآذن الموكل بعد، مثل ان يوكل في بيع العبد الذي يريد أن يشتريه، و قد اجاز ذلك بعض أصحاب الشافعي، و الصحيح بطلان هذه الإجازة. (۲)

اس پر بنیاد رکھتے ہوئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اجازت یا تو مجاز کے لیے مکمل خبر دینے کے حکم میں ہوگی اور یا اذن ہوگا۔ اگر خبر دینے کے حکم میں ہو تو یہ اجازت صحیح نہ ہوگی کیونکہ جس چیز کی خبر ہی اس کے پاس نہیں وہ اس کی اجازت کیسے دے گا اور اگر اسے اذن قرار دیں تو اسے وکالہ کے سلسلے میں اذن کی صحت پر بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ جب اذن دینے والا موکل کسی چیز کا مالک نہ ہو، جیسے کوئی شخص غلام خریدنے کے سلسلے میں کسی کو نمائندہ بنائے۔ بعض شوافع نے اسے جائز قرار دیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ایسی اجازت باطل ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ اسی پر اس شخص کی بات کا تعین بھی ہوگا، جو مثلاً ایک شیخ سے روایت کرتا ہے جس نے اسے اپنی مسموعات کی اجازت دی ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ روایت کنندہ اس اجازت کی تاریخ سے پہلے کے سماع کی روایت کرنا چاہتا ہے۔ (۳) ہاں اگر وہ یہ کہے: "اجزت لك ما صح و يصح عندك من مسموعاتي" تو یہ اس قسم سے نہیں ہوگا اور دار قطنی وغیرہ نے ایسا کیا ہے۔ اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس

۱- تقریب مع تدریب، ۲۶۳

۲- ابن الصلاح، ۱۶۱

۳- ایضاً ۱۶۱

چیز کی روایت کرے جو اس نے اجازت سے پہلے سنا لیکن اجازت کے بعد صحیح ثابت ہوا۔(۱) حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں:

و یجوز ذلك على قوله: "ما صح عندك" ولم يقل: "ما يصح" لأن المراد "أجزت لك ان تروى عني ما صح عندك". فالمعتبر إذاً فيه صحة ذلك عنده حالة الرواية.(۲)

اگر وہ یہ کہے "ماصح عندك" اور یہ نہ کہے: "مایصح" تو یہ اجازت درست ہوگی کیونکہ مراد یہ ہوگی کہ میں نے اس چیز کی مجھ سے ادا کرنے کی اجازت دی ہے جو تمہارے نزدیک صحیح ہے۔اس صورت میں روایت کے وقت اس کی صحت کا اعتبار ہوگا۔

اجازۃ المجاز

اجازت کی ساتویں قسم مجازات کی اجازت ہے مثلاً وہ یہ کہے: "اجزت لك مجازاتی" میں نے اپنی مجازات کی تمہیں اجازت دی ہے یا یہ کہے "اجزت لك رواية ما اجيزلی روايته" میں نے تمہیں اس کی روایت کی اجازت دی جسے روایت کرنے کی مجھے اجازت دی گئی ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

فمنع من ذلك بعض من لا يعتد به من المتأخرين. و الصحيح والذى عليه العمل، أن ذلك جائز ولا يشبه ذلك ما امتنع من توكيل الوكيل بغير إذن المؤكل. (۳)

متاخرین میں سے ناقابل ذکر لوگوں نے اس سے روکا ہے اور صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور اسی پر عمل ہے۔اور یہ اس ممانعت سے مشابہ نہیں ہے جو موکل کی اجازت کے بغیر وکیل کو سپرد کرنے کے متعلق ہے۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الجوزی کے شیوخ میں حافظ ابو البرکات عبدالوہاب بن المبارک بن الانماطی (۴) نے اس قسم کی اجازت سے روکا ہے اور اس موضوع پر ایک جزء تصنیف کیا ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ اجازت ضعیف ہے۔اور دو اجازتوں کے اجتماع سے ضعف میں اضافہ ہوتا ہے۔(۵) حافظ ابو علی البردانی نے

۱- ابن الصلاح، ۱۶۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۲- ۲۱۳

۲- ایضاً، ۱۶۲

۳- ایضاً، ۱۶۲

۴- ابوالبرکات عبدالوہاب بن المبارک بن احمد الانماطی (۴۶۲-۵۳۸ھ) ابن الجوزی کہتے ہیں کہ سلف کے مذہب پر تھے اور مجلس میں غیبت سننا بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔الذيل على طبقات الحنابلة، ۱ / ۲۴۰؛ صيد الخاطر، لابن الجوزی، ۱۱۳

۵- ابن الصلاح، ۱۶۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۳؛ تدریب، ۲۶۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۷۳

بعض مدعیان حدیث کی رائے نقل کی ہے لیکن ان کا نام نہیں دیا۔(۱)

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ مجھے حافظ المغربی ابوعمر السفاقسی (۲) سے روایت پہنچی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے حافظ ابونعیم الاصبہانی کو کہتے سنا: الإجازة علی الإجازة قویة جائزة (۳) اجازت پر اجازت قوی اور جائز ہے۔ حافظ خطیب نے امام ابوالحسن دارقطنی اور حافظ ابوالعباس المعروف بابن عقدہ الکوفی۔(۴) وغیرہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔(۵) اور فقیہ وزاہد نصر بن ابراہیم المقدسی (۶) اجازت سے اجازت پر روایت کرتے تھے بلکہ بعض اوقات تین اجازات جمع کرتے تھے(۷) حافظ عراقی کے بقول امام حاکم نے اپنی تاریخ میں اس پر عمل کیا ہے۔(۸) حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر (۹) نے ذکر کیا ہے کہ ابوالفتح بن ابی الفوارس (۱۰) نے امام احمد کی العلل کو ابوعلی الصواف کی اجازت سے اور انہوں نے عبداللہ بن احمد کی اجازت سے اور انہوں نے اپنے والد کی اجازت سے روایت کیا ہے۔(۱۱) حافظ عراقی کہتے ہیں:

قلت: و قد رأیت فی کلام غیر واحد من الائمة و أهل الحدیث الزیادة علی ثلاث أجائز فرووا باربع أجائز متوالیة و خمس، وقدروی الحافظ

۱- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۷۳

۲- ابوعمر السفاقسی محمد بن الحسن بن محمد السلام المغربی (م ۶۵۴ھ) اپنے وقت کے چوٹی کے علماء سے استفادہ کیا اور خلق کثیر کو فائدہ پہنچایا۔ سیر، ۲۳/ ۲۹۵؛ شذرات، ۵ / ۲۶۲

۳- ابن الصلاح، ۱۶۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۲۷۴- ۲۷۵

۴- احمد بن محمد بن سعید ابن عقدہ الکوفی مولیٰ بن ہاشم ابوالعباس زیدی جارودی (م ۳۳۲ھ)۔ کیا کرتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ احادیث مع اسانید یاد ہیں اور تین لاکھ احادیث کا مذاکرہ کرتا ہوں۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳ /۸۳۹؛ اعیان الشیعة، ۹/ ۲۲۸؛ تاریخ بغداد، ۵ / ۱۴

۵- ابن الصلاح، ۱۶۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۲۷۵؛ تدریب، ۳۶۵

۶- نصر بن ابراہیم بن نصر بن ابراہیم ابن داود النابلسی المقدسی ابوالفتح (م ۴۹۰ھ)۔ اپنے زمانے کے شیخ الشافعیہ تھے۔ اپنی زمین کے غلہ پر ہی سے گزارا کرتے تھے۔ ۹ برس دمشق میں رہے اور وہیں امام غزالی سے ملاقات ہوئی۔ حدیث وفقہ میں تصانیف چھوڑی ہیں۔ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۸۳؛ سیر أعلام، ۱۹/ ۱۳۶ ببعد

۷- ابن الصلاح، ۱۶۳؛ فتح الباقی، ۳۴۰

۸- فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۳

۹- ابوالفضل محمد بن ناصر السلامی البغدادی (م ۵۵۰ھ) بچپن میں والد کا انتقال ہو گیا۔ دادا نے قرآن پڑھایا اور تربیت کی۔ ماہر لغت تھے۔ حدیث کی سند اور متن دونوں کے ماہر و عارف تھے۔ متدین اور ثقہ راوی تھے۔ سیر أعلام النبلاء، ۲۰/ ۲۶۵؛ تذکرۃ الحفاظ، ۴ / ۱۲۸۹

۱۰- ابوالفتح بن ابی الفوارس محمد بن احمد البغدادی (م ۴۱۲ھ) قوت حافظہ میں ممتاز تھے۔ ابھی دس برس کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ حدیث کا سماع کا آغاز کر دیا۔ صاحب علم وفضل تھے۔ تذکرۃ، ۳ / ۱۰۵۳؛ سیر، ۱۷/ ۲۲۳

۱۱- فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۲۱۳

أبو محمد عبدالكريم الحلبي (۱) في تاريخ مصر عن عبدالغني بن سعيد الأزدي (۲) بخمس أجائز متوالية في عدة مواضع. (۳)

میں کہتا ہوں کہ میں نے کئی ائمہ اور اصحاب حدیث کے کلام میں تین اجازتوں سے زیادہ بھی دیکھی ہیں۔ سوانہوں نے چار متواتر بلکہ پانچ اجازتوں سے روایت کی ہے۔ حافظ ابو محمد اسی طرح عبدالکریم الحلبی نے تاریخ مصر میں عبدالغنی بن سعید الازدی سے پانچ متواتر اجازتیں کئی مواقع پر استعمال کی ہیں۔

حافظ سخاویؒ کہتے ہیں کہ حافظ زکی الدین المنذری نے المحدث الفاصل کی روایت پانچ مسلسل اجازتوں اور مصنف سے کی ہے۔ ابن الجوزی، ابو منصور بن خیرون، الجوہری، دارقطنی جنہیں درجہ علو میسر تھا کہ وہ سماع متصل کے ذریعہ اصحاب السلفی، ان سے مبارک بن عبدالجبار وہ الفالی سے، وہ النہاوندی اور وہ مصنف سے روایت کر سکتے تھے۔ (۴)

حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں:

و ينبغي لمن يروى بالإجازة عن الإجازة أن يتأمل كيفية إجازة شيخ شيخه و مقتضاها حتى لا يروى بها ما لم يندرج تحتها ، فاذا كان مثلاً صورة اجازة شيخ شيخه "اجزت له ماصح عنده من سماعاتي" فرأى شيئاً من مسموعات شيخ شيخه فليس له أن يروى ذلك عن شيخه عنه حتى يستبين أنه مما كان قد صح عند شيخه كونه من سماعات شيخه الذي تلك اجازته، و لايكتفي بمجرد صحة ذلك عنده الآن عملا بلفظه و تقييده ، و من لا يتفطن لهذا و أمثاله يكثر عثاره. (۵)

۱- الحافظ الکبیر الامام قطب الدین عبدالکریم بن عبدالنور بن منیر الحلبی (م ۷۳۵ھ)، الذہبی کہتے ہیں کہ انہوں نے کم سنی میں ہم سے حدیث بیان کی۔ تاریخ مصر پر بڑی کتاب لکھی عبدالغنی کی سیرۃ النبویۃ کی شرح لکھی۔ اسی طرح مختلف نوع کی اربعین مرتب کیں۔ حسن المحاضرة، ۱/ ۳۰۲؛ الفوائد البهية، ۱۰۰؛ النجوم الزاهرة، ۹/ ۱۲۰۲؛ البداية والنهاية، ۱۴/ ۱۷۱؛ ذيل طبقات الحفاظ للحسيني، ۱۳

۲- عبدالغنی بن سعید ابو محمد الازدی (۳۳۲-۴۰۹ھ) اصلا ازد سے تھے۔ ثقہ، حافظ اور علامہ وقت تھے۔ دارقطنی کے شاگرد تھے مصر میں اپنے دور کے حفاظ حدیث میں سے تھے۔ علم الانساب کے بھی ماہر تھے۔ وفيات الأعيان، ۱/ ۳۰۵؛ تذكرة الحفاظ، ۳/ ۱۰۴۷؛ شذرات الذهب، ۳/ ۱۸۸؛ سير اعلام، ۱۷/ ۲۶۸

۳- فتح المغيث للعراقي، ۲/ ۲۳؛ فتح المغيث للسخاوي، ۲/ ۲۷۷؛ فتح الباقي، ۳۴۰-۳۴۱

۴- فتح المغيث للسخاوي، ۲/ ۲۷۷

۵- ابن الصلاح / ۱۴۳

اور جو شخص اجازت سے بطریق اجازت روایت کرتا ہے اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ شیخ کے شیخ کی کیفیت اور اس کے مقتضا پر غور و فکر کرے تا کہ جو چیز اس کے تحت درج نہیں اس کو روایت نہ کرے۔ مثلاً اس کے شیخ کی اجازت کی صورت اس طرح ہے ''میں اپنی سماعات میں جو چیز اس کے نزدیک صحیح ہے اس کی اجازت دی ہے'' پھر اس نے شیخ کے شیخ کی مسموعات میں سے کوئی چیز دیکھی تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ اسے اپنے شیخ سے روایت کرے جب تک اس پر یہ واضح نہ ہو جائے کہ شیخ کے شیخ کی مسموعات میں سے وہ چیز شیخ کے ہاں صحیح ہے۔ اگر ایسا ہے کہ یہ اس کی اجازت ہوگی۔ اور اب اس کے نزدیک اس کی صحت کے لیے عملاً اس کے الفاظ اور اس کی تقیید کافی ہے۔ جو شخص اس کو اور اس جیسی صورتوں کو نہیں سمجھتا اس کے ٹھوکر کھانے کا خطرہ ہے۔

حافظ عراقی نے اس سلسلے میں امام ابو عبداللہ محمد بن محمد الاندرشی المعروف بابن الیتیم (۱) کی روایت باجازت کی مثال دی ہے جس میں غلطی ہے۔ ابن الیتیم نے بہت علمی سفر کئے اور السلفی (۲)، ابن عساکر (۳)، السہیلی (۴)، ابن بشکوال (۵)، عبدالحق الاشبیلی (۶) کے علاوہ بڑی تعداد سے استفادہ کیا۔ انہوں نے ترمذی میں اپنے اسناد میں ابو طاہر السلفی کے واسطے سے ابو العباس المحبوبی عن الترمذی کو بیان کیا ہے اور اس سند میں احمد بن محمد بن سعید الحداد عن اسماعیل بن ینال المحبوبی کا ذکر ہے۔ اس میں دو غلطیاں ہیں ایک یہ کہ ابن ینال نے الحداد کو اجازت دی حالانکہ اس سے اس نے نہیں سنا۔ اس طرح ترمذی اس اجازت میں شامل ہی نہیں جو اس نے نہیں سنی۔ اسی طرح حداد نے سلفی کو اس چیز کی اجازت دی جو اس نے نہیں سنی۔ اس طرح ترمذی اس اجازت میں شامل ہی نہیں جو اس نے السلفی کو دی۔ اس پر مزید بحث کرنے کے بعد حافظ عراقیؒ لکھتے ہیں:

۱- الاندرشی ابو عبداللہ محمد بن احمد المعروف بابن الیتیم الاندلسی (م ۶۲۱ھ) طلب حدیث کے لیے کثرت سے سفر کیے۔ ثقہ راوی تھے۔ مریہ کے خطیب رہے۔ سیر، ۲۲/ ۲۵۰؛ لسان المیزان، ۵ / ۵۰

۲- السلفی، شیخ الاسلام ابو طاہر احمد بن محمد (م ۵۷۶ھ) اپنے وقت کے حافظ حدیث تھے۔ علماء کی کثیر تعداد سے فیض حاصل کیا اور سیکڑوں طالبان حدیث کو مستفید کیا صاحب تالیف تھے۔ اہم تصنیف معجم السفر ہے۔ جو چھپ چکی ہے۔ سیر، ۵/ ۱۷۱؛ تذکرۃ الحفاظ، ۴ / ۱۲۹۸

۳- ابن عساکر، ابو منصور عبدالرحمٰن بن محمد الدمشقی الشافعی (م ۶۲۱ھ) عالم بے بدل، عمدہ سیرت اور خوبرو تھے۔ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ وفیات الاعیان، ۳ / ۱۳۵؛ سیر اعلام، ۲۲/ ۱۸۷

۴- السہیلی، ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ الاندلسی (م ۵۸۱ھ) حدیث، فقہ، رجال اور انساب کے ماہر تھے۔ اپنی بستی سہیل کے درخشاں ستارے مانے جاتے تھے۔ تذکرۃ، ۴ / ۱۳۴۹

۵- ابن بشکوال الاندلسی القرطبی (م ۵۷۸ھ) قرطبہ کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ کئی اہم کتب کے مؤلف جن میں تاریخ الاندلس اہم مصادر میں شمار ہوتی ہے۔ تذکرۃ، ۴ / ۱۳۳۹؛ سیر اعلام، ۲۱/ ۱۳۹

۶- عبدالحق اشبیلی ابن الخراط (م ۵۸۱ھ) ابن الخراط کے نام سے معروف تھے اپنے وقت کے ممتاز محدث وفقیہ تھے۔ صاحب تصانیف تھے۔ زبان وادب سے بھی گہرا تعلق تھا۔ تذکرۃ الحفاظ، ۴ / ۱۳۵۰؛ سیر اعلام ۲۱/ ۱۹۸

و كان الشيخ تقى الدين بن دقيق العيد (١) لا يجيز رواية سماعه كله بل قد يقيده بما حدث به من مسموعاته، هكذا رأيته بخطه فى عدة إجازات و لم أرله إجازة تشمل مسموعه، و ذلك إنه كان شك فى بعض سماعاته فلم يحدث به و لم يجزه، وهو سماعه على ابن المقير (٢)، فمن حدث عنه باجازته منه بشئ مما حدث به من مسموعاته فهو غير صحيح فينبغى التنبه لهذا و أمثاله. (٣)

شیخ تقی الدین بن دقیق العید اپنے پورے سماع کی روایت کو جائز نہیں سمجھتے تھے بلکہ مسموعات کو محدثانہ طریق سے بیان کرنے سے مقید کرتے تھے۔ میں نے ایسا ہی ان کی متعدد اجازات، جو ان کے اپنے خط میں ہیں، دیکھا ہے۔ میں نے ان کی ایسی اجازت نہیں دیکھی جو ان کی مسموعات پر مشتمل ہو۔ ایسا اس لیے ہے کہ انہیں اپنی بعض مسموعات کے بارے میں شک تھا لہٰذا وہ انہیں بیان نہیں کرتے تھے اور اس کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے اور اس کا تعلق ابن المقیر سے سماع سے ہے۔ لہٰذا جس کسی نے بھی اس کی اجازت سے اس سے ایسی روایت بیان کی جو اس نے ان مسموعات سے بیان کی تو وہ غیر صحیح ہے۔ اس پر اور اس جیسی دیگر مسموعات پر متنبہ رہنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ ابن دقیق العید، شیخ الاسلام تقی الدین ابو الفتح محمد بن علی المالکی الشافعی (م ۷۰۲ھ) اپنے وقت کے ممتاز محدث و فقیہ، مذہب شافعی کے ساتھ ساتھ مذہب مالکی پر بھی دسترس حاصل تھی۔ مصر کے قاضی رہے اور دونوں مسالک کے مطابق فتوے دیتے۔
تذکرۃ الحفاظ، ۴ / ۱۴۸۱

۲۔ ابن المقیر، ابو الحسن علی بن ابی عبید اللہ البغدادی الحسنبلی (م ۶۴۳ھ) طلب علم کے لیے کثرت سے سفر کیے۔ اپنے وقت کے ممتاز اہل علم سے سماع کیا۔ صالح اور عبادت گذار تھے۔ سیر اعلام، ۲۳/ ۱۱۹؛ شذرات، ۵/ ۲۲۳

۳۔ فتح المغیث للعراقی، ۲ / ۲۱۵

المناولہ

مناولہ کے لغوی معنی عطا کرنے اور بخشش کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد یہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو لکھی ہوئی احادیث یا کتاب دے تا کہ وہ اسے روایت کرے۔ حافظ سخاوی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المناولة: هی لغة: العطية، و منه حديث الخضر "فحملوها بغير نول" ای اعطاء. (۱)

مناولہ کے لغوی معنی عطیہ کے ہیں اور اسی سے حدیث خضر کے الفاظ **فحملوها بغير نول** ہیں یعنی بغیر عطا کیے۔

امیر صنعانیؒ، حافظ سخاویؒ کے قول کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

المناولة وهی لغة، العطية، و منه حديث الخضر "فحملوها بغير نول" (۲). ای اعطاء و اصطلاحاً اعطاء الطالب شيئاً من مروياته مع اجازة له به صريحاً أو كناية (۳).

مناولہ لغوی اعتبار سے عطیہ کے معنی میں آتا ہے اور اسی سے حدیث خضر کے الفاظ **فحملوها بغير نول** ہیں جس میں نول کے معنی عطا کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً اس سے مراد استاد کا طالب کو اپنی مرویات میں سے کچھ عطا کرنا ہے تا کہ وہ اس کی روایت کر سکے۔ یہ اجازت صریحاً بھی ہو سکتی ہے اور کنایتاً بھی۔

امیر صنعانی مزید لکھتے ہیں کہ باوجودیکہ مناولہ اجازت سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اسے مؤخر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اسے اجازت کی پہلی دو اقسام کے نوع کی حیثیت حاصل ہے۔

اخرت عن الاجازة مع انها اعلیٰ منها علی المعتمد لانها جزء لأول نوعيه. (۴)

۱- فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۲۸۲

۲- سورة الکهف/۷۱، اشارہ ہے حدیث میں مذکورہ واقعہ کی طرف تفصیل کے لیے دیکھیے: بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب ما یستحب للعالم ......، ۱/۳۸-۳۹؛ مسلم، الجامع، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ، ۷/۱۰۷؛ ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورة الکهف، ۵/۳۰۹-۳۱۲۔

۳- توضیح الافکار، ۲/ ۳۳۳

۴- ایضاً، ۲/۳۳۳

حافظ سیوطیؒ اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والأصل فيها ما علقه البخاريؒ في العلم أن رسول الله ﷺ كتب لامير السرية كتاباً و قال لا تقرأه حتى تبلغ مكان كذا و كذا. فلما بلغ ذلك المكان قرأه على الناس وأخبرهم بامر النبي ﷺ(۱) وصله البيهقي والطبراني بسند حسن (۲) قال السهيلي! احتج به البخاري على صحة المناولة. قال: وهو فقه صحيح. (۳)

اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جسے بخاریؒ نے تعلیقاً کتاب العلم میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے ایک فوجی مہم کے امیر کو خط دیا اور اسے کہا کہ فلاں جگہ پر پہنچنے سے پہلے اسے نہ پڑھنا جب وہ اس مکان پر پہنچے تو اسے لوگوں کے سامنے پڑھا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے آگاہ کیا۔

سیوطی کہتے ہیں کہ امام بیہقی اور طبرانی نے اسے سند حسن کے ساتھ متصل بیان کیا ہے۔

سہیلی کہتے ہیں بخاری نے مناولہ کی صحت پر اس سے استدلال کیا ہے۔۔۔اور کہا کہ یہ صحیح فقہ ہے۔

سیوطی کہتے ہیں کہ اس طرح عالم جب شاگرد کو کوئی کتاب عطا کرتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس میں سے روایت کرے۔(۴) بلقینی کہتے ہیں:

واحسن ما يستدل به عليها ما استدل به الحاكم من حديث ابن عباس أن رسول الله ﷺ بعث بكتابه الى كسرىٰ مع عبدالله بن حذافة و أمره أن يدفعه إلى عظيم البحرين فدفعه عظيم البحرين إلى كسرىٰ. (۵)

اور بہترین استدلال وہ جو حاکم نے ابن عباس کی حدیث سے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ کو کسریٰ کے نام خط دے کر بھیجا اور فرمایا کہ اسے البحرین کے امیر کو دے دینا اور بحرین کے امیر نے اسے کسریٰ کو پیش کر دیا۔

معجم البغوی میں یزید الرقاشی سے منقول ہے:

۱- بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب مایذکر فی المناولۃ، ۱/ ۲۳

۲- معرفۃ علوم الحدیث، ۲۵۸؛ تدریب الراوی، ۲۶۸

۳- الروض الانف، ۲/ ۵۹

۴- تدریب، ۲۶۶

۵- ایضاً، ۲۶۶؛ معرفۃ علوم الحدیث، ۲۵۹؛ بخاری، الجامع، کتاب العلم، باب ما یذکر فی المناولۃ، ۱/ ۲۴

قال: كنّا إذا اكثرنا على أنس بن مالك أتا نا بمجال (۱) له فالقاها إلينا وقال: هذه أحاديث سمعتها و كتبتها عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و عرضتها عليه.(۲)

جب ہم انس بن مالک کے پاس زیادہ آتے تو وہ ہمارے لیے ایک صحیفہ نکال لاتے اور اسے ہمارے سامنے رکھ دیتے اور کہتے کہ یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں اور انہیں لکھا ہے اور آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

اقسام

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں: مناولہ کی دو اقسام ہیں: **و هي على نوعين المقرونة بالإجازة والمناولة المجردة عن الإجازة (۳)**

امام نووی لکھتے ہیں: **هي ضربان** (۴) یعنی اس کی دو قسمیں ہیں۔ البتہ ان اقسام کو مزید انواع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ زیادہ انواع کا تعلق پہلی قسم سے ہے۔

المقرونہ بالاجازہ

مناولہ کی پہلی قسم مقرونہ بالاجازۃ ہے یعنی استاد اپنی کوئی تحریر یا کتاب طالب کو یہ کہہ کر دے کہ میری یہ مرویات فلاں شیخ سے نقل کردہ ہیں تو ان کو میرے ذریعہ سے روایت کرو اور اسے نقل کرلو۔ شیخ یہ کتاب یا تحریر اسے ہدیہ کر دے یا نقل ہونے کے بعد واپس لے لے۔ یہ قسم اعلیٰ شمار ہوتی ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

احدهما: المناولة المقرونة بالاجازة، وهي أعلى أنواع الإ جازة على الإطلاق. (۵)

ایک قسم مناولہ مع الاجازۃ ہے اور اجازت کی انواع میں مطلقاً سب سے اعلیٰ نوع ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

۱- تدریب، ۳۲۹، حاشیہ: المجال جمع مجلة وهي الصحيفة فيها الحكمة و كل كتاب، القاموس للفيروز آبادی، ۳/ ۳۶۱؛ تقييد العلم، ۹۵، حاشیہ ۲۰۸

۲- تدریب، ۳۲۹؛ تقييد العلم، ۹۵.

۳- ابن الصلاح، ۱۶۵، ۱۶۹؛ فتح المغيث للعراقی، ۳ / ۲۱۷، ۲۲۰

۴- تقریب مع التدریب، ۳۲۹

۵- ابن الصلاح، ۱۶۵؛ فتح المغيث للعراقی، ۳ / ۲۱۷؛ الكفاية، ۳۲۶

واشترطوا فی صحة الرواية المناولة اقترانها بالإذن بالرواية و هی: إذا حصل هذا الشرط أرفع انواع الإجازة لما فيها من التعيين والتشخيص. (۱)

اور محدثین نے مناولہ صحیح ہونے میں روایت کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے۔ جب یہ شرط حاصل ہو جائے تو یہ اجازت کی انواع سے ارفع حیثیت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ اس میں تعیین اور تشخیص موجود ہیں۔

حافظ سخاویؒ اپنے شیخ کی اصطلاحوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولما فيها من التعيين و التشخيص، بلا خلاف بين المحدثين فيه، حتىٰ كان ممن حكاه عن أصحاب الحديث الغزالی فی "المستصفی"، فقال: وهی عندهم أعلی درجة. (۲)

محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ قسم اعلیٰ درجہ کی ہے کیونکہ اس میں تعیین اور تشخیص پائی جاتی ہے حتیٰ کہ غزالی نے اصحاب حدیث سے **المستصفی** میں نقل کیا ہے کہ یہ ان کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی روایت ہے۔

مقرون بالاجازہ کی کئی صورتیں ہیں جنہیں ابن الصلاح سے لے کر امیر الصنعانی تک سب نے لکھا ہے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

۱۔ منها: ان يدفع الشيخ الی الطالب اصل سماعه أو فرعاً مقابلاً به ويقول: "هذا سماعی أو روايتی عن فلان، فاروه عنی، أو أجزت لك روايته عنی" ثم يملكه (۳) اياه أو يقول: خذه وانسخه و قابل به ثم رده إلیّ أو نحو هذا. (۴)

ایک صورت یہ ہے کہ شیخ طالب کو اپنے سماع کی اصل یا اس سے مقابلہ کی ہوئی فرع عطا کرے اور کہے: فلاں شخص سے یہ میری مسموعات یا روایات ہیں، تم مجھ سے روایت کر دیا میں

۱۔ شرح نخبة الفكر، ۲۲

۲۔ فتح المغيث للسخاوی، ۲/ ۲۹۰

۳۔ سخاوی اس پر ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں: بالهبة او بالبيع او ما يقوم مقامهما۔ فتح المغيث، ۲/ ۲۹۰

۴۔ ابن الصلاح، ۱۶۵–۱۶۶؛ تقريب مع تدريب، ۲۶۹، امام نووی کے الفاظ ہیں: ثم "يبقيه معه تمليكاً او ينسخه او نحو هذا" کی توضیح میں حافظ سخاوی لکھتے ہیں: فما هو بمعنی الإجازة فضلا عن لفظها كأجزتك۔ فتح المغيث، ۲/ ۲۹۰

نے تمہیں اجازت دی کہ تم اسے مجھ سے روایت کرو۔ پھر یا تو اسے اس کی ملکیت میں دے دے یا کہے: اسے لو، نقل کرو اور اس سے مقابلہ کر لو پھر مجھے واپس کر دو یا اسی طرح کی بات۔

۲۔ و منها: أن یجیء الطالب إلی الشیخ بکتاب أو جزء من حدیثه فیعرضه علیه فیتأمل الشیخ وهو (ا) عارف متیقظ ثم یعیده الیه و یقول: وقفت علی ما فیه و هو حدیثی عن فلان أو روایتی عن شیوخی فیه فاروه عنی، أو أجزت لك روایته عنی" و هذا قد سماه غیر واحد من ائمة الحدیث "عرضا" و قد سبقت حکایتنا فی القراءة علی الشیخ انها تسمیٰ "عرضاً" ایضاً، فلنسم ذلك "عرض القراءة وهذا عرض المناولة." (۲)

اور اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ طالب شیخ کے پاس کوئی کتاب یا اس کے ذخیرۂ احادیث میں سے کوئی جز لے آئے اور اس کے سامنے پیش کرے۔ شیخ اس پر غور کرے دراں حالیکہ وہ ایک عارف اور بیدار مغز شیخ ہے پھر وہ اسے لوٹا دے اور کہے: اس میں جو کچھ ہے اس سے میں نے واقفیت حاصل کی۔ یہ فلاں شخص سے منقول میری احادیث ہیں یا میرے شیوخ سے مروی روایات اس میں موجود ہیں سو تم اس کی مجھ سے روایت کرو یا میں تجھے اس کی مجھ سے روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔ بہت سے ائمہ حدیث نے اسے عرض کہا ہے جیسا کہ قراءۃ علی الشیخ میں بیان کر آئے ہیں کہ اسے بھی عرض کہتے ہیں لہٰذا ہم اسے عرض القراءۃ کا نام دیتے ہیں اور اسے عرض المناولہ کہتے ہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے مقرون بالاجازہ کی دونوں صورتوں کو بیان کیا ہے لیکن یہ واضح نہیں کیا کہ ان میں سے کون سی اعلیٰ ہے البتہ ایک کا ذکر پہلے کیا ہے۔ (۳) جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تاہم قاضی عیاض نے وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ حافظ سخاوی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"أی والحال أن الشیخ الذی أعطی الکتاب ذو معرفة و حفظ و یقظة، فینظره و یتصفحه متأملاً، لیعلم صحته و عدم الزیادة فیه و النقص منه، أو یقابله باصل کتابه ان لم یکن عارفاً، کل ذلك کما صرح به الخطیب علی جهة الوجوب": فتح المغیث، ۲/۲۹۲

۲۔ ابن الصلاح، ۱۴۶

۳۔ ایضاً، ۱۴۵؛ فتح المغیث، ۲/ ۲۹۰

أرفعها أن يدفع الشيخ كتابه للطالب فيقول هذه روايتى فاروها عنى ويدفعها إليه؛ أويقول له: خذها فا نسخها و قابل بها ثم اصرفها الىّ أويأتيه الطالب بنسخة صحيحة. (١)

سب سے بہتر یہ ہے کہ شیخ اپنی کتاب طالب کو دے اور کہے کہ یہ میری مرویات ہیں تم انہیں مجھ سے روایت کرو اور وہ کتاب اس کے سپرد کر دے؛ یا کہے: اسے پکڑو، نقل کرو اور اس کے ساتھ مقابلہ کرو اور پھر یہ کتاب مجھے واپس کر دو یا طالب علم صحیح نسخہ لے کر اس کے پاس آئے۔

انواع مناولہ کی حیثیت

علماء محدثین کے ہاں اس بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ مناولہ کی یہ دونوں صورتیں قابل قبول ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ سماع سے افضل ہے کہ نہیں (۲)۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

و هذه المناولة المقترنة بالإجازة حالّة محل السماع عند مالك وجماعة من ائمة اصحاب الحديث. و حكى الحاكم ابو عبد الله النسيابورى فى عرض المناولة المذكور عن كثير من المتقدمين أنه سماع. و هذا مطرد فى سائر ما يماثله من صور المناولة المقرونة بالإجازة. فممّن حكى الحاكم ذلك عنهم: ابن الشهاب الزهرى، و ربيعة الراى، و يحيى بن سعيد الإنصارى، و مالك بن انس الإمام، فى الآخرين من المدنيين، و مجاهد، و ابو الزبير، و ابن عيينة فى جماعة من المكيين، وعلقمة و ابراهيم النخعيان و الشعبى فى جماعة من الكوفيين، و قتادة، وأبو العالية، و أبو المتوكل الناجى فى طائفة من البصريين و ابن وهب، و إبن القاسم وأشهب فى طائفة من المصريين، و آخرون من الشاميين و الخراسانيين. ورأى الحاكم طائفة من مشائخه على ذلك، وفى كلامه بعض التخليط من حيث كونه خلط بعض ماورد فى "عرض القراءة" بما ورد فى "عرض المناولة" و ساق الجميع مساقاً واحداً. والصحيح أن ذلك غير حالّ محل السماع وأنه منحط عن درجة التحديث لفظاً والإخبار قراءة.(۳)

۱- الالماع، ۷۹؛ فتح المغيث للعراقى، ۳ / ۲۱۸

۲- توضيح الافكار، ۲/۳۳۰؛ المنهل الروى، ۸۸— ۸۹؛ الكفاية، ۳۲۳— ۳۲۶

۳- ابن الصلاح، ۱۴۶— ۱۴۷؛ فتح المغيث للعراقى، ۳ / ۲۱۸؛ تقريب مع تدريب، ۲۷۰— ۲۷۱

اور یہ مناولہ مقترنہ بالا جازہ امام مالک اور ائمہ اصحاب کی ایک جماعت کے نزدیک سماع کے مرتبہ میں ہے ابوعبداللہ حاکم نیساپوری نے بہت سے متقدمین سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ عرض المناولہ سماع ہے اور یہ مناولہ مقرونہ بالاجازہ کے مماثل تمام صورتوں میں مسلسل وقوع پذیر ہے۔امام حاکم نے جن لوگوں سے نقل کیا ہے ان میں مندرجہ ذیل لوگ شامل ہیں:

ابن الشھاب الزہری، ربیعۃ الرای، یحیٰی بن سعید الانصاری، مالک بن انس اور دیگر علمائے اہل مدینہ بھی شامل ہیں۔اہل مکہ کی جماعت میں مجاہد، ابوالزبیر، اور ابن عیینہ شامل ہیں، اور کوفیوں کی جماعت میں علقمہ نخعی اور ابراہیم نخعی اور شعبی اور بصریوں میں قتادہ، ابوالعالیہ اور ابوالمتوکل الناجی شامل ہیں اور مصریوں میں ابن وہب، ابن القاسم اور اشہب شامل ہیں۔ اسی طرح شامیوں اور خراسانیوں میں سے اہل علم شامل ہیں۔امام حاکم نے اپنے مشائخ کی ایک جماعت کو اسی رائے کا حامل پایا ہے۔(۱) لیکن امام حاکم کے کلام میں اختلاط واقع ہوا ہے۔کیونکہ انہوں نے عرض القراءۃ اور عرض المناولۃ کو مختلط کر دیا ہے اور سب کو ایک ہی نہج پر بیان کیا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اسے سماع کا مرتبہ حاصل نہیں اور یہ حدیث کو لفظاً بیان کرنے اور خبر کو قراءۃ سے بیان کرنے سے کم تر درجہ پر ہے۔(۲)۔

علامہ عینی کہتے ہیں کہ اسے سماع کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔(۳)

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ امام حاکم العرض کی اس قسم کے بارے میں کہتے ہیں:

أما فقهاء الإسلام الذين افتوا في الحلال و الحرام فان فيهم من لم يرى العرض سماعاً، وبه قال الشافعي والأوزاعي (۴)، والبويطي (۵)، والمزني (۶)

۱- معرفة علوم الحديث، ۲۵۶- ۲۵۸

۲- ابن الصلاح، ۱۴۷

۳- عمدة القاری، ۲ / ۲۱

۴- الاوزاعی، عبدالرحمٰن بن عمرو ابوعمرو (م ۱۵۱ھ) حدیث اور فقہ میں امام تسلیم کیے گئے۔درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ایک فقہی مذہب ان کی طرف منسوب ہے۔امام اوزاعی صاحب تصنیف تھے۔تقدمة المعرفة لكتاب الجرح، ۱۸۴-۲۱۹؛ وفیات، ۳/ ۱۳۷؛ تذکرة الحفاظ، ۱/ ۱۷۸؛ سیر اعلام، ۷/ ۱۰۷

۵- البویطی یوسف بن یحیٰی المصری (م ۲۳۱ھ) امام شافعی کے ممتاز شاگرد، ایک طویل عرصے تک ان کی صحبت سے استفادہ کیا۔ امام شافعی کی بیماری میں ان کے حلقہ درس میں استاد کی نیابت کی۔متقی اور زاہد عابد تھے۔الجرح و التعدیل، ۴/ ii/ ۲۳۵؛ شذرات، ۲ / ۷۱؛ سیر اعلام، ۱۲/ ۵۸

۶- المزنی، ابوابراہیم اسماعیل بن یحیٰی بن اسماعیل المصری (م ۲۶۴ھ) امام شافعی کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔کبار ائمہ سے استفادہ کیا فقہ شافعی میں امام تسلیم کیے گئے۔الجرح، ۱/۱/ ۲۰۴؛ العبر، ۲/ ۲۸؛ وفیات، ۱/ ۲۱۷؛ سیر اعلام، ۲/ ۴۹۲

وأبو حنيفه (۱)، و سفيان الثوری (۲)، وأحمد بن حنبل (۳)، وابن المبارك (۴)، و یحییٰ (۵)، و اسحاق بن راهوية (۶). وعليه عهدنا أئمتنا و إليه ذهبوا و إليه نذهب. (۷)

۱- ابوحنیفہ نعمان بن ثابت التیمی الکوفی (م ۱۵۰ھ) صغار صحابہ کے دور میں پیدا ہوئے۔ طلب حدیث کے لیے سفر کیے اور اہل علم سے استفادہ کیا۔ نہایت ذہین اور بہترین حافظہ کے مالک تھے۔ فقہ حنفی کے بانی اور اس کی تعلیم وتشہیر میں اپنی عمر صرف کی۔ ممتاز فقہاء نے ان کا شاگرد ہونے پر فخر کیا۔ فقہ میں بصیرت اور دسترس کی وجہ سے یہ بات مشہور ہوگئی الناس عيال عليه في الفقه. الجرح والتعديل، ۴/۱/۴۴۹؛ وفيات الأعيان، ۵ / ۴۱۵؛ سیر اعلام، ۶ / ۳۹۰

۲- الثوری، سفیان بن سعید بن مسروق (م ۱۶۱ھ) اپنے وقت کے حدیث اور فقہ میں امام تسلیم کیے گئے۔ کثیر شیوخ سے استفادہ کیا اور اسی طرح انہوں نے ایک کثیر تعداد کو اپنے علم وفضل سے مستفید کیا۔ صاحب تصنیف تھے۔ حدیث اور تفسیر میں ان کی تالیفات متداول رہیں۔ وفيات الأعيان، ۲ / ۳۸۶؛ تاريخ بغداد، ۹/ ۱۵۱؛ شذرات، ۱ / ۲۵۰؛ تذکرة الحفاظ، ۱/۲۰۳؛ سیر اعلام، ۷ / ۲۲۹

۳- احمد بن حنبل ابوعبداللہ الشیبانی المروزی (م ۲۴۱ھ) پیدائش سے پہلے یتیم ہوگئے تھے والدہ نے ان کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا چھوڑی۔ اپنے وقت کے ثقہ اور متدین محدث تھے۔ مسئلہ خلق قرآن میں استقامت دکھائی اور عتاب کا شکار ہوئے۔ احادیث کا ضخیم مجموعہ المسند مرتب کیا۔ التاريخ الكبير، ۱/ i /۵؛ تقدمة الجرح، ۲۹۲—۳۱۳؛ تذكرة الحفاظ، ۲/۴۳۱؛ سیر اعلام، ۱۱/ ۱۷۷

۴- عبداللہ بن المبارک ابوعبدالرحمٰن الحنظلی (م ۱۸۱ھ) اپنے وقت کے علم وتقویٰ میں امام تھے۔ حدیث میں دسترس تھی امیر المومنین فی الحدیث کا لقب ملا۔ فقراء پر مال و دولت خرچ کرنے والے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک سال حج پر جاتے اور ایک سال جہاد میں شریک ہوتے۔ صائم الدہر تھے۔ التاريخ الكبير، ۵/ ۲۱۲؛ تاريخ بغداد، ۱۰/۱۵۲؛ شذرات، ۱/ ۲۹۵؛ سیر اعلام النبلاء ۸ / ۳۷۸

۵- یحییٰ بن یحییٰ بن بکر بن عبدالرحمٰن، ابوزکریا التیمی المنقری النیسابوری الحافظ (۱۴۲۔۲۲۶ھ) خراسان کے عالم بے بدل۔ صغار تابعین سے ملاقات ہوئی اور ان سے روایت کی۔ ان سے بخاری، حمید بن زنجویہ اور محمد بن نصر المروزی وغیرہم نے روایت کی۔ اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں: مارأيت مثل يحييٰ بن يحييٰ ولا احسب انه رأى مثل نفسه. ذہبی نے احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے: مارای یحییٰ بن یحییٰ مثل نفسه ومارای الناس مثله. سیر اعلام النبلاء، ۱۰/۵۱۲—۵۱۹؛ تذكرة الحفاظ، ۲ / ۴۱۵؛ العبر، ۱ / ۳۹۷؛ تهذيب التهذيب، ۱۱/ ۲۹۶؛ النجوم الزاهرة، ۱۰/۲۴۸؛ شذرات، ۲ / ۵۹؛ التاريخ الكبير، ۴/ii / ۳۱۰

۶- اسحٰق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن مطر الحنظلی ابویعقوب المروزی، (م ۲۳۸ھ) نزیل نیساپور، ائمہ مسلمین اور علماء دین میں سے ایک اہم شخصیت تھے۔ ان کی ذات میں حدیث وفقہ، حفظ وصدق اور ورع وزہد جمع تھے۔ ابن ماجہ کے سوا تمام ائمہ حدیث نے ان سے روایت کی۔ طبقات الحفاظ، ۱/۱۹۱—۱۹۲؛ التاريخ الكبير، ۱/i/۳۷۹؛ حلية الاولياء، ۹/۲۳۴؛ وفيات، ۱/۱۹۹؛ تذكرة الحفاظ، ۲ / ۴۳۳؛ البداية، ۱۰/ ۳۱۷؛ النجوم الزاهرة، ۲/۲۹۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۳۵۰

۷- معرفة علوم الحديث، ۲۵۹— ۲۶۰؛ ابن الصلاح، ۱۴۷؛ فتح المغيث، ۳ /۲۱۸—۲۱۹؛ فتح المغيث للسخاوی، ۲ / ۲۹۲— ۲۹۳؛ المنهل الروی، ۸۸؛ تدريب، ۲۷۱؛ توضيح الافكار، ۲ / ۲۳۴

جہاں تک ان فقہاء اسلام کا تعلق ہے جنہوں حلال وحرام کے بارے میں فتویٰ دیا ہے تو وہ اس کی روایت کو سماع کا درجہ نہیں دیتے۔ یہی رائے امام شافعی، اوزاعی، بویطی، مزنی، ابوحنیفہ، سفیان ثوری، احمد بن حنبل، ابن المبارک، یحییٰ بن سعید اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ کی ہے۔ ہم نے اپنے ائمہ کو اسی کا پابند پایا اور انہوں نے یہی رائے اختیار کی اور ہمارا مذہب بھی یہی ہے۔

حافظ ابن الصلاح اسے سماع سے کم درجہ پر رکھتے ہیں۔(۱) حافظ عراقی اس کی تردید کیے بغیر اسے معتمد قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

و قولي (قلت قد حكوا إجماعهم) اى إجماع اهل النقل، و انما زدت نقل اتفاقهم هنا لأن الشيخ حكى الخلاف المتقدم في الإجازة و لم يحك هنا الا كونها موازية للسماع أولاً، فاردت نقل اتفاقهم على صحتها، و قد حكاه القاضي عياض في الالماع بعد أن قال :وهي رواية صحيحة عند معظم الأئمة و المحدثين و سمّى جماعة ثم قال: وهو قول كافة اهل النقل والأداء و التحقيق من اهل النظر. (۲) وقولي معتمداً هو بفتح الميم وهو تمييز اى صحيحة اعتماداً. (۳)

اور میرا قول کہ انہوں نے اجماع نقل کیا ہے یعنی اہل النقل کا اجماع۔ بلاشبہ میں نے یہاں ان کے اتفاق کو نقل کرنے کا اضافہ کیا ہے اس لیے کہ شیخ (ابن الصلاح) نے اجازت میں مذکورۃ الصدر اختلاف نقل کیا ہے لیکن وہاں صرف یہ بیان کیا کہ وہ سماع کے برابر ہے کہ نہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اس کی صحت پر ان کا اتفاق نقل کر دوں۔ قاضی عیاض نے الالماع میں اس پر بات کرتے ہوئے بیان کیا کہ ائمہ ومحدثین کی بڑی تعداد کے خیال میں یہ صحیح روایت ہے اور قاضی عیاض نے جماعت کا نام لیا۔ پھر کہا کہ یہی قول ہے اہل نقل واداء کا اور اصحاب نظر محققین کا۔ اور میرا قول معتمداً بفتح المیم عبارت میں بطور تمییز واقع ہوا ہے یعنی اعتماد کے لحاظ سے یہ صحیح ہے۔

۱- والصحيح ان ذلك غير حال محل السماع و انه منحط عن درجة التحديث لفظاً و الأخبار قراءة. (ابن الصلاح، ۱۴۷)

۲- الالماع، ۸۰

۳- فتح المغيث للعراقى، ۳/ ۲۱۹

حافظ سیوطی نے ابن الاثیر کے حوالے سے اسے سماع سے ارفع قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و نقل ابن الاثير فى مقدمة جامع الاصول أن بعض اصحاب الحديث جعلها ارفع من السماع ، لان الثقة بكتاب الشيخ مع اذنه فوق الثقة بالسماع منه. (۱)

ابن الاثیر نے جامع الاصول کے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ بعض اصحاب حدیث نے اسے سماع سے ارفع قرار دیا ہے کیونکہ ایک ثقہ شخص کو شیخ کی کتاب سے اس کی اجازت سے حاصل ہو تو وہ اس ثقہ شخص سے بہتر ہے جس نے اپنے شیخ سے صرف سماع کیا ہے۔

حافظ ابن الاثیر لکھتے ہیں:

و منهم من ذهب إلى أنها أوفى من السماع ، والظاهر أن المناولة أحوط من الإجازة لأن اول درجاتها أنها إجازة مخصوصة محصورة فى كتاب بعينه، يعلم الشيخ ما فيه يقيناً أو قريباً من اليقين ، بخلاف الإجازة على أن الشيخ يشترط فى المناولة والإجازة البراء ة من الغلط و التصحيف. (۲)

کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ یہ سماع سے زیادہ مکمل ہے۔ ظاہر ہے کہ مناولہ اجازت سے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے اس لیے کہ اس کا کم سے کم درجہ یہ تو ہے کہ ایک مخصوص اجازت ہے جو ایک متعین کتاب میں محصور ہے، جس کے بارے میں شیخ کو یقینی یا یقین کے قریب علم ہے کہ اس میں کیا ہے جب کہ اجازت میں ایسا نہیں ہے۔ اسی لیے کہ مناولہ اور اجازت میں شیخ شرط لگائے کہ وہ غلطی اور تصحیف سے بری ہے اور روایت حدیث کی شرائط کا التزام ہو۔

۳۔ اور مقرون بالاجازۃ کی تیسری صورت کے بارے میں حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

ومنها: أن يناول الشيخ الطالب كتابه و يجيز له روايته عنه، ثم يمسكه الشيخ عنده ولا يمكّنه منه ، فهذا يتقاعد عما سبق لعدم احتواء الطالب على ما تحمله و غيبته عنه، و جائز له رواية ذلك اذا ظفر بالكتاب ، أو بما هو مقابل به على وجه يثق معه بموا فقته لما تناولته

۱- تدریب، ۲۷۱

۲- جامع الاصول، ۱/ ۴۴

الإجازة، على ما هو معتبر في الإجازات المجردة عن المناولة.(۱)

اور مقرون بالا جازہ کی ایک اور قسم یہ ہے کہ شیخ طالب کو کتاب دے اور اس سے روایت کرنے کی اجازت دے پھر شیخ وہ کتاب اپنے پاس رکھ لے اور طالب کے قبضے میں نہ دے۔ یہ صورت پچھلی صورتوں سے کم تر درجے کی ہے، اس لیے کہ طالب نے جو حاصل کیا تھا وہ اس کے قبضے میں نہیں اور اس سے غائب ہے۔ اسے اس کی روایت جائز ہے بشرطیکہ اسے کتاب حاصل ہو جائے یا اس کے سامنے کوئی قابل اعتماد شے ہو جو اس سے موافقت رکھتی ہو جس کی اسے اجازت ملی کیونکہ مناولہ کے بغیر اجازت میں یہ معتبر طریقہ ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس نوع کے بارے میں بعض لوگوں کی رائے نقل کی کہ اس کی حیثیت مجرد اجازت کی ہوگی۔ **هذا مما لا فائدة فيه، و يبقى مجرد إجازة.(۲)** اس میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ مجرد اجازت شمار ہوگی۔

حافظ ابن کثیرؒ مزید لکھتے ہیں:

قلت: أما إذا كان الكتاب مشهوراً، كالبخاری و مسلم، او شیء من الكتب المشهورة فهو كما لو ملكه أو اعاره إياه. (۳)

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ مشہور کتاب ہے جیسے بخاری و مسلم یا دیگر کتب مشہورہ میں ہے تو پھر اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے اس نے اس کتاب کو ملکیت میں دیا یا عاریتاً دی۔

۴۔ مقرون بالا جازہ کی ایک اور صورت یہ ہے کہ طالب کوئی تحریر لائے اور شیخ سے کہے کہ یہ آپ کی روایت ہے مجھے اس کی اجازت دیجیے اور شیخ بغیر دیکھے اس کی اجازت دے دے یہ جائز نہیں ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ اسے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و منها أن يأتي الطالب الشيخ بكتاب أو جزءٍ فيقول: هذا روايتك .. فناولنيه واجزلي روايته، فيجيبه إلى ذلك من غير أن ينظر فيه و يتحقق روايته لجميعه، فهذا لا يجوز ولا يصح. فان كان الطالب موثوقاً بخبره و معرفته، جاز الاعتماد عليه في ذلك، و كان ذلك اجازة جائزة، كما جاز في القراءة على الشيخ الاعتماد على الطالب حتى

۱۔ ابن الصلاح، ۱۴۷–۱۴۸

۲۔ الباعث الحثيث، ۱۲۲

۳۔ ایضاً، ۱۲۲

يكون هو القارئ من الأصل اذا كان موثوقاً به معرفة و دينا. (۱) قال الخطيب ابوبكرؒ ولو قال: حدث بما في هذا الكتاب عني ان كان من حديثي مع براءتي من الغلط و الوهم، كان ذلك جائزاً حسنا. (۲)

مقرون بالا جازہ کی صورتوں میں سے ایک اور صورت یہ ہے کہ طالب شیخ کے پاس کوئی کتاب یا جزء لے کر آئے اور کہے کہ یہ آپ کی روایت ہے مجھے بطریق مناولہ سے روایت کرنے کی اجازت دیں۔ وہ اسے دیکھے بغیر اور اس کی روایت کی تحقیق کیے بغیر اس شخص کی درخواست قبول کر لیتا ہے تو یہ ناجائز اور غیر صحیح ہوگا۔ اگر طالب اپنی خبر اور معرفت کے لحاظ سے ثقہ ہے تو پھر اس بارے میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے جب کہ وہ اصل سے پڑھ رہا ہو اور اس کی معرفت اور دین پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔ ابوبکر خطیب کہتے ہیں کہ اگر اس نے کہا: اس میں جو کچھ میری روایت ہے اسے بیان کیجئے، اس شرط کے ساتھ کہ غلطی اور وہم سے میں بری الزمہ ہوا تو ایسا کرنا جائز اور خوب ہوگا۔

حافظ عراقی نے قاضی عیاض پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

فان ناوله و أجازه ثم تبين بعد ذلك بخبر ثقة يعتمد عليه أن ذلك كان من سماع الشيخ أو من مروياته فهل يحكم بصحة المناولة والإجازة السابقتين؟ لم ينص على هذه صريحاً ابن الصلاح، و عموم كلامه يقتضي أن ذلك لا يصح، ولم أرها ايضاً في كلام غيره إلا في عموم كلام الخطيب الآتي، و الظاهر الصحة، لأنه تبين بعد ذلك صحة سماع الشيخ لما ناوله و أجازه و زال ما كنا نخشى من عدم ثقة المخبر والله أعلم. (۳)

اگر اس نے بطریق مناولہ اجازت دی اور ازاں بعد ثقہ خبر کے ذریعہ، جس پر اعتماد کیا جاتا ہے یہ ظاہر ہوا کہ وہ شیخ کا سماع تھا یا اس کی مرویات میں سے تھا تو کیا سابقہ مناولہ اور اجازت کی صحت کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟ ابن الصلاح نے اس پر صریحاً کچھ نہیں کہا، البتہ ان

۱- ابن الصلاح، ۱۶۸؛ فتح المغيث للعراقي، ۳ / ۲۲۰۔ حافظ عراقی کے ہاں مفہوم یہی ہے لیکن عبارت مختلف ہے۔ انہوں نے قاضی عیاض کے الفاظ کو اپنایا ہے۔ دیکھئے الالماع، ۸۳

۲- ایضاً، ۱۶۸؛ الكفاية، باب في وصف نوع الاجازة، ۳۲۸

۳- فتح المغيث للعراقي، ۳ / ۲۲۰

کے کلام کا عمومی اقتضا یہ ہے کہ یہ غیر صحیح ہے اور میں نے بھی کسی دوسرے مصنف کے کلام میں نہیں دیکھا سوائے آگے بیان کردہ خطیب کی رائے (۱) کے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ صحیح ہے اس لیے کہ مناولہ اور اجازت کے بعد واضح ہو گیا کہ شیخ سے سماع درست ہے اور خبر دینے والے کی عدم صحت کا ہمارا خدشہ زائل ہو گیا۔ اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

حافظ عراقی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خطیب کے کلام میں دو صورتیں شامل ہیں کتاب لانے والا یا تو ثقہ معتمد ہے یا غیر معتمد ہے۔ اگر ثقہ ہے تو مناولہ و اجازت کے ذریعہ روایت درست ہوگی اور اگر غیر موثوق ہے لیکن اجازت کے بعد ثقہ خبر کے ذریعہ ثابت ہو گیا کہ شیخ نے جو عطا کیا تھا وہ اس کی روایات پر مبنی تھا تو اس کی روایت جائز ہو جائے گی۔ (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے قول یفید حیث وقع التبیین میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ ابن الصلاح کے کلام سے زاید ہے۔ (۳)

۲۔ مناولہ بدون اجازت

مناولہ کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اجازت موجود نہ ہو جیسے شیخ کسی طالب کو اپنی تحریر عطا کرے لیکن زبان سے کچھ نہ کہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

الثاني: المناولة المجردة عن الإجازة بأن يناوله الكتاب كما تقدم ذكره أولاً، و يقتصر على قوله: "هذا من حديثي أو من سماعاتي" ولا يقول: "اروه عني أو أجزت لك روايته عني" و نحو ذلك، فهذه مناولة مختلة لا تجوز الرواية بها، وعابها غير واحد من الفقهاء والأصوليين على المحدثين الذين أجازوها و سوغوا الرواية بها. وحكى الخطيب عن طائفة من أهل العلم أنهم صححوها وأجازوا الرواية بها. (۴)

دوسری قسم مناولہ بدون اجازت ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اسے کتاب عطا کرے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور صرف اس بات پر اقتصار کرے کہ یہ میری حدیث یا میری سماعات

۱۔ خطیب کا قول جسے ابن الصلاح نے نقل کیا ہے جو گزشتہ صفحہ پر مذکور ہے اور جسے حافظ عراقی نے اس عبارت کے بعد درج کیا ہے۔ "لو قال: حدث بما في هذا الكتاب عني ان كان من حديثي مع براءتي من الغلط و الوهم كان ذلك جائز احسنا (الكفاية، ۳۲۸)

۲۔ فتح المغيث للعراقي، ۳/ ۲۲۰

۳۔ ایضاً، ۳/ ۲۲۰

۴۔ ابن الصلاح، ۱۶۹؛ فتح المغيث للعراقي، ۳/ ۲۲۱

ہیں اور یہ نہ کہے کہ تم اسے مجھ سے روایت کرو یا میں نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم اسے مجھ سے روایت کرو۔ یا اسی طرح کی کوئی بات کرے یہ مناولہ ہے جس میں خلل واقع ہے اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ کئی فقہاء اور اصولیوں نے اس پر محدثین پر تنقید کی ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے اور اس سے روایت کو جائز کہا ہے۔ خطیب نے اہل علم کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے صحیح کیا ہے اور اس سے روایت کو جائز قرار دیا ہے۔

امام نوویؒ نے فقہاء کے حوالے سے عدم جواز کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فلا تجوز الرواية بها على الصحيح الذى قاله الفقهاء و اصحاب الأصول، و عابوا المحدثين المجوزين. (۱)

فقہاء اور اصحاب اصول کی رائے کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ اس طریق پر روایت جائز نہیں ہے۔ ان فقہاء و اصولیوں نے جواز کی رائے رکھنے والے محدثین پر تنقید کی ہے۔

حافظ عراقی نے امام نوویؒ کی اس رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ابن الصلاح کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے علی الاطلاق فقہاء کی رائے کا اظہار کیا ہے جب کہ ابن الصلاح نے کچھ فقہاء **غير واحد من الفقهاء** کی بات کی ہے۔ (۲) اور پھر اہل اصول کی ایک جماعت کی رائے کے بھی خلاف ہے جو روایت کے اذن بلکہ مناولہ کو بھی شرط نہیں قرار دیتے۔ (۳) حافظ عراقی نے ان اصولیوں میں صاحب المحصول کا ذکر بھی کیا ہے۔ (۴) حافظ ابن الصلاح نے مناولہ بدون اجازت کو بیان کرتے ہوئے آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اسے اعلام کے تحت بیان کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں:

و سنذكر إن شاء الله سبحانه و تعالىٰ قول من أجاز الرواية بمجرد إعلام الشيخ الطالب أن هذا الكتاب سماعه من فلان. و هذا يزيد على ذلك ويترجح بما فيه من المناولة، فإنها لا تخلوا من إشعار بالإذن فى الرواية. (۵)

اور ہم عنقریب اس شخص کا قول ذکر کریں گے جو اس بات کا قائل ہے کہ اگر شیخ طالب کو صرف یہ کہے کہ یہ کتاب جس کا سماع فلاں شخص سے ہے تو طالب کے لیے روایت کرنا جائز

۱۔ تقریب مع تدریب، ۲۷۳

۲۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۱

۳۔ ایضاً، ۳/ ۲۲۱

۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۱؛ تدریب، ۲۷۳؛ توضیح الافکار، ۲/ ۲۳۱

۵۔ ابن الصلاح، ۱۶۹

ہے۔اور یہ اس پر اضافہ ہے اور اس میں مناولہ ہونے کی وجہ سے یہ قابل ترجیح ہے۔اس لیے کہ یہ روایت کے اذن کا پتہ دینے سے خالی نہیں۔

حافظ عراقیؒ ابن الصلاحؒ کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

نعم مقتضى كلام السيف الآمدى اشتراط الاذن فى الرواية. (۱)

ہاں سیف الآمدی کے کلام کا اقتضاء روایت میں اذن کی شرط ہے۔

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے حافظ ابن حجرؒ کو بھی دیکھ لیا جائے۔وہ حسب معمول مختصر اور جامع انداز میں مسئلے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واشترطوا فى صحة الرواية بالمناولة اقتر انها بالإذن بالرواية وهى اذا حصل هذا الشرط ارفع انواع الإجازة لما فيها من التعيين والتشخيص، وصورتها:أن يدفع الشيخ أصله أو ما قام مقامه للطالب، أو يحضر الطالب أصل الشيخ و يقول له فى الصورتين:هذه روايتى عن فلان فاروه عنى. و شرطه ايضاً أن يمكنهُ منه، إما بالتمليك، و إما بالعارية لينقل منه و يقابل عليه، وإلّا بأن ناوله و استرد فى الحال، فلا يتبين ارفعيته، لكن لها زيادة مزية على الإجازة المعينة:وهى أن يجيزه الشيخ برواية كتاب معين، و يعين له كيفية روايته له ، وإذا خلت المناولة عن الإذن لم يعتبر بها عند الجمهور و جنح من اعتبرها الى أن مناولته إياه تقوم مقام إرساله إليه بالكتاب من بلد إلى بلد. و قد ذهب إلى صحة الرواية المجردة جماعة من الائمة ولو لم يقترن ذلك بالإذن بالرواية، كأنهم اكتفوا فى ذلك بالقرينة، ولم يظهرلى فرق قوى بين مناولة الشيخ الكتاب من يده للطالب، و بين إرساله إليه بالكتاب من موضع الى آخر، إذا خلا كل منهما عن الإذن. (۲)

اور محدثین نے مناولہ کی صحت کے لیے روایت کے مقرون بالاذن کو شرط قرار دیا ہے۔جب یہ شرط حاصل ہو جائے تو یہ اجازت کی تمام انواع سے ارفع ہوگی۔اس لیے کہ اس میں تعیین

۱- فتح المغيث للعراقى، ۳/ ۲۲۱

۲- نزهة النظر، ۶۶-۶۷

بھی ہے اور تشخیص بھی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی روایت کی اصل یا قائم مقام تحریر طالب کو دے یا طالب شیخ کے سامنے پیش کرے اور شیخ دونوں صورتوں میں کہے کہ یہ فلاں شخص سے میری روایت ہے تم اسے مجھ سے روایت کرو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ شیخ اسے طالب کی ملکیت میں دیدے یا عاریتاً دے تاکہ وہ اس سے نقل کر کے مقابلہ کر لے۔ اور اگر اس نے عطا کی اور اسی وقت واپس لے لی تو اسے معینہ اجازت کی کوئی برتری حاصل نہیں ہوگی۔ معین اجازت یہ ہے کہ شیخ ایک معین کتاب کی روایت کی اجازت دے اور اس کے لیے روایت کی کیفیت بھی متعین کر دے۔ جب مناولہ کے ساتھ اجازت نہ ہو تو جمہور کے نزدیک وہ غیر معتبر ہے۔ اور جنہوں نے اسے معتبر مانا ان کا میلان اس طرف تھا کہ مناولہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں کتاب بھیجنے کے قائم مقام ہے اور ائمہ کی ایک جماعت نے مجرد مکاتبت سے روایت کو صحیح قرار دیا ہے خواہ وہ مقترن بالاذن نہ ہو گویا انہوں نے قرینہ پر اکتفا کیا ہے۔ میرے نزدیک، اگر اجازت موجود نہیں تو شیخ کے طالب کو کتاب دینے اور کسی دوسری جگہ پر کتاب بھیجنے کی دونوں صورتوں میں کوئی بڑا فرق نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ مقرون بالاجازۃ ارفع انواع اجازت ہے۔

المکاتبہ

تعریف

مکاتبہ کے معنی باہمی کتابت کے ہیں لیکن محدثین کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ خود لکھ کر یا کسی سے اپنی مرویات لکھوا کر حاضر یا غیر موجود شاگرد کو عطا کرے۔ حافظ ابن الصلاح اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهى أن يكتب الشيخ إلى الطالب وهو غائب شيئاً من حديثه بخطه أو يكتب له ذلك وهو حاضر. و يلتحق بذلك ما إذا أمر غيره بان يكتب له ذلك عنه إليه. (١)

مکاتبہ یہ ہے کہ شیخ اپنی حدیث میں سے کوئی شے اپنے خط میں اس طالب کے لیے لکھے جو غیر موجود ہو یا اس کے لیے لکھے جو حاضر ہو۔ اس کے ساتھ وہ ملحق ہے جب اس نے کسی دوسرے سے کہا کہ وہ اس کی طرف سے اس کے لیے لکھ دے۔

امام نوویؒ سے امیر الصنعانیؒ تک الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ یہی بات کہی گئی ہے۔ مثلاً امام نوویؒ لکھتے ہیں:

هى أن يكتب الشيخ مسموعه لحاضر أو غائب بخطه أو بأمره. (٢)

اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ اپنی مسموعات اپنے خط سے لکھ کر یا اپنے حکم سے لکھوا کر کسی حاضر یا غائب کو دے۔

حافظ عراقیؒ لکھتے ہیں:

هى أن يكتب الشيخ شيئا من حديثه بخطه، أو يامر غيره فيكتب عنه باذنه، سواء أكتبه أم كتب عنه إلى غائب عنه أو حاضر عنده. (٣)

مکاتبت یہ ہے کہ شیخ اپنی حدیث میں سے کوئی اپنے خط میں لکھے یا کسی اور کو کہے کہ وہ اس کے لیے اس کی اجازت سے لکھے۔ وہ خود لکھے یا کوئی اس کی طرف سے لکھے اور یہ کسی غائب کے لیے ہو یا اس کے لیے جو اس کے ہاں حاضر ہو۔ یہ سب برابر ہیں اور ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

١- ابن الصلاح، ١٧٣

٢- تقریب مع تدریب، ٢٧٧

٣- فتح المغیث للعراقی، ٣/ ٢٢٤

امیر صنعانی نے حافظ عراقی کی عبارت کو بنیاد بناتے ہوئے لکھا:

المكاتبة عبارة عن أن يكتب الشيخ للطالب الذى يريد أن يروى عنه، اويأذن لغيره أن يكتب عنه، سواء أكان الطالب حاضراً فى مجلس الشيخ، أوغائباً عن مجلسه. (۱)

مکاتبت سے مراد یہ ہے کہ شیخ اس طالب کے لیے جو اس سے روایت کرنا چاہتا ہے کچھ لکھے یا کسی اور کو اجازت دے کہ وہ اس کی طرف سے لکھے۔ اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ طالب شیخ کی مجلس میں حاضر ہے یا اس کی مجلس سے غائب ہے۔

ان ساری تعریفات پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مولفین نے اختصار و تفصیل کے ساتھ اسی بنیادی بات کو بیان کیا ہے جسے ابن الصلاح نے اپنے انداز سے بیان کیا۔ بہرکیف مکاتبت تحمل علم کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

اقسام اور ان کی حیثیت

مکاتبت کی دو قسمیں ہیں۔ مکاتبت بغیر اجازت اور مکاتبت مقترن بالاجازۃ (۲)

مقترن بالاجازہ یہ ہے کہ شیخ طالب کی طرف یہ الفاظ لکھے۔

أجزت لك ما كتبته لك أو ما كتبت به إليك أونحو ذلك من عبارات الإجازة. (۳)

جو کچھ میں نے تیرے لیے لکھا ہے، میں نے تجھے اس کی اجازت دی۔ یا جو کچھ میں نے تیری طرف لکھا ہے یا اسی نوعیت کی عبارتیں جو اجازت کے لیے لکھی جاتی ہیں۔

جہاں تک اس کی حیثیت کا تعلق ہے تو یہ صحت اور قوت کے لحاظ سے مناولہ مقرونہ بالاجازہ کے مماثل ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

أما المكاتبة المقرونة بلفظ الإجازة فهى فى الصحة والقوة شبيهة بالمناولة المقرونة بالإجازة. (۴)

۱- توضیح الافکار، ۲ / ۳۳۸

۲- ابن الصلاح، ۱۷۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲؛ المنہل الروی، ۸۹-۹۰؛ تقریب مع تدریب، ۲۷۷؛ توضیح الافکار، ۲ / ۳۳۸

۳- ابن الصلاح، ۱۷۳

۴- ایضاً، ۱۷۳

امیر صنعانی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں:

الاول(۱): المکاتبة المقرونة بالإجازة... فحکمه حکم المناولة المقترنة بالإجازة، وقد اسلفنا لك بیان اختلاف العلماء فی أنها أعلی من السماع أو مثله أو دونه، وهذا الخلاف بعینه یجری ههنا أیضاً. (۲)

مکاتبہ کی پہلی قسم مقرون بالا جازہ ہے۔۔۔اس کا حکم مناولہ مقرونہ بالا جازہ کا ہے۔اور ہم اس سے پہلے اس کے بارے میں علماء کا اختلاف بیان کر آئے ہیں کہ یہ سماع سے اعلیٰ ہے، مساوی ہے یا کم ہے۔یہی اختلاف بعینہ یہاں بھی جاری ہے۔

مکاتبت بدون اجازت

ابن الصلاحؒ نے اسے قسم اول قرار دیا ہے جب کہ حافظ عراقیؒ اور ان کے متبعین نے اسے دوسری قسم قرار دیا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ اپنی حدیث میں سے کوئی شے لکھ کر دے یا غیر موجود کو بھیجے لیکن اس میں اجازت کے الفاظ شامل نہ ہوں۔حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

وهو ما اذا اقتصر علی المکاتبة(۳)

اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ صرف مکاتبت پر اکتفا کرے۔

اس کی حیثیت کے بارے میں علماء کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے جب کہ علماء کی ایک بڑی تعداد اسے صحیح سمجھتی ہے۔حافظ ابن الصلاحؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

فقد اجاز الروایة بها کثیر من المتقدمین و المتأخرین، منهم ایوب السختیانی (۴)، منصور (۵) واللیث بن سعد (۶) و قاله غیر واحد من

۱- حافظ ابن الصلاح نے اقسام بیان کرتے ہوئے مجرد مکاتبت کو پہلے ذکر کیا جب کہ حافظ عراقی نے مقرون بالاجازہ کو پہلے بیان کیا ہے۔امیر صنعانی نے عراقی کا تتبع کیا ہے۔دیکھئے ابن الصلاح، ۱۷۳؛ عراقی، ۳/۲۲۲؛ توضیح الافکار، ۲/۳۳۸

۲- توضیح الافکار، ۲ / ۳۳۸

۳- ابن الصلاح، ۱۷۳؛ فتح المغیث، ۳ / ۲۲۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۱۴۰

۴- ابوبکر ایوب السختیانی البصری (م ۱۳۱ھ) اپنے زمانے کے ممتاز فقہاء میں شمار ہوتا تھا۔تقریباً آٹھ سو (۸۰۰) احادیث روایت کیں۔تہذیب التہذیب، ۱ / ۳۹۱-۳۹۲؛ سیر اعلام، ۶ / ۱۵

۵- منصور بن المعتمر ابو عتاب السلمی الکوفی (م ۱۳۲ھ) کوفہ کے چوٹی کے حفاظ اور اتقیاء میں شمار ہوتا تھا۔ثقہ محدث تھے۔طلب علم کے لیے سفر کیے۔ان کے شاگردوں میں سفیان ثوری قاضی شریح کے نام نمایاں ہیں۔الجرح، ۴/ ۱/ ۱۷۷؛ شذرات، ۱/۱۸۹؛ سیر أعلام، ۵/۴۰۲

۶- اللیث بن سعد ابو الحارث المصری (م ۱۷۵ھ) ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ازاں بعد طالبان علم کی ایک کثیر تعداد کو فیض پہنچایا۔مصر کے ثقہ محدث اور ممتاز فقیہ تھے۔اہل مصر کو ان پر بڑا فخر تھا۔مصر کے قاضی رہے۔التاریخ الکبیر، ۴/۱/۲۴۶؛ تاریخ بغداد، ۱۳/ ۳؛ تہذیب، ۸/ ۴۵۹؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱ / ۲۲۴؛ سیر اعلام، ۸/ ۱۳۷

الشافعيين، و جعلها أبو المظفر السمعاني (۱) منهم أقوى من الإجازة.

وإليه صار غير واحد من الأصوليين (۲)

متقدمین ومتاخرین میں سے ایک بڑی تعداد نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ان میں ایوب السختیانی، منصور اور لیث بن سعد شامل ہیں۔کئی شوافع علماء نے یہی رائے ظاہر کی ہے۔ ابوالمظفر السمعانی نے اسے مطلق اجازت سے زیادہ قوی قرار دیا ہے اور کئی اصولی علماء نے یہی رائے اختیار کی ہے۔

جولوگ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وابى ذلك قوم آخرون، وإليه صار من الشافعيين القاضي الماوردي(۳)، وقطع به في كتابه الحاوي. (۴)

دوسرے لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے اور یہی موقف ہے قاضی الماوردی کا جسے انہوں نے قطعیت کے ساتھ اپنی کتاب الحاوی میں لکھا ہے۔

حافظ عراقی اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال السيف الآمدي: لا يرويه الا بتسليط من الشيخ كقوله فاروه عني أو اجزت لك روايته، و ذهب ابن القطان إلى انقطاع الرواية الكتابة قاله عقب حديث جابر بن سمرة المذكور؛ ورد ذلك عليه أبو عبدالله بن الموفق (۵)

۱- ابوالمظفر السمعانی منصور بن محمد التمیمی المروزی (م ۴۸۹ھ) حدیث کے سنجیدہ طالب علم تھے۔اپنے علم وفضل کی بنا پر معاصرین پر فائق سمجھے جاتے۔صاحب تصنیف تھے۔حدیث، فقہ اور تفسیر پر کتب مرتب کیں۔وفیات الأعیان، ۳/۲۱۱؛ العبر، ۳/۳۲۶؛ سیر أعلام النبلاء، ۱۹/۱۱۴

۲- ابن الصلاح، ۱۷۳؛ حافظ عراقی نے ان اصولیین میں صاحب المحصول (امام رازی) کا نام بھی دیا ہے۔تقریب مع تدریب، ۲۷۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۲۳

۳- الماوردی علی بن محمد الشافعی (م ۴۵۰ھ) اپنے وقت کے ممتاز فقیہ اور متبحر عالم تھے۔مختلف علاقوں کے قاضی رہے۔صاحب تصانیف تھے۔فقہ، تفسیر، اصول فقہ اور ادب پر تالیفات چھوڑیں۔شافعی مسلک کے داعی ومحافظ تھے، تاریخ بغداد، ۱۲/۱۰۲؛ شذرات الذهب، ۳/۲۸۵؛ سیر اعلام، ۱۸/۶۴

۴- ابن الصلاح، ۱۷۳

۵- محمد بن الحسین بن علی بن موفق ابوعبداللہ اندلسی (م ۶۳۶ھ) عالم قراءت تھے۔میورقہ کے ایک عرصے تک خطیب رہے۔ الأعلام، ۶/۱۰۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۲۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۹

سیف الآمدی کہتے ہیں کہ وہ شیخ کے حکم کے بغیر روایت نہیں کر سکتا مثلاً شیخ کہے:
''مجھ سے روایت کرو'' یا ''میں نے تمہیں اس کی روایت کی اجازت دی ہے۔'' ابن القطان روایت الکتابۃ کو منقطع قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے جابر بن سمرہ کی مذکورہ روایت کے آخر میں کہا ہے اور ابو عبداللہ الموفق نے اس کا رد کیا ہے۔

بعض فقہاء محدثین نے اس مسئلہ میں شدت اختیار کی ہے اور مجرد مکاتبۃ کو ناکافی قرار دیتے ہوئے مقرون بالاجازہ کی شرط لگائی ہے۔ تاہم اکثر محدثین کی رائے کو صحیح قرار دیتے ہوئے حافظ ابن الصلاح نے لکھا:

والمذهب الأولُ هو الصحيح المشهور بين أهل الحديث ، و كثيراً ما يوجد في مسانيدهم و مصنفاتهم قولهم: و ''كتب إلى فلان''، قال: ''حدثنا فلان'' و المراد به هذا. و ذلك معمول به عندهم معدود في المسند الموصول، و فيها اشعار قوى بمعنى الإجازة. فهي وإن لم تقترن بالإجازه لفظاً فقد تضمنت الإجازة معنى. (١)

اور پہلی رائے ہی صحیح ہے اور اصحاب حدیث کے ہاں مشہور بھی ہے، ان کی مسانید اور مصنفات میں جو یہ قول بکثرت پایا جاتا ہے کہ ''فلاں شخص نے میری طرف لکھا'' یا ''ہم سے فلاں شخص نے حدیث بیان کی۔'' تو اس سے یہی مراد ہوتا ہے اور یہ ان کے ہاں معمول ہے اور اسے مسند و موصول شمار کیا جاتا ہے۔ اس میں اجازت کا قوی اشارہ ہے۔ گو لفظ اجازت شامل نہیں ہوتا تاہم یہ معنی اجازت کو متضمن ہوتا ہے۔

احمد محمد شاکر کے بقول:

والمكاتبة مع الإجازة أرجح من المناولة مع الإجازة، بل أرى أنها أرجح من السماع و أوثق، وأن المكاتبة بدون إجازة أرجح من المناولة بالإجازة، أوبدونها. (٢)

مکاتبت مع اجازۃ، مناولہ مع الاجازۃ سے زیادہ قابل ترجیح ہے بلکہ میری رائے میں وہ سماع سے زیادہ راجح اور اوثق ہے۔ اور مکاتبت بدون اجازت مناولہ بالاجازہ اور بدون اجازت سے زیادہ قابل ترجیح ہے۔

١- ابن الصلاح ، ١٧٣؛ تقريب مع تدريب ، ٢٧٨؛ فتح المغيث للعراقى، ٣ / ٢٢٣؛ الباعث الحثيث ، ١١٥؛ فتح المغيث للسخاوى، ٣/٦

٢- الباعث الحثيث، ١٢٣

اس کے جواز پر خطیبؒ سے لے کر سیوطیؒ تک سب نے وہ روایات نقل کی ہیں جن سے کتابت ثابت ہوتی ہے۔(۱) حافظ سیوطیؒ نے اپنے مخص بیان میں ان تمام روایات کی طرف اشارہ کیا ہے جنہیں حافظ سخاویؒ نے مفصل بیان کیا ہے۔ہم ذیل میں حافظ سیوطیؒ کا اقتباس نقل کرتے ہیں جو مسئلہ کی وضاحت کے لیے کافی ہے:

قلت: وهو المختار، بل أقوى من أكثر صور المناولة، وفي صحيح البخاري في الأيمان والنذور (۲)"وكتب الى محمد بن بشار"، وليس فيه بالمكاتبة عن شيوخه غيره و فيه و في صحيح مسلم احاديث كثيرة، في اثناء السند، منهاما أخرجاه عن ورّاد (۳) قال: كتب معاوية إلى المغيرة أن اكتب اليّ ما سمعتَ من رسول اليه فكتب اليه الحديث في القول عقب الصلوٰة. (۴) واخرجا عن ابن عون قال: كتبتُ الى نافع فكتب الى ان النبيّ أغار على بني المصطلق، ......الحديث (۵) و اخرجا عن سالم ابى النضر عن كتاب رجل من أسلم من اصحاب النبيّ، كتب الى عمر بن عبيدالله حين سار إلى الحرورية يخبره بحديث: لا تتمنوا بلقاء العدو (۶) و أخرجا عن هشام قال: كتب الى يحيىٰ بن ابى كثير عن

۱- الكفاية، ۳۳۶-۳۴۲؛ المحدث الفاصل المحدث الفاصل، ۴۴۴-۴۴۷، ۴۴۸- ۴۴۹؛ تدريب الراوى، ۲۷۸؛ فتح المغيث للسخاوى، ۳/ ۴-۷

۲- بخارى، الجامع كتاب الأيمان، باب اذاحنث نا سياً و قول الله تعالىٰ ۷/ ۲۲۷

۳- ورادابوسعید الثقفی الکوفی، مغیرہ کے کاتب اوران کے مولی تھے۔ابن حبان نے انہیں ثقہ کہا ہے۔تهذيب التهذيب، ۱۰/۱۰۱

۴- مغیرہ بن شعبہ نے جواب میں لکھا کہ حضور اکرم ﷺ فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے: لا اله الا الله وحده لا شريك له الملك وله الحمد وهو على كل شيءٍ قدير، اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد. بخارى الجامع، كتاب الصلاة؛ باب الذكر بعد الصلاة، ۱/ ۲۰۵؛ مسلم، الجامع، كتاب الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، ۲/ ۹۵

۵- ان النبى ﷺ اغار على بني المصطلق وهم غارون و انعامهم تسقى على الماء فقتل مقاتلتهم و سبىٰ ذراريهم واصاب يومئذ جويريه. بخارى، الجامع، كتاب العتق، باب من ملك من العرب رقيقا، ۱۴۳/۳؛ مسلم، الجامع، كتاب الجهاد، باب جواز الاغارة على الكفار، ۱۳۹/۵، ابو داؤد، كتاب الجهاد، باب فى دعاء المشركين، ۱/۹۷؛ مسند احمد، ۳۱/۲، ۵۱،۳۲

۶- ان رسول الله فى بعض ايامه التى لقى فيها العدو قال: يا ايها الناس! لا تتمنوا لقاء العدو واسالوا الله العافيه، فاذا لقيتموهم فاصبروا واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف. ابو داؤد، كتاب الجهاد، باب فى كراهية تمنى لقاء العدو، ۹۶/۳؛ بخارى، الجامع كتاب الجهاد، باب لا تمنوّا لقاء العدو، ۲۳،۲۳،۲۴/۴؛ مسلم، الجامع، كتاب الجهاد، باب كراهة تمنى لقاء العدو، ۱۴۳/۵

عبدالله بن ابی قتادة عن ابیه مرفوعاً: اذا اقیمت الصلوٰة فلا تقوموا حتی ترونی. (۱) و عند مسلم حدیث عامر بن سعد (۲) بن ابی وقاص قال: کتبتُ الی جابر بن سمرة مع غلامی نافع (۳) أن أخبرنی بشئٌ سمعتَه من رسول الله ﷺ قال: فکتب إلیّ سمعت من رسول الله ﷺ. یوم جمعة عشیة رجم الاسلمی فذکر الحدیث. (۴)

میں کہتا ہوں کہ یہی مختار قول ہے بلکہ یہ طریقہ روایت مناولہ کی اکثر صورتوں سے زیادہ قوی ہے بخاری کی کتاب الایمان و النذور میں ہے: انہوں نے محمد بن بشار کو لکھا اور اس میں اپنے شیوخ سے مکاتبت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ اس میں اور صحیح مسلم میں سند میں مکاتبت کی بہت سی احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک وراد کی حدیث ہے جسے دونوں نے تخریج کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ معاویہؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ وہ اسے وہ حدیث لکھے جو اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ سو مغیرہ نے وہ حدیث لکھ کر بھیجی جو نماز کے بعد پڑھی جانے والی دعا سے متعلق ہے۔ بخاری و مسلم نے ابن عون سے نقل کیا ہے کہ اس نے نافع کو لکھا اور اس نے بنی المصطلق پر حملے کی روایت لکھ بھیجی اور انہوں نے ہی سالم ابو النضر سے قبیلہ اسلم کے ایک صحابی کی حدیث نقل کی ہے کہ اس نے عمر بن عبید اللہ کو جب وہ الحروریہ کی طرف مہم پر جا رہے تھے تو حضور اکرم ﷺ کی حدیث سے مطلع کیا کہ دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو۔ اور بخاری و مسلم نے ہشام سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے عبد اللہ بن ابی قتادہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب نماز قائم ہو جائے تو اس وقت تک نہ کھڑے ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو"۔ اور مسلم کے ہاں عامر بن سعد بن ابی وقاص کی حدیث ہے کہ جابر بن سمرہ کو اپنے غلام کے ساتھ لکھ بھیجا کہ مجھے اس شے کی خبر دو جو تم نے

۱- بخاری، الجامع، کتاب الاذان، باب متی یقوم الناس اذا رأوا الامام عند الاقامة، ۱/۱۵۷؛ کتاب الجمعة، باب المشی الی الجمعة ۱/۲۱۸؛ مسلم، الجامع، کتاب المساجد، باب متی یقوم الناس للصلوٰة، ۲/۱۰۱

۲- عامر بن سعد بن ابی وقاص الزہری المدنی (م ۱۰۴ھ) اپنے والد، عثمان اور عباس بن عبد المطلب وغیرہم سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے داؤد اور بھتیجوں اسماعیل بن محمد اشعث بن اسحاق نے روایت کی۔ العجلی کہتے ہیں: مدنی تابعی ثقة. تہذیب التہذیب، ۵/ ۵۶؛ سیر أعلام، ۴/ ۳۴۹

۳- نافع مولیٰ عامر بن سعد بن ابی وقاص، جابر بن سمرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عامر بن سعد۔ کتب رجال میں زیادہ تذکرہ نہیں ملتا۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/ ۳۷۰؛ التاریخ الکبیر، ۴/۱/۸۱

۴- تدریب، ۲۷۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۴—۲۲۵؛ فتح المغیث السخاوی، ۳/۱۰، ۱۱؛ مسند احمد، ۵/۸۹

رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو تو انہوں نے لکھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جمعہ کے روز جس شام اسلمی کو رجم کیا گیا یہ سنا اور پھر حدیث کو ذکر کیا۔

حافظ سخاوی اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و استدل له البخاری بحدیث ابن عباس قال: بعث رسول اللهؐ بکتابه رجلاً، وأمره أن یدفعه الی عظیم البحرین، فدفعه عظیم البحرین الی کسریٰ و بحدیث انسؓ: کتب النبی ﷺ کتابا أو أراد ان یکتب...... و قد صارت کتب النبی ﷺ دینا یدان بها و العمل بها لازم للخلق، وکذلك ما کتب به ابوبکر و عمر و غیرهما من الخلفاء الراشدین فهو معمول به، ومن ذلك کتاب القاضی إلی القاضی، یحکم به ویعمل به. (۱)

بخاری نے ابن عباس کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خط کے ساتھ ایک آدمی بھیجا اور اسے کہا کہ اس خط کو بحرین کے حکمران کو دے دیں اور اس نے اسے کسریٰ کو پیش کر دیا۔ انسؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خط لکھا یا ارادہ کیا کہ خط لکھیں۔ نبی ﷺ کے خطوط ایک اسوہ بن گئے جن کی پیروی کی گئی اور لوگوں کے لیے اس پر عمل لازم ہو گیا۔ اسی طرح جو کچھ خلفاء راشدین نے لکھا وہ معمول بہ ہو گیا۔ اسی طرح ایک قاضی کا مکتوب دوسرے قاضی کے لیے حیثیت رکھتا ہے جس کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے اور جس پر عمل کرتا ہے۔

مکاتبت سے روایت کی حیثیت

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ طالب کے پاس شیخ کی کتاب سے روایت جائز ہے بشرطیکہ دلیل کے ساتھ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ شیخ ہی کی کتاب ہے اور شیخ نے اس کے لیے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور اس کے حکم سے لکھا گیا ہے۔ دونوں صورتوں میں مکاتبت ثابت ہو جائے گی۔ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر دلیل نہیں ہے لیکن طالب شیخ کے خط کو پہچانتا ہے تو کیا خط کی معرفت کافی ہو گی؟ امام غزالیؒ اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ کافی نہیں ہے۔ ان کی رائے میں ایک خط دوسرے خط سے مشابہ ہو سکتا ہے اس لیے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا لیکن محققین علماء کی رائے ہے کہ خط کی معرفت کافی دلیل ہے اور اس سے زیادہ کچھ طلب نہیں کیا جائے گا۔ (۲)

۱۔ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۹-۱۰؛ الکفایۃ، ۳۴۵

۲۔ توضیح الافکار، ۲/ ۳۳۹

حافظ ابن الصلاحؒ اس نقطہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم يكفى فى ذلك أن يعرف المكتوب إليه خط الكاتب و إن لم تقم البينة (۱) عليه. ومن الناس من قال: الخط يشبه الخط فلا يجوز الاعتماد على ذلك، و هذا غير مرضى، لأن ذلك نادر و الظاهر أن خط الإنسان لا يشبه بغيره ولا يقع فيه إلباس. (۲)

اس سلسلے میں یہ کافی ہے کہ مکتوب الیہ لکھنے والے کے خط کو پہچانے اگر چہ اس پر کوئی دلیل قائم نہ کی گئی ہو۔ اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کہا کہ ایک خط دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے اس لیے اس پر اعتماد کرنا جائز نہیں لیکن یہ ناپسندیدہ بات ہے کیونکہ ایسا نادر ہوتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ایک انسان کا خط دوسرے کے خط سے نہیں ملتا اور اس میں کوئی التباس نہیں واقع ہوتا۔

حافظ سخاویؒ اس نقطے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و كذا قال ابن ابى الدم: ذهب بعض المحدثين وغيرهم إلى انه لا يجوز الاعتماد على الخط من حيث أنّ الخط يتشابه أخذاً من الحاكم فى انه لايجوز له العمل بما يرد عليه من المكاتبات الحكمية من قاض آخر إذا عرف الخط على الصحيح، و هذا وإن كان له اتجاه فى الحكم، فالأصح الذى عليه العمل. يعنى سلفاً و خلفاً هنا جواز الاعتماد على الخط لأنه صلى الله عليه وسلم كان يبعث كتبه إلى عماله فيعملون بها و اعتمادهم على معرفتها. (۳)

ابن ابی الدم کا بھی یہی قول ہے: بعض محدثین وغیرہ اس جانب گئے ہیں کہ خط پر اعتماد جائز نہیں کیونکہ خط میں مشابہت پائی جاسکتی ہے۔ حاکم کے فیصلے سے اخذ کرتے ہوئے کہ اس کے لیے مکاتبات حکمیہ جو دوسرے قاضی کی طرف سے وارد ہوتی ہیں عمل جائز نہیں اگر وہ صحیح طور پر خط کو نہ پہچان سکے اور یہ اگر حکم کے سلسلے ایک اتجاہ ہے تاہم زیادہ صحیح جس پر سلف۔ وخلف کا عمل ہے وہ خط پر اعتماد کا جواز ہے اس لیے نبی کریم ﷺ اپنے عمال کو مکتوب بھیجتے تھے اور اس کی معرفت کے اعتماد پر عمل کرتے تھے۔

۱- حافظ سخاوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وإن لم تقم البينة عليه برؤيته و هو يكتب ذلك ؛ أو بالشهادة عليه أنه خطه، او بمعرفة أنه خطه، للتوسع فى الرواية۔ فتح المغيث ، ۳/ ۱۲

۲- ابن الصلاح ، ۱۷۴؛ فتح المغيث للسخاوى، ۳ /۱۲؛ تقريب مع تدريب، ۲۷۸

۳- فتح المغيث ، ۳ / ۱۲-۱۳

خطیبؒ نے ان سب سے پہلے اس مسئلے پر اپنی رائے واضح کر دی تھی۔ اجازت کے حوالے سے ان کے ہاں مفصل بحثیں ہیں۔ بعد میں آنے والوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

حدثنا مسكين بن بكير عن شعبة قال: كتب إليّ منصور بحديث ثم لقيته فقلت: احدث به عنك؟ قال: أوليس إذا كتبت إليك فقد حدثتك، قال ثم لقيت أيوب السختياني فسألته، فقال مثل ذلك. (قال الخطيب) و أستحب أن يكون الكتاب بخط الراوى ولا يلزمه ذلك بل ان أمر غيره أن يكتب عنه و يقول فى الكتاب و كتابى هذا إليك بخط فلان ويسميه جاز، وهذا كله من باب الاستيثاق فان فعل كان أثبت، و ان لم يذكر فى الكتاب اسم الكاتب له جاز، و المقصود أن يثبت عند المكاتب ان ذلك الكتاب هو من الراوى تولاه بنفسه أو أمر غيره بكتبه عنه (۱)

مسکین بن بکیر شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: منصور نے مجھے ایک حدیث لکھ کر بھیجی پھر میں اس سے ملا تو کہا: کیا میں آپ سے وہ حدیث روایت کروں؟ تو کہنے لگے: کیا ایسا نہیں تھا کہ جب میں نے آپ کو لکھا تھا تو گویا حدیث بیان کی تھی؟ وہ کہتے ہیں کہ پھر میں ایوب السختیانی کو ملا اور ان سے سوال کیا تو انہوں نے بھی ایسی ہی بات کی۔ خطیب کہتے ہیں کہ میں پسند کرتا ہوں کہ کتاب راوی کے خط میں لکھی ہوئی ہو اور یہ ضروری بھی نہیں بلکہ اگر وہ کسی اور کو اپنی طرف سے لکھنے کا حکم دے اور کتاب میں یہ کہے: میری یہ کتاب تمہارے لیے ہے اور فلاں شخص کے خط میں ہے۔ اور اگر اس کا نام لکھے تو جائز ہے۔ یہ سب کچھ کے زمرہ میں آتا ہے، اگر ایسا کرے تو زیادہ مضبوط بات ہوگی۔ اور اگر کتاب میں کاتب کا نام نہ لکھے تو بھی جائز ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مکاتب کے ہاں یہ بات ثابت ہو جائے کہ کتاب راوی کی طرف سے ہے اور اس نے خود مرتب کی ہے۔ یا کسی اور کو کہا ہے کہ اس کی طرف سے لکھے۔

ہماری رائے میں اسی موضوع پر لطیف بات امیر صنعانی کی ہے۔ وہ اس نقطہ پر مختلف آراء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

۱۔ الكفاية، ۳۳۷

والذی یخطر للعبد الفقیر غفر الله له أن هذا یختلف باختلاف الناس، فان بعضهم دقیق الملاحظة قوی الغارضة یستطیع ان یدرك الفرق بین الخطوط المتقاربة، و بعضهم علی العکس من ذلك کله: فمن کان فی المنزلة الاولیٰ ساغ له أن یعتمد علی معرفة الخط، و من کان فی المنزلة الثانیة لم یکفه ذلك، وإذا علمتَ هذا تبین لك ان الخلاف بین الغزالی و من لم یأخذ برأیه انما هو اختلاف فی احوال الناس واقتدارهم و لیس خلافاً فی جوهر الموضوع. (۱)

بندہ فقیر غفر اللہ لہ کے دل میں جو بات آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اختلاف لوگوں کی طبائع کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ کچھ لوگ گہری نظر والے اور عبارتوں کا مقابلہ کرنے میں قوی ہوتے ہیں وہ اس بات کی استطاعت رکھتے ہیں کہ خطوط متقاربہ میں فرق معلوم کرسکیں۔ اور بعض لوگ مکمل طور پر اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ سو جو شخص پہلے مرتبے کا ہے اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ خط کی معرفت پر اعتماد کرے اور جو دوسرے مرتبے میں ہے اس کے لیے یہ کافی نہیں۔ جب تمہیں یہ معلوم ہوگیا تو تم پر واضح ہوگیا ہوگا کہ غزالی اور ان سے مختلف رائے رکھنے والے لوگوں میں اختلاف لوگوں کے احوال اور ان کی مہارت وقدرت کا ہے جوہر موضوع میں اختلاف نہیں ہے۔

الفاظ ادا

مکاتبت کے ضمن ایک اہم بحث کہ اس طریق روایت میں کون سے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ کیا صرف حدثنا اور اخبرنا کہا جائے یا کتابۃ کا لفظ ساتھ ملایا جائے۔ اس سلسلے میں دو آراء ہیں ایک یہ کہ تحدیث و اخبار کا اطلاق جائز ہے اور دوسرا یہ کہ اخبار کا استعمال درست ہے تحدیث کا استعمال درست نہیں ہے۔ (۲) حافظ ابن الصلاح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم ذهب غیر واحد من علماء المحدثین و أکابرهم، منهم اللیث بن سعد(۳)

۱- توضیح الافکار، ۲ / ۳۳۹

۲- ایضاً، ۲ / ۳۳۹

۳- دیکھیے کتاب ہذا صفحہ ۲۳۲، حاشیہ ۶

و منصور (۱) الی جواز اطلاق "حدثنا و أخبرنا" فی الروایة بالمکاتبة، و المختار قول من یقول فیها "کتب إلیّ فلان: قال: حدثنا فلان بکذا و کذا". وهذا هو الصحیح الائق بمذهب أهل التحری و النزاهة، و هکذا لو قال: أخبرنی به مکاتبة، أو کتابة" و نحوذلک من العبارات. (۲)

اکابر علماء محدثین میں سے بشمول لیث بن سعد اور منصور کئی ایک اس طرف گئے ہیں کہ روایت بالمکاتبہ میں حدثنا اور اخبرنا کا اطلاق جائز ہے اور مختار قول یہ ہے کہ راوی کہے: "فلاں شخص نے میری طرف لکھا" کہا: "فلاں شخص نے ہم سے اس طرح یا ایسے حدیث بیان کی"۔ یہی صحیح ہے اور اہل تحقیق وتقویٰ کے مذہب سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور اس طرح اگر وہ کہے: "مجھے اس نے بذریعہ مکاتبت یا کتابت خبر دی ہے یا اسی طرح کی عبارات استعمال کرے"۔

امام حاکمؒ کہتے ہیں:

الذی اختاره و عهدت علیه اکثر مشائخی و ائمة عصری أن یقول فیما کتب الیه المحدث من حدیثه و لم یشافهه بالإ جازة، کتب الیّ فلان. (۳)

جو رائے میں نے اختیار کی ہے اور جس پر اپنے اکثر مشائخ اور ائمہ عصر کو پایا وہ یہ ہے کہ جب محدث اپنی حدیث میں سے کوئی شے اسے لکھ دے اور زبانی اجازت نہ دے تو اس پر اسے یہ کہنا چاہیے کہ "فلاں شخص نے میری طرف لکھا"۔

قاضی عیاض ذرا زیادہ وضاحت سے لکھتے ہیں:

وقد استمر عمل السلف فمن بعدهم من المشائخ بالحدیث بقولهم: کتب الی فلان قال: أخبرنا فلان، و أجمعوا علی مقتضی هذا التحدیث وعدوه فی المسند بغیر خلاف یعرف فی ذلک. وهو موجود فی الأسانید کثیر (۴)

۱- منصور بن المعتمر ابو عتاب السلمی الکوفی (م ۱۳۲ھ) اپنے وقت کے اجل علماء سے سماع کیا۔ اہل علم کی ایک کثیر تعداد نے ان کی مجالس علمی میں شرکت کی۔ حافظ وضابط اور ثقہ محدث تھے۔ سفیان ثوری نے ان سے احادیث کی کثیر تعداد کا سماع کیا۔ التاریخ الکبیر، ۴/۱/۳۴۶؛ طبقات ابن سعد، ۶/ ۳۳۷؛ سیر أعلام النبلاء، ۵/ ۴۰۲

۲- ابن الصلاح، ۱۷۴؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۱۳؛ المنهل الروی، ۹۰؛ الکفایة، ۳۴۲

۳- معرفة علوم الحدیث، ۲۶۰

۴- الالماع، ۸۶

حدیث کے بارے میں سلف اور ان کے بعد کے مشائخ کا یہ کہنا معمول رہا ہے کہ فلاں شخص نے میری طرف لکھا، کہا کہ ہمیں فلاں شخص نے خبر دی۔ اس طرح حدیث بیان کرنے کے مقتضی پر اجماع کیا اور اسے مسند میں شمار کیا اور اس بارے میں کوئی اختلاف معروف نہیں اور یہ طریقہ اسانید میں بکثرت موجود ہے۔

گویا محدثین کے ہاں مکاتبت کے ساتھ اخبار کا استعمال پسندیدہ ہے حدثنا اور اخبرنا کا مطلق استعمال ناپسندیدہ ہے۔ امیر صنعانیؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا: و هذا مذهب واه ضعيف. (۱) یعنی یہ کمزور اور بے بنیاد مذہب ہے۔

حافظ سیوطیؒ نے امام بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابو سلیمان الجوزقانی کی مجلس میں حدثنا اور أخبرنا کا ذکر چھڑا تو کہا گیا کہ دونوں برابر ہیں۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ دونوں میں فرق ہے۔ کیا تمہیں علم نہیں محمد بن الحسن نے کہا۔

إذا قال رجل لعبده "إن اخبرتني بكذا فانت حر" فكتب إليه بذلك. صار حراً، وإن قال: "إن حدثتني بكذا فانت حر" فكتب إليه بذلك. لايعتق. (۲)

اگر کوئی شخص اپنے غلام سے کہے کہ اگر تو نے مجھے یہ خبر دی تو تو آزاد ہے اور غلام نے اس کو یہ خبر لکھ دی تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے کہا کہ اگر تو مجھے یہ حدیث بیان کرے گا تو آزاد ہے سو اس نے وہ حدیث اس کو لکھ کر بھیج دی تو وہ آزاد نہیں ہوگا۔

حافظ ابن حجرؒ نے مکاتبہ کو مستقل صنف کے طور پر نہیں بیان کیا بلکہ اجازت کی دو قسمیں قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واطلقوا المشافهة فى الإجازة المتلفظ بها تجوزاً و كذا المكاتبة فى الإجازة المكتوب بها. وهو موجود فى عبارة كثير من المتأخرين بخلاف المتقدمين، فانهم إنما يطلقونها فيما كتب به الشيخ من الحديث إلى الطالب سواء اذن له فى روايته أم لا. لا فيما إذا كتب إليه بالإجازة فقط. (۳)

(اہل علم نے) زبانی اجازت کے لیے مشافہہ کا اطلاق کیا اور لکھی ہوئی اجازت کے لیے مکاتبہ کی اصطلاح استعمال کی۔ متاخرین کی عبارتوں میں یہ بکثرت موجود ہے، بخلاف متقدمین کے وہ اسے صرف ان معنوں میں استعمال کرتے ہیں کہ شیخ با اجازت یا بلا اجازت روایت حدیث طالب کی طرف لکھ بھیجے۔

۱- توضیح الافکار، ۲/۳۳۹

۲- تدریب، ۲۷۹

۳- نزهة النظر، ۶۲

مناولہ اور اجازہ میں راوی کے الفاظ

مناولہ اور اجازہ کا طریق اور اس کی انواع و اقسام پر مفصل بحث کا اہم حصہ طریق ادا ہے۔ راوی مناولہ اور اجازہ کے طریق پر روایت کرنے میں کون سے الفاظ استعمال کرے؟

محدثین نے جہاں طرق تحمل پر بحث کی ہے وہاں صیغ اداء کو بھی بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے طرق تحمل پر گفتگو سے پہلے صیغ اداء پر بحث کی ہے بلکہ انھوں نے بحث کا عنوان ہی صیغ الاداء رکھا ہے(۱) اور جب طرق تحمل پر بات ختم کی ہے تو وہاں لکھا ہے:

وإلى هنا انتهى الكلام في أقسام صيغ الأداء. (۲)

اور یہاں صیغ الاداء کی اقسام پر کلام ختم ہوتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے اس باب کا عنوان "اقسام طرق نقل الحديث و تحمله" (۳) رکھا لیکن بنیادی بیان تحمل الحدیث پر ہے اور صیغ اداء کی بات ضمناً بیان کی ہے مثلاً تحمل کی قسم "سماع" میں "سمعت"، "حدثنا" اور "حدثني" کا تذکرہ ہے اسی طرح "اخبرك" پر بھی بات کی ہے۔(۴) اسی طرح قراءت کی قسم کو بیان کرنے کے بعد تفریعات کے عنوان سے تفصیلی بحث کی ہے جس میں صیغ الادء پر بھی بات کی گئی ہے۔(۵) اور پھر مناولہ پر کلام کے اختتام میں "عبارة الراوي بطريق المناولة والإجازة" (۶) کے عنوان سے مستقل بحث کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن الصلاح کی اس گفتگو سے پہلے حافظ ابن حجر کی مختصر اور جامع بات کو نقل کر دیا جائے۔ اس سے نہ صرف پس منظر واضح ہوگا بلکہ حافظ ابن الصلاح کی بات کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔ یہ اقتباس اگرچہ ذرا طویل ہے لیکن اس پس منظر میں ضروری اور مفید ہے۔ حدیث مسلسل کی تعریف میں صیغ الاداء کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و صيغ الأداء المشار إليها على ثمان مراتب، الأولى: "سمعت

۱- نزهة النظر، ۶۳

۲- ایضاً، ۶۸

۳- ابن الصلاح، ۱۳۲

۴- ایضاً، ۱۳۲-۱۳۳

۵- ایضاً، ۱۴۱

۶- ایضاً، ۱۶۹

وحدثنی" ثم "أخبرنی و قرأت علیه" وهی المرتبة الثانية ثم "قرئ علیه و أنا أسمع" وهی الثالثة ثم "أنبأنی" وهی الرابعة ثم "ناولنی" وهی الخامسة ثم "شافهنی" ای بالإجازة وهی السادسة ثم "کتب الیّ" ای بالإجازة. وهی السابعة ثم عن و نحو ها من الصیغ المحتملة للسماع والاجازة و لعدم السماع ایضاً. و هذا مثل قال: و ذکرو روی. فاللفظان الأولان من صیغ الأداء و هما "سمعت و حدثنی" صالحان لمن سمع وحده من لفظ الشیخ و تخصیص التحدیث بماسمع من لفظ الشیخ هو الشائع بین أهل الحدیث اصطلاحاً. ولا فرق بین التحدیث و الإخبار من حیث اللغة و فی ادعاء الفرق بینهما تکلف شدید لکن لما تقرر الاصطلاح صار ذلك حقیقة عرفیة، فتقدم علی الحقیقة اللغوية. مع ان هذا الاصطلاح انما شاع عند المشارقة و من تبعهم، وأما غالب المغاربة فلم یستعملوا هذا الاصطلاح، بل الإخبار و التحدیث عندهم بمعنی واحد، فإن جمع الراوی ای أتی بصیغة الجمع فی الصیغة الاولیٰ کأن یقول حدثنا فلان أوسمعنا فلانا یقول فهو دلیل علی انه سمع منه مع غیره. وقد تکون النون للعظمة لکن بقلة. وأولها ای صیغ المراتب أصرحها ای أصرح صیغ الأداء فی سماع قائلها لأنها تحتمل الواسطة، ولأن "حدثنی قد یطلق فی الإجازة تدلیساً. وارفعها مقداراً ما یقع فی الإملاء لما فیه من التثبت والتحفظ ، والثالث هو "اخبرنی" والرابع وهو قرات علیه" لمن قرأ بنفسه علی الشیخ، فان جمع کأن یقول: أخبرنا او قرأنا علیه فهو کالخامس، وهو "قرئ علیه وأنا أسمع، و عرف من هذا أن التعبیر بقراءة لمن قرأخیر من التعبیر بالاخبار لأنه أفصح بصورة الحال. (۱) ...... والانباء من حیث اللغة واصطلاح المحدثین بمعنی الإخبار إلا فی عرف

۱- نزهة النظر ، ٦٣- ٦٥

المتاخرين فهو للاجازة كعن لأنها في عرف المتأخرين للإجازة.(۱)

الفاظ ادا کے آٹھ مراتب ہیں۔ ۱۔سمعت و حدثنی ۲۔اخبرنی و قرات علیہ ۳۔قری علیہ وأنا اسمع ۴۔أنبانی ۵۔ناولنی ۶۔شافهنی با لاجازہ ۷۔کتب الی بالاجازہ ۸۔عن وغیرہ وہ صیغے جن میں سماع وعدم سماع اور اجازت کا احتمال ہو جیسے قال و"ذکر و روی" الفاظ اداء میں سے پہلے دو یعنی سمعت و حدثنی اس راوی کے لیے موزوں ہیں جس نے تنہا شیخ کی زبان سے حدیث سنی ہو۔رہا شیخ کی زبانی حدیث سننے کو تحدیث کے ساتھ مخصوص کرنا اصطلاحاً اصحاب حدیث کے ہاں مروج ومعروف ہے ورنہ لغتاً تحدیث واخبار میں کچھ فرق نہیں اور ان کے درمیان فرق کا ادعا شدید تکلف ہے البتہ یہ فرق چونکہ اصطلاحاً متعارف ہے اس لیے یہ حقیقت عرفیہ کی حیثیت حاصل کر چکی ہے اسی لیے حقیقت پر اسے تقدم حاصل ہے اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ اصطلاح صرف اہل مشرق اصحاب علم اور ان کے تبعین کے ہاں متعارف ہے جہاں تک مغاربہ کا تعلق ہے تو وہ یہ اصطلاح استعمال نہیں کرتے۔ان کے ہاں تحدیث واخبار ایک ہی معنی میں استعمال ہوتی ہیں۔جب راوی حدثنا یا سمعنا فلانا جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرے تو اس سے مراد یہ ہے کہ راوی نے کسی اور کے ساتھ مل کر حدیث سنی ہے۔کبھی نون عظمت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن ایسا کم ہوتا ہے (اور اس سے مراد صرف ایک ہوگا) اور کلمہ سمعت راوی کی سماعت ثابت کرنے والے تمام صیغہ ہائے ادا سے زیادہ صریح ہے یہاں تک کہ حدثنی سے بھی کیونکہ اس میں واسطہ کا احتمال نہیں نکل سکتا بخلاف حدثنی وغیرہ کے کیونکہ اس کا اطلاق کبھی ایسی اجازت پر بھی کیا جاتا ہے جس میں تدلیس ہوتی ہے۔املاء کے سلسلے میں جو کچھ واقع ہے اس میں یہ سب سے ارفع ہے کیونکہ اس میں تحفظ وضبط زیادہ ہوتا ہے۔تیسرا اخبرنی ہے اور چوتھا قرات اس شخص کے لیے جس نے خود شیخ کے سامنے پڑھا اور اگر جمع کا صیغہ استعمال کیا اور کہا: اخبرنا اور قرأنا علیه تو یہ پانچواں مرتبہ ہوگا اور اس سے مراد قری علیه وأنا أسمع ہوگا یعنی شیخ کے سامنے پڑھا گیا اور میں نے سنا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو راوی شیخ کے سامنے قراءت کرے اس کو قرات علیه کے ساتھ اپنی قرات کو تعبیر کرنا بہ نسبت اخبرنی کے افضل ہے۔اس لیے کہ صورت حال کی وضاحت اخبرنی کی بہ نسبت زیادہ ہے۔۔۔۔اور انباء لغت اور اصطلاح محدثین میں بمعنی اخبار سمجھا جاتا ہے البتہ متاخرین کے عرف میں عن کی طرح اجازت کے لیے بھی آتا ہے۔

۱۔ نزهة النظر، ۶۵

حافظ ابن حجرؒ کے اس موجز بیان کے بعد اب ہم حافظ ابن الصلاحؒ کا بیان نقل کرتے ہیں جو مناولہ اور اجازت کے تعبیرات کے سلسلے میں اصطلاحات کی وضاحت کرتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ متقدمین اور ان کے بعد کے لوگوں سے منقول ہے کہ انھوں نے بطریق مناولہ روایت کے لیے حدثنا و اخبرنا کے اطلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ بات امام زہری اور امام مالک وغیرہ سے منقول ہے یہ اس مذہب کے موافق ہے جو پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ان حضرات نے مقرون بالا جازہ مناولہ کو سماع کے برابر قرار دیا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگوں سے روایت بالا جازہ کے بارے میں بھی منقول ہوا ہے۔(۱) حافظ ابونعیم اصبہانی جو علم حدیث میں بہت تصانیف کے مالک ہیں وہ روایت بالا جازہ میں اخبرنا کا اطلاق کرتے ہیں۔ ان سے مروی ہے۔

قال: أنا اذا قلت: حدثنا فهو سماعي، و إذا قلت: أخبرنا على الاطلاق فهو إجازة من غير ان أذكر فيه "اجازة، أو كتابة أو كتب إلى، أو أذن لي في الرواية عنه." (۲)

جب میں کہتا ہوں حدثنا تو مراد سماع ہوتا ہے اور جب میں مطلق اخبرنا کہتا ہوں تو وہ اجازت ہوتی ہے بغیر اس کے کہ اس میں اجازت، کتابت یا میری جانب بھیجی ہوئی تحریر یا روایت کے اذن کا تذکرہ ہو۔

مورخ ابوعبیداللہ المرزبانی جو تاریخ پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں، اپنی اکثر کتابوں میں بغیر سماع کے بطریق اجازت روایت کرتے ہیں اور اجازت میں اخبرنا کی اصطلاح بغیر وضاحت کے استعمال کرتے ہیں۔ خطیب کے مطابق اسے اُن کی کمزوری اور عیب گردانا گیا ہے۔(۳)

حافظ عراقیؒ کہتے ہیں:

وحكى عن قوم آخرين جواز اطلاق "حدثنا و اخبرنا" في الرواية بالإجازة مطلقاً وقال القاضي عياض: وحكى ذلك عن ابن جريج و جماعة من المتقدمين وحكى الوليد بن بكر انه مذهب مالك و أهل المدينة. و ذهب إلى جوازه امام الحرمين وخالفه غيره من أهل الأصول. (۴)

۱- ابن الصلاح، ۱۶۶، ۱۶۹-۱۷۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۲۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۳۰۴-۳۰۶

۲- الالماع، ۸۸-۸۹؛ ابن الصلاح، ۱۷۰

۳- ابن الصلاح، ۱۷۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۲۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۳۰۴-۳۰۵؛ المنهل الروی، ۸۹؛ تدریب، ۲۷۴

۴- فتح المغیث للعراقی، ۳/۲۲۱-۲۲۲

کچھ دوسرے لوگوں سے روایت بالاجازہ میں حدثنا اور اخبرنا کے استعمال کا جائز ہونا منقول ہوا ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ابن جریج اور متقدمین کی ایک جماعت سے بھی جواز منقول ہے۔ اور ولید بن بکر نے امام مالک اور اہل مدینہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ امام الحرمین بھی اس کے جواز کی طرف گئے ہیں جب کہ اصولیوں میں سے کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والصحيح و المختار الذى عليه عمل الجمهور واياه اختار اهل التحرى والورع المنع فى ذلك من اطلاق "حدثنا و أخبرنا" و نحوهما من العبارات، وتخصيص ذلك بعبارة تشعربه بأن يقيد هذه العبارات فيقول: "أخبرنا أو حدثنا فلان" مناولة وإجازة، أوأخبرنا إجازة أو أخبرنا مناولة أو أخبرنا إذناً أوفى إذنه، أوفى ما أذن لى فيه أوفى ما أطلق لى روايته عنه." أو يقول: "أجاز لى فلان كذا و كذا أو ناولنى فلان" وما أشبه ذلك من العبارات.و خصّص قوم الإجازة بعبارات لم يسلموا فيها من التدليس أو طرف منه، كعبارة من يقول فى الإجازة: "اخبرنا مشافهة" اذا كان قد شافهه بالإجازة لفظاً، وكعبارة من يقول: "أخبرنا فلان كتابة، أوفيما كتب الى أوفى كتابه" إذا كان قد أجازه بخطه. فهذا و ان تعارفه فى ذلك طائفة من المحدثين المتاخرين فلا يخلو عن طرف من التدليس لما فيه من الاشتراك والاشتباه بما اذا كتب اليه ذلك الحديث بعينه.(۱)

اور صحیح اور پسندیدہ رائے جس پر جمہور عمل پیرا ہیں اور جسے اہل تحقیق واحتیاط نے اختیار کیا وہ حدثنا اور اخبرنا جیسی عبارات کے اطلاق کا ممنوع ہونا ہے اور اسے ایسی عبارت سے مختص کرنا جو ظاہر کرے کہ یہ عبارات مقید ہیں۔ جیسے مثلاً کہے: ہمیں اس شخص نے بطریق مناولہ یا اجازہ خبر دی یا حدیث بیان کی۔ یا کہے: "اس نے ہمیں بطریق اجازت خبر دی" "اس نے ہمیں بطریق مناولہ خبر دی"، اس نے ہمیں "اذن" سے خبر دی، "اپنے اذن میں"

۱- ابن الصلاح، ۱۷۰-۱۷۱

یا ''جس کے بارے میں مجھے اذن دیا گیا'' یا ''مجھے اس سے روایت کرنے کی آزادی دی گئی'' یا کہے: ''فلاں شخص نے مجھے اس اس کی اجازت دی'' یا ''فلاں شخص نے بطریق مناولہ اجازت دی''۔ یا اسی طرح کی عبارات۔ کچھ لوگوں نے اجازت کو ایسی عبارات سے مختص کیا ہے، جس میں تدلیس یا اس کا کوئی پہلو شامل نہ ہو جیسے مثلاً اجازت کی یہ عبارت اخبرنا مشافهه یعنی اس نے ہمیں زبانی خبر دی۔ جب اس نے لفظاً بول کر اجازت دی ہو یا عبارت جس میں کہے ''فلاں شخص نے ہمیں تحریراً خبر دی'' یا اس میں جو اس نے میری طرف لکھا'' یا ''جو کچھ اس کی کتاب میں ہے اگر اس نے اپنے خط سے اجازت دی ہو۔ یہ اگرچہ متاخرین محدثین کے ہاں متعارف ہے لیکن تدلیس کے ایک پہلو سے خالی نہیں ہے اس لیے کہ اس میں اس حدیث سے اشتراک و اشتباہ پایا جاتا ہے جو اس نے اس کی طرف بعینہ لکھ کر بھیجا۔

امام اوزاعی سے نقل ہوا ہے کہ انھوں نے اجازت کو خبّرنا میں باء کو تشدید کے ساتھ مختص کیا ہے اور قراءة علیه کو اخبرنا کے ساتھ (۱) اور ایک جماعت نے اجازت میں أنبانا بطور اصطلاح کے اطلاق کیا ہے اور اسی کو الوجازہ فی الإجازۃ کے مصنف ولید بن بکر (۲) نے اختیار کیا ہے۔ اور جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے بعض لوگوں کے نزدیک أنبانا اخبرنا کے مساوی ہے۔ ابوبکر البیہقی کا رجحان اسی طرف ہے۔ وہ کہا کرتے تھے أنبانی فلان إجازۃ یعنی فلاں شخص نے مجھے بطریق اجازت خبر دی۔ حافظ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں کہ اس میں متاخرین کی اصطلاح کی رعایت بھی موجود ہے۔ (۳)

امام حاکم سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

الذی اختارہ و عهدت علیه اکثر مشائخی و ائمة عصری ان یقول فیما عرض علی المحدث فاجازلہ روایته شفاهاً: ''أنبانی فلان'': وفیما کتب

۱- ابن الصلاح، ۱۷۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۳۱۲، ۳۱۳-۳۱۴؛ المنهل الروی، ۸۹؛ تدریب، ۲۷۴

۲- ولید بن بکر الغمری الاندلسی السرقسطی الحافظ۔ ابن الفرضی کہتے ہیں: کان اماماً فی الفقه و الحدیث و عالماً باللغة العربیة اپنے رحلات علمیہ میں ہزار سے زائد شیوخ سے ملاقات کی۔ دینور میں ۳۹۲ھ میں وفات پائی۔ العبر، ۲ / ۱۸۳-۱۸۴؛ تاریخ بغداد، ۱۳ / ۴۵۰؛ سیر اعلام، ۱۷ / ۶۵

۳- ابن الصلاح، ۱۷۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۳۱۴؛ المنهل الروی، ۸۹؛ تدریب، ۲۷۴

إليه المحدث من مدينة ولم يشا فهه بالإجازة: "كتب إلى فلان". (۱)

وہ رائے جسے میں نے اختیار کیا اور اپنے اکثر مشائخ اور ائمہ عصر کو پابند پایا کہ جو کچھ محدث کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے اسے روایت کی زبانی اجازت دی اور کہا: "مجھے فلاں نے خبر دی اور اس بارے میں کہ محدث نے کسی شہر سے اس کی طرف لکھا اور زبانی اجازت نہیں دی یہ کہے: "میری طرف فلاں شخص نے لکھا"

ابوعمرو بن ابی جعفر ابن حمدان کا قول ہے:

سمعت أبی یقول: کل ما قال البخاری: "قال لی فلان" فهو عرض، ومناولة. (۲)

میں نے اپنے والد کو کہتے سنا کہ جب کبھی بخاری کہتے ہیں: "مجھ سے فلاں شخص نے کہا" تو وہ مناولہ ہوتا ہے۔

قاضی عیاض نے شعبہ سے نقل کیا ہے کہ طریق اجازت میں انھوں نے ایک مرتبہ أنبأنا کہا اور پھر أخبرنا کہا۔ (۳) حافظ عراقی اسے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ شعبہ سے ان دونوں اصطلاحوں کا استعمال بعید ہے کیونکہ وہ طریق اجازت کے قائل ہی نہ تھے (۴)۔ حافظ ابن الصلاح بیہقی اور حاکم کے بیانات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت: وورد عن قوم من الرواة التعبیر عن الاجازة بقول: "اخبرنا فلان أن فلاناً حدثه أو اخبره" و بلغنا ذلك عن الامام أبی سلیمان الخطابی انه اختاره أو حكاه و هذا اصطلاح بعید عن الإشعار بالإجازة، و هو فیما اذا سمع منه الإسناد فحسب و أجازله ما رواه قریب، فان كلمة "أن" فی قوله: "اخبرنی فلان ان فلاناً اخبره" فیها اشعار بوجود اصل الاخبار و ان أجمل المخبربه ولم یذكره تفصیلاً. (۵)

۱- معرفة علوم الحدیث، ۲۶۰؛ ابن الصلاح، ۱۷۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۳۱۴؛ تدریب، ۲۷۵؛ المنهل الروی، ۸۹

۲- ابن الصلاح، ۱۷۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۳۱۵؛ تدریب، ۲۷۶؛ المنهل الروی، ۸۹

۳- فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲ / ۳۱۴؛ الالماع، ۱۲۸

۴- ایضاً، ۳ / ۲۲۳

۵- ابن الصلاح، ۱۷۲

میں کہتا ہوں کہ راویوں کی ایک جماعت سے اجازت کی تعبیر ان الفاظ میں ہوئی ہے:

''ہمیں فلاں نے خبر دی کہ فلاں نے اس سے حدیث بیان کی یا اسے خبر دی'' اور ہمیں امام ابوسلیمان الخطابی سے روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے اسے اختیار کیا یا نقل کیا ہے۔ اور یہ اصطلاح اجازت کی اطلاع سے بعید تر ہے اور یہ جو کچھ اس نے سنا ہے صرف اس کی سند ہے اور جو اس روایت کی اس کو اجازت دی۔ اس لیے کہ کلمہ ان اس کے اس قول میں اخبرنی فلان فلانا أخبره اس میں اصل خبر دینے کے وجود کی اطلاع ہے اگرچہ خبر دینے والے نے اجمال سے کام لیا ہے اور تفصیل کا ذکر نہیں کیا۔

قاضی عیاضؒ نے اسے ابوحاتم الرازیؒ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے:

وانكر هذا بعضهم و حقه ان ينكر، فلا معنى له يتفهم منه المراد؛ ولا اعتيد هذا الوضع فى المسئلة لغةً ولا عرفاً ولا اصطلاحاً. (۱)

بعض نے اسے ناپسند کیا ہے اور حق یہ ہے کہ اسے ناپسند کیا جائے۔ اس کے کوئی معنی نہیں جس سے مراد کو سمجھا جا سکے۔ اس مسئلہ میں یہ وضع لغت، عرف اور اصطلاح کسی اعتبار سے مہیا نہیں ہے۔

طریق اجازت پر مزید بات کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ اکثر متاخرین راوی اپنے سے بالا شیخ سے بطریق اجازت روایت کرتے ہوئے کلمہ ''عن'' استعمال کرتے ہیں لہٰذا کوئی شخص اپنے شیخ سے سماع کرتا ہے جو اس شیخ کی اپنے شیخ سے اجازت پر مبنی ہے تو کہتا ہے: قرات علی فلان عن فلان یعنی میں نے فلاں شخص کے سامنے قرأت کی جسے اس نے اپنے شیخ سے سنا تھا۔ یہ اس کے قریب ہے جب اس نے اس سے سماع کیا جس کو اس کے شیخ نے اجازت دی تھی۔ اگر سماع نہ ہو تو پھر اسے شک ہوگا اور حرف عن سماع و اجازت دونوں میں مشترک ہے اور دونوں پر صادق آتا ہے (۲) بحث کو ختم کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

ثم اعلم ان المنع من اطلاق "حدثنا و اخبرنا" في الإجازة لا يزول باباحة المجيز لذلك، كما اعتاده قوم من المشائخ من قولهم في إجازتهم لمن يجيزون له، إن شاء قال. "حدثنا" و إن شاء قال: "أخبرنا" فليعلم ذلك والعلم عند الله تبارك و تعالىٰ. (۳)

۱- فتح المغيث للعراقى، ۳ / ۲۲۳؛ فتح المغيث للسخاوى، ۲ / ۲۲۳

۲- ابن الصلاح، ۱۷۲؛ فتح المغيث للعراقى، ۳ / ۲۲۳

۳- ایضاً، ۱۷۲-۱۷۳؛ المنهل الروى، ۸۹-۹۰؛ تدريب، ۲۷۶-۲۷۷

یہ معلوم ہے کہ حدثنا اور اخبرنا کے اطلاق سے منع کرنا اجازت دینے والے کی اجازت کو زائل نہیں کرتا۔ جیسا کہ مشائخ کی ایک جماعت کی عادت ہے کہ وہ اجازت دینے والوں کو کہتے ہیں اگر چاہے تو حدثنا کہے اور چاہے تو اخبرنا کہے۔ اس بات کو جاننا چاہیے اور علم تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس ہے۔

حدثنا اور أخبرنا کے استعمال کے سلسلے میں امیر صنعانیؒ نے اسے چند لفظوں میں منقح کر کے بیان کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

و هل له أن يقول "حدثنا أو أخبرنا" أوليس له ان يقول ذلك ؟ حكى فيه عدة اقوال :القول الاول. وعليه الجمهور. يجوزله ان يذكر احد هذين اللفظين مقيداً بما يدل على طريق التحمل ، كان يقول:"حدثنا إجازة أومنا ولة" أو يقول: أخبرنا اجازة اومناولة" والقول الثانى. وهو محكى عن مالك و ابن جريج و صحّحه إمام الحرمين. يجوز ان يذكر احد هذين اللفظين من غير تقييد، والقول الثالث:لا يجوز بحال من الاحوال، والقول الرابع:وهو محكى عن الزهرى، وينسب لمالك ايضاً. انه يجوز اطلاق أحد هذين اللفظين فى المناولة المقرونة بالإجازة.فأما المجردة فلا يجوز فيها الا "أنبانا اونبأنا". و القول الخامس قول أبو عمرو الاوزاعى و قد مضىٰ فى كلام النووى وحاصله أن الإجازة المجرد ة عن المناولة يروى بها بقوله "خبّرنا" اوخبّرنى".بتضعيف الحشو. (۱)

کیا اس کے لیے مناسب ہے کہ حدثنا اور اخبرنا کہے یا ایسا کہنا غیر مناسب ہے؟ اس بارے میں چند اقوال منقول ہیں۔ پہلا قول جو جمہور کا ہے، یہ ہے کہ اس کے لیے جائز ہے کہ ان دو لفظوں میں سے کوئی ایک لفظ مقید طور پر کہے جو طریق تحمل پر دلالت کرے جیسے وہ کہے: حدثنا إجازة او مناولة یا کہے: اخبرنا إجازة أومناولة۔ دوسرا قول، اور یہ مالکؒ اور ابن جریج سے منقول ہے۔ قول امام الحرمین نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، یہ ہے کہ اس کے لیے جائز ہے کہ ان دو لفظوں میں سے کسی کو بغیر قید کے

۱۔ توضیح الافکار، ۲/۳۳۲

ذکر کرے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان الفاظ کا استعمال کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ چوتھا قول، یہ امام زہری سے منقول ہے اور امام مالک کی طرف بھی منسوب ہے، کہ ان الفاظ کا اطلاق مناولہ مقرونہ بالإجازة میں جائز ہے لیکن مجرد مناولہ میں جائز نہیں وہاں أنبانا یا نبانا استعمال کرنا چاہیے۔ پانچواں قول ابو عمرو الاوزاعی کا ہے جو پہلے امام نوویؒ کے کلام میں گزر چکا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مجرد اجازۃ میں خبّرنا یا خبّرنی باء کی تشدید کے ساتھ استعمال کرے۔

إعلام

تعریف

إعلام کے لغوی معنی اعلان کرنے اور خبر دینے کے ہیں جیسے "اعلمت فلاناً إذا افدته علما أو اخبرته أو وجدته أعلمَ. (۱)

محدثین کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ طالب کو صرف یہ بتائے کہ فلاں کتاب یا حدیث اس کی مرویات یا مسموعات میں سے ہے۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

إعلام الراوی للطالب بأن هذا الحدیث أو هذا الکتاب سماعه من فلان أو روایته مقتصراً علی ذلك من غیران یقول: اروه عنی، أو اذنت لك فی روایته و نحو ذلك. (۲)

راوی کا طالب کو یہ بتانا کہ یہ حدیث یا یہ کتاب فلاں شخص کے سماع یا روایت پر مبنی ہے۔ اسی پر رک جائے بغیر یہ کہے: "اس کو مجھ سے روایت کر دیا میں نے تمھیں اسے روایت کرنے کا اذن دیا ہے یا اسی طرح کے الفاظ۔

امیر الصنعانی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کأن یقول له مثلاً "انا رویت صحیح البخاری عن فلان" ولا یقول له "اروه عنی" ولا ما یشبهه، ولا یناوله کتاب الصحیح، والا کان مناولة بلا اجازة، کما تقدم. (۳)

جیسے کوئی شخص کہے مثلاً: میں نے صحیح بخاری کو فلاں شخص سے روایت کیا ہے اور یہ نہ کہے "اسے مجھ سے روایت کرو" اور نہ ہی اس سے ملتے جلتے الفاظ کہے۔ اور کتاب صحیح بخاری بھی اسے نہ دے ورنہ یہ مناولہ بلا اجازہ متصور ہوگا جو پہلے گذر چکا ہے۔

۱- ابن منظور، لسان العرب، ۱۲/ ۴۱۷، ۴۱۸؛ توضیح الافکار، ۲ / ۳۴۲

۲- ابن الصلاح، ۱۷۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۶؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳ / ۱۵؛ المنهل الروی، ۹۰؛ تقریب مع تدریب، ۲۷۹؛ توضیح الافکار، ۲ / ۳۴۲

۳- توضیح الافکار، ۲ / ۳۴۲

اِعلام کی حیثیت

اجازت کے بغیر اعلام کے حکم اور روایت کی صحت پر علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ جائز ہے اور بعض دوسرے عدم جواز کے قائل ہیں۔

جواز

بہت سے علماء و محدثین نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن جریج (۱) اور فقہاء و محدثین اور اصولیین وظاہریین سے یہی منقول ہے۔ شوافع میں سے ابونصر بن الصباغ (۲) نے یہی رائے ظاہر کی ہے اور مالکیہ میں سے ابوبکر العباس الولید بن بکر الغمری (۳) نے اپنی کتاب الوجازہ فی تجویز الإجازة میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۴) قاضی ابومحمد بن خلاد الرامہرمزی نے بعض اہل الظاہر سے نقل کیا ہے کہ ان کی یہی رائے ہے۔ (۵) وہ کہتے ہیں:

ولو قال له: هذه روايتي، لكن لا ترو ها عني، كأن له ان يرويها عنه، كما لو سمع منه حديثا ثم قال له: "لاترويه عني، ولا اجيزه لك" لم يضره ذلك. (٦)

اگر اس نے کہا کہ یہ میری روایت ہے لیکن تم اسے مجھ سے روایت نہ کرنا تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ اس کی روایت کرے جیسے اس نے شیخ سے حدیث سنی اور پھر شیخ نے کہا اسے مجھ سے روایت نہ کرنا اور میں تمھیں اس کی اجازت نہیں دیتا تو اس سے طالب کو کچھ نقصان نہیں۔

مندرجہ بالا روایت ابن الصلاح نے نقل کی ہے۔ رامہرمزی نے اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

۱- ابن جریج، عبدالملک بن عبدالعزیز (م ۱۵۱ھ) الامام العلامة حدیث میں سند کا درجہ رکھتے تھے۔ زاہد و عابد تھے۔ تذکرہ، ۱/۱۹۰؛ میزان، ۲/ ۱۵۴؛ تهذيب، ۱۰/ ۳۴۳؛ العبر، ۱/۲۲۰؛ سیر اعلام، ۶/۳۲۵

۲- ابن الصباغ عبدالسید البغدادی (م ۴۷۷ھ) اپنے وقت کے اجل اہل علم سے استفادہ کیا۔ ان سے طلبہ کی ایک کثیر تعداد نے سماع کیا۔ دیانت دار اور حجت تھے۔ آخری عمر میں بینائی جاتی رہی۔ مفید کتب کے مؤلف تھے۔ وفيات الأعيان، ۳/۲۱۷؛ العبر، ۳/۲۸۷؛ شذرات، ۳/۳۵۵؛ سیر اعلام ۱۸/۴۶۴

۳- الغمری (بفتح الغين المعجمة)

۴- ابن الصلاح، ۱۷۵؛ فتح المغيث للعراقی، ۳/۲۲۹؛ فتح المغيث للسخاوی، ۳/ ۱۴-۱۷؛ تدريب الراوی، ۲۸۰؛ المنهل الروی، ۹۰

۵- ایضاً، ۱۷۵؛ الكفاية، ۳۴۸

۶- ابن الصلاح، ۱۷۵؛ المحدث الفاصل، ۴۵۱-۴۵۲؛ الكفاية، ۳۴۸؛ فتح المغيث للعراقی، ۳/ ۲۲۶؛ فتح المغيث للسخاوی، ۳/۱۷؛ رامہرمزی کے الفاظ میں: كان ذلك لغواً و للسامع ان يرويه۔ قاضی عیاض نے بھی رامہرمزی سے اسے نقل کیا ہے، الالماع، ۱۱۰

ولا يضره أن يقول: لا تزوه عني، ولا ان يقول: لست أجيزه لك، بل روايته عنه في كلتي الحالتين جائزة. (۱)

راوی کو کچھ نقصان نہیں اگر شیخ کہے کہ مجھے سے روایت نہ کرنا اور نہ ہی اس سے فرق پڑتا ہے کہ وہ کہے میں تمہیں اجازت نہیں دیتا بلکہ دونوں حالتوں میں سے اس سے روایت جائز ہے۔

قاضی عیاض نے علماء کی کثیر تعداد کا یہی موقف نقل کیا ہے (۲) اور مالکیہ میں سے عبدالملک بن حبیب (۳) کا بھی یہی موقف ہے۔ قاضی عیاض ابن خلاد الرامہرمزی کا موقف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وما قاله صحيح لا يقتضي النظر سواه، لأن منعه أن لا يحدث بما حدثه لا لعلة ولا ريبة في الحديث لا يؤثر لانه قد حدثه فهو شيء لا يرجع فيه...(۴)

رامہرمزی نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے تحقیق اس کے سوا کسی اور شے کی مقتضی نہیں۔ اس لیے کہ حدیث بیان کرنے سے منع کرنا بغیر کسی علت وشک کے موثر نہیں۔ امکان ہے کہ اس نے حدیث میں کوئی ایسی شے بیان کی ہو جس میں رجوع نہ ہو۔

حافظ ابن الصلاح اس موقف کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ووجه مذهب هولاء اعتبار ذلك بالقراءة على الشيخ، فانه اذا قرأ عليه شيئا من حديثه و اقربأنه روايته عن فلان بن فلان جاز له ان يرويه عنه، وان لم يسمعه من لفظه ولم يقل له "اروه عني" او "اذنت لك في روايته عني". (۵)

اوران لوگوں کے موقف کی وجہ یہ ہے کہ اسے قراءت علی الشیخ پر اعتبار کیا گیا ہے۔ اس لیے جب شیخ کے سامنے اس کی حدیث میں سے کوئی شے پڑھی جاتی ہے اور وہ قرار دیتا ہے کہ یہ

۱- المحدث الفاصل، ۴۵۲۔

۲- الالماع، ۱۰۸۔

۳- عبدالملک بن حبیب بن سلیمان بن ہارون الاسلمی المالکی، ابومروان (م ۲۳۸ھ)، مذہب مالک کی فقہ کے حافظ تھے لیکن حدیث کا علم نہیں رکھتے تھے حتی کہ صحیح وضعیف میں فرق نہیں کرسکتے تھے۔ قرطبہ میں رہے اور علمی سفر میں عبدالملک بن ماجشون اور مطرف بن عبداللہ وغیرہما سے استفادہ کیا۔ میزان الاعتدال، ۲/ ۶۵۲-- ۶۵۳؛ سیر اعلام، ۱۲/ ۱۰۲

۴- الالماع، ۱۱۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۱۷

۵- ابن الصلاح، ۱۷۵-۱۷۶

اس کی روایت فلاں بن فلاں سے ہے تو طالب کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی روایت کرے خواہ اس نے اسے لفظاً اس سے نہ سنا ہو اور اس نے اس سے یہ نہ کہا ہو کہ مجھ سے روایت کرو یا میں نے تمھیں اسے روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔

عدم جواز

کچھ علماء کی رائے ہے کہ مجرد اعلام سے روایت کرنا درست نہیں ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس موقف کے بارے میں لکھتے ہیں:

والمختار ما ذکر عن غیر واحد من المحدثین وغیرهم من أنه لا تجوز الروایة بذلك و به قطع الشیخ ابو حامد الطوسی من الشافعیین(۱) ولم یذکر غیر ذلك. و هذا لأ نه قدیکون ذلك مسموعه وروایته، ثم لا یاذن له فی روایته عنه لکونه لایجوز روایته لخلله یعرفه فیه، ولم یوجد منه التلفظ به، ولا یتنزل منزلة تلفظه به، وهو تلفظ القاری علیه و هو یسمع و یقربه حتی یکون قول الراوی عنه السامع ذلك :"حدثنا" و "أخبرنا" صدقا، و إن لم یأذن له فیه ، و انما هذا کالشاهد اذا ذکر فی غیر مجلس الحکم شهادته بشیء فلیس لمن یسمعه ان یشهد علی شهادته إذا لم یاذن له ولم یشهده علی شهادته وذلك مما تساوت فیه الشهادة والروایة لأن المعنی یجمع بینهما فی ذلك وإن افترقا فی غیره.(۲)

اور مختار قول جو کئی محدثین وغیرہم سے مذکور ہے کہ اس طریق سے روایت جائز نہیں ہے۔ شوافع میں سے ابو حامد طوسی نے اسے قطعیت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اسکے سوا کسی اور بات کا تذکرہ نہیں کیا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ ممکن ہے کہ اس کا سماع اور اس کی روایت ہو پھر اس

۱- سخاوی کہتے ہیں کہ شوافع میں دو اشخاص ابو حامد الطوسی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور دونوں کے نام احمد بن محمد ہیں۔ فتح المغیث ،۲/ ۱۵۔لیکن حافظ عراقی یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس سے مراد غزالی ہیں: والظاهر انه اراد بابی حامد هذا الغزالی ۔فتح المغیث ، ۳ / ۲۲۹ ۔ حافظ سیوطی اور محمد الانصاری نے بھی واضح طور پر امام غزالی کا نام لیا اور عراقی کی طرح المستصفی کا حوالہ دیا ہے۔ تدریب ، ۳۸۰؛ فتح الباقی، ۳۶۰

۲- ابن الصلاح ، ۱۷۱

نے اسے روایت کرنے کی اجازت نہ دی ہو بسبب کسی خلل کے جو روایت میں پایا جاتا ہو
اور اسے اس کی معرفت ہو۔ شیخ کی طرف سے روایت کے بارے میں الفاظ میں کوئی شے
موجود نہ ہو اور نہ اسے کوئی ایسا مقام حاصل ہو جس کے لیے اس نے الفاظ میں بات کی ہو۔
وہ تلفظ اس کے سامنے قراءت کا ہے جسے وہ سنے اور اس کی تصدیق کرے حتیٰ کہ راوی کی
بات سامع کی ہو جیسے حدثنا اور اخبرنا گو اس نے اس کی اجازت نہ دی ہو۔ اس کی
حیثیت شاہد کی ہوگی جب کسی غیر حاکم کی مجلس میں کسی شی کے بارے میں اس کی شہادت
کا ذکر ہو تو جو شخص اسے سن رہا ہے اسے حق نہیں کہ وہ اس کی شہادت پر شہادت دے اگر اس
نے اس کی اجازت نہیں دی اور اسے شہادت پر گواہ نہیں بنایا۔ اور یہ وہ معاملہ ہے جس
میں شہادت اور روایت برابر ہیں اس لیے کہ ان دونوں کو ایک معنی مجتمع کیے ہوئے ہے اگرچہ
اور چیزوں میں فرق موجود ہے۔

ابن الصلاح کا یہ استدلال، قاضی عیاض کی دلیل جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، کے رد میں ہے لیکن قاضی عیاض
کے ہاں اس استدلال کا جواب موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں:

قياس من قاس الإذن في الحديث في هذا الوجه و عدمه علي الإذن في الشهادة وعدمه غير صحيح، لأن الشهادة على الشهادة لا تصح الا مع الإشهاد و الإذن في كل حال الا إذا سمع اداء ها عند الحاكم ففيه اختلاف :والحديث عن السماع والقراءة لا يحتاج فيه إلى اذن باتفاق ؛ فهذا يكسر عليهم حجتهم بالشهادة في مسالتناهنا ولا فرق، وايضاً فالشهادة مفترقة في أكثر الوجوه. (۱)

اس صورت میں جس شخص نے بھی حدیث میں اجازت وعدم اجازت کو شہادت میں اذن اور
عدم اذن پر قیاس کیا ہے وہ غیر صحیح ہے اس لیے کہ شہادت علی الشہادہ، اشہاد کے بغیر صحیح نہیں
ہے اور اذن ہر حال میں ضروری ہے الا یہ کہ اس نے اداء شہادت حاکم کے ہاں سنا۔ اس
بارے میں اختلاف ہے اور سماع اور قراءۃ سے متعلق حدیث باتفاق علماء اذن کی محتاج
نہیں۔ یہاں یہ چیز ہمارے مسئلہ میں شہادت پر ان کی دلیل کو توڑ دیتی ہے۔ اور نیز شہادت
اکثر وجوہ میں روایت سے مختلف ہے۔

۱- الالماع، ۱۱۱-۱۱۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۷؛ تدریب، ۲۸۰

حافظ عراقیؒ نے قاضی عیاض کی تائید کی ہے۔(۱) احمد محمد شاکر قاضی عیاض کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والذی اختاره القاضی عیاض هو الراجح الموافق للنظر الصحیح. (۲)

قاضی عیاض نے جو موقف اختیار کیا ہے وہی راجح اور صحیح نقطہ نظر کے موافق ہے۔

روایت بالإعلام کا حکم

اختلاف کا جو ذکر ہوا ہے وہ روایت باعلام الشیخ میں ہے۔ جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو اگر اس کی سند صحیح ہو تو سننے والے پر عمل کرنا واجب ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

ثم إنه یجب علیه العمل بما ذکره له اذا صح اسناده وان لم تجز له روایته عنه لان ذلك یکفي فیه صحته في نفسه.(۳)

پھر اگر اس کی سند صحیح ہے تو جیسے اس کا ذکر ہوا اس پر عمل واجب ہے گو اس کی روایت جائز نہیں اس لیے کہ اس کی صحت کے لیے یہ کافی ہے۔

قاضی عیاض نے تو عمل کے سلسلے میں اتفاق نقل کیا ہے۔(۴) حافظ عراقی لکھتے ہیں:

وحکاه القاضی عیاض عن محققی أصحاب الأصول أنهم لا یختلفون في وجوب العمل به. (۵)

اور قاضی نے اصحاب اصول کے محققین سے نقل کیا ہے کہ وہ اس پر عمل کرنے کے وجوب میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے۔

حافظ ابن حجرؒ حسب معمول اپنے مختصر اور جامع انداز میں فرماتے ہیں:

وکذا اشترطوا الإذن بالروایة في الإعلام وهو أن یعلم الشیخ أحد الطلبة بانني اروی الکتاب الفلاني عن فلان. فان کان له منه إجازة اعتبروا الا فلا عبرة بذلك کالإجازة العامة. (۶)

اسی طرح انھوں نے روایۃ فی الاعلام میں اذن کی شرط لگائی ہے۔ اعلام یہ ہے کہ شیخ ایک

۱- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۷

۲- الباعث الحثیث، ۱۳۴

۳- ابن الصلاح، ۱۷۶–۱۷۷؛ تدریب، ۲۸۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۷

۴- تدریب الراوی، ۲۸۲

۵- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۷؛ توضیح الافکار، ۲/ ۳۳۳؛ الالماع، ۱۱۰؛ آخر میں یہ بھی موجود ہے وان لم تجزبه الروایة عند بعضهم

۶- نزهة النظر، ۶۷

طالب کو یہ بتائے کہ میں فلاں کتاب کو فلاں شیخ سے روایت کرتا ہوں۔ اگر اسے شیخ کی طرف سے اجازت ہو تو اس کا اعتبار ہوگا ورنہ اجازہ عامہ کی طرح اس کا اعتبار بھی نہیں ہوگا۔

اعلام الشیخ کے سلسلے میں ڈاکٹر عجاج خطیب نے محققانہ بات کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے نقل کیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس مقام پر ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم یہ واضح کریں کہ روایۃ بالاعلام چوتھی صدی ہجری سے پہلے نادر الوجود تھی اگر کسی نے اس طریق سے روایت کی تو اسے واضح کیا اور میں یہ بات تاکیداً کہتا ہوں کہ جیسا کہ متاخرین کے کلام سے مترشح ہوتا ہے، متقدمین کے ہاں اس وسیع مفہوم میں اس کا استعمال نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ مروی ہے وہ یہ ہے کہ ہشام بن عروہ (۵۹-۱۴۶ھ) کہتے ہیں کہ میرے ہاں ابن جریج ایک صحیفہ لے کر آئے اور کہا:

يا أبا المنذر هذه احاديثك؟ فقلت :نعم، فذهب. (۱)

ابو المنذر: کیا یہ آپ کی احادیث ہیں؟ میں نے کہا: ہاں اس کے بعد وہ چلے گئے۔

سو ہشام بن عروہ ثقہ عالم ہیں۔ ابن جریج ان کے شاگرد ہیں جو معروف ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔ وہ ان کی احادیث لائے اور سوال کے ذریعہ توثیق چاہتے تھے۔ ان کا سوال ہشام سے اجازت کا متضمن تھا اور ہشام کا جواب اس کی روایت کی اجازت کا متضمن تھا۔ یہ ہے وہ سارا واقعہ جو اعلام کے ضمن میں ابن جریج کے مذہب کے سلسلے میں روایت ہوا ہے۔ اس کے باوجود علماء محتاط رہے ہیں۔ یحیٰی بن سعید القطان کا قول ہے:

"كان ابن جريج صدوقا". إذا قال :"حدثني" فهو سماع واذا قال: أخبرنا أو أخبرني. فهو قراءة . واذا قال، :قال، فهو شبه الريح. (۲)

ابن جریج صدوق تھے۔ جب انھوں نے کہا: حدثني، تو وہ سماع ہے اور جب کہا: اخبرنا یا اخبرني تو وہ قراءت ہے اور جب کہا: قال تو وہ ہوا کی مانند ہے۔

سو ابن جریج اپنی روایت میں اسے واضح کرتے ہیں اور علماء ان کے بارے میں یہ جانتے ہیں اور طلبہ کو اس سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ابن جریج کا عمل اعلام کی بہ نسبت عرض المناولہ کے زیادہ قریب ہے۔ اور خطیب نے جو الکفایہ (۳) میں ذکر کیا ہے وہ اس کی تاکید ہے۔ معاصر محدث عجاج الخطیب کا نقطہ نظر بھی یہ ہے کہ اعلام کے طریقے سے تحمل واداء چوتھی صدی ہجری سے پہلے نادر تھا۔ (۴)

۱- المحدث الفاصل، ۴۳۰؛ خطیب نے اپنی سند کے ساتھ ہشام بن عروہ سے الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس میں احادیث کے بعد اروبها عنك کے الفاظ ہیں، (الكفاية، ۳۲۰)؛ خطیب اجازت کی پانچویں قسم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: فهذا يكون صحيحاً عند طائفة من اهل العلم و فعل غيرانا لم نر احداً فعله. الكفاية، ۳۲۰

۲- المحدث الفاصل، ۴۳۳؛ خطیب نے بھی نقل کیا ہے۔ الكفاية، ۳۰۲

۳- الكفاية، ذكر نوع الخامس من الإجازة، الكفاية، ۳۴۶

۴- اصول الحديث، ۲۴۲

الوصية بالكتب

تعریف

وصیت سے مراد وہ ہدایت یا اجازت ہے جو کوئی شخص موت سے پہلے یا سفر پر جانے سے پہلے کسی شاگرد یا کسی شخص کو دیتا ہے۔ محدثین کے ہاں اس کے معنی روایت حدیث کے لیے شیخ کی خصوصی ہدایت ہے جو وہ موت یا سفر سے پہلے دیتا ہے۔ حافظ ابن الصلاحؒ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بأن يوصى الراوى بكتاب يرويه عند موته أو سفره لشخص. (۱)

یہ کہ راوی اپنی موت یا سفر کے وقت اپنی مروی کتاب کے لیے کسی شخص کو وصیت کرے۔

وصیة بالکتب کی حیثیت

اس کی حیثیت کے بارے میں علماء حدیث میں اختلاف ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ اس کی روایت جائز ہے جب کہ بعض دوسرے عدم جواز کے قائل ہیں۔ قائلین جواز میں قاضی عیاض سرفہرست ہیں۔ حافظ عراقی اس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعلله قاضى عياض بان فى دفعها له نوعاً من الاذن و شبهاً من العرض و المناولة، وقال: وهو قريب من الضرب الذى قبله. (۲)

اور قاضی عیاض نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہا کہ وصیت کرنے میں اذن کی ایک نوع پائی جاتی ہے اور یہ عرض اور مناولہ کے مشابہ ہے اور کہا کہ یہ پہلے بیان کردہ قسم (اعلام) کے قریب ہے۔

رامہرمزی نے حماد بن زید کی روایت کو ایوب سے نقل کیا ہے:

قلت لمحمد بن سيرين ان فلانا اوصىٰ لى بكتبه فاحدث بها عنه؟ قال: نعم، ثم قال لى بعد ذلك: لا آمرك ولا انهاك. (۳)

میں نے محمد بن سیرین سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے اپنی کتابوں کی وصیت کی ہے کیا میں

۱- ابن الصلاح، ۱۷۷؛ فتح المغيث للعراقى، ۳ / ۲۲۷؛ تقريب مع تدريب، ۲۸۱

۲- فتح المغيث للعراقى، ۳/۲۲۷-۲۲۸؛ الالماع، ۱۱۵

۳- المحدث الفاصل، ۵۴۶؛ الالماع، ۱۱۵؛ الكفاية، ۳۵۲

اسے بیان کروں؟ کہا: ہاں، پھر کہا کہ میں تمہیں نہ حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔

حماد ہی کی روایت ہے کہ ابوقلابہ(۱) نے اپنی موت کے وقت کہا:

ادفعوا كتبى إلى أيوب إن كان حيا والا فاحرقوها. (۲)

میری یہ کتابیں ایوب السختیانی کو دے دینا اگر وہ زندہ ہو تو ورنہ جلا دینا۔

لیکن ابن الصلاح عدم جواز کے قائل ہیں۔ قائلین جواز کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فروى عن بعض السلفؒ انه جوز بذلك رواية الموصى له ذلك عن الموصى الراوى، وهذا بعيد جداً، و هوإما زلة عالم أومتاول على أنه أراد الرواية على سبيل الوجادة التى يأتى شرحها إن شاء الله. و قد احتج بعضهم لذلك فشبهه بقسم الاعلام و قسم المناولة، و لا يصح ذلك فان لقول من جوز الرواية بمجرد الإعلام و المناولة مستنداً ذكرناه، لا يتقرر مثله ولا قريب منه ههنا والله اعلم. (۳)

سلف میں سے بعض سے یہ مروی ہے کہ جس شخص کے لیے وصیت کی گئی ہو اس کے لیے جائز ہے کہ وصیت کرنے والے راوی سے روایت کرے۔ یہ بہت بعید بات ہے یا تو عالم کی لغزش ہے اور یا اس نے تاویل کی ہے کہ وہ وجادہ کی بنیاد پر روایت کرنا چاہتا ہے، وجادہ کی تشریح آگے آ رہی ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے استدلال کرتے ہوئے اسے اعلام اور مناولہ کی اقسام کے مشابہ قرار دیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے جو مجرد اعلام اور مناولہ کی روایت کو جائز قرار دیتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ اس طرح ثابت نہیں بلکہ اس کے قریب بھی نہیں۔ واللہ اعلم

امام نوویؒ جواز کی رائے کے خلاف حافظ ابن الصلاحؒ کی تائید میں فرماتے ہیں:

وهو غلط، والصواب انه لا يجوز. (۴)

۱۔ ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمی البصری (م ۱۰۴ھ) جلیل القدر تابعین میں سے تھے۔ تذکرۃ، ۱/ ۸۸؛ العبر، ۱/ ۱۲۷؛ تهذيب، ۵ / ۲۲۴؛ سير أعلام، ۹/ ۲۲۳

۲۔ فتح المغيث للعراقى، ۱۳/ ۲۲۷؛ فتح المغيث للسخاوى، ۳ / ۱۸؛ الالماع / ۱۱۶؛ الكفاية، ۳۵۲؛ المحدث الفاصل، ۴۵۹-۴۶۰؛

۳۔ ابن الصلاح، ۱۷۷

۴۔ تقريب مع تدريب، ۲۸۱

خطیب حماد کی روایت نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

قلت :یقال ان ایوب کان قد سمع تلك الكتب غیر انه لم یحفظها فلذلك استفتی محمد بن سیرین عن التحدیث منها ولا فرق بین ان یوصی العالم لرجل بكتبه و بین ان یشتریها ذلك الرجل بعد موته فی انه لا یجوز له الروایة منها الا علی سبیل الوجادة وعلی ذلك ادركنا كافة اهل العلم، اللهم الا ان یكون تقدمت من العالم اجازة لهذا الذی صارت الكتب له بأن یروی عنه ما یصح عنده من سماعاته فیجوز ان یقول فیما یرویه من الكتب "اخبرنا" أو "حدثنا" علی مذهب من أجاز ان یقال ذلك فی احادیث الإ جازة، مع أنه قد كره الروایة عن الصحف التی لیست مسموعة غیر واحد من السلف. (۱)

میں کہتا ہوں: کہا جاتا ہے کہ ایوب نے ان کتب کا سماع کیا تھا لیکن محفوظ نہیں رکھ سکا تھا اس لیے محمد بن سیرین سے استفتا کیا کہ کیا ان میں سے وہ حدیث بیان کرسکتا ہے کہ نہیں۔ اگر ایک عالم کسی شخص کو اپنی کتابوں کی وصیت کرے یا وہ شخص اس کی موت کے بعد ان کتابوں کو خرید لے تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اس لیے کہ اس سے وجادہ کے سوا اور کسی طریق پر روایت جائز نہیں یہی وہ رائے ہے جس پر ہم نے تمام اہل علم کو پایا ہے۔ الا یہ کہ جسے کتابیں پہنچی ہیں اسے اس عالم کی طرف سے اجازت ہو کہ ان میں سے اس کے نزدیک اس کی سماعات میں سے جو صحیح ہے وہ اس کی روایت کرسکتا ہے۔ تو اس کے لیے جائز ہے کہ ان کتب سے روایت کرتے ہوئے اخبرنا یا حدثنا کہے۔ یہ اس شخص کے مذہب پر ہے جو احادیث الاجازہ میں ایسا کہنے کو جائز قرار دیتا ہے۔

اس کے باوصف سلف میں کئی لوگوں نے ایسے صحیفوں سے، جن کا سماع نہیں ہوا، روایت کرنے کو ناپسند کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اعلام کی طرح وصیت میں بھی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں۔(۲)

حافظ سیوطی نے ابن ابی الدم کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد أنكر ابن أبی الدم علی ابن الصلاح و قال: الوصیة أرفع رتبة

۱- الكفایة، ۳۵۲-۳۵۳

۲- نزهة النظر، ٦٧

من الوجادة بلا خوف، و هي معمول بها عند الشافعي وغيره، فهذا أولى. (۱)

ابن ابی الدم نے ابن الصلاح کا انکار کیا ہے اور کہا: وصیت مرتبہ کے لحاظ سے وجادہ سے بلا اختلاف ارفع ہے اور امام شافعی وغیرہ کے ہاں یہی معمول بہا ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ بہتر ہے۔

معاصر مصنفین ابن الصلاح کے مؤید نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر نور الدین، ابن الصلاح کی رائے کو درست قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو ـ فيما نرى ـ قول سديد قوي، فإن الوصية إنما تفيد تمليك النسخة فهي كالبيع، وذلك امر آخر غير الاخبار بمضمونها. (۲)

ہماری رائے میں یہ قول درست اور قوی ہے۔ کیونکہ وصیت تو صرف اس نسخہ کی ملکیت کے لیے مفید ہے اور یہ بیع کی طرح ہے اور یہ اس کے مضمون کو بیان کرنے سے مختلف معاملہ ہے۔

ڈاکٹر عجاج خطیب کہتے ہیں:

و هذا النوع من التحمل أضعف عن الصور السابقة، ولا تجوز للموصى له روايته عن الموصي عند الجمهور. (۳)

یہ تحمل کی سابقہ انواع میں سب سے کمزور نوع ہے۔ جس کے لیے وصیت کی گئی اس لیے جائز نہیں کہ وہ وصیت کرنے والے سے روایت کرے۔ یہی جمہور کا موقف ہے۔

❀❀❀

۱- تدریب الراوی، ۲۸۱

۲- منهج النقد، ۲۲۰

۳- اصول الحدیث، ۲۴۳

الوجادہ

وجادہ کی تعریف میں لغت اور اصطلاح دونوں اعتبارات سے بحث کی گئی۔

لغوی معنی

وجادۃ ۔بکسرِ الواو ۔استعمال ہونے والا نیا لفظ ہے عربوں کے ہاں نہیں سنا گیا۔حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

وھی مصدر لوجد یجد مولد غیر مسموع من العرب. روینا عن المعافی بن الزکریا النھروانی (۱) العلامۃ فی العلوم أن المولدین فرعوا قولھم "وجادۃ" فیما أخذ من العلم من صحیفۃ من غیر سماع ولا إجازۃ ولا مناولۃ، من تفریق العرب بین مصادر "وجد" للتمییز بین المعانی المختلفۃ، یعنی قولھم :"وجد ضالتہ وجدانا و مطلوبہ وجودا وفی الغضب "موجدۃ" وفی الغنی "وُجداً" وفی الحب وَجداً.(۲)

یہ وجد یجد کا مصدر ہے جدید لفظ ہے، عربوں کے ہاں نہیں سنا گیا۔علامہ معافی بن زکریا النہروانی سے ہم تک ان کا یہ قول پہنچا ہے کہ مولدین نے وجادہ کو ایسے علم کے لیے استعمال کیا ہے جو کتاب سے حاصل کیا گیا ہو اور وہ سماع، اجازت یا مناولہ پر مبنی نہ ہو، اور اسے انہوں نے عربوں کے ہاں وجد کے مصادر کا مختلف معانی میں استعمال سے استنباط کیا ہے۔وہ کہتے ہیں: اس نے اپنی گم شدہ چیز پالی اور مطلوب حاصل کرلیا۔غصے میں موجدہ استعمال کرتے ہیں اور غنی میں وُجداً اور محبت میں وجدا استعمال کرتے ہیں۔

امیر صنعانی کہتے ہیں جیسے "وجد علی عدوہ موجدۃ، ووجد بحبہ وجداً" اسے اپنے دشمن پر غصہ واشتعال آیا اور اس نے اپنے محبوب سے جذباتی وابستگی پائی۔(۳)

۱۔ النہروانی، المعافی بن الزکریا بن یحییٰ بن حمید ابو الفرج النہروانی الجریری (م۳۰۹ھ) علامہ الفقیہ الحافظ القاضی ابن جریر الطبری کے مذہب سے متفق ہونے کی وجہ سے جریری کہلائے۔خطیب کہتے ہیں: کان من اعلم الناس فی وقتہ بالفقہ و النحو واللغۃ. البرقانی کے نزدیک ثقہ تھے۔تاریخ بغداد، ۱۳/ ۲۳۰—۲۳۱؛ الکامل لابن اثیر ، ۹ / ۲۱۳؛ وفیات الاعیان ، ۲۲۱/۵— ۲۲۲؛ البدایۃ ، ۱۱/ ۲۲۸؛ تذکرۃ الحفاظ ، ۳ / ۱۰۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۴/ ۵۴۴

۲۔ ابن الصلاح ، ۱۷۸

۳۔ توضیح الافکار ، ۲/ ۳۴۴؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۲۸

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ "وجد" کے دو اور مصدر بھی ہیں جنہیں حافظ ابن الصلاح نے ذکر نہیں کیا اور وہ ہیں:

جدة فی الغضب وفی الغنی وإجدان بکسر الهمزة فی الضالة. (۱)

اور اسے مطلوب کے سلسلے میں ابن الاعرابی نے بیان کیا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا ہے کہ اس میں واو کو ہمزہ سے بدل دیا گیا ہے اور جن معانی کا ذکر کیا گیا ہے وہ کسی ایک مصدر میں سوائے حب کے مقتصر (محدود) نہیں ہیں۔ اسی لیے اس کا مصدر وجد بالفتح ہے اس کے سوا نہیں ہے۔ الجوہری کا کہنا ہے کہ یہ مصدر حزن کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ صاحب المشارق نے گم شدہ چیز کے لیے دو مصدر وجود اور وجدان بھی بیان کیے ہیں۔ (۲)

اصطلاحی معنی

محدثین کی اصطلاح میں وجادہ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص سماع، اجازہ اور مناولہ کے بغیر کسی صحیفہ یا کتاب سے معلومات حاصل کرے۔ (۳) امیر الصنعانی اس تعریف کو منقح کر کے لکھتے ہیں:

فأما فی اصطلاح المحدثین فانها عبارة عن "ان یقف الراوی علی احادیث بخط راویها ولا یکون قد رواها عنه بسماع أو اجازة، سواءٌ أكان الواجد لها معاصراً لكاتبها أو غير معاصر، وسواء أكان قد روی عنه غیر هذه الاحادیث ام لم یکن. (۴)

جہاں تک محدثین کی اصطلاح کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ راوی کو ایک راوی کی احادیث اس کے خط میں لکھی ہوئی ملیں جنہیں اس نے راوی سے سماع اور اجازت کے طریق پر روایت نہ کیا ہو۔ ان احادیث کو پانے والا راوی کا معاصر ہو یا غیر معاصر اور اس سے بھی فرق نہیں پڑتا کہ اس نے اس راوی سے ان احادیث کے علاوہ کچھ اور روایت کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

وجادہ کی مثال

حافظ ابن الصلاح وجادہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہ واجد اس روایت کو کیسے بیان کرے، لکھتے ہیں:

فله أن يقول: وجدت بخط فلان، أو قرأت بخط فلان أو فی کتاب

۱- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۸

۲- ایضاً، ۳/ ۲۲۸

۳- ابن الصلاح، ۱۷۸؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/ ۲۲-۲۳

۴- توضیح الافکار، ۲/ ۳۴۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۸؛ ابن الصلاح، ۱۷۸؛ تقریب مع تدریب، ۲۸۲

فلان بخطه:"أخبرنا فلان بن فلان"، و يذكر شيخه و يسوق سائر الإسناد والمتن معا أو يقول:"وجدت" أو "قرأت بخط فلان عن فلان" و يذكر الذى حدثه ومن فوقه. هذا الذى استمر عليه العمل قديماً و حديثاً. (۱)

واجد کے لیے مناسب ہے کہ وہ کہے: ''میں نے اسے فلاں شخص کے خط میں لکھا پایا'' یا ''میں نے فلاں شخص کے خط میں پڑھا'' یا ''فلاں شخص کی کتاب میں اس کے خط میں أخبرنا فلان بن فلان'' پایا اور پھر شیخ کا ذکر کرے اور پوری سند بمع متن بیان کرے۔ یا کہے: ''میں نے فلاں بن فلاں کے خط میں پایا یا پڑھا'' اور جس نے اسے بیان کیا اور اس سے اوپر والے راویوں کا ذکر کرے۔ یہی وہ طریقہ ہے جو اس سلسلے میں قدیم و جدید عہد میں جاری ہے۔

حافظ عراقیؒ ابن الصلاحؒ کے بیان کی وضاحت کرتے اور اس پر اضافہ کرتے ہیں کہ وجادہ میں اجازت کا بھی امکان ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

هكذا مثل ابن الصلاح الوجادة بما إذا لم يكن له إجازة فمن وجد ذلك بخطه. (۲) وقد استعمل غير واحد من أهل الحديث الوجادة مع الإجازة وهو واضح كقوله:"وجدت بخط فلان ، وإجازه لى". وكذلك لم يذكره القاضى عياض فى الإلماع (۳) فى مثال الوجادة، وإنما أراد الشيخ أن يتكلم على الوجادة الخالية عن الإجازة هل هى مستند صحيح فى الرواية أو العمل؟ (۴)

اسی طرح ابن الصلاح نے وجادہ کی مثال دی جب اسے اس راوی سے اجازت نہ ہو جس کے خط میں اس نے حدیث پائی۔ حالانکہ کئی اصحاب حدیث نے وجادہ مع الاجازہ کی اصطلاح استعمال کی ہے جیسے اس شخص کی بات کہ میں نے فلاں شخص کے خط میں لکھا ہوا پایا

۱- ابن الصلاح، ۱۷۸

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۹

۳- الالماع، ۱۲۰

۴- فتح المغیث للعراقی، ۳/ ۲۲۹

اور اس نے مجھے اس کی اجازت دی۔ اسی طرح قاضی عیاض نے بھی الالماع میں وجادہ کی مثال میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ بلاشبہ شیخ کی مراد یہ تھی کہ وہ اس وجادہ کی بات کرے جو اجازت کے بغیر ہے، کیا یہ مستند ہے اور روایت اور عمل میں صحیح ہے؟

حافظ ابن حجر وجادہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهي أن يجد بخط يعرف كاتبه فيقول: وجدت بخط فلان. (۱)

وجادہ یہ ہے کہ طالب کو ایسی کتاب مل گئی جس کے مصنف کا خط وہ پہچانتا ہو اور روایت میں یہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کے خط میں ایسا لکھا ہوا پایا۔

ابن الصلاح وغیرہ نے وجادہ مطلقہ کے ساتھ وجادہ مقیدہ بالا جازہ کی بات بھی کی ہے۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں:

ثم ان ما تقدم من التقييد بمن لم يجز وهو الذى اقتصر عليه عياض وتبعه ابن الصلاح، لأنه إنما أراد التكلم على الوجادة الخالية أهى مستند صحيح فى الرواية ، أو العمل، وإلا فقد استعملها غير واحد من المحدثين مع الإجازة فيقال: وجدت بخط فلان و اجازه لى، وربما لا يصرح بالإجازة كقول عبدالله بن أحمد: وجدت بخط أبى حدثنا فلان، و ذلك الإستعمال واضح كما قال المصنف لشمول اللفظ له. (۲)

عدم جواز کے سلسلے میں مقید کا جو ذکر پہلے ہو چکا ہے تو وہ جسے قاضی عیاض نے بیان کیا ہے اور ابن الصلاح نے اس کا تتبع کیا ہے وہ خالی وجادہ ہے کیا اس کی روایت مستند ہے اور اس پر عمل صحیح ہے۔ ورنہ کئی محدثین نے وجادہ مع الاجازہ استعمال کیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: "وجدت بخط فلان واجازه لى"۔ کبھی اجازہ کی تصریح نہیں ہوتی۔ جیسے عبداللہ بن احمد کا قول: "وجدت بخط ابى حدثنا فلان" یہ واضح استعمال ہے کیونکہ مصنف کے بقول یہ الفاظ اجازت کو شامل ہیں۔

روایت بطریق وجادہ کی حیثیت

طریق وجادہ سے روایت کردہ حدیث کی حیثیت منقطع و مرسل کی ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

۱- نزهة النظر ، ۶۷

۲- فتح المغيث للسخاوى، ۳ / ۲۳

وهو من باب المنقطع و المرسل غير انه أخذ شوباً من الاتصال بقوله:
"وجدت بخط فلان". (۱)

یہ روایت منقطع ومرسل کے باب سے ہے الا یہ کہ اس میں اتصال کا شائبہ ہو جیسے وہ کہے: میں نے فلاں شخص کے خط میں لکھی ہوئی پائی۔

حافظ سخاویؒ "شوبا من الاتصال" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لما فيه من الارتباط فى الجملة وزيادة قوة للخبر، فإنه إذا وجد حديثاً فى "مسند الامام احمد" مثلا وهو بخطه، فقول القائل "وجدت بخط احمد كذا أقوى من قوله "قال احمد" لأن القول ربما يقبل الزيادة والنقص و التغيير، ولا سيما عند من يجيز النقل بالمعنى بخلاف الخط (۲)

اس لیے کہ اس میں جملہ کا ربط بھی ہے اور خبر میں زیادہ قوت بھی۔ کیونکہ جب کوئی شخص مثلاً مسند احمد میں ان کے اپنے خط میں لکھی ہوئی حدیث پاتا ہے تو اس کا یہ قول کہ میں نے امام احمد کے خط میں اس طرح پایا" اس کے اس قول سے زیادہ قوی ہے جب وہ صرف یہ کہے کہ "امام احمد نے کہا"؛ اس لیے کہ قول میں اضافہ، کمی اور تبدیلی کا امکان ہے بالخصوص ان لوگوں کے ہاں جو روایت بالمعنی کے قائل ہیں بخلاف خط کے اس میں اس کی گنجائش نہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں:

و كل ما ذكر من الرواية بالوجادة منقطع، سواء وثق بانه خط من وجده عنه أم لا و لكن الأول وهو ما إذا وثق بأنه خطه أخذ شوباً من الاتصال لقوله: وجدت بخط فلان. (۳)

وجادہ کے طریق پر مروی تمام روایتیں منقطع ہیں خواہ مروی عنہ کے خط میں ہو یا نہ ہو۔ لیکن پہلی قسم میں اتصال کا شائبہ ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ مروی عنہ کا خط ہے اور راوی کے اس قول کی وجہ سے ہوگا کہ میں نے فلاں شخص کے خط میں لکھا پایا۔

۱- ابن الصلاح، ۱۷۸

۲- فتح المغيث للسخاوى، ۳ / ۲۵

۳- فتح المغيث للعراقى، ۳ / ۲۲۹

چونکہ طریق وجادہ میں مروی عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہوتی اس لیے روایت میں ایسے الفاظ کا استعمال جو موہم الی اللقاء ہوں جائز نہیں ہے۔ حافظ ابن الصلاحؒ، حافظ عراقیؒ، امام نوویؒ وغیرہم نے اسے تدلیس کہا ہے۔
حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

و ربما دلس بعضهم فذكر الذى وجد خطه و قال فيه: "عن فلان، أوقال فلان" و ذلك تدليس قبيح إذا كان بحيث يوهم سماعه منه على ما سبق فى نوع التدليس، وجازف بعضهم فاطلق فيه "حدثنا وأخبرنا" و انتقد ذلك على فاعله.(۱)

کبھی ان میں کوئی تدلیس کرتا ہے تو جسے اس نے مروی عنہ کے خط میں پایا اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "فلاں شخص سے مروی ہے یا فلاں شخص نے کہا ہے" تو یہ بہت بری تدلیس ہے، خصوصاً جب یہ مروی عنہ سے سماع کا عندیہ دے اس کا ذکر تدلیس کے باب میں گذر چکا ہے۔ اور ان میں سے کسی نے حد سے گذر کر اٹکل سے بات کرتے ہوئے حدثنا اور اخبرنا کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں تو ایسا کرنے والے پر تنقید کی گئی ہے۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں:

لا أعلم من يقتدى به أجاز النقل فيه بحدثنا و أخبرنا و لا من يعده معد المستند. (۲)

میں کسی ایسے مقتدی بہ شخص کو نہیں جانتا جس نے اس طریقہ میں حدثنا اور اخبرنا کے ذریعہ روایت کی اجازت دی ہو اور نہ اس شخص کا علم مستند شمار ہوتا ہے (جس نے اجازت دی ہو)

حافظ ابن الصلاح کی رائے میں اگر کوئی راوی کسی شخص کی تالیف میں حدیث پاتا ہے اور یہ اس کے خط میں نہیں ہے تو اسے کہنا چاہیے: **ذكر فلان أو قال فلان، أخبرنا فلان عن فلان أو ذكر فلان** ۔ یہ سب منقطع شمار ہوگا اس میں اتصال کا کوئی شائبہ نہیں۔ (۳) اور یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اس کے خط میں ہے یا اس کی کتاب میں ورنہ اسے یہ الفاظ کہنے چاہئیں: **بلغنى عن فلان أو وجدت عن فلان** یا اسی طرح کی عبارات یا اسناد میں زیادہ وضاحت کرتے ہوئے کہے: **قرأت فى كتاب فلان بخطه، أو أخبرنى فلان أنه بخطه،** یا کہے: **وجدت فى كتاب ظننت أنه بخط فلان أو فى كتاب ذكر كاتبه أنه فلان بن فلان أوفى كتاب قيل أنه بخط فلان**۔ (۴)

۱- ابن الصلاح، ۱۷۹

۲- الالماع، ۱۲۰۔

۳- ابن الصلاح، ۱۷۹

۴- ایضاً، ۱۷۹

اور اگر کسی کتاب سے نقل کر رہا ہو جو کسی مصنف سے منسوب ہو تو یہ الفاظ نہ کہے: **قال فلان کذا او کذا،** الا یہ کہ اس امر کی توثیق کرے کہ اس نے یا کسی اور ثقہ شخص نے ان اصولوں کے تحت جو پہلے بیان ہو چکے ہیں اس نسخہ کا تقابل کر لیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اسے یہ الفاظ کہنے چاہئیں: **بلغنی عن فلان انہ ذکر کذا و کذا، او وجدت فی نسخۃ من الکتاب الفلانی** یا اس سے ملتی جلتی عبارات استعمال کرے۔(۱)

حافظ ابن الصلاح اپنے عہد کے لوگوں کے تسامح کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد تسامح اكثر الناس في هذه الأزمان با طلاق اللفظ الجازم في ذلك من غير تحر و تثبت. فيطالع أحدهم كتاباً منسوباً إلى مصنف معين و ينقل منه عنه من غير ان يثق بصحة النسخة قائلاً: قال فلان كذا و كذا أو ذكر فلان كذا و كذا والصواب ما قدمناه. (۲)

ان زمانوں میں اکثر لوگوں نے بغیر تحقیق و تثبیت کے یقینی الفاظ کے استعمال میں تسامح سے کام لیا ہے۔ سو ایک شخص ایک معین مصنف کی طرف منسوب کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور نسخہ کی صحت کی توثیق حاصل کیے بغیر اس سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ فلاں شخص نے ایسا اور ایسا کہا ہے یا فلاں شخص نے اس طرح اور ایسے ذکر کیا ہے اور درست وہی ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

حافظ سخاوی حافظ عراقی کے الفاظ **قد تسھلوا** کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أى جماعة من المحدثين كبهز بن حكيم (۳) و الحسن البصرى (۴) والحكم بن مقسم (۵) وابى سفيان طلحه بن نافع (۶) و عمرو بن شعيب (۷)

۱- ابن الصلاح، ۱۷۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۲۳۰؛ تقریب مع تدریب، ۲۸۳؛ اختصار علوم الحدیث، ۱۲۵

۲- ایضاً، ۱۸۰

۳- دیکھئے اصول الحدیث، ۱ / ۱۷۱، حاشیہ ۲۲۸

۴- دیکھئے اصول الحدیث، ۱ / ۱۹۲، حاشیہ ۹۷

۵- میسر مصادر میں نہ مل سکا۔

۶- ابو سفیان طلحہ بن نافع الاسکاف الواسطی۔ جابر عبداللہ، ابن عباس، انس بن مالک اور عبید بن عمیر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حصین بن عبدالرحمٰن، الاعمش، محمد بن اسحاق، حجاج بن أرطاۃ اور شعبہ وغیرھم نے روایت کی۔ طبقات خلیفۃ، ۱۵۵؛ التاریخ الکبیر، ۲ /ii/ ۳۴۶؛ میزان الاعتدال، ۲ / ۳۴۲؛ تھذیب التھذیب، ۵ / ۲۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۵ / ۲۹۳

۷- عمرو بن شعیب بن محمد عبداللہ بن عمرو العاص المدنی الطائفی (م ۱۱۸ھ) ثقہ راویوں سے کثرت سے روایت کیا بعض ناقدین نے ضعیف کہا جب کہ جمہور اہل علم نے ثقہ تسلیم کیا۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/ ۳۴۲؛ تھذیب التھذیب، ۸ / ۴۱-۴۶

ومخرمة بن بكير (۱) و وائل بن داؤد (۲) ......في ايراد ما يجدونه بخط الشخص فأتوا بلفظ عن فلان أونحوها مثل قال مكان وجدت إذ أكثر رواية عن أبيه عن جده. (۳)

یعنی محدثین کی جماعت جیسے بہز بن حکیم، حسن البصری، حکم بن مقسم، ابوسفیان طلحہ بن نافع، عمرو بن شعیب، مخرمہ بن بکیر اور وائل بن داؤد۔ انہوں نے جب کسی شخص کے خط میں لکھا ہوا پایا تو وجدت کی جگہ عن فلان یا ایسے ہی الفاظ کا استعمال کیا جب عن أبيه عن جده کے الفاظ سے زیادہ روایت ہونے لگی۔

اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے حافظ ابن الصلاحؒ لکھتے ہیں:

فإن كان المطالع عالما فطناً بحيث لا يخفى عليه في الغالب مواضع الاسقاط و السقط وما أُحيل عَن جهته إلى غيرها رجونا أن يجوزله إطلاق اللفظ الجازم فيما يحكيه من ذلك . وإلى هذا فيما أحسب استروح كثير من المصنفين فيما نقلوه من كتب الناس ، والعلم عندالله تعالىٰ. (۴)

پس اگر مطالعہ کرنے والا ذہین عالم ہے ایسا کہ اس کو حدیث میں ان مقامات کا اکثر علم ہے جہاں راوی ساقط ہے یا درجہ ثقاہت سے گرا ہوا ہے یا اپنی جہت سے دوسری طرف پھیرا گیا ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ ایسے عالم کے لیے اس طرح کی حکایت میں یقینی لفظ کے اطلاق کا جواز بنتا ہے اور اس حد تک میں سمجھتا ہوں بہت سے مصنفین نے لوگوں کی کتابوں سے نقل کرنے میں آسانی محسوس کی اور علم اللہ کے ہاں ہے۔

۱- مخرمہ بن بکیر بن عبداللہ الاشج القرشی ابوالمسور المدنی مولی بنی مخزوم (م ۱۵۸ھ) ثقہ محدث تھے۔ کثرت سے احادیث روایت کیں۔ ساجی نے کہا کہ وہ تدلیس کا ارتکاب کرتے تھے۔ تهذيب التهذيب، ۱۰/۶۳- ۶۴

۲- وائل بن داؤد ابوبکر التیمی الکوفی نے چوٹی کے محدثین سے سماع کیا۔ سفیان الثوری، شعبہ ایسے محدثین نے ان سے استفادہ کیا۔ ابن ابی حاتم نے انہیں صالح الحدیث کہا ہے۔ جب کہ الخلیلی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ التاريخ الكبير، ۴/ ii /۲۲؛ تهذيب التهذيب، ۱۱/ ۹۸

۳- فتح المغيث للسخاوی، ۳/ ۲۵.

۴- ابن الصلاح ، ۱۸۰؛ فتح المغيث للعراقی، ۳/ ۲۳۰؛ تقريب مع تدريب، ۲۸۴

حافظ ابن کثیر وجادہ کو طرق روایت میں شمار نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں:

والوجادة ليست من باب الرواية، و انما هى حكاية عما وجده فى الكتاب. (۱)

وجادہ روایت کے باب میں سے نہیں ہے یہ تو صرف حکایت ہے اس چیز کی جو کسی کتاب میں پائی گئی۔

حافظ ابن حجر مختصر اور جامع الفاظ میں وجادہ کی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكذا اشترطوا الإذن فى الوجادة ولا يسوغ فيه اطلاق أخبرنى بمجرد ذلك، إلا ان كان له منه اذن بالرواية عنه. (۲)

اس طرح وجادہ میں اذن کی شرط لگائی گئی ہے جب تک کہ کاتب کی جانب سے روایت کی اجازت نہ ہو تب تک أخبرنی فلان کہہ کر طالب اس سے روایت نہیں کر سکتا۔

حافظ احمد محمد شاکر نے حافظ ابن کثیر کے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے اس تساہل کا خصوصی ذکر کیا ہے جو دور حاضر کے بعض مولفین محدثین کی خصوصی اصطلاحات کو عام استعمال میں لے آئے ہیں ان کی رائے میں یہ جرأت پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ محدثین نے بڑی دقت نظر سے اصطلاحیں وضع کی ہیں اور ان کے استعمال میں احتیاط برتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وقد اجترأ كثير من الكتاب فى عصرنا، فى مؤلفاتهم و فى الصحف والمجلات، فذهبوا ينقلون من كتب السابقين من المؤرخين وغيرهم بلفظ التحديث، فيقول أحدهم "حدثنا ابن خلدون"، "حدثنا ابن قتيبة"، "حدثنا الطبرى" اوهو أقبح مارأينا من انواع النقل، فإن التحديث والإخبار و نحوهما من إصطلاحات المحدثين الرواة بالسماع، وهى المطابقة للمعنى اللغوى فى السماع، فنقلها الى معنى آخر۔ وهو النقل من الكتب۔ افساد لمصطلحات العلوم، و ايهام لمن لا يعلم، بألفاظ ضخمة، ليس هٰؤلاء الكتاب من أهلها، و يخشى على من تجرأ على مثل هذه العبارات أن ينتقل منها الى الكذب البحت؟

۱- الباعث الحثیث، ۱۲۵

۲- نزهة النظر، ٦٧

والزور المجرد. عافانا الله. (۱)

ہمارے عہد کے بہت سے لکھنے والوں نے اپنی مولفات، اخبارات میں بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا ہے اور سابقہ مورخین وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے تحدیث کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ان میں سے ایک آدمی لکھتا ہے: حدثنا ابن خلدون، حدثنا ابن قتیبہ اور حدثنا الطبری اور ایسا کرنا نقل کے انواع میں سے قبیح ترین ہے اس لئے تحدیث اخبار اور اس طرح کی اصطلاحات محدثین کے ہاں ان راویوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں جنہیں سماع حاصل ہوتا ہے اور سماع کے سلسلے میں لغوی معنوں کے مطابق استعمال ہوتی ہیں۔ انہیں کسی اور معنی میں یعنی کتابوں سے نقل کے سلسلے میں استعمال علوم کی اصطلاحات میں فساد پیدا کرنا اور ان عظیم الشان الفاظ جن کے استعمال کی یہ لکھنے والے اہلیت نہیں رکھتے، کے ذریعہ کم علم لوگوں کو شبہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اور خطرہ ہے کہ اس طرح کی عبارات نقل کرنے کی جرأت سفید جھوٹ اور کھلا افتراء ہے۔

طریق وجادہ سے مروی احادیث کی حیثیت منقطع کی ہے جیسا کہ محدثین کے بیانات سے واضح ہے تاہم محدثین کے ہاں یہ طریق روایت موجود ہے بلکہ امام مسلم جیسی شخصیت نے اس طریق سے روایات نقل کی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اس پر بحث کرتے ہوئے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں ہم ان کی متعلقہ عبارت نقل کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے اس اعتراض کو نقل کرتے ہیں جسے امیر الصنعانی نے عمدہ طریق پر پیش کیا ہے:

۱- الباعث الحثیث /۱۲۷؛ علامہ احمد محمد شاکر نے ایک بہت ہی حساس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ ہے علمی اصطلاحات کا بے موقع استعمال۔ ہر علم کی تشکیل و توسیع میں اصطلاحات کی خصوصی حیثیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ اصطلاحات جہاں اس کے تفصیلی فہم میں معاون ثابت ہوتی ہیں وہاں علم کی اس شاخ کے امتیازات کی امین بھی ہوتی ہیں۔ اسے منفرد اور مستحکم رکھنے میں ان اصطلاحات کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محدثین نے نقل حدیث میں کتنی باریک بینی سے کام لیا ہے۔ اگر طریق روایت میں ذرا سی بھی تبدیلی ہوئی ہے تو اس کے لیے نئی اصطلاحیں اور روایت کے لیے نئے الفاظ وضع کیے ہیں۔ علم حدیث سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس دقت نظر کی توصیف کرے گا۔ ناواقف لوگ محض ظن وتخمین سے فیصلے صادر کرتے ہیں اور ذخیرہ حدیث کے بارے میں قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔ مطالعہ نصوص کے لیے جو نئے اصول وضع کیے جا رہے ہیں اور ان کی بنیاد پر ایک نیا تعبیری علم (Hermeneutic) مرتب کیا جا رہا ہے وہ یہودی مسیحی نصوص کے لیے مفید ہو سکتا ہے لیکن اسے اسلامی نصوص پر منطبق کرنے کے خطرناک نتائج ہو سکتے ہیں کیونکہ مسلمان اہل علم نے پہلے ہی تجزیاتی اصولوں کی مستحکم بنیاد رکھ دی ہے۔ علوم الحدیث کے مطالعہ سے مسلمان علماء کی عظیم الشان خدمات کا احساس پختہ ہوتا ہے۔ حدیث کے بارے میں تحقیر وتخفیف کے رویوں کے پیچھے اس عظیم الشان ذخیرہ سے ناواقفیت بھی ایک بڑا سبب ہے۔

و ملخص الاعتراض أن مسلماً قدروى فى صحيحه احاديث عمن رواها بطريق الوجادة وقد قدمنا حديثاً رواه عن ابى بكر بن ابى شيبة فكيف جعلتم المروى بالوجادة منقطعاًمع أن المنقطع ليس من نوع الصحيح، والمسلمون فى مشارق الارض و مغاربها مؤمنون بأن أحاديث مسلم كلها صحاح. (۱)

اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں طریق وجادہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ طریق وجادہ کی روایت کو اگر منقطع قرار دیا جائے تو اسے نقل کرنے کا کیا جواز ہے جب کہ منقطع صحیح کی اقسام میں شامل نہیں۔ مشرق و مغرب کے مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ مسلم کی تمام احادیث صحیح ہیں۔

حافظ سیوطی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأجاب الرشيد العطار بانه روى الأحاديث الثلاثة من طرق أخرى موصولة الى هشام والى ابى اسامة، قلت:وجواب آخر وهو:أن الوجادة المنقطعة ان يجد فى كتاب شيخه لا فى كتابه عن شيخه فتأمل. (۲)

۱- توضیح الافکار، ۳۴۶/۲: مسلم کی جن احادیث کا ذکر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(الف) عن عائشة قالت:قال لى رسول اللهﷺ:إنى لأ علم إذا كنتِ عنى راضية وإذا كنتِ عليّ غضبىٰ قالت:فقلتُ:من اين تعرف ذلك؟ قال :اما إذا كنت عنى راضية فانك تقولين لاورب محمد واذا كنت غضبىٰ قلتِ:لاورب ابراهيم قالت:قلت:أجل والله يا رسول الله ما أهجر الا اسمك. (مسلم، الجامع، كتاب فضائل الصحابة، ۱۳۵/۷)

(ب) عن عائشة قالت:ان كان رسول الله ليتفقّد، يقول :أين أنا اليوم أين أنا غداً استبطاءً ليوم عائشة قالت:فلمّا كان يومى قبضه الله بين سحرى و نحرى ۔ (مسلم، الجامع، فضائل الصحابة، باب فضل عائشة، ۱۳۷/۷)

(ج) عن عائشة قالت:تزوجنى رسول الله وأنا ابنة ست سنين وبنىٰ بى وأنا ابنة تسع سنين. قالت: فقدمنا المدينة فوعكتُ شهراً فوفىٰ شعرى جميمةً فأتتنى أمُّ رومان وأنا على ارجوح ومعى صواحبى فصرخت بى فأتيتها وما ادرى ماتريدبى. فاخذتْ بيدىَّ فاوقفتنى على الباب فقلتُ هه هه حتى ذهب نفسى فأدخلتنى بيتاً فإذا نسوة من الأنصار فقلن على الخير والبركة وعلى خير طائرٍ فاسلمتنى إليهن فغسلنَ راسى و اصلحننى فلم يَرُعْنى الا و رسول اللهﷺ ضحىً فأسلمننى اليه ۔ (مسلم، الجامع، كتاب النكاح، باب تزويج الأب البكر الصغيرة، ۱۴۱/۴-۱۴۲)

۲- تدريب الراوى، ۲۸۳.

رشید العطار نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ تینوں احادیث اور طریقوں سے بھی مروی ہیں جو ہشام اور ابو اسامہ تک متصل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ایک اور جواب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وجادہ منقطعہ یہ ہے جب وہ اپنے شیخ کی کتاب میں کوئی چیز پائے یہ نہیں ہے کہ اپنی کتاب میں شیخ سے مروی کوئی چیز موجود ہو۔ اس پر غور کرو۔

امیر الصنعانی نے سوال کے خلاصہ کی طرح جواب کا ملخص بھی نقل کیا ہے جو حافظ سیوطی ہی کے بیان پر مشتمل ہے لیکن زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔(۱)

روایت بطریق وجادہ پر عمل

اعلام وصیۃ اور وجادہ کے ذریعہ مروی روایات پر عمل کے سلسلے میں علماء میں اختلاف ہے۔ معتمد قول یہ ہے کہ جس کے نزدیک یہ روایت ہے اس کے نزدیک اس پر عمل واجب ہے۔(۲) حافظ ابن الصلاح اس کے قابل عمل ہونے پر اختلافات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما جواز العمل اعتماداً علی ما یوثق به منها، فقد روینا عن بعض المالکیة ان معظم المحدثین و الفقهاء من المالکیین وغیرهم لا یرون العمل بذلك. وحکی عن الشافعی و طائفة من نظار اصحابه جواز العمل به. قلت: قطع بعض المحققین من اصحابه فی اصول الفقه بوجوب العمل به عند حصول الثقة به، و قال: "لو عرض ماذکرناه علی جملة المحدثین لأبوه" وما قطع به هو الذی لا یتجه غیره فی الأعصار المتأخرة، فانه لو توقف العمل فیها علی الروایة لا نسد باب العمل بالمنقول، لتعذر شرط الروایة فیها علی ما تقدم فی النوع الأول. (۳)

۱- توضیح الافکار، ۲/ ۳۴۶

۲- ایضاً، ۲/ ۳۴۶

۳- ابن الصلاح، ۱۸۰-۱۸۱؛ حافظ سخاوی اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: و یلتحق بذلك ما یوجد بحواشی الکتب من الفوائد والتقییدات، و نحو ذلك ؛ فان کان بخط معروف فلا باس بنقلها و عزوها الی من هی لهٔ، والا فلا یجوز اعتمادها الا لعالم متقن ، وربما تکون تلك الحواشی بخط شخص و لیست له، اوبعضها له، و بعضها لغیره، فیشتبه ذلك علی ناقله بحیث یعزو الکل لواحد۔ (فتح المغیث ، ۳/ ۲۹)

جہاں موثق روایت پر عمل کرنے کے جواز کا تعلق ہے تو بعض مالکیہ سے یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ اکثر مالکی محدثین وفقہاء وجادہ کی روایت پر عمل کرنا درست نہیں سمجھتے۔ امام شافعی اور ان کے اہل نظر اصحاب سے عمل کا جواز منقول ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اصول فقہ میں ان کے محققین اصحاب میں بعض نے ثقاہت معلوم ہونے پر عمل کے وجوب کا قطعی فیصلہ دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ہماری مذکورہ رائے کو اگر محدثین کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ انکار کر دیں گے اور اس نے جو یقینی بات کی ہے وہ ادوار متاخرہ میں ان کے سوا کسی کے ذہن میں نہیں آئی اس لیے کہ اگر اس روایت پر عمل موقوف کر دیا جائے تو منقولہ روایت پر عمل کا دروازہ بند ہو جائے گا اس لیے کہ روایت کے لیے لگائی شرط کا حصول مشکل ہے جیسا کہ نوع اول میں گزر چکا ہے۔

حافظ ابن کثیر اس کی وضاحت کرتے ہوئے ایک حدیث نقل کرتے ہیں جسے حسن بن عرفہ(۱) نے اپنے جزء میں بطریق عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده نقل کیا ہے۔(۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

قلت: وقد ورد في الحديث عن النبي ﷺ انه قال: "أى الخلق أعجب اليكم ايماناً؟ قالوا: الملائكة، قال: و كيف لا يؤمنون وهم عند ربهم؟ و ذكروا الانبياء عليهم السلام فقال: و كيف لا يؤمنون والوحي ينزل عليهم؟ قالوا فنحن، قال: و كيف لا تؤمنون وانا بين أظهركم؟ قالوا فمن يا رسول الله؟ قال: قوم يأتون من بعدكم، يجدون صحفاً يؤمنون بما فيها" وقد ذكرنا الحديث باسناده و لفظه في شرح البخاري، ولله الحمد.

فيؤخذ منه مدح من عمل بالكتب المتقدمة بمجرد الوجادة لها. (۳)

میں کہتا ہوں کہ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے نزدیک ایمان کے

۱- حسن بن عرفہ بن یزید ابو علی العبدی البغدادی الحافظ۔ سو سال سے متجاوز ہو کر ۲۵۷ھ میں فوت ہوئے۔ محدث، ثقہ، مسند وقتہ۔ طویل عمر پائی۔ ھشیم بن بشیر، اسماعیل بن عیاش اور ابراہیم بن یحییٰ وغیرہم سے سماع کیا۔ ترمذی، ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا وغیرہ نے ان سے حدیث روایت کی۔ ابن معین کہتے ہیں: لا بأس به انا اذهب اليه. ابن ابی حاتم کے بقول صدوق ہیں۔ تاریخ بغداد، ۷/ ۳۹۴-۳۹۶. العبر، ۲/۱۴؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۵۴۷و بعد؛ تهذيب التهذيب، ۲/۲۹۳- ۲۹۴؛ شذرات، ۲/ ۱۳۶

۲- الباعث الحثيث، ۱۲۶

۳- ایضاً، ۱۲۶

اعتبار سے سب سے زیادہ حیرت انگیز کون ہیں۔ لوگوں نے کہا: فرشتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ وہ رب کریم کے پاس ہیں۔ انہوں نے انبیاء کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیسے ایمان نہ لاتے جب کہ ان پر وحی اترتی ہے۔ کہنے لگے پھر ہم ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم کیسے ایمان نہ لاتے درآں حالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ پھر کون ہو سکتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے۔ انہیں کچھ صحیفے ملیں گے اور ان میں جو کچھ لکھا ہوگا اس پر ایمان لائیں گے" ہم نے اس حدیث کے الفاظ کو سند کے ساتھ شرح بخاری میں ذکر کیا ہے۔ اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔ اس سے ان لوگوں کی تعریف نکلتی ہے جو کتب متقدمہ پر صرف وجادہ کے ذریعہ عمل پیرا ہوں گے۔

حافظ سیوطی نے اسے شیخ بلقینی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

قال البلقيني: وهذا استنباط حسن، قلت: المحتج بذلك هو الحافظ عماد الدين ابن كثير في اوائل تفسيره. (۱) والحديث رواه الحسن بن عرفة في جزئه من طريق عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، وله طرق كثيرة اوردتها في الأمالي و في بعض الفاظه: "بل قوم من بعدكم يأتيهم كتاب بين لوحين يؤمنون به و يعملون بما فيه اولئك اعظم منكم اجراً". اخرجه احمد، والدارمي و الحاكم من حديث ابي جمعة الانصاري. وفي لفظ للحاكم من حديث عمر يجدون الورق المعلم(۲) فيعملون بما فيه؛ فهؤلاء أفضل أهل الإيمان إيماناً. (۳)

بلقینی کہتے ہیں کہ یہ بہت اچھا استنباط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس استدلال کے مالک حافظ عماد الدین ابن کثیر ہیں انہوں اپنی تفسیر کی ابتدا میں اس استدلال کو پیش کیا ہے۔ اور جو حدیث ہے اسے حسن بن عرفہ اپنے جزء میں عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اس کے طرق بہت ہیں جنہیں میں نے امالی میں ذکر کیا ہے اس کے بعض الفاظ یہ ہیں: "بلکہ یہ تمہارے بعد کی تحریر ہے جن کے پاس دو تختیوں میں کتاب ہو

۱- تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۸۴-۸۵

۲- الباعث، ۱۲۸ پر المعلم کے بجائے المعلق ہے۔

۳- تدریب الراوی، ۲۸۵؛ الباعث، ۱۲۸

گی جس پر وہ ایمان رکھیں گے اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل کریں گے یہ لوگ بڑے اجر والے ہوں گے" احمد، دارمی اور حاکم نے اس کی تخریج کی ہے۔ حدیث عمر کے الفاظ جنہیں حاکم نے نقل کیا ہے یہ ہیں: وہ معلم اوراق پائیں گے اور اس میں جو کچھ ہوگا اس پر عمل کریں گے۔ یہ لوگ اہل ایمان سے افضل الایمان ہوں گے۔

شیخ احمد محمد شاکر اسے نقل کرنے کے بعد اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فيه نظر ووجوب العمل بالوجادة لا يتوقف عليه، لأن مناط وجوبه انما هو البلاغ و ثقة المكلف بأن ما وصل الى علمه صحت نسبته إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. (۱)

اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ وجادہ پر عمل کا وجوب اس پر موقوف نہیں ہے، اس لیے کہ وجوب کی علت بلاغ اور ماخذ کی ثقاہت ہے کیونکہ جو بات اس کے علم میں آئی ہے اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے۔

شیخ احمد محمد شاکر مزید فرماتے ہیں کہ وجادہ جیدہ جس پر دیکھنے والے کا دل مطمئن ہو وہ ثقاہت میں اجازت بمع انواع سے کم نہیں کیونکہ اجازت حقیقت میں شیخ کے اذن روایات کے ساتھ وجادہ ہی ہے۔ اس دور میں آپ کسی ایسے شیخ کو نہیں پائیں گے جو کتابوں کو بطریق سماع روایت کرے یہ تمام۔ الا ماشاءاللہ۔ اجازات ہی ہیں۔ سنت کی تمام امہات الکتب کی ان کے مولفین سے روایت وجادہ ہی کے طریق پر ہے، اسی طرح مختلف قابل اعتماد قلمی اصول کی روایت بھی۔ ان میں وہی شخص شک کرے گا جو روایت اور وجادہ کے دقیق معنوں سے غافل ہے یا شریر اور ڈھیٹ ہے جسے کوئی دلیل مطمئن نہیں کرتی۔ (۲)

امیر الصنعانی نے وجادہ پر عمل کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے حسب معمول جامع بات کی ہے اور تمام آراء کو سمیٹ کر بیان کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اعلم أنه اذا صح الحديث الذى تحمله الراوى بأحد الطرق الثلاثة التى هى الأعلام و الوصية والوجادة و جب على من صح عنده أن يعمل بمقتضاه على المعتمد، و انما قلنا على المعتمد لأن العلماء قد اختلفوا فى هذا، والذى حكاه القاضى عياض أنه لا خلاف بين العلماء فى وجوب العمل بما صح اسناده، من الأحاديث التى يتحملها بطريق الأعلام، فأما الوصية فان من ذهب الى أنها أحسن حالاً من الوجادة وذهب مع ذلك الى جواز العمل بالوجادة أو وجوبه كان عنده أن

۱- الباعث الحثیث، ۱۲۸۔
۲- ایضاً، ۱۲۸

العمل بالوصية أولى من العمل بالوجادة، وهذا فى غاية الظهور، فاما الوجادة فقد نقل عن اكثر المحدثين و فقهاء المالكية وغيرهم أن العمل بالاحاديث التى يتحملها بها غير جائز. ونقل عن الشافعیؒ والمحققين من اصحابه جوازه، و ذهب بعض المحققين الى وجوب العمل بها عند حصول الثقة بما وجده، وهذا هو الصحيح الذى لا يتجه فى هذه الأزمان سواه. (۱)

جان لو کہ جب ایسی حدیث، جسے راوی تین طریقوں یعنی اعلام، وصیۃ اور وجادۃ میں کسی ایک کے ذریعہ نقل کرے، صحیح ہو تو جس کے نزدیک وہ صحیح ہو تو اعتماد کرنے والے پر اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ ہم نے معتمد کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے اور وہ جو قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ وہ احادیث جو بطریق اعلام نقل ہوئی ہیں اور ان کی اسناد صحیح ہیں تو ان پر وجوب عمل کے بارے میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں۔ جہاں تک وصیۃ کا تعلق ہے تو کچھ لوگ اس جانب گئے ہیں کہ وہ وجادۃ سے بہتر حالت میں ہے اور اس کے باوجود ان کی رائے ہے کہ وجادۃ پر عمل کا جواز اور وجوب موجود ہے تاہم وصیت پر عمل کرنا وجادہ پر عمل کرنے سے اولیٰ ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے۔ جہاں تک وجادۃ کا تعلق ہے تو اکثر مالکی فقہاء محدثین وغیرہ سے منقول ہے کہ اس طریق پر منقول احادیث پر عمل جائز نہیں۔ امام شافعی اور ان کے محققین اصحاب سے اس کا جواز منقول ہے اور بعض محققین اس جانب گئے ہیں اگر وجادۃ میں ثقاہت حاصل ہو جائے تو عمل کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ یہی وہ صحیح رائے ہے جس کے سوا اس زمانے میں کوئی اور راہ نہیں اختیار کی جاسکتی۔

حافظ ابن حجرؒ نے وجادۃ، وصیۃ اور اعلام تینوں میں اجازت کی شرط لگائی، اجازت کے بغیر یہ قابل قبول نہیں۔ فرماتے ہیں:

وكذا اشترطوا الإذن فى الوجادة والوصية بالكتاب وفى الاعلام والا فلا عبرة بذلك كالإجازة العامة. (۲)

اس طرح محدثین نے وجادہ، وصیۃ بالکتاب اور اعلام میں اذن کی شرط لگائی ہے ورنہ اجازت عامہ کی طرح ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

۱- توضيح الافكار، ۲/ ۳۴۴-۳۴۵

۲- نزهة النظر، ۶۷

المتفق والمفترق

روایت حدیث میں راوی کی بنیادی اہمیت ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر محدثین نے راویوں کے اسماء کے سلسلے میں مفصل بحثیں کی ہیں اور مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی،ان کے نام، القاب، کنیتیں، مشترک نام، تلفظ، املاء وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ مستقل عنوانات کے تحت وضاحتیں درج کی ہیں تاکہ راوی کے بارے میں کوئی ابہام اور کوئی غلط فہمی نہ رہے۔حافظ ابن الصلاح سے لے کر حافظ ابن حجر تک سب نے اسماء رواۃ کے سلسلے میں لکھا ہے۔ہم چونکہ حافظ ابن حجر کی ترتیب کا تتبع کر رہے ہیں اس لیے آغاز اسی عنوان سے کر رہے جو حافظ ابن حجر نے اختیار کیا ہے۔

تعریف

لغوی اعتبار سے المتفق، الاتفاق سے اسم فاعل ہے اور المفترق، الافتراق سے اسم فاعل ہے۔یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

محدثین کی اصطلاح میں المتفق یہ ہے کہ راویوں کے نام اور ان کے باپ دادا کے نام لفظاً اور خطاً ایک جیسے ہوں لیکن ان کی شخصیتیں مختلف ہوں۔اسی طرح نام اور کنیتیں اور نام اور نسبتیں ایک جیسی ہوں جب کہ شخصیتیں مختلف ہوں۔حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

ثم الروا ۃ إن اتفقت أسماء هم و أسماء آبائهم فصا عداً و اختلفت اشخاصهم سواء اتفق فی ذلك اثنان منهم او اكثر و كذلك اذا اتفق اثنان فصاعداً فی الكنية و النسبة فهو النوع الذی يقال له المتفق والمفترق (۱)

پھر اگر راویوں کے نام اور ان کے باپ دادا کے نام ایک جیسے ہوں لیکن ان کی شخصیتیں جدا جدا ہوں، اسی طرح اگر کنیت اور نسبت ایک جیسی ہو اور مسمّٰی جداگانہ ہوں تو یہ وہ نوع ہے جسے متفق ومفترق کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ نے اسے بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

۱- نزھۃ النظر، ۶۸

هذا النوع متفق لفظاً وخطاً بخلاف النوع الذی قبله، فان فیه الاتفاق فی صورة الخط مع الافتراق فی اللفظ (۱) و هذا من قبیل ما یسمیٰ فی اصول الفقه المشترك . وزلق بسببه غیر واحد من الأ کابر ولم یزل الاشتراك من مظان الغلط فی کل علم . (۲)

یہ وہ نوع ہے جس میں لفظ وخط کا اتفاق ہوتا ہے بخلاف مذکورة الصدر قسم کے کہ اس میں صورت خطی میں اتفاق ہوتا ہے اور لفظ میں افتراق۔ یہ اس قبیل سے ہے جسے اصول الفقہ میں المشترک کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے کئی اکابر لغزش کا شکار ہوئے ہیں کیونکہ اشتراک ہر علم میں ہمیشہ غلطی کے امکان کا باعث بنتا ہے۔

امام نوویؒ نے ابن الصلاحؒ ہی کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (۳) جب کہ علامہ سیوطیؒ نے حافظ ابن حجرؒ کی طرح وضاحت کی ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

المتفق و المفترق من الاسماء و الانساب و نحوها و هو متفق خطاً ولفظاً و افترقت مسمیاته. (۴)

متفق ومفترق اسماء وانساب کی وہ قسم ہے جو خطی ولفظی طور پر متفق ہے اور مسمیات میں مفترق ہے۔

محدثین کے ہاں اس فن کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اس کی معرفت سے حدیث کا طالب علم التباس سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسے جانے بغیر اس بات کا امکان رہتا ہے کہ انسان ایک شخص کو کئی اشخاص تصور کرتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وهذا عکس ما تقدم من النوع المسمی بالمهمل لانه یخشی منه أن یُظن الواحد اثنین وهکذا یخشیٰ منه ان یظن الاثنان واحداً. (۵)

اور اس بات کا بھی امکان کہ متفقین میں ایک ثقہ ہو اور دوسرا ضعیف تو ایک صحیح حدیث ضعیف ہو جائے اور ضعیف صحیح۔ اسی التباس سے بچنے کے لیے متفق ومفترق کی معرفت بہت ضروری ہے۔

۱- اس سے مراد المؤتلف والمختلف ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے اسے پہلے بیان کیا ہے جبکہ حافظ ابن حجر نے اسے بعد میں ذکر کیا ہے۔

۲- مقدمه ابن الصلاح، ۳۵۸

۳- تقریب مع تدریب، ۴۷۹

۴- ایضاً، ۴۷۹

۵- نزهة النظر، ۶۸

اقسام

حافظ ابن الصلاح نے اس کی چھ قسمیں بیان کی ہیں اور اسی کو نوویؒ، سیوطیؒ، سخاویؒ، ابن کثیرؒ اور دیگر متاخرین نے اختیار کیا ہے:

ا۔ المفترق ممن اتفقت أسماء هم و أسماء آبائهم(۱)

وہ مفترق جن کے نام اور ان کے آباء کے نام ایک جیسے ہیں۔

حافظ ابن الصلاح نے اس کی مثال میں خلیل بن احمد (۲) کا نام لیا ہے اور بتایا ہے کہ اس نام کے چھ اشخاص ہیں مثلاً ابو بشر المزنی بصری (۳)، اصبہانی (۴)، ابو سعید السجزی القاضی (۵) ابو سعید البستی القاضی المہلبی (٦)

ا۔ ابن الصلاح، ۳۵۸

۲۔ الخلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم ابو عبدالرحمٰن الازدی النحوی، البصری الفراہیدی صاحب العروض (م ۱۷۰ھ) عاصم الاحول وغیرہ نے ان سے حدیث بیان کی۔ ابو العباس مبرد کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پہلا شخص ہے جس کا نام احمد ہے۔ ابن حبان نے الثقات میں ان کا ذکر کیا۔ حافظ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ یحییٰ بن معین نے سعید بن احمد کا ذکر کیا ہے جو اس سے اقدم ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ سعید بن محمد بالیاء ہے (ابن الصلاح، ۳۵۸-۳۵۹) علامہ السیوطی نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جعفر بن ابی طالب کا بیٹا حبشہ میں پیدا ہوا تھا اور اس کا نام احمد تھا لیکن علامہ ذہبی کی رائے ہے کہ یہ واقدی کا تفرد ہے۔ نسائی نے فاطمہ بنت قیس کے خاوند ابو عمرو بن حفص بن المغیرہ صحابی کا نام احمد بتایا ہے لیکن امام بخاری نے اس کا ذکر بغیر نام کے کیا ہے (تدریب، ۴۸۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۱۸-۴۱۹): ترجمہ کے لیے رجوع کیجئے۔ التاریخ الکبیر، ۱۹۹/۱/۲؛ شذرات الذهب، ۱ / ۲۷۵؛ تهذیب التهذیب، ۳ / ۱۶۳؛ سیر اعلام، ۷ / ۴۲۹

۳۔ ابو بشر المزنی البصری، خلیل بن احمد۔ بصرہ کے مشہور محدث تھے۔ انہوں نے مستنیر بن اخضر سے روایت کی ہے اور ان سے عباس بن عبدالعظیم العنبری، محمد بن یحییٰ بن ابی سمینہ اور عبداللہ بن محمد المسندی وغیرہ نے روایت کی۔ انہیں صاحب فہم اور معرفہ کہا گیا (تدریب، ۴۸۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۱۸، ۴۱۹) ترجمہ کے لیے رجوع کیجئے۔ تهذیب التهذیب، ۳/ ۱۴۸

۴۔ خلیل بن احمد الاصبہانی۔ روح بن عبادہ وغیرہ سے روایت کیا۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح کو غلطی لگی ہے یہ شخص خلیل بن محمد العجلی ابو العباس ہے۔ ابن حبان نے طبقات الاصبهانیین اور ابو نعیم نے تاریخ اصبهان میں اسی طرح بیان کیا ہے التقیید و الایضاح، ۳۵۶؛ تهذیب التهذیب، ۳ / ۱۲۹

۵۔ خلیل بن احمد بن خلیل ابو سعید السجزی القاضی (م ۳۷۸ھ)۔ انہوں نے ابن خزیمہ، ابن صاعد اور البغوی سے روایت کی اور ان سے الحاکم، اسحاق القراب اور عبدالوہاب بن محمد الخطابی وغیرہ نے روایت کی۔ حاکم ان کے بارے میں لکھتے ہیں: هو شیخ اهل الرای فی عصره و کان احسن الناس کلاماً فی الوعظ. سمرقند میں قاضی رہے۔ یتیمة الدهر، ۴/ ۳۳۸؛ شذرات، ۳ / ۹۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/ ۴۳۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۱۹

٦۔ خلیل بن احمد ابو سعید البستی القاضی المہلبی السجزی، احمد بن المظفر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے حافظ البیہقی نے روایت کی۔ (ابن الصلاح، ۳۵۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۱۹)

اور ابو سعید البستی۔(۱)

۲۔المفترق ممن اتفقت أسماء هم و أسماء آبائهم و أجدادهم أو اكثر (۲)

دوسری قسم وہ مفترق ہے جس میں شخصیتوں کے نام اور ان کے آباء واجداد یا زیادہ کے نام ایک جیسے ہوں۔

اس کی مثال احمد بن جعفر بن حمدان ہے۔یہ چار لوگ ہیں اور سب ہم عصر ہیں۔

۱۔ ابو بکر القطیعی البغدادی (۳) نے عبداللہ بن احمد بن حنبل سے روایت کی

۲۔ ابو بکر السقطی البصری (۴) نے عبداللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی سے روایت کی

۳۔ الدینوری (۵) نے عبداللہ بن محمد بن سنان عن محمد بن کثیر صاحب سفیان الثوری سے روایت کی

۴۔ الطرسوسی (۶) نے عبداللہ بن جعفر الطرسوسی سے روایت کی

اسی طرح محمد بن یعقوب بن یوسف النیسابوری دو ہیں۔ دونوں ہم عصر ہیں اور دونوں سے ابوعبداللہ حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ان میں ایک ابوالعباس الاصم (۷) اور دوسرا ابوعبداللہ

۱۔ ابو سعید البستی، خلیل بن احمد بن عبداللہ بن احمد شافعی المسلک تھے۔مختلف علوم میں دسترس رکھتے تھے۔۴۲۲ھ میں عراق سے اندلس گئے اور وہاں حدیث کی اشاعت کی۔ابوحامد الاسفرائینی سے روایت کی اور ان سے ابوالعباس العذری وغیرہ نے۔(ابن الصلاح، ۳۵۹؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۱۹)

۲۔ ابن الصلاح، ۳۶۰؛ فتح المغیث، ۴/ ۴۲۰؛ تدریب، ۴۸۲

۳۔ احمد بن جعفر بن حمدان بن مالک ابوبکر البغدادی القطیعی (م ۳۶۸ھ) صدوق فی نفسہ، خطیب کہتے ہیں: لا اعلم احداً ترك الاحتجاج به۔حاکم کے نزدیک ثقہ مامون ہے۔عبداللہ بن احمد بن حنبل سے المسند اور کتاب الزهد کا سماع کیا۔ان سے ابونعیم الاصبہانی سمیت کئی لوگوں نے روایت کی۔تاریخ بغداد، ۴/ ۴۵؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/ ۲۱۰؛ فتح المغیث، ۴/ ۴۲۰؛ تدریب، ۴۸۲

۴۔ احمد بن جعفر بن حمدان بن عیسیٰ السقطی البصری، کنیت ابوبکر (م ۳۶۴ھ) عبداللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابونعیم الاصبہانی وغیرہ نے روایت کی۔فتح المغیث، ۴/ ۴۲۰؛ تدریب، ۴۸۲

۵۔ احمد بن جعفر بن حمدان الدینوری (م ۲۸۹ھ) عبداللہ بن محمد بن سنان الروحی سے روایت کی اور ان سے علی بن القاسم بن شاذان الرازی وغیرہ نے روایت کی۔فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۲۰؛ تدریب، ۴۸۲

۶۔ احمد بن جعفر بن حمدان ابوالحسن الطرسوسی۔عبداللہ بن جابر طرسوسی اور محمد بن حصن بن خالد الطرسوسی سے روایت کی اور ان سے قاضی ابوالحسن الخصیب بن عبداللہ بن محمد الخصیبی المصری وغیرہ نے روایت کی۔فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۲۰؛ تدریب، ۴۸۰

۷۔ ابوالعباس الاصم محمد بن یعقوب الاموی النیسابوری (م ۳۴۶ھ)، اپنے وقت کے ممتاز علماء میں سے تھے۔مختلف علاقوں کے طالبان علم کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔سخی اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔کہا جاتا ہے کہ اپنے محلہ کی مسجد میں ستر (۷۰) سال اذان دیتے رہے۔ثقہ وصدوق تھے۔تذکرة الحفاظ، ۳/ ۸۶۰؛ العبر، ۲/ ۲۷۳؛ سیر أعلام، ۱۵/ ۴۵۲

بن الاخرم (۱) الشیبانی الحافظ دون الاول کے لقب سے معروف ہے (۲)

۳۔ ما اتفق من ذلک فی الکنیۃ و النسبۃ معاً۔ (۳)

وہ جو کنیت اور نسبت دونوں میں متفق ہوں۔

اس کی مثال ابو عمران الجونی ہے۔ یہ دو اشخاص ہیں۔ ان میں ایک تو تابعی عبدالملک بن حبیب (۴) اور دوسرے موسیٰ بن سہل بصری (۵) ہیں جو بغداد میں سکونت پذیر رہے اور ہشام بن عمار (۶) وغیرہ سے روایت کی اور ان سے دعلج بن احمد (۷) وغیرہ نے روایت کی۔

۴۔ عکس ھذا بأن اتفق فیہ الإسم و کنی الأب۔ (۸)

سابقہ کے برعکس اس طرح کہ جس میں نام اور باپ کی کنیت ایک جیسی ہے۔

اس کی مثال صالح بن ابی صالح ہے اور یہ چار اشخاص ہیں۔ ان میں سے ایک تو اُمہ (۹) بنت امیۃ بن خلف

۱۔ ابو عبداللہ بن الاخرم، محمد بن یعقوب الشیبانی النیساپوری (م ۳۴۴ھ) عمدہ حافظہ کے مالک تھے۔ صاحب علم وفہم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ طلب علم کے لیے سفر اختیار نہیں کیے۔ متعدد مفید کتب تالیف کیں۔ شذرات ۲/۳۶۸؛ سیر اعلام، ۱۵/۴۶۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۸۶۴؛ العبر ۲/۲۶۵

۲۔ ابن الصلاح، ۳۶۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۴۲۰؛ تدریب، ۴۸۲

۳۔ ابن الصلاح، ۳۶۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۴۲۱؛ تدریب، ۴۸۳

۴۔ ابو عمران عبدالملک بن حبیب الازدی، الکندی، الجونی البصری (م ۱۲۹ھ) ۱۲۸ھ اور ۱۲۳ھ میں وفات کے اقوال بھی منقول ہیں۔ مشہور تابعی اور علماء میں شمار ہوتے تھے۔ عمران بن حصین کی زیارت کی اور جندب بن عبداللہ البجلی، انس، ابو فراس ربیعہ بن کعب الاسلمی وغیرہم سے روایت کی۔ ابن حصین کے نزدیک ثقہ، ابو حاتم کے ہاں صالح اور نسائی کہتے ہیں: لیس بہ باس۔ تھذیب التھذیب، ۶/۳۴۶؛ سیر اعلام، ۵/۲۵۵

۵۔ ابو عمران موسیٰ بن سہل بن عبدالحمید الجونی البصری (م ۳۰۷ھ) ربیع بن سلیمان اور ان کے طبقہ کے اہل علم سے روایت کی۔ ان سے اسماعیلی اور طبرانی وغیرہ نے۔ تدریب، ۴۸۳؛ فتح المغیث ۴/۴۲۱؛ تاریخ بغداد، ۱۳/۵۶۔ ۵۷؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۷۶۳؛ شذرات الذھب، ۲/۲۵۱

۶۔ ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرہ بن ابان ابو الولید السلمی (م ۲۴۵ھ) حافظ علامہ المقری، خطیب دمشق، کثیر مشائخ سے استفادہ کیا اور ان سے بڑی تعداد نے روایت کی۔ یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا۔ العجلی ثقہ اور صدوق کہا، دارقطنی نے کہا، صدوق۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۴۲۰، ۴۳۵؛ ابن سعد، ۷/۴۷۳؛ التاریخ الکبیر، ۴/ii/۱۹۹؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۴۵۱؛ البدایۃ، ۱۰/۳۴۷؛ تھذیب التھذیب، ۱۱/۵۱۔ ۵۲

۷۔ دعلج بن احمد بن دعلج بن عبدالرحمٰن ابو محمد السجستانی (م ۳۵۱ھ) الفقیہ الامام۔ حاکم کہتے ہیں: دعلج الفقیہ شیخ اھل الحدیث فی عصرہ۔ دارقطنی کے نزدیک اثبت المشائخ تھے۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۳۰؛ تاریخ بغداد، ۸/۳۷۸؛ وفیات الاعیان، ۲/۲۷۱؛ السبکی، ۳/۲۹۱۔ ۲۹۳؛ شذرات الذھب، ۳/۸

۸۔ ابن الصلاح، ۳۶۱؛ توضیح الافکار، ۲/۴۹۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۴۲۲۔ ۴۲۳

۹۔ التوأمۃ: بفتح التاء المثناۃ، وسکون الواو، بعدھا ھمزۃ مفتوحۃ۔ تقریب التھذیب، ۱/۳۶۳

کا غلام ہے، اس کے باپ کا نام نبہان اور کنیت ابو صالح اور صالح کی کنیت ابو محمد مدنی (۱) ابوھریرہ، ابن عباس اور انس وغیرہ سے روایت کی۔ دوسرے کے صالح والد کا نام ابو صالح السمان ذکوان ہے صالح کی کنیت ابو عبدالرحمٰن (۲) ہے۔ ابوھریرہ سے روایت کی ہے اور مسلمؒ نے اس کی حدیث درج کی ہے تیسرے صالح بن ابی صالح السدوسی (۳) ہیں۔ انہوں نے علیؓ اور عائشہؓ وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے خلاد بن عمرو نے۔

چوتھے صالح بن ابی صالح (۴) مولی عمرو بن حریث ہیں۔ انہوں نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ابوبکر بن عیاش نے روایت کی ہے۔ حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے اور ابن معین نے ان کی تضعیف کی ہے۔ (۵) حافظ سیوطی نے پانچویں کا ذکر بھی کیا جو صالح بن ابی صالح الاسدی (۶) ہیں۔ انہوں نے شعبی سے روایت کی ہے اور ان سے زکریا بن ابی زائدہ نے روایت کی۔ امام نسائی نے ان کی حدیث درج کی ہے۔ (۷)

۵۔ المفترق ممن اتفقت اسماء ھم و اسماء ابائھم و نسبتھم. (۸)

وہ مفترق جن کے اپنے نام، والد کے نام اور ان کی نسبتیں ایک جیسی ہوں۔

اس کی مثال محمد بن عبداللہ الانصاری ہے جو دو ہیں اور دونوں تقریباً ایک طبقے میں ہیں۔ ان میں سے ایک ابو عبداللہ (۹) القاضی جو بخاری کے شیخ ہیں۔ ان سے بخاری اور دوسرے لوگوں نے روایت کی اور

۱۔ میسر مصادر میں نہ مل سکا۔

۲۔ صالح بن ابی صالح السمان، ابو صالح کا نام ذکوان ابو عبدالرحمٰن المدنی ہے۔ اپنے والد اور انس بن مالک سے روایت کی اور ان سے ہشام بن عروہ وغیرہ نے روایت کی۔ ابن معین نے ثقہ گردانا ہے اور ابن حبان نے الثقات میں تذکرہ کیا ہے ابوبکر البزار نے بھی ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کی روایت کو حسن غریب کہا ہے۔ تھذیب التھذیب، ۴ / ۳۴۵؛ فتح المغیث، ۲۲۳؛ تدریب / ۲۸۸؛ کتاب الثقات، ۶/۴۶۰؛ التاریخ الکبیر، ۲/ii /۲۷۹

۳۔ صالح بن ابی الصالح السدوسی: حضرت علیؓ اور عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔ التاریخ الکبیر، ۲/ii /۲۸۳؛ کتاب الثقات، ۶/۴۶۳

۴۔ صالح بن ابی صالح مھران المخزومی الکوفی مولیٰ عمرو بن حریث۔ ابن معین نے ضعیف گردانا ہے، نسائی کے نزدیک مجھول ہیں اور ابن حبان نے الثقات میں تذکرہ کیا ہے۔ فتح المغیث ۴/ ۲۲۳؛ التدریب، ۲۸۴؛ تھذیب التھذیب، ۴/ ۳۴۵؛ التاریخ الکبیر، ۲/ii /۲۸۳

۵۔ تدریب، ۲۸۴؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۲۲۳

۶۔ صالح بن ابی صالح الاسدی عبد خیر سے روایت کیا اور ان سے عطاء بن مسلم نے روایت کیا۔ کتاب الثقات، ۶/ ۴۶۱، ۴۶۳؛ التاریخ الکبیر، ۲/ii /۲۸۴

۷۔ تدریب، ۲۸۴ ۸۔ ابن الصلاح، ۳۶۱– ۳۶۲

۹۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ بن عبداللہ بن انس بن مالک الانصاری البصری القاضی۔ ستانوے سال کی عمر میں ۲۱۵ھ میں فوت ہوئے۔ اپنے والد، سلیمان، حمید الطویل اور کئی دوسرے لوگوں سے روایت کی۔ ابن معین کہتے ہیں کہ ثقہ ہیں ابو حاتم نے انہیں صدوق قرار دیا ہے۔ ایک مرتبہ یہ بھی کہا: میں نے صرف تین ائمہ دیکھے ہیں: احمد بن حنبل، سلیمان بن داود الہاشمی، محمد بن عبداللہ الانصاری۔ تھذیب التھذیب، ۹ / ۲۴۴– ۲۴۶؛ سیر اعلام، ۹/ ۵۳۲

دوسرے ابوسلمہ (۱) جو ضعیف الحدیث ہیں (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے خطیب کی متابعت میں دو ناموں پر اکتفا کیا ہے جب کہ حافظ ابوالحجاج المزی نے تہذیب میں کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ الانصاری تین ہیں اور تیسرے محمد بن عبداللہ بن حفص بن ہشام بن زید بن انس بن مالک الانصاری (۳) ہیں وہ بھی بصری ہیں۔ ان سے ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور ابن حبان انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ (۴) حافظ عراقی مزید کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ایک اور شخص بھی اشتراک رکھتے ہیں اور وہ ہیں محمد بن عبداللہ بن زید بن عبدربہ الانصاری۔ (۵) حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ خطیب نے دو کا ذکر صرف طبقہ کی قربت کے باعث کیا ہے نیز دونوں میں ایک اور وجہ اشتراک بھی ہے کہ دونوں حمید الطویل، سلیمان التیمی، مالک بن دینار اور قرہ بن خالد سے روایت کرتے ہیں۔ جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے تو وہ متاخر طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اور چوتھا متقدم الطبقہ ہے جسے ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۶)

۶۔ ما وقع فيه الإشتراك في الإسم خاصة أو الكنية خاصة و أشكل مع ذلك لكونه لم يذكر بغير ذلك (۷)

وہ متفرق جس میں صرف نام یا صرف کنیت میں اشتراک ہو۔ اس وقت مشکل پیش آتی ہے جب اس کے بغیر کسی اور وجہ سے مذکور نہ ہو۔

اور اس کی مثال حافظ ابن خلاد القاضی (۸) کا قول ہے: جب عارم کہے: حدثنا حماد تو وہ حماد بن زید

۱۔ ابوسلمہ محمد بن عبداللہ بن زیاد الانصاری مولاہم البصری عراقی کہتے ہیں کہ عقیلی، ابواحمد حاکم اور ابن حبان نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے (فتح المغیث، ۴/۴۲۱) عقیلی نے منکر الحدیث قرار دیا اور ابواحمد حاکم نے کہا: روی عن یحییٰ بن خذام عن مالک بن دینار احادیث منکرة، والحمل فيه على ابی سلمه. ابن طاہر نے کذاب کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۹/ ۲۲۸-۲۲۹؛ دیوان الضعفاء، ۲/۳۱۱

۲۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۴۲۱؛ ابن الصلاح، ۳۶۲

۳۔ محمد بن عبداللہ بن حفص بن ہشام بن زید بن انس بن مالک الانصاری البصری محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ الانصاری اور ابو الحضر یحییٰ بن کثیر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابن ماجہ اور ابن خزیمہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ تہذیب التہذیب، ۹/۲۲۵؛ کتاب الثقات، ۹/۱۱۹

۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۲۱

۵۔ محمد بن عبداللہ بن زید بن عبدربہ الانصاری الخزرجی المدنی۔ اپنے والد، ابومسعود الانصاری سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ نے روایت کی۔ ابوحاتم نے صدوق کہا ہے اور ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۹ / ۲۲۹

۶۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۲۱- ۴۲۲؛ تدریب، ۴۸۴

۷۔ ابن الصلاح، ۳۶۲؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۲۳؛ تدریب، ۴۸۵

۸۔ ابومحمد الحسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد الرامہرمزی صاحب المحدث الفاصل (م ۳۶۰ھ) ثقہ، مامون اور ائمہ حدیث میں بلند مرتبہ کے حامل تھے۔ متقی اور کریم الخلق تھے۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/ ۷۳؛ تذکرة الحفاظ، ۳/ ۹۰۵؛ شذرات، ۳/ ۳۰

ہوں گے اسی طرح اگر سلیمان بن حرب کہیں اور جب التبوذکی (۱) کہے: حدثنا حماد تو اس سے مراد حماد بن سلمہ ہوں گے اسی طرح اگر الحجاج بن منہال کہیں۔ جب عفان، حدثنا حماد کہیں تو دونوں میں سے ایک مراد ہو سکتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن یحییٰ سے عفان کا یہ قول دیکھا کہ جب میں حدثنا حماد بغیر نسبت کے کہوں تو اس سے مراد حدثنا حماد بن سلمة ہوتے ہیں (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اشکال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں سے روایت کرنے والا مطلق نام لے، لیکن صرف ایک سے روایت کرے تو کوئی اشکال نہیں۔ (۳) ابن الصلاح نے سلمہ بن سلیمان کی مثال دی ہے کہ انہوں نے ایک روز کہا: اخبرنا عبدالله تو کہا گیا کہ عبدالله بن من اس پر وہ کہنے لگے: سبحان اللہ تم ہر حدیث کے بارے میں اس وقت تک مطمئن نہیں ہو گے جب تک میں یہ نہ کہوں: حدثنا عبداللہ بن مبارک ابوعبدالرحمٰن الحنظلی الذی منزله سكة صغد (۴) پھر انہوں نے سلمہ ہی سے مطلق نام کے استعمال کی تفصیل بیان کی۔ سلمہ نے کہا: جب مکہ میں صرف عبداللہ کہا جائے تو وہ عبداللہ بن الزبیر ہوں گے جب مدینہ میں عبداللہ کہا جائے تو اس سے مراد ابن عمر ہوں گے اور کوفہ میں مطلق عبداللہ سے مراد عبداللہ بن مسعود ہوں گے۔ جب بصرہ میں عبداللہ بولا جائے گا تو وہ عبداللہ بن عباس ہوں گے اور اگر خراسان میں مطلق عبداللہ استعمال ہو تو اس سے عبداللہ بن مبارک مراد ہونگے۔ (۵) حافظ ابو یعلی الخلیلی القزدینی (۶) کا کہنا ہے کہ جب مصری بغیر نسبت کے عبداللہ کہے تو اس کا مطلب عبداللہ بن عمرو بن العاص ہوگا اور جب کوئی مکی نسبت کے بغیر عبداللہ کہے تو اس سے عبداللہ بن عباس مراد ہوں گے۔ (۷) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ نضر بن شمیل (۸) کہتے ہیں کہ جب شامی

۱۔ التبوذکی، بفتح المثناة الفوقانية، وضم الموحدة، و فتح الذال المعجمة: الحافظ الامام الحجہ شیخ الاسلام ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل المنقری مولاھم البصری (م ۲۲۳ھ)۔ ابن سعد کہتے ہیں: كان ثقه كثير الحديث۔ ابوحاتم کہتے ہیں: موسی بن اسماعیل ثقه صدوق ہیں۔ صغار تابعین میں الخوارزمی جریر بن حازم اور شعبہ سے روایت کی اسی طرح جریر بن اسماء اور حماد بن سلمہ وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری، ابوداؤد اور دیگر نے روایت کی۔ ابن سعد، ۷/ ۳۰۶؛ التاريخ الكبير، ۴/ا/۲۸۰؛ الجرح و التعديل، ۴/ ا/ ۱۳۶؛ تذكرة الحفاظ، ا/۳۹۴ – ۳۹۵؛ ميزان الاعتدال، ۴/۲۰۰؛ سير اعلام النبلاء، ۱۰/۳۶۰–۳۶۵؛ تهذيب التهذيب، ۱۰/۳۳۳

۲۔ ابن الصلاح، ۳۶۲

۳۔ فتح المغيث للعراقی، ۴ / ۳۲۴

۴۔ ابن الصلاح، ۳۶۲؛ فتح المغيث، ۴/ ۳۲۴

۵۔ ایضاً، ۳۶۲– ۳۶۳

۶۔ دیکھئے: اصول الحديث، ا/ ۲۲۱، حاشیہ ۱۷۸

۷۔ ابن الصلاح، ۳۶۳؛ فتح المغيث، ۴/ ۳۲۳– ۳۲۵

۸۔ نضر بن شمیل بن خرشہ بن زید بن کلثوم العلامہ، الحافظ ابوالحسن المازنی البصری النحوی (م ۲۰۳ھ) ہشام بن عروہ، عثمان بن غیاث اور بہز بن حکیم وغیرھم سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن معین، یحییٰ بن یحییٰ اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ نے روایت کی۔ ابو حاتم کے بقول: ثقہ، صاحب السنۃ تھے۔ یحییٰ بن بستی، ابن المدینی اور نسائی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن سعد، ۷/ ۳۷۳؛ التاريخ الكبير، ۴/ii/۹۰؛ وفيات الاعيان، ۵/۳۹۷؛ ميزان الاعتدال، ۴ / ۲۵۸؛ تذكرة الحفاظ، ۱ / ۳۱۴؛ البداية، ۱۰/ ۲۵۵؛ تهذيب التهذيب، ۱۰/۴۳۷؛ سير أعلام النبلاء، ۹/۳۲۸–۳۳۲

عبداللہ کہے تو اس سے مراد عبداللہ بن عمرو بن العاص ہوں گے اور جب مدنی کہے تو اس سے مراد عبداللہ بن عمر ہوں گے (۱) خطیب کہتے ہیں کہ یہ صحیح قول ہے۔ اور بعض مصری عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بارے میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ (۲)

کنیت کے اتفاق کے لیے ابن الصلاح نے ابوحمزہ (بالحاء والزای) عن ابن عباس کی مثال دی ہے (۳) اگر مطلق استعمال کیا جائے۔ بعض حفاظ حدیث نے بیان کیا ہے کہ شعبہ نے سات ابو حمزہ عن ابن عباس روایت کیا ہے اور سب بالحاء والزای ہیں۔ صرف ایک جیم اور الراء سے ابوجمرہ نصر بن عمران الضبعی (۴) ہیں جب مطلق ابوجمرہ استعمال ہو تو اس سے نصر بن عمران مراد ہوں گے۔

عراقی کہتے ہیں کہ اس موضوع پر خطیب نے ایک کتاب المکمل فی بیان المھمل تالیف کی۔ (۵)

۷۔ المشترك المتفق فی النسبة خاصة. (۶)

ایسے مشترک جو صرف نسبت میں متفق ہوں۔

اس کی مثال الآملی ہے ایک کی نسبت آمل طبرستان کی طرف ہے۔ ابوسعد السمعانی کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم جن کا تعلق طبرستان سے ہے وہ آمل سے ہیں (۷) دوسری نسبت آمل جیحون کی طرف ہے جیسے عبداللہ بن حماد الآملی۔ (۸) ان سے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں ابوعلی الغسانی اور قاضی عیاض نے اسے غلطی سے آمل طبرستان کی طرف منسوب کیا ہے۔ (۹)

۱۔ فتح المغیث، ۴/ ۴۲۵؛ تدریب، ۴۸۷

۲۔ ایضاً، ۴ / ۴۲۵

۳۔ ابن الصلاح، ۳۶۳

۴۔ ابوجمرہ نصر بن عمران الضبعی البصری (م ۱۲۸ھ) اپنے والد، ابن عباس اور ابن عمر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے شعبہ، دونوں حماد اور کئی دوسرے لوگوں نے روایت کی۔ امام احمد کے نزدیک ثقہ ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ان کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے۔ سیر اعلام، ۵ / ۲۴۳؛ تھذیب التھذیب، ۱۰/ ۳۸۵-۳۸۶؛ التاریخ الکبیر، ۴/ii/۱۰۴

۵۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۲۵

۶۔ ابن الصلاح، ۳۶۳؛ فتح المغیث، ۴/ ۴۲۵

۷۔ ایضاً، ۳۶۳؛ ایضاً، ۴ / ۴۲۵

۸۔ عبداللہ بن حماد بن ایوب ابوعبدالرحمن الآملی (م ۲۶۹/ ۲۷۰ھ) الامام الحافظ البارع الثقہ، انھوں نے ابوالیمان اور سلیمان بن حرب سے سماع کیا اور ان سے بخاری اور دیگر نے روایت کی۔ تاریخ بغداد، ۹/ ۴۴۴-۴۴۵؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/ ۶۱۱؛ تھذیب التھذیب، ۵ / ۱۹۰-۱۹۱

۹۔ ابن الصلاح، ۳۶۴: حافظ عراقی کہتے ہیں کہ بخاری نے نسبت کی تصریح کرتے ہوئے روایت نہیں کی۔ انہوں نے ایک جگہ صرف عبداللہ عن یحییٰ بن معین اور دوسری جگہ عبداللہ عن سلیمان بن عبدالرحمن نقل کیا ہے۔ اسی لیے اسے متعین کرنے میں اختلاف ہوا بعض نے کہا آملی ہے اور بعض نے کہا کہ وہ عبداللہ بن ابی القاضی الخوارزمی ہے۔ اور یہی ظاہر ہے کیونکہ اس نے کتاب الضعفاء میں متعدد احادیث نسبت کی تصریح کے ساتھ، سلیمان بن عبدالرحمن وغیرہ سے روایت کی ہیں۔ فتح المغیث، ۴/ ۴۲۶

اس کی دوسری مثال الحنفی ہے ایک نسبت بنی حنیفہ کی طرف ہے اور دوسری امام ابوحنیفہ کے مذہب کی طرف ہے۔ ان میں سے ہر ایک سے متعلق مشہور اہل علم منسوب ہیں۔ محمد طاہر المقدسی اور دیگر بہت سے اہل علم ان میں فرق کرتے ہوئے مذہب ابوحنیفہ کی طرف منسوب اہل علم کو حنفی کہتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ نحویوں میں سے امام ابوبکر بن الانباری (۱) کے سوا کسی کو اس نسبت کا استعمال کرتے نہیں دیکھا۔ (۲)

۸۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ المتفق والمفترق کے سلسلے میں وہ اسماء جنہیں واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا ہے انہیں یا تو تحقیق سے متعین کیا جائے گا اور راوی اور مروی عنہ کے سلسلے میں جو ممیزات بیان ہوئے ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات ظن کی بنیاد پر تعین کیا جاتا ہے جو قوی نہیں ہوتا۔ (۳)

امام نووی نے اسے اپنے انداز سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

ثم ماوجد من هذا الباب غير مبين فيعرف بالراوی والمروی عنه او ببيانه فی طريق آخر. (۴)

اس باب میں جو غیر واضح پایا جائے اسے راوی اور مروی عنہ کے ذریعہ پہچانا جائے گا یا کسی اور طریق پر بیان کے ذریعہ۔

حافظ سیوطی نے اس کی عمدہ وضاحت کی ہے۔ (۵)

حافظ عراقی نے الخامس کے عنوان سے ایک اور نوع کا ذکر کیا ہے جو ان کے مطابق حافظ ابن الصلاح نے الثالث کے تحت ضمناً ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

هذا المثال للقسم الخامس من هذا النوع لم يفرده ابن الصلاح بالتقسيم وانما أدخله فی القسم الثالث و قال انما مما يقاربه (۶) وهو أن تتفق كناهم و أسماء آبائهم نحو ابی بكر بن عياش (۷) ثلاثة. (۸)

۱۔ ابوبکر محمد بن القاسم بن بشار ابن الانباری المقری النحوی (م ۳۰۴ھ) والد کو علم سے بہت محبت تھی لہٰذا بچپن ہی میں اپنے بیٹے کو اہل علم کی مجالس میں بھیجنا شروع کر دیا اور بہت جلد حفاظ حدیث کے زمرہ میں شمار کیے جانے لگے۔ صاحب تالیف تھے۔ متقی و پرہیزگار اور صادق تھے۔ تاریخ بغداد، ۳/ ۱۸۱؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳/ ۸۴۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۵/ ۲۷۴

۲۔ ابن الصلاح، ۳۶۴

۳۔ ایضاً، ۳۶۴

۴۔ تقریب مع تدریب، ۴۸۹

۵۔ تدریب، ۴۸۹

۶۔ ابن الصلاح، ۳۶۱

۷۔ ابوبکر بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی المقری (م ۱۹۳ھ) اپنے وقت کے اجل اہل علم سے استفادہ کیا اور بہت جلد ممتاز محدثین، فقہاء اور قراء کی صف میں شامل ہو گئے۔ نقادان حدیث نے ان کو ثقہ اور ضابطہ قرار دیا۔ کتاب الکنی، ۱۴؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۲۶۵؛ تہذیب التہذیب، ۱۲/ ۳۴؛ سیر اعلام النبلاء، ۸/ ۴۹۵

۸۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۲۲

یہ مثال اس نوع کی پانچویں قسم سے متعلق ہے جسے ابن الصلاح نے الگ ذکر نہیں کیا ہے بلکہ تیسری قسم میں داخل کیا ہے اور کہا ہے (و ممّا یقاربه) کہ یہ اس کے قریب ہے اور وہ قسم یہ ہے کہ متفرق شخصیتوں کی کنیتیں اور والد کے نام ایک جیسے ہوں، جیسے ابوبکر بن عیاش جو تین ہیں۔

حافظ عراقی ان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پہلے ابوبکر بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی المقری راوی قراءت عاصم ہیں۔(۱) ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں گیارہ اقوال ہیں۔ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ ان کا نام شعبہ ہے جب کہ ابن الصلاح اور المزی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس کی کنیت ہی اس کا نام ہے۔ ان کی وفات ۱۹۲ھ میں ہوئی۔ ۱۹۳ھ اور ۱۹۴ھ کی تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔ دوسرے ابوبکر بن عیاش الحمصی (۲) جنہوں نے عثمان بن شباک الشامی (۳) سے روایت کی اور ان سے جعفر بن عبدالواحد الھاشمی نے۔ خطیب نے کہا ہے کہ عثمان اور ابوبکر مجہول ہیں اور جعفر غیر ثقہ۔ (۴)

تیسرے ابوبکر بن عیاش بن حازم السلمی (بطریق ولایت) الباجدائی۔ (۵) (م ۲۰۴ھ) ان کا نام حسین ہے اور انہوں نے جعفر بن برقان سے روایت کی اور ان سے علی بن جمیل الرقی وغیرہ نے۔

خطیب نے کہا:

کان فاضلاً ادیباً وله کتاب مصنف فی غریب الحدیث. (۶)

فاضل وادیب تھے اور غریب الحدیث پر کتاب لکھی۔

اس طرح حافظ عراقی نے آٹھ، علامہ سیوطی نے سات اور ابن الصلاح نے چھ اقسام بیان کی ہیں یہ فرق اس لیے ہے کہ حافظ ابن الصلاح نے جسے کسی ایک قسم کے ذیل میں بیان کیا ہے دوسروں نے اسے مستقل قسم قرار دے کر الگ بیان کیا ہے۔ یوں تعداد میں فرق پیدا ہوا ہے۔

۱- فتح المغیث العراقی، ۴/۴۲۲: عاصم بن ابی النجود ابوبکر الاسدی مولاھم الکوفی (م ۱۲۸ھ) اہل علم سے استفادہ کے بعد خلق خدا کی کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ متدین اور عمدہ اخلاق وآداب کے مالک تھے۔ قرآن حکیم اور حدیث رسول کے علاوہ نحو پر دسترس تھی۔ التاریخ الکبیر، ۳/ ۱۱/۴۸۷؛ وفیات الاعیان، ۳/ ۹؛ تھذیب التھذیب، ۵/ ۳۸؛ سیر اعلام النبلاء، ۵/ ۲۵۶

۲- میسر مصادر میں تفصیلات نہ مل سکیں۔

۳- میسر مصادر میں تفصیلات نہ مل سکیں۔

۴- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۲۲

۵- الباجدائی بضم الجیم، و تشدید الدال، ینسبُ الی باجداء، بفتح الباء والجیم و تشدید الدال، قریة من نواحی بغداد، فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۲۲؛ معجم البلدان، ۱/ ۳۱۳؛ ابوبکر بن عیاش بن حازم السلمی (م ۲۰۴ھ)۔ جعفر بن برقان سے روایت کی اور ان سے اہل الجزیرہ نے۔ کتاب الثقات، ۸/۱۸۵؛ تھذیب، ۱۲/۳۳

۶- فتح المغیث، ۴/ ۴۲۲؛ ابن الصلاح، ۳۱۱؛ تھذیب، ۱۲/۳۳

اہم تصانیف

ا۔ المتفق والمفترق

خطیب بغدادی کی تالیف ہے۔ حافظ ابن الصلاحؒ، عراقیؒ، سیوطیؒ اور کتانیؒ نے اسے نفیس کتاب قرار دیا ہے۔(۱) حافظ ابن حجر نے اس کی تلخیص کی اور اس میں اضافے کیے۔(۲)

۲۔ کتاب الانساب المتفقۃ فی الخط المتماثلۃ فی النقاط والضبط

اس کتاب کے مولف حافظ محمد بن الطاہر ابوالفضل المقدسی ابن القیسرانی (م ۵۰۷ھ) ہیں۔ یہ کتاب متفق کی خاص نوع پر مشتمل ہے۔

۳۔ من وافقت کنیتہ زوجتہ من الصحابۃ

ابوالحسن محمد بن حیویہ کی تالیف ہے جو متفق کی خاص قسم سے متعلق ہے، جیسے ام ایوب الانصاریہ زوج ابی ایوب؛ ام معقل الاسدیہ زوج ابی معقل وغیرہ۔

۴۔ المتفق والمفترق

ابن النجار ابو عبداللہ محمد بن محمود البغدادی (م ۶۴۳ھ) کی تالیف ہے(۳)

❀❀❀

۱۔ ابن الصلاح، ۳۵۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۱۸؛ تدریب، ۳۰۹؛ الرسالۃ، ۹۶: اس کا نامکمل نسخہ استانبول میں مکتبہ اسعد آفندی نمبر ۲۰۹۷ داخل ۲۲۹ کے تحت موجود ہے۔

۲۔ نزھۃ النظر، ۶۸؛ کتانی کہتے ہیں کہ وہ اس کو مکمل نہ کر سکے (الرسالۃ، ۹۶)

۳۔ سیر اعلام، ۲۳/ ۱۳۳

المؤتلف والمختلف

تعریف

المؤتلف ، لغوی اعتبار سے اسم فاعل ائتلاف سے ہے جس کے معنی اجتماع، اتفاق اور باہمی ملاقات کے ہیں(۱)۔اس کے مقابل نفرت ہے۔المختلف اسم فاعل ہے الاختلاف سے اور یہ اتفاق کے مدمقابل بولا جاتا ہے۔(۲)

محدثین کی اصطلاح میں:

وهو ما يأتلف أى تتفق فى الخط صورته و تختلف فى اللفظ صيغته. (۳)

یہ وہ اسم ہے جو خطی صورت میں ایک جیسے ہوں لیکن لفظ کے صیغے میں مختلف ہوں۔

امام نووی نے مختصرا کہا:

وهو ما يتفق فى الخط دون اللفظ(۴) یعنی وہ جو خط میں متفق ہو لیکن لفظ میں نہیں۔

حافظ عراقی نے ذرا وضاحت کے ساتھ تعریف کرتے ہوئے کہا:

من فنون الحديث المهمة معرفة المؤتلف خطاً من المختلف لفظاً من الأسماء والألقاب والأنساب و نحوها. (۵)

اہم فنون حدیث میں سے اسماء، القاب اور انساب وغیرہ میں خط میں متفق اور لفظ میں مختلف کی معرفت ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وان اتفقت الأسماء خطاً و اختلفت نطقاً سواء كان مرجع الاختلاف النقط أم الشكل فهو المؤتلف و المختلف. (۶)

۱- لسان العرب، ۹/۱۰،۱۱

۲- ایضاً،۹/۹۰،۹۱

۳- ابن الصلاح، ۳۴۴

۴- تقریب مع تدریب، ۴۹۴

۵- فتح المغیث ۴ / ۳۹۱

۶- نزهة النظر، ۶۸

اگر متعدد اسماء خط میں متفق مگر تلفظ میں مختلف ہوں تو انھیں موتلف ومختلف کہا جاتا ہے۔

اختلاف تلفظ کا مدار نقطے ہوں یا شکل (اعراب)۔

صاحب توضیح الافکار نے حافظ ابن حجر ہی کی تعریف کو اپنے الفاظ میں نقل کیا ہے۔

الذی اتفق من جهة الخط و الكتابة، واختلف النطق به ، سواء كان منشأ الإختلاف النقط أم الشكل. (۱)

وہ جو خط اور کتابت کے لحاظ سے متفق لیکن بولنے میں مختلف ہو۔ برابر ہے کہ اختلاف کا سبب نقطے ہوں یا شکل۔

اہمیت

محدثین کے ہاں اس فن کی بے حد اہمیت ہے۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ طالب حدیث کے لیے اس سے اعتناء بے حد ضروری ہے۔ جس شخص کو اس کی معرفت حاصل نہیں وہ اکثر غلطی کا شکار ہوتا اور اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ (۲) شدید ترین غلطی کا امکان راویوں کے ناموں میں ہوتا ہے اور اس کا حصول اہل معرفت سے روایت اور نقل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس میں قیاس کا دخل بھی نہیں اور اسے کلام کے سیاق وسباق سے بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔ (۳) حافظ ابن الصلاح کا بیان ہی ان ساری وضاحتوں کی بنیاد ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وهو منتشر لا ضابط فی اکثره یفزع الیه و انما یضبط بالحفظ تفصیلاً. (۴)

یہ بہت پھیلا ہوا ہے اور اکثر صورتوں میں کوئی ضابطہ نہیں جس کا سہارا لیا جائے اور صرف مفصل حفظ سے ہی ضبط ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اسی بات کو اپنے انداز سے بیان کیا ہے:

و معرفته من مهمات هذا الفن، حتی قال علی بن المدینی: اشد التصحیف ما یقع فی الاسماء ووجهه بعضهم بانه شیء لا یدخله القیاس ولا قبله شیء یدل علیه ولا بعده. (۵)

۱۔ توضیح الافکار، ۲/ ۲۸۷

۲۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۹۱؛ تدریب، ۳۶۴؛ ابن الصلاح، ۳۴۴

۳۔ توضیح الافکار، ۲/ ۲۸۷

۴۔ ابن الصلاح، ۳۴۴

۵۔ نزهة النظر، ۶۸

اس کا جاننا فن حدیث میں اہم ہے۔ علی ابن المدینی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جو تصحیف اسماء میں ہوتی ہے وہ شدید تر ہے کیونکہ یہ نہ قیاس میں آسکتی ہے اور نہ ماقبل و مابعد اس پر دلالت کرتا ہے۔

اقسام

حافظ ابن الصلاحؒ نے اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

و هذه اشياء مما دخل تحت الضبط ما يكثر ذكره و الضبط على قسمين على العموم و على الخصوص. (۱)

یہ وہ اشیاء ہیں جن کا اکثر ذکر ہوتا ہے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ضبط کے تحت آتی ہیں اور ضبط کی دو اقسام ہیں۔ ضبط علی العموم اور ضبط علی الخصوص۔

امام نوویؒ نے ابن الصلاحؒ کی عبارت کا اختصار کرتے ہوئے اسے زیادہ واضح کیا ہے:

وهو منتشر لا ضابط في اكثره وما ضبط على قسمان. (۲)

یہ بہت پھیلا ہوا ہے اور اکثر میں کوئی ضابطہ نہیں اور جو منضبط ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

علامہ سیوطیؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

الضبط با لحفظ تفصيلاً. (۳)

یہ صرف تفصیلی حفظ سے ہی ضبط ہوگا۔

حافظ عراقی کی عبارت ابن الصلاح سے زیادہ واضح ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ثم المؤتلف و المختلف ينقسم الى قسمين احدهما ما ليس له ضابط يرجع إليه وانما يعرف بالنقل و الحفظ وهو الأكثر و الثانى مايدخل تحت الضبط، وقد ذكرت من هذا القسم الثانى جملة منه تبعاً لابن الصلاح، ثم هذا القسم على قسمين (احدهما) على العموم من غير تقييد بتصنيف ويضبط بأن يقال ليس لهم فلان الا كذا والباقون كذا. (والثانى) من القسم الثانى مخصوص بما فى الصحيحين والموطا. (۴)

۱- ابن الصلاح، ۳۴۴؛ علامہ سیوطی نے علی العموم کی وضاحت من غیر اختصاص بکتاب کے ساتھ کی ہے اور علی الخصوص کی ما وقع فی الصحیحین فقط او فیهما مع الموطا سے کی ہے۔ تدریب، ۴۶۰، ۴۶۹

۲- تقریب مع تدریب، ۴۶۰

۳- ایضاً، ۴۶۰

۴- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۹۱

پھر المؤتلف والمختلف دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس کا کوئی ضابطہ نہیں کہ اس کی طرف رجوع کیا جا سکے وہ صرف نقل وحفظ سے ہی سمجھا جا سکتا ہے اور زیادہ تعداد اسی قسم کی ہے۔ دوسرا وہ ہے جو کسی ضبط کے تحت داخل ہے۔ میں نے ابن الصلاح کے تتبع میں دوسری قسم میں جملہ مثالوں کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر ہر قسم مزید دو قسموں میں منقسم ہے۔ ایک عمومی ہے جو کسی تصنیف سے مقید نہیں ہے اور اس کا انضباط اس طرح ہوگا کہ کہا جائے کہ ان کے لیے فلاں صرف اس طرح ہے اور باقی اس طرح اور دوسری قسم میں وہ ہے جو صحیحین اور موطاً میں ہے۔

پہلی قسم

ا۔ سلام اور سلّام

۱۔ حافظ ابن الصلاحؒ نے پہلی قسم کی مثال میں سلام اور سلّام کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

جميع ما يرد عليك من ذلك فهو بتشديد اللام الاخمسة وهم (۱)

اس سلسلے میں جو نام بھی آئے ہیں وہ سب لام کی تشدید کے ساتھ سوائے پانچ کے اور وہ یہ ہیں۔

سلام والد عبداللہ بن سلام الاسرائیلی الصحابی، سلام والد محمد بن سلام البیکندی البخاری (۲) شیخ البخاری۔ خطیب اور ابن ماکولا نے اسے تشدید کے بغیر ہی نقل کیا ہے۔ صاحب المطالع کہتے ہیں کہ کچھ لوگ اسے تخفیف سے پڑھتے ہیں اور اکثریت تشدید سے پڑھتی ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

قلت: التخفيف اثبت و هو الذى ذكره غنجار (۳) فى تاريخ بخارى وهو اعلم باهل بلاده. (۴)

میں کہتا ہوں کہ تخفیف زیادہ ثابت ہے اسی کو غنجار نے تاریخ بخاری میں نقل کیا ہے اور وہ علاقے کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

۱۔ ابن الصلاح، ۳۴۵؛ فتح المغيث، ۳۹۱/۴، ۳۹۲

۲۔ البیکندی: بكسر الموحدة، و سكون المثناة التحتانية ثم كاف مفتوحة و نون ساكنة، بعدها دال مهملة۔ (فتح المغيث للعراقى، ۳۹۱/۴ حاشیہ ۵)؛ البیکندی، ابوزکریا یحییٰ بن جعفر البخاری (م ۲۴۳ھ)۔ طلب حدیث کے لیے مختلف علاقوں کے سفر کیے سفیان بن عیینہ اور عبدالرزاق جیسے اہل علم سے سماع کیا۔ تذكرة الحفاظ، ۴۸۷/۲؛ تهذيب التهذيب، ۱۹۳/۱۱؛ سير أعلام النبلاء، ۱۰۰/۱۲

۳۔ غنجار، ابوعبداللہ محمد بن احمد البخاری (م ۴۱۲ھ) اپنے وقت کے ممتاز اہل علم میں سے تھے۔ کئی کتب کے مؤلف تھے جن میں اہم تاریخ بخارا اور فضائل الصحابة الأربعة تھیں۔ تذكرة الحفاظ، ۳ / ۱۰۵۲؛ شذرات، ۳ / ۱۹۶؛ سير أعلام النبلاء، ۱۷/ ۳۰۴

۴۔ ابن الصلاح، ۳۴۵

اور سلام بن محمد بن ناہض المقدسی (۱)۔اس سے حافظ ابوطالب اور طبرانی نے روایت کی ہے اور طبرانی انھیں سلامہ کہتے ہیں اور سلام، ابوعلی الجبائی المعتزلی المتکلم محمد بن عبدالوہاب بن سلام کے (دادا)۔المبرد نے کامل میں یہ کہا ہے کہ عربوں کے ہاں مخفف سلام صرف عبداللہ بن سلام کے والد اور سلام بن ابی الحقیق (۲) ہیں۔المبرد کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے سلام بن مشکم (۳) کا اضافہ کیا ہے، یہ شخص جاہلیت میں شراب فروش تھا، لیکن اس کا معروف تلفظ تشدید سے ہے (۴) حافظ عراقی (۵) نے تین اور ناموں کا اضافہ کیا ہے۔وہ ہیں: عبداللہ بن سلام کے بھانجے سلام جن کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے ابن فتحون نے اپنی تذییل علی الاستیعاب میں اس کا ذکر کیا ہے اور السیدی (۶) کا دادا، سعد بن جعفر بن سلام السیدی۔ابن نقطہ نے التکملة سے نقل کیا ہے اور النسفی (۷) کے جد اعلیٰ ابونصر محمد بن یعقوب بن اسحاق بن محمد بن موسیٰ بن سلام النسفی السلامی (م ۴۳۰ھ تقریباً) الذہبی نے مشتبه النسبة میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۲۔عُمارة (۸) اور عِمارة

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عین کی زیر کے ساتھ صرف ایک ہیں اور وہ ابی بن عمارہ صحابی ہیں۔بعض لوگوں نے اسے عین کے ضمہ سے پڑھا ہے۔اس کے علاوہ عمارہ عین کی پیش کے ساتھ ہیں (۹)۔ حافظ عراقی نے مزید عورتوں اور مردوں کے نام لکھے ہیں جو مفتوح العین بتشدید المیم ہیں (۱۰) جیسے عمارہ بنت عبدالوہاب الحمصیه، عمارہ بنت نافع بن عمر الجمحی اور ابویوسف محمد بن احمد الصید نانی کی دادی عمّارہ۔مردوں میں، یزید، عبداللہ، بحاث، بنوثعلبہ بن خزمہ بن اصرم بن عمرو بن عمارہ۔ان کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے۔(۱۱)

۱- المقدسی، سلام بن محمد بن ناهض (بالنون ، والهاء و الضاد المعجمة)؛ فتح المغیث للعراقی، ۳۹۲/۴

۲- الحقیق: بمهملة و قاف مصغر ، فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۹۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۴۴

۳- مشکم: بتثلیث المیم، ثم شین معجمة، ساکنه و فتح الکاف ثم میم. فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۴۴

۴- ابن الصلاح ، ۳۴۵

۵- فتح المغیث ۴ / ۳۹۲

۶- محمد بن عبدالکریم ابوجعفر السیدی الاصبہانی ثم البغدادی (م ۶۴۷ھ)۔ناقدین کا ان کے ثقہ ہونے میں اتفاق نہیں ہے۔ السیدی: بفتح المهملة، ویاء تحتانیة ثقیلة مکسورة . چونکہ المستنجد کی بہن السیدہ کے سیکرٹری تھے اس لیے اس نسبت سے السیدی کہلائے۔فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۴۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۳۹۲/۴، حاشیہ، ۶

۷- النسفی: بفتح النون، والسین المهملة۔نسف بکسر النون نسبت ہے اور فتح کے ساتھ نسب جیسے النمر ی۔فتح المغیث، ۴ / ۲۴۶۔میسر مصادر میں حالات نہ مل سکے۔

۸- عُمارہ میں پہلا عین کے ضمہ کے ساتھ اور دوسرا عین کے کسرہ کے ساتھ۔الباعث الحثیث ، ۲۱۰

۹- ابن الصلاح ، ۳۴۵

۱۰- فتح المغیث ۴ / ۳۹۳؛ امام نووی نے بھی بالفتح و تشدید المیم سے اشارہ کیا ہے۔تقریب مع تدریب ، ۳۶۹

۱۱- مزید ناموں کے لیے دیکھیے۔فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۹۳؛ تدریب ، ۳۶۹

۳۔ کَریز و کُریز (۱)

ابوعلی الغسانی نے اپنی کتاب تقیید المهمل میں محمد بن وضاح سے نقل کیا کہ کریز بفتح الکاف خزاعہ میں اور کریز بضم الکاف عبدشمس بن عبدمناف میں پایا جاتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ کریز بضم الکاف ان کے علاوہ بھی پایا جاتا ہے اور ہم ایوب بن کریز عبدالرحمن بن غنم کا ذکر اس لیے نہیں کرتے کہ اگرچہ انھیں عبدالغنی نے مفتوح الکاف ذکر کیا لیکن دارقطنی وغیرہ نے اسے بضم الکاف ضبط کیا ہے (۲)

۴۔ حزام اور حرام (۳)

حزام قریش کے ہاں مستعمل تھا اور حرام انصار کے ہاں (۴)۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک قریش کے ہاں اور دوسرا انصار کے ہاں اس طرح منضبط ہوتا ہے، ورنہ دونوں دوسرے قبائل میں بھی مستعمل ہیں۔ جیسے حزام بالزای، بنوخزاعہ، بنوعامر بن صعصعہ وغیرہما کے ہاں پایا جاتا ہے اور حرام بالراء، خثعم، جذام، تمیم بن مرہ اور خزاعہ میں مستعمل ہے۔ اس طرح عذرہ، بنی فزارہ اور ہذیل وغیرہ کے ہاں بھی۔ (۵)

۵۔ العیشیون، والعبسیون، العنسیون

ابوعلی البردانی کہتے ہیں کہ انھوں نے حافظ خطیب بغدادی کو کہتے سنا کہ العیشیون (۶) بصری ہیں والعبسیون (۷) کوفی ہیں اور العنسیون (۸) شامی ہیں (۹)۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں۔ کہ خطیب سے پہلے ابوعبداللہ الحاکم نے یہی بات کہی ہے اور ہمیشہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ غالب استعمال ہے۔ پہلا لفظ شین معجمہ کے ساتھ، دوسرا باء موحدہ کے ساتھ اور تیسرا نون اور سین غیر معجمہ کے ساتھ۔ (۱۰)

۱۔ ابن الصلاح، ۳۳۶؛ کریزٍ بفتح الکاف و کسر الراء مکبراً و کریز مصغراً (فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۹۳)

۲۔ ابن الصلاح، ۳۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۹۳؛ تدریب، ۴۶۶

۳۔ حزام بکسر الحاء المهملة و بالزای المنقوطة وحرام بفتح الحاء و بالراء المهملة، فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۴۸؛ تدریب / ۴۶۷؛ الباعث، ۲۱۰؛ احمد شاکر نے خرام اور خزام کا بھی ذکر کیا ہے۔

۴۔ ابن الصلاح، ۳۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۹۳، محاسن الاصطلاح، ۳۰۲

۵۔ فتح المغیث، ۴ / ۳۹۳-۳۹۴

۶۔ نسبت ہے عائشہ بنت طلحہ اور بنی عائشہ بنت تیم اللہ کی طرف (فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۲۴۸)

۷۔ اکثر اوقات یہ نسبت عبس غطفان کی طرف ہوتی ہے (ایضاً ۴/ ۲۴۸)

۸۔ یمن میں بنی مذحج کی شاخ عنس کی طرف نسبت ہے۔ (ایضاً، ۴/ ۲۴۸؛ المغنی، ۱۸۷)

۹۔ ابن الصلاح، ۳۳۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۹۳؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۴۸- ۲۴۹؛ تدریب، ۴۶۷؛ محاسن الاصطلاح، ۳۰۳

۱۰۔ ابن الصلاح، ۳۳۶

٦۔أبو عبيدة

ابوعبیدہ ہر جگہ بضم العین استعمال ہوتا ہے۔ دارقطنی سے منقول ہے:

لا تعلم احداً يكنى أبا عبيدة بالفتح. (۱)

ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ تمام اشیاء میں نے دارقطنی، عبدالغنی اور ابن ماکولا کے بیانات کا تتبع کرتے ہوئے منضبط کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۲)

۷۔السفر و السَّفر (۳)

السفر فاء کے سکون سے اور السفر فاء کے فتح سے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ کنیتیں فاء کے فتح سے اور باقی سکون سے مستعمل ہیں۔ مغاربہ میں سے ایسے لوگ ہیں جو فاء کے سکون سے پڑھتے ہیں جیسے ابی السفر سعید بن یحمد لیکن یہ اصحاب حدیث کی رائے کے خلاف ہے جیسا کہ دارقطنی نے ذکر کیا ہے۔ (۴) حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ اسماء وکنی میں سقر بسکون القاف کا استعمال ہوا ہے۔ کبھی یہ مطلق وارد ہوا ہے جیسے ناموں میں: سقر بن حبیب الغنوی، سقر بن حبیب (دیگر)، سقر بن عبداللہ، سقر بن عبدالرحیم ابن اخی شعبہ، سقر بن عبدالرحمٰن شیخ لابی یعلی، سقر بن حسین الحذاء اور سقر بن عداس۔ اور کنیتوں میں: ابوالسفر یحییٰ بن یزداد۔ اسی طرح شقر بفتح الشین المعجمہ والقاف بنی تمیم کی شاخ ہے جس کی طرف الشقریوں منسوب ہیں اور معاویہ الشقر بکسر القاف شاعر ہے۔ (۵)

۸۔عِسْل وعَسَل (۶)

عِسل عین کے کسرہ اور سین کے سکون کے ساتھ اور عَسل عین اور سین کے فتح سے۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ میں نے تمام اسماء کو پہلے تلفظ پر پایا اور ان میں عسل بن سفیان بھی ہے، سوائے عسل بن ذکوان الاخباری البصری کے کیونکہ وہ فتح سے آیا ہے۔ اسے دارقطنی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اور میں نے امام ابومنصور الازہری کی کتاب تھذیب اللغۃ میں ان کے اپنے خط میں کسرہ اور سکون کے ساتھ بھی دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں ولا اراه ضبطه. (۷)

۱۔ ابن الصلاح، ۳۴۶؛ فتح المغيث للعراقی، ۴/ ۳۴۹؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴/ ۲۴۹؛ تدريب، ۴۶۷

۲۔ ایضاً، ۳۴۷

۳۔ ایضاً، ۳۴۷؛ السفر باسكان الفاء والسَّفر بفتحها

۴۔ ایضاً، ۳۴۷؛ فتح المغيث للعراقی، ۴/ ۳۹۴؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴/ ۲۵۰؛ المنهل الروی، ۱۲۲؛ تدريب، ۴۶۷

۵۔ فتح المغيث للعراقی، ۴/ ۳۹۴

۶۔ ابن الصلاح، ۳۴۷؛ فتح المغيث للعراقی، ۴/ ۳۹۴؛ تدريب، ۴۶۷

۷۔ ایضاً، ۳۴۷؛ فتح المغيث للعراقی، ۴/ ۳۹۴-۳۹۵؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴/ ۲۵۰-۲۵۱؛ المنهل الروی، ۱۲۲

۹۔غنّام و عثّام (۱)

غنام، غین اور نون مشددہ کے ساتھ اور عثام عین اور ثاء مشددہ کے ساتھ۔

دوسری نوع میں عثام بن علی العامری الکوفی والد علی بن عثام الزاہد کے سوا کوئی مثال نہیں۔ باقی جملہ پہلی نوع میں سے ہیں۔ ان میں غنام بن اوس صحابی بدری ہیں (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ دوسری قسم میں عثام بن علی بن عثام بن علی العامری بھی ہیں۔ ابن الصلاح نے تو عثام بن علی کی وضاحت میں اسے والد علی بن عثام سے مقید کیا ہے حالانکہ ہمارے علم کی حد تک عثام کا کوئی معلوم بیٹا نہیں جس کا نام علی ہو۔ (۳)

۱۰۔قَمیر و قُمیر (۴)

حافظ عراقی کہتے ہیں قَمیر مکبراً یعنی بفتح القاف و کسر المیم وقُمیر مصغراً (یعنی بضم القاف و فتح المیم، و سکون الیاء بعد ھا راء مھملة) (۵) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ سب بضم القاف ہیں بشمول مکی ابن قمیر عن جعفر بن سلیمان سوائے مسروق بن الاجدع کی بیوی قمیر بنت عمرو کے کہ وہ قاف کے فتح اور میم کے کسرہ کے ساتھ آئی ہے۔ (۶)

۱۱۔مِسْور و مُسَوَّر

پہلا میم کے کسرہ اور سین کے سکون کے ساتھ اور دوسرا میم کے ضمہ، سین کی فتح اور واؤ کے فتح اور تشدید کے ساتھ۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ جہاں تک مسور بضم المیم والواو المشددة کا تعلق ہے تو وہ مسور بن یزید المالکی الکاہلی (۷) ہیں جو صحابی ہیں اور ان کے ساتھ مسور بن عبدالملک الیربوعی (۸) ہیں۔ ان سے معن بن عیسیٰ نے روایت کیا ہے۔ بخاری نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق ان دو کے سوا باقی تمام مسور (بکسر المیم و اسکان السین) ہیں۔ (۹)

۱۔ ابن الصلاح، ۳۴۷؛ غنام بالغین المعجمة والنون المشددة، و عثام بالعین المھملة والثاء المثلثة المشددة

۲۔ ایضاً، ۳۴۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۹۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۵۱؛ تدریب، ۴۶۸؛ المنھل الروی، ۱۲۲؛ غنام بن اوس بن عمرو بن مالک، عبداللہ بن غنام کے والد۔ کتاب الثقات، ۳/ ۳۲۷

۳۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ /۳۹۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ /۲۵۱؛ تدریب، ۴۶۸؛ المنھل الروی، ۱۲۲،

۴۔ ابن الصلاح، ۳۴۷

۵۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۹۵

۶۔ ابن الصلاح، ۳۴۷؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۹۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۵۱؛ تدریب، ۴۶۸؛ المنھل الروی، ۱۲۲

۷۔ مسور بن یزید الاسدی الکاہلی، صحابی ہیں۔ کوفہ میں قیام پذیر رہے (کتاب الثقات، ۳/ ۳۹۵؛ تقریب التھذیب، ۳/ ۲۴۹)

۸۔ مسور بن عبدالملک بن سعید یربوع المدنی، مقبول، چھٹے طبقے سے ہیں۔ ان کی حدیث السنن کی کتاب الطھارة میں ہے، (تقریب التھذیب، ۲ / ۲۴۹)

۹۔ ابن الصلاح، ۳۴۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۹۵؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴ / ۲۵۱؛ تدریب، ۴۶۸؛ المنھل الروی، ۱۲۲

حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ ابن ماکولا نے ابن یزید کے علاوہ کسی اور کو بالتشدید ضبط نہیں کیا ہے اور بخاری نے التاریخ الکبیر میں مسور بن عبدالملک کو مسور بن مخرمہ کے باب میں نقل کیا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بخاری کے نزدیک یہ مخفف ہے اور مسور بن یزید اور مسور بن مرزوق کو ایک باب میں ذکر کیا ہے۔ یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ ابن مرزوق تشدید سے ہو۔ اور جہاں تک الذہبی کا تعلق ہے تو انھوں نے تو گویا ابن الصلاح کی تقلید کی ہے۔(۱)

۱۲. الحمال(۲) و الجمال

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ راویان حدیث یا ان میں سے وہ جو متداول کتب حدیث میں مذکور ہیں کسی کو الحمال بالحاء المهملة صفت یا نام کے طور پر نہیں جانتے سوائے ہارون ابن عبداللہ والد موسیٰ ابن ہارون الحمال الحافظ کے۔ حافظ عبدالغنی بیان کرتے ہیں کہ ہارون بزاز (۳) تھے جب زہد اختیار کیا تو بوجھ اٹھانے لگے (۴) الخلیلی اور ابن الفلکی کو گمان ہوا کہ حمال لقب ہے کثرت علم کے بوجھ کی وجہ سے لیکن میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ اس کے سوا جمال بالجیم ہیں۔ ان میں محمد بن مھران الجمال ہیں۔ بخاری و مسلم وغیرھما نے ان سے حدیث بیان کی ہے۔(۵)

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے "صفةً لا اسماً" کہہ کر ان سے احتراز کیا ہے جن کا نام حمال ہے جیسے ابیض بن حمال (۶) وحمال بن مالک وغیرھما۔ اور رواۃ الحدیث استعمال کر کے ان لوگوں کو خارج کر دیا جن کا تعلق فقہا و زہاد سے ہے جیسے رافع بن نصر الحمال الفقیہ صاحب ابی اسحاق اور ایوب الحمال جو بغداد کے طبقہ زہاد سے تعلق رکھتے تھے۔ اور بنان الحمال جو اولیاء مصر میں سے تھے۔ اگرچہ بنان الحمال نے حسن ابن عرفہ وغیرہ سے روایت کی ہے لیکن چونکہ وہ روایت حدیث کے لیے شہرت نہیں رکھتے تھے اس لیے ابن الصلاح پر اعتراض نہیں وارد ہوتا۔ اسی طرح رافع الحمال نے ابو عمر بن مہدی سے سماع کیا؛ اور جن سے روایت ثابت ہے ان میں مکی بن علی بن بنان الحمال اور احمد بن محمد بن الدبس الحمال ہیں جو ابو النرسی کے شیوخ میں سے ہیں۔(۷)

۱- فتح المغیث، ۴/ ۳۹۵

۲- الحمال بالحاء المهملة ثم الميم المشددة۔ فتح المغيث للسخاوى، ۴/ ۲۵۲

۳- بزاز: کپڑا بیچنے والا، القاموس، فصل الباء وباب الزاء، ۴۲۶؛ فتح المغيث للعراقى، ۴/ ۳۹۶

۴- زہد کی وجہ سے اجرت پر بوجھ اٹھاتے اور اسی پر گذر کرتے۔ فتح المغيث للسخاوى، ۴/ ۲۵۲

۵- ابن الصلاح، ۳۴۸؛ فتح المغيث للعراقى، ۴/ ۳۹۶؛ فتح المغيث للسخاوى، ۴/ ۲۴۳؛ تدريب، ۳۶۸؛ المنهل الروى، ۱۲۲

۶- ابیض بن حمال بالمهملة و تشديد الميم صحابی ہیں۔ ان سے احادیث مروی ہیں۔ ان کا تعلق یمن سے تھا۔ قبیلہ حمیر کے فرد تھے۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وفات ہوئی۔ تقريب التهذيب، ۱/ ۴۹؛ طبقات خليفه، ۱۲۳، ۲۳۶

۷- فتح المغيث، ۴/ ۳۹۶؛ المنهل الروى، ۱۲۲

اس سلسلے میں ایسے الفاظ بھی ہیں جن کے تلفظ میں غلطی نہیں لگتی جیسے بھی ادا کرے صحیح ہوگا۔ جیسے عیسیٰ بن عیسیٰ الحناط (۱) وہ الخباط (۲) اور الخیاط (۳) بھی ہیں۔ الا یہ کہ وہ الحناط بالحاء والنون سے معروف ہیں۔ وہ کپڑے سینے والے تھے، اسے چھوڑ کر حناط ہو گئے یعنی گیہوں بیچنے لگے، پھر خباط ہو گئے یعنی اونٹوں کا چارہ بیچنے لگے۔ اسی طرح الخباط، بالباء المنقوط بواحدة۔

اس شخص میں بھی تینوں اوصاف جمع تھے۔ امام دار قطنی نے ان دونوں میں تین اوصاف جمع ہونے کا ذکر کیا ہے (۴)۔ حافظ عراقی نے دار قطنی کے ساتھ ابن ماکولا کا ذکر بھی کیا ہے (۵) مزید لکھتے ہیں:

وذلك مشهور بالنسبة الى عيسى قاله في يحيى بن معين و قاله هو عن نفسه فيما حكاه محمد بن سعد و لكن عيسى اشتهر بمهملة و نون و اشتهر مسلم بمعجمة و موحدة، و رجح الذهبي في كل واحد ما اشتهر به. (٦)

عیسیٰ کی نسبت سے یہی مشہور ہے اس نے یحییٰ بن معین کے بارے میں بھی کہا اور محمد بن سعد کے بیان کے مطابق اس نے خود اپنے بارے میں یہی کہا لیکن عیسیٰ حاء مھملہ اور نون کے ساتھ (حناط) مشہور ہوئے اور مسلم خاء معجمہ اور باء موحدہ (خباط) سے مشہور ہوئے۔ علامہ ذہبی نے اس کو ترجیح دی ہے جس سے وہ مشہور تھے۔

دوسری قسم

۱۔ دوسری قسم میں وہ نام اور نسبتیں ہیں جو صحیحین اور موطا میں منضبط ہوئی ہیں (۷) اس کی مثال بشار (بالشین المنقوطة المشددة) ہیں جسے موطا اور صحیحین نے نقل کیا ہے۔ صحیحین میں صرف ایک نام ہے اور وہ بندار جن کا نام محمد بن بشار ہے، کے والد ہیں۔ ابو علی الغسانی نے تقیید المهمل میں اسے بخاری اور مسلم کے شیوخ میں شمار کیا ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ بشار نام تابعین میں نادر اور صحابہ میں معدوم ہے۔ اسی طرح سیار بن ابی سیار وردان

۱،۲،۳۔ الحناط: گندم بیچنے والا۔ القاموس، ۸۵۶۔ الخباط جو خبط بیچے۔ چارہ جو اونٹ کھاتے ہیں۔ درختوں سے پتے جھاڑ کر انہیں خشک کیا جاتا، پھر انہیں پیس کر آٹے وغیرہ میں ملایا جاتا اور پھر پانی ملا کر لیس دار بنایا جاتا جسے اونٹ نگلتے ہیں۔ القاموس، فصل الحاء والخاء، باب الطاء، ۸۵۶: الخیاط۔ کپڑے سینے والا۔ نیز دیکھئے فتح المغیث للعراقی، ۳۹۶/۴، حواشی، ۵، ۶، ۷، ۸

۴۔ ابن الصلاح، ۳۴۸-۳۴۹

۵۔ فتح المغیث للعراقی، ۳۹۷/۴

۶۔ ایضاً، ۳۹۷/۴

۷۔ ابن الصلاح، ۳۴۹

اس کی کنیت ابوالحکم ہے(۱)اور سیار بن سلامہ (۲) ہیں (۳) تیسرا سین مخففہ سے مقدم یاء ہے۔

صحیحین و موطا میں یہ نام بکثرت وارد ہوا ہے جیسے سلیمان بن یسار (۴) اور ان کے بھائی عطاء بن یسار (۵) اور سعید بن یسار (۶) وغیرہ۔ابن ماکولا نے اس تذکرے میں سنان (بالنون) بھی درج کیا ہے جس سے شبہ ہو سکتا ہے جب کہ علامہ ذہبیؒ کا کہنا ہے کہ اس سے التباس نہیں پیدا ہوگا۔(۷)

۲- اسی قبیل سے بشر (۸) اور بسر (۹) ہے۔یہ سب موطا اور صحیحین میں ہیں البتہ چار نام ہیں جو بسر ہیں۔وہ ہیں بسر بن سعید (۱۰)، بسر بن المازنی (۱۱) والد عبداللہ بن بسر و بسر بن عبیداللہ الحضرمی (۱۲) و بسر بن محجن الدیلی (۱۳)۔

۱- بسین المهملة ثم یاء مثناة من تحت مشددة. (فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۹۷)؛ سیار بن ابی سیار و اسمه وردان یا ورد ابوالحکم الواسطی (م ۱۲۲ھ) یہ مساور الوراق کے ماں جایا بھائی ہیں۔اپنے وقت کے اجل محدثین سے سماع کیا۔ شعبہ، سفیان الثوری اور مسعر وغیرہ محدثین نے ان سے سماع کیا۔ثقہ شمار ہوتے ہیں۔التاریخ الکبیر، ۲/ii/۱۶۱؛ التاریخ و المعرفة، ۱/ ۳۰۷؛ تهذیب، ۴/ ۲۹۴؛ سیر اعلام، ۵/ ۳۹۱؛ تهذیب، ۴/ ۲۹۴

۲- سیار بن سلامہ (بالتحتانية) ابوالمنهال البصری (م ۱۲۹ھ) ثقہ ہیں۔تهذیب التهذیب، ۴/ ۲۹۳

۳- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۹۷؛ ابن الصلاح، ۳۴۹

۴- سلیمان بن یسار الهلالی المدنی (م ۱۰۷ھ) ام المومنین میمونہ یا ام سلمہ کے مولیٰ تھے۔فقہاء سبعہ میں شمار ہوتا ہے۔امام زہری، ابن سعد اور دیگر اہل علم نے ان کے علم و فضل اور فقہ و حدیث میں مہارت کا اعتراف کیا ہے۔ثقہ و متدین تھے۔صائم الدهر تھے۔التاریخ الکبیر، ۲/ii/۴۱؛ وفیات، ۲/ ii/ ۴۱؛ شذرات، ۱/ ۱۳۴؛ سیر اعلام، ۴/ ۴۴۴

۵- عطاء بن یسار الهلالی ابومحمد المدنی (م ۱۰۳ھ) حضرت میمونہ کے مولیٰ تھے۔ثقہ، فاضل، عبادت گزار اور صاحب مواعظ تھے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ ii/ ۴۶۱؛ شذرات، ۱/ ۱۲۵؛ سیر اعلام، ۴/ ۴۴۸

۶- سعید بن یسار ابوالحباب (بضم المهملة و موحدتین) المدنی (م ۱۱۶ھ) ان کے ولاء کے بارے میں اختلاف ہے۔ایک قول کے مطابق وہ سعید بن مرجانہ کے مولیٰ تھے جو درست نہیں۔کبار صحابہ سے سماع کیا اور علم کے شائقین کی ایک کثیر تعداد نے ان سے روایت کیا۔بقول ابن سعد کثیر الحدیث تھے۔ابن معین، ابوزرعہ اور نسائی وغیرہ نے متقن اور ثقہ قرار دیا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ i/ ۵۲۰؛ کتاب الثقات، ۴/ ۲۷۹؛ تهذیب التهذیب، ۴/ ۹۱

۷- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۹۸

۸- بشر بکسر الباء الموحدة و سکون الشین المعجمة (فتح المغیث، ۴/ ۳۹۸؛ ابن الصلاح، ۳۴۹)

۹- بسر بضم الباء الموحدة و سکون المهملة (فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۹۸؛ ابن الصلاح، ۳۴۹)

۱۰- بسر بن سعید المدنی العابد مولی الحضرمیین جلیل القدر عالم تھے۔ناقدین نے انہیں ثقہ محدث قرار دیا ہے۔التاریخ الکبیر، ۱/ ii/ ۱۲۳؛ تهذیب، ۱/ ۴۳۷؛ سیر أعلام النبلاء، ۴/ ۵۹۴

۱۱- بسر ابن ابی بسر المازنی صحابی رسول عبداللہ بن بسر کے والد تھے۔آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے احادیث کا سماع کیا اور ان کی اشاعت کی۔تهذیب التهذیب، ۱/ ۳۹۸؛ کتاب الثقات، ۳/ ۳۵

۱۲- بسر بن عبیداللہ الحضرمی الشامی (م ۱۱۰ھ تقریباً)۔ثقہ محدث تھے۔اہل علم نے ان کی جلالت علمی کا اعتراف کیا۔ التاریخ الکبیر، ۱/ ii/ ۱۲۴؛ تهذیب، ۱/ ۴۷۲؛ سیر أعلام النبلاء، ۴/ ۵۹۲

۱۳- بسر بن محجن بن ابی محجن الدیلی اپنے والد ابومحجن الدیلی صحابی رسول سے روایت کیا۔شائقین علم نے ان سے استفادہ کیا۔ ثقہ محدث تھے۔تهذیب التهذیب، ۱/ ۴۰۰؛ التاریخ الکبیر، ۱/ ii/ ۱۲۴

حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ ابن الصلاح نے بسر المازنی کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس کے بیٹے عبداللہ بن بسر کا ذکر کیا ہے(۱) حالانکہ صحیح مسلم میں اس کی روایت ہے جیسا کہ المزی نے تہذیب میں ذکر کیا ہے(۲) جہاں تک بسر بن محجن کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے امام مالک اور جمہور کی رائے ہے کہ بسر بالمھملة ہے۔ سفیان الثوری کا قول نقل ہوا ہے کہ وہ اسے بشر (بالمعجمة) پڑھتے ہیں۔ دار قطنی سے منقول ہے کہ سفیان ثوری نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ احمد بن صالح المصری اس کے بیٹے اور خاندان کے لوگوں نے بشر (بالمعجمة) نقل کیا ہے(۳) ابن محجن کی حدیث صرف موطأ میں ہے، صحیحین میں نہیں ہے(۴)۔

حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ ان کے تذکرہ کا تشابہ ابو الیسر کعب بن عمرو(۵) سے ہوتا ہے اور اس کی حدیث صحیح مسلم میں ہے اور یہ نام غالباً لازمی طور پر صرف تعریف کے ساتھ ہی آتا ہے، بخلاف پہلی دونوں قسموں کے(۶) اس لیے تشابہ کا امکان نہیں(۷)۔

۳۔ اور اسی طرح بُشیر، یُسیر، نُسیر اور بَشیر ہیں۔ جہاں تک پہلے کا تعلق ہے تو وہ بشیر بن یسار الحارثی المدنی (بضم الباء، ۸) ہیں جن کی حدیث صحیحین اور مؤطا میں ہے اور بشیر بن کعب العدوی(۹) جو بخاری

۱۔ ابن الصلاح، ۳۴۹

۲۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۹۸۔ لیکن النکت میں لکھتے ہیں کہ میں نے المزی کی تقلید میں یہ کہا ہے لیکن بعد میں واضح ہوا کہ یہ وہم ہے مسلم نے بسر کی حدیث نہیں نقل کی اور نہ ہی اس کے نام کا ذکر ہے البتہ اس کے بیٹے کی نسبت سے ذکر ہے۔

۳۔ فتح المغیث، ۴/۳۹۸؛ ابن الصلاح، ۳۴۹

۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۹۸

۵۔ ابو الیسر (بالمثناة من تحت و السین المھملة المفتوحین) کعب بن عمرو بن عباد السلمی (م ۵۵ھ) جلیل القدر صحابی بدری، ایک سو سال سے زیادہ کی عمر پائی۔ تھذیب التھذیب، ۸/۳۸۱؛ تاریخ خلیفہ، ۲۲۳؛ التاریخ الکبیر، ۴/۱/۲۲۰

۶۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۹۸

۷۔ تدریب، ۴۷۰

۸۔ بشیر (بضم الباء الموحدة و فتح الشین المعجمة) بن یسار الحارثی المدنی (م تقریباً ۱۰۰ھ) رافع بن خدیج جابر بن سہل بن ابی حثمہ سے روایت کیا اور ان سے یحییٰ الانصاری، ولید بن کثیر اور کئی دوسرے لوگوں نے روایت کی۔ ابن معین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ شیخ کبیر اور فقیہ تھے عام صحابہ کا زمانہ پایا لیکن قلیل الحدیث تھے۔ تھذیب التھذیب، ۱/۴۷۲؛ التاریخ الکبیر، ۲/۱/۹۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۴/۵۹۱

۹۔ بشیر بن کعب العدوی، ابو ایوب بصری ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ عبدان کا کہنا ہے: ہم نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے کیونکہ ہمارے بعض مشائخ اور اساتذہ نے ایسا کیا ہے۔ ہمیں ان کے صحابی ہونے کا علم نہیں۔ وہ ایک شخص ہے جس نے کتابیں پڑھی ہیں۔ ابن الاثیر کہتے ہیں: لاشك انه لا صحبة له، اسد الغابة، ۱/۲۰۰؛ التاریخ الکبیر، ۱/ ii /۱۳۲؛ طبقات ابن سعد، ۷/۲۲۳

کے ہاں مذکور ہیں۔ دوسرے یسیر بن عمرو (۱) اور بقول دیگر یسیر بن جابر۔ ان کی حدیث صحیحین میں ہے اور اسے ہمزہ کے ساتھ اسیر بھی پڑھا گیا ہے۔ (۲) تیسرے نسیر (۳) (بضم النون وفتح السین المهملة) اور قطن (بفتح القاف و الطاء المهملة) وآخره نون) بن نسیر (۴) (بالنون المضمومة والسين المهملة) (۵) چوتھے بشیر (بفتح الباء الموحدة و كسر الشين المعجمة) (۶) ان کا ذکر صحیحین اور موطأ میں ہے۔

ان میں بشیر بن ابی مسعود (۷) اور بشیر بن نہیک (۸) وغیرہما ہیں (۹)

۴۔ ایک مثال یزید (۱۰) کی ہے جو عام طور پر مستعمل ہے صحیحین اور موطا میں یہی نام زیادہ استعمال ہوا، لیکن تین اور صورتیں بھی ہیں۔ (الف) برید، برید اور بر ند۔ پہلا برید (بفتح الباء الموحدة و كسر الراء بعدها . و یاء مثناة من تحت) یہ علی بن ہاشم بن البرید کے دادا ہیں۔ امام مسلم نے ان کی روایت لی ہے۔ (ب) دوسرے برید بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری (۱۱) ہیں۔ شیخین نے ان کی روایت نقل کی ہے۔

۱۔ یسیر، بضم الیاء المثناه من تحت و فتح السین المهملة (فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۹۹)؛ یسیر بن عمرو بن جابر الکوفی (م ۸۵ھ) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصلاً اسیر ہے اور ہمزہ کو یا سے تبدیل کیا گیا ہے۔ نسبت میں اختلاف ہے بعض نے کندی اور بعض نے کچھ اور کہا ہے۔ اس نے صحابہ کو دیکھا ہے۔ ایک قول کے مطابق ابن جابر آخری تابعی ہیں۔ تہذیب التہذیب، ۱۱/۳۳۰

۲۔ یا کی بجائے ہمزہ کے ساتھ اسیر۔ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۲۵۵؛ تدریب، ۴۷۰

۳۔ نسیر بن ذعلوق الثوری (بطریق ولایت) ابو طعمہ الکوفی اپنے والد، بن عمر، بکر ابن ماعز اور دوسرے لوگوں سے روایت کی۔ یعقوب بن سفیان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ ابن عبدالبر کے مطابق کوفی ثقات میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن حزم کہتے ہیں: "لا شیء" عبدالحق نے بھی یہی بات کی ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/۴۷۹

۴۔ قطن بن نسیر البصری، ابو عباد الغبری المعروف بالزارع جعفر بن سلیمان الضبعی، بشر بن منصور اور عمرو بن النعمان الباہلی الانصاری سے روایت کی۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ابو زرعہ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ حدیث چوری کرتے اور پھر وصل کرتے۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا۔ تهذیب التهذیب، ۸/۳۴۲

۵۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۹۹؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۴۷۰

۶۔ ایضاً، ۴/ ۳۹۹؛ ابن الصلاح، ۳۴۹. ابن الصلاح کے ہاں مقدم الذکر ہیں جب کہ عراقی نے آخر میں ذکر کیا ہے۔ تدریب، ۴۷۰

۷۔ بشیر بن ابی مسعود عقبہ بن عمرو الانصاری المدنی، ایک قول کے مطابق انہیں شرف صحبت رسول حاصل ہے۔ العجلی کے مطابق وہ مدنی، تابعی اور ثقہ ہیں۔ ابن خلفون نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ بشیر حضور اکرم ﷺ کی وفات کے تھوڑا عرصہ بعد پیدا ہوئے۔ تهذیب التهذیب، ۱/ ۴۷۹؛ التاریخ الکبیر، ۱/۱/۱۰۴

۸۔ بشیر بن نہیک (بفتح النون و كسر الهاء) السدوسی، ایک قول کے مطابق السلولی، ابو الشعثاء البصری، بشیر بن الخصاصیہ اور ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ العجلی اور نسائی کے ہاں ثقہ لیکن ابو حاتم کہتے ہیں: لا یحتج بحدیثه۔ امام احمد نے انہیں ثقہ گردانا ہے۔ تهذیب التهذیب، ۱/ ۴۷۲ — ۴۷۳؛ الجرح، ۱/۱/۳۷۹

۹۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۹۹

۱۰۔ بفتح الیاء المثناة من تحت و کسر الزاء، فتح المغیث، ۴/ ۴۰۰؛ ابن الصلاح، ۳۴۹

۱۱۔ برید بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری (م ۱۴۰ھ) انہوں نے اپنے دادا، حسن البصری، عطاء اور دیگر سے روایت کی۔ ابن معین اور العجلی کے نزدیک ثقہ۔ ابو حاتم کہتے ہیں: لیس بالمتین، یکتب حدیثه نسائی کہتے ہیں: لیس به بأس. الجرح، ۱/۱/ ۴۲۶؛ میزان الاعتدال، ۱/ ۳۰۵؛ سیر، ۶/ ۲۵۱؛ التاریخ الکبیر، ۱/۱۱/۱۴۰

حافظ عراقیؒ کہتے ہیں کہ بخاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت صلوٰۃ میں مالک بن الحویرث (۱) کی روایت نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے۔ کصلوٰۃ شیخنا ابی برید عمرو بن سلمۃ، ابوذر الھروی نے بطریق ابی محمد الحموی (۲) عن الفربری (۳) بخاری سے نقل کیا ہے کہ ابی برید باء کے ضمہ اور راء کے فتح کے ساتھ ہے۔ امام مسلم نے عمرو بن سلمہ کی کنیت میں ایسا ہی نقل کیا ہے۔ بخاری کے عام راویوں میں یزید (بفتح الیاء المثناۃ من تحت کسر الزاء) ہی استعمال ہوا ہے۔ عبدالغنی کہتے ہیں کہ میں نے زاء کے ساتھ نہیں سنا۔ لیکن مسلم بن الحجاج اس معاملے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ (۴)

(ج) تیسرے بِرِند، بکسر الباء الموحدۃ و الراء المھملۃ المکسورۃ بعد ھانون ساکنۃ (۵) یہ محمد بن عرعرہ بن البرند الشامی کے دادا ہیں۔ (۶)۔ امیر ابونصر بن ماکولا نے باء اور راء مکسورہ سے ہی ذکر کیا ہے۔ البتہ عمدۃ المحدثین میں باء اور راء کے فتح کے ساتھ منضبط کیا گیا ہے۔ ابوعلی الجیانی نے ابن الفرضی سے نقل کیا ہے کہ فتح و کسرہ دونوں سے پڑھا گیا ہے تاہم کسرہ زیادہ مشہور ہے۔ قاضی عیاض اور ابن الصلاح کے نزدیک بھی بالکسر ہی زیادہ مشہور ہے۔ (۷)

۵۔ اسی کی ایک اور مثال البراء (بتخفیف الراء) اور البرّاء (بتشدید الراء) ہے صحیحین اور موطأ میں پہلا نام زیادہ استعمال ہوا ہے جیسے البراء بن عازب (۸) وغیرہ۔ (۹) اور الراء کی تشدید کے ساتھ دو نام آئے ہیں ایک

۱۔ مالک بن الحویرث (بالتصغیر) بن حشیش بن عوف ابوسلیمان اللیثی (م ۷۴ھ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف ملا۔ بصرہ میں قیام کیا اور علم حدیث کی خدمت کی۔ کتاب المعرفۃ ۱۰/ ۳۴۲؛ تھذیب التھذیب، ۱۰/ ۱۲؛ التاریخ الکبیر، ۴/۱/ ۳۰۱

۲۔ ابومحمد الحموی بفتح الحاء المھملۃ و ضم المیم المشددۃ عبداللہ بن احمد بن حمویہ السرخسی (م ۳۸۱ھ) بوشنج اور حراۃ میں مقیم رہے۔ ماوراء النہر کا سفر بھی کیا۔ فربری سے ۳۱۶ھ میں بخاری کا سماع کیا۔ حافظ ابوذر نے ثقہ قرار دیا۔ الانساب، ۴/ ۲۳۰

۳۔ الفربری، ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح (م ۳۲۰ھ) فربر بکسر الفاء و بفتحھا بخاریؒ کی ایک بستی ہے۔ مختلف علاقوں کے محدثین سے سماع کے لیے فربر گئے۔ ابوعبداللہ البخاری سے الجامع کا دوبار سماع کیا اور اس کی روایت بھی کی۔ وفیات، ۴/ ۲۹۰؛ العبر، ۲/ ۱۸۳؛ شذرات، ۲/ ۲۸۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۵/ ۱۰

۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۰۰

۵۔ ایضاً، ۴/ ۴۰۰؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۴۷۰

۶۔ ایضاً، ۴/ ۴۰۰؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۴۷۰

۷۔ ایضاً، ۴/ ۴۰۰؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۴۷۱

۸۔ البراء بن عازب بن الحارث بن عدی الاوسی، ابوعمارہ (م ۷۲ھ) صحابی ابن صحابی۔ کوفہ میں قیام پذیر ہوئے اور مصعب بن الزبیر کے زمانے میں وہیں فوت ہوئے۔ ابن قانع کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پندرہ غزوات میں شریک ہوئے۔ پہلی مرتبہ غزوہ احد میں شریک ہوئے کیونکہ بقول ابن حبان رسول اکرم ﷺ نے کم عمری کے باعث بدر میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی۔ تھذیب التھذیب، ۱/ ۴۲۷-۴۲۸؛ تاریخ خلیفۃ ۲۹۸؛ الجرح، ۱/۱/ ۳۹۹؛ تاریخ بغداد، ۱/ ۱۷۷؛ سیر اعلام ۳/ ۱۹۴

۹۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۰۱

ابو معشر البراء(۱) اور دوسرے ابو العالیہ البراء(۲) ہیں۔ دونوں کی احادیث صحیحین میں ہیں (۳)۔

۶- ایک اور مثال جاریة اور حارثة کی ہے(۴) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ صحیحین اور موطأ میں جاریہ ابن قدامہ اور یزید بن جاریہ کے سوا سب حارثہ بالحاء و الثاء ہیں (۵)۔ عراقی لکھتے ہیں: جاریہ (بالجیم المثناۃ من تحت بعد الراء) (۶) جاریہ بن قدامہ(۷) اور یزید بن جاریہ(۸) ہیں۔ یزید بن جاریہ موطأ میں مذکور ہیں۔ امام مالک اور امام بخاری نے قاسم بن محمد عن عبدالرحمٰن کے ذریعہ یزید بن جاریہ کی دو بیٹیوں کے واسطہ سے الخنساء بنت خذام سے روایت نقل کی ہے اور جاریہ بن قدامہ کی روایت بخاری نے کتاب الفتن میں نقل کی ہے(۹) اور حارثہ بالحاء المهملة و الثاء المثلثة (۱۰)۔ اس کے تحت کئی نام آتے ہیں، مثلاً حضور اکرم ﷺ کے محبوب صحابی زید بن حارثہ اور حارثہ بن وہب الخزاعی(۱۱)، حارثہ بن النعمان (۱۲) ہیں اور حارثہ بن سراقہ (۱۳) ہیں۔

۱- ابو معشر البراء، یوسف بن یزید العطار عبداللہ بن الاخنس، سعید بن عبداللہ بن جبیر خالد بن ذکوان وغیرہم سے روایت کی۔ ابن معین نے انھیں ضعیف کیا ہے۔ ابو حاتم کے بقول: یکتب حدیثه ابوداؤد نے کہا: لیس بذالك محمد بن ابوبکر المقدمی نے انھیں ثقہ کہا۔ ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ تهذیب التهذیب، ۱۱/ ۳۷۸

۲- ابو العالیہ البراء، زیاد بن فیروز البصری، مولیٰ قریش (م ۹۰ھ)۔ ابن عباس، ابن عمر، ابن الزبیر انس بن مالک اور کئی دوسرے صحابہ سے روایت کی۔ ابو زرعہ نے انھیں ثقہ گردانا ہے اور ابن حبان نے ان کا تذکرہ الثقات میں کیا ہے۔ تهذیب التهذیب، ۱۲/ ۱۴۵

۳- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۱؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۴۷۰

۴- ایضاً، ۴ / ۴۰۱؛ ایضاً ۳۵۰

۵- ایضاً، ۴ / ۴۰۱؛ ایضاً ۳۵۰

۶- ایضاً ۴/ ۴۰۱

۷- جاریہ بن قدامہ بن زہیر الاحنف کے چچا۔ ان کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ انھوں نے حضور اکرم ﷺ سے حدیث: لا تغضب روایت کی ہے۔ بے دھڑک بہادر تھے یزید بن معاویہ کے عہد میں فوت ہوئے۔ التاریخ الکبیر، ۱/۱۱/ ۲۳۷؛ طبقات خلیفة، ۴۴، ۱۷۹؛ تهذیب التهذیب، ۲ / ۴۸

۸- یزید بن جاریہ الانصاری المدنی معاویہ سے حدیث: من احب الانصار احبه الله روایت کی۔ نسائی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ دار قطنی کے نزدیک انھیں شرف صحبت حاصل ہے۔ تهذیب التهذیب، ۱۱/ ۲۷۷-۲۷۸

۹- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۱

۱۰- ایضاً ۴/ ۴۰۱؛ ابن الصلاح، ۳۵۰؛ تدریب، ۴۷۱

۱۱- حارثہ بن وہب الخزاعی، عبیداللہ بن عمر کے ماں جایا بھائی انھیں شرف صحبت حاصل تھا۔ کوفہ میں قیام پذیر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت کی اور ان سے ان کے مولیٰ ابو زینب نے روایت کی۔ طبقات ابن سعد، ۶ / ۲۶؛ التاریخ الکبیر، ۲/۱/ ۹۳؛ تهذیب التهذیب، ۲ / ۱۶۶؛ طبقات خلیفه، ۱۰۸، ۱۳۷

۱۲- حارثہ بن النعمان بن نفع بن زید الخزرجی: موسیٰ بن عقبہ اور ابن سعد نے انھیں بدری صحابہ میں شمار کیا ہے۔ بہترین قاری تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی قراءت کی تحسین فرمائی۔ والدہ کے فرمانبردار اور خدمت گزار تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ ۱/ ۹۳؛ سیر اعلام، ۲/ ۳۷۸

۱۳- حارثہ بن سراقہ بن عدی الانصاری (م ۲ھ)۔ غزوہ بدر میں شہادت پائی۔ الاصابة، ۱/ ۲۹۷؛ تاریخ خلیفة، ۶۱

مسلم نے ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ کی سند سے حدیث: "البئر جبار" نقل کی ہے(۱) اور عمرو بن ابی سفیان بن اسید بن جاریہ الثقفی۔ امام بخاری نے ابی ہریرہ سے ان کی روایت میں قتل خبیب کا قصہ نقل کیا ہے اور مسلم نے ابوہریرہ سے حدیث: "لکل بنی دعوۃ یدعوبھا" (۲) نقل کی ہے اور عمرو کے دادا سے مراد اس کا جداعلیٰ ہے، اس لیے بخاری میں ایک مقام پر عمرو بن اسید بن جاریہ وارد ہوا ہے(۳)۔

۷۔ ایک اور مثال خازم اور حازم کی ہے۔ خازم بالخاء المعجمۃ محمد بن خازم ابومعاویہ الضریر(۴) ان کے علاوہ تمام حازم بالحاء المھملۃ ہیں مثلاً ابوحازم الاعرج(۵) اور جریر(۶) بن حازم ہیں(۷)۔

۸۔ اسی طرح حراش اور خراش ہے۔ حراش بکسر الحاء المھملۃ و فتح الراء و آخرہ شین معجمۃ(۸) یہ حراش والد ربعی بن حراش(۹) ہیں۔ کتب ثلاثہ میں ان کے سوا اس نام کا کوئی اور شخص نہیں(۱۰)

۱۔ مسلم، الجامع، کتاب الحدود، باب جرح العجماء...، ۵ / ۱۲۷–۱۲۸؛ کتاب الدیات، باب دیۃ الجنین، ۵/ ۱۱۰؛ بخاری، کتاب الدیات، باب المعدن جبار، ۸ / ۴۶

۲۔ مسلم، الجامع، کتاب الایمان، باب اختباء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوۃ الشفاعۃ لامتہ، ۱/۱۳۰–۱۳۱؛

۳۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۱

۴۔ ابومعاویہ الضریر، محمد بن خازم السعدی الکوفی (م ۱۹۴ھ) بچپن میں بینائی جاتی رہی۔ لیکن محبت رسول سے سرشار، اہل علم کی مجالس میں حاضری دیتے رہے اور ازاں بعد خلق کثیر نے ان سے سماع کیا۔ اعمش کے قریبی طالب علموں میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہارون رشید ان کی بہت عزت واحترام کرتا۔ عجلی کا قول ہے کہ وہ عقیدہ ارجاء رکھتے تھے دور کوفہ میں اس فرقے کے رئیس تھے۔ ان پر تدلیس کا الزام بھی ہے۔ التاریخ الکبیر، ۱/۱/ ۷۴؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱ / ۲۹۴؛ تھذیب التھذیب، ۹ / ۱۳۷؛ سیر اعلام، ۹ / ۷۳

۵۔ ابوحازم الاعرج، سلمہ بن دینار المدنی القاص (م ۱۳۵ھ) اسود بن سفیان المخزومی کے مولی تھے۔ ابن عمر، سعید بن المسیب، سہل بن ساعدی سے روایت کیا۔ امام زہری، ابن ابی ذئب وغیرہ نے ان سے سماع کیا۔ ثقہ محدث تھے۔ احادیث کثرت سے روایت کیں۔ مدینہ کے قاضی بھی رہے۔ تھذیب التھذیب، ۴ / ۱۴۹؛ تاریخ خلیفۃ، ۴۲۱؛ طبقات خلیفۃ، ۲۶۴

۶۔ جریر بن حازم بن زید المعمر ابوالنضر الازدی البصری (۱۷۰ھ) اپنے وقت کے ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ طالبان علم کی ایک کثیر تعداد نے ان سے روایت کیا۔ ابن عدی انہیں بصرہ کے چوٹی کے علماء میں شمار کرتے ہیں۔ عمر کے آخری حصہ میں احادیث خلط ملط کر دیتے۔ التاریخ الکبیر، ۱/۱/۲۱۳؛ الجرح، ۱/۱/۵۰۴؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۹۹؛ سیر أعلام، ۷/ ۹۸

۷۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۲؛ ابن الصلاح، ۳۵۱

۸۔ ایضاً ۴ / ۴۰۲

۹۔ ربعی (بکسر الراء المھملۃ) فتح المغیث للعراقی ۴/۴۰۲۔ ربعی بن حراش بن جحش ابومریم الکوفی (م ۱۰۴ھ) جلیل القدر صحابہ سے سماع کیا۔ عجلی نے ثقہ کہا۔ علم واخلاق میں اعلیٰ درجے پر تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲/۱/۳۲۷؛ تھذیب التھذیب، ۳/ ۲۳۶

۱۰۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۲

دوسرا خراش بکسر الخاء المعجمة (۱) اس میں شہاب ابن خراش (۲) وغیرہ جیسے نام ہیں (۳) حافظ عراقی " " کہتے ہیں کہ ابن ماکولا نے اس قسم میں خداش بکسر الخاء المعجمة و الدال موضع الراء کو بھی داخل کیا ہے امام مسلم نے صحیح میں خالد بن خداش (۴) سے روایت کی ہے لیکن ذہبی نے مشتبہ النسبة میں کہا ہے کہ خداش (بالدال) میں کوئی التباس نہیں، اس لیے میں نے ابن الصلاح پر استدراک نہیں کیا ہے۔ (۵)

۹- ایک اور مثال حویز اور جریر کی ہے۔ حریز بفتح الحاء المهملة و كسر الراء بعدها ياء مثناة من تحت ساكنه و آخره زای (۶) جیسے حریز بن عثمان الرحبی الحمصی (۷) بخاری نے ان کی روایت نقل کی ہے اور ابو حریز عبداللہ بن الحسین الازدی القاضی (۸) بخاری نے تعلیقاً ان کی روایت لی ہے۔ انہوں نے عکرمہ وغیرہ سے روایت کی۔ ان کے سواسب جریر بفتح الجيم و كسر الراء و تكرارها (۹) ہیں۔ کتب ثلاثہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ سرفہرست جریر بن عبداللہ البجلی (۱۰) ہیں۔ جریر بن حازم (۱۱) وغیرہ۔ شیخ احمد محمد

۱- فتح المغيث للعراقي، ۴ / ۳۰۲

۲- شہاب بن خراش ابو الصلت الشیبانی الواسطی (م ۱۸۰ھ قریباً) عبدالرحمن بن مہدی نے حدیث وسنت میں مہارت کی تعریف کی۔ ابو حاتم، عجلی وغیرہ نے ثقہ کہا۔ التاريخ الكبير، ۲ /ii/۲۳۶؛ ميزان، ۲ / ۸۲؛ سير اعلام، ۸ / ۲۸۴

۳- فتح المغيث / ۳۰۲؛ ابن الصلاح، ۳۵۱

۴- خالد بن خداش ابو الہیثم المہلبی البصری (م ۲۲۳ھ) مالک بن انس، ابو عوانہ وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کیا۔ ابو حاتم نے صدوق کہا جب کہ زکریا الساجی نے کہا فیہ ضعف۔ التاريخ الكبير، ۲/۱/۱۴۶؛ الجرح، ۱/ii/ ۳۲۷؛ شذرات، ۲ / ۵۱؛ سير أعلام النبلاء، ۱۰/ ۲۸۸

۵- فتح المغيث للعراقي، ۴ / ۴۰۲

۶- ایضاً، ۴ / ۳۰۲؛ تدريب / ۴۷۱؛ الباعث، ۲۱۱

۷- حریز بن عثمان الرحبی الحمصی (م ۱۶۳ھ) ثقہ، ثبت، پانچویں طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ناصبیت کی تہمت تھی تراسی (۸۳) سال کی عمر میں وفات پائی۔ تقريب التهذيب، ۱ / ۱۵۹؛ التاريخ الكبير، ۲ / i / ۱۰۳؛ تاريخ بغداد، ۸ / ۲۶۵؛ سير أعلام، ۷/ ۷۹

۸- عبداللہ بن الحسین الازدی: قاضی سجستان، ابو حریز البصری۔ صدوق لیکن غلطی کرتے تھے۔ چھٹے طبقے میں شمار ہوتا ہے۔ تهذيب التهذيب، ۵ / ۱۴۷

۹- فتح المغيث، ۴/ ۳۰۲؛ تدريب / ۴۷۱

۱۰- جریر بن عبداللہ البجلی القسری (م ۵۴/۵۱ھ) اجل صحابہ میں سے تھے۔ حسن سیرت وصورت میں ممتاز تھے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام ان کی دونوں خوبیوں کو سراہتے۔ جنگ قادسیہ میں سعد بن ابی وقاص کے ساتھ میمنہ پر تعیناتی تھی۔ التاريخ الكبير، ۱/ii/۲۱۱؛ الجرح، ۱/i/ ۵۰۲؛ العبر، ۱ / ۵۷؛ الاستيعاب، ۱/ ۲۳۷

۱۱- جریر بن حازم بن زید المعمر، ابو النضر الازدی البصری (م ۱۷۰ھ) اپنے وقت کے ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ طالبان علم کی ایک کثیر تعداد نے ان سے روایت کی۔ ابن عدی نے انھیں بصرہ کے ممتاز اور چوٹی کے علماء میں شمار کیا۔ عمر کے آخری حصہ میں احادیث میں گڈمڈ کر دیتے۔ التاريخ الكبير، ۱/ii/ ۲۱۳؛ الجرح، ۱/i/ ۵۰۴؛ تذكرة الحفاظ، ۱/ ۱۹۹؛ سير أعلام النبلاء ۷/ ۹۸

شاکر کے بقول اس وزن پر اور نام بھی ہیں جیسے حریر اوله حاء مهملة و آخره راء اور جریز بضم الجیم و فتح الراء و آخره زاء اور خزیر بضم الخاء المعجمة و فتح الزاء و آخره راء و جربز بضم الجیم وا سکان الراء و ضم الباء الموحدة و آخره زای (۱) بعض اوقات حدیر بضم الحاء المهملة و فتح الدال و آخره راء (۲) سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے (۳) اور اس میں عمران بن حدیر (۴) آتے ہیں جس سے امام مسلم نے روایت کی ہے۔ زید بن حدیر (۵) اور زیاد بن حدیر (۶) بھی شامل ہیں۔ ان کا ذکر بخاری کی کتاب المغازی میں ہے لیکن ان سے روایت نقل نہیں کی گئی (۷) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ یہ اشتباہ بعید ہے اس لیے ان کا نمایاں ذکر نہیں کیا۔ (۸)

۱۰- حَصین، حُصین اور حُضین کو بھی بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ (۹) حصین بفتح الحاء و کسر الصاد (۱۰) صرف ایک ہے اور وہ ابو حصین عثمان بن عاصم الاسدی (۱۱) ہیں۔ ان کی حدیث صحیحین میں ہے۔ ابو علی الجیانی کہتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق صحیحین میں حصین بفتح الحاء اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے (۱۲) حصین (بضم الحاء المهملة و فتح الصاد المهملة) (۱۳) کتب ثلاثہ میں موجود ہے اور کئی ناموں کا حصہ ہے جیسے عمران بن حصین (۱۴) البتہ حُضین بضم الحاء المهملة و فتح الضاد المعجمة و سکون الیا

۱- الباعث الحثیث، ۲۱۱

۲- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۲

۳- ایضاً؛ ابن الصلاح، ۳۵۱

۴- عمران بن حدیر السدوسی ابو عبیدة البصری (م ۱۴۹ھ) بصرہ کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ ابو حاتم، ابن معین، نسائی، ابن خلفون وغیرہ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/۴۲۵؛ تهذیب التهذیب، ۸ / ۱۰۶؛ الجرح و التعدیل، ۳ /i/ ۲۹۶؛ سیر اعلام، ۶ / ۳۶۳

۵- زید بن حدیر الاسدی الکوفی زیاد کے بھائی تھے۔ کتب ستہ اور دیگر کتب حدیث میں ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔ تهذیب، ۳/۳۵۳

۶- زیاد بن حدیر ابو المغیرہ الاسدی کبار صحابہ سے سماع کیا۔ شعبی، جامع بن شداد، حبیب بن ابی ثابت نے ان سے سماع کیا۔ ابو حاتم و دار قطنی وغیرہ نے ثقہ کہا۔ کوفہ کے امیر بھی رہے۔ تهذیب التهذیب، ۳/۳۱۸؛ التاریخ الکبیر، ۲/ii/۳۴۸

۷- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۲؛ ابن الصلاح، ۳۵۱؛ تدریب، ۴۷۱

۸- ایضاً، ۴ / ۴۰۲

۹- ابن الصلاح، ۳۵۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۳؛ تدریب، ۴۷۲

۱۰- ایضاً، ۳۵۱؛ ایضاً، ۴ / ۴۰۳

۱۱- ابو حصین عثمان بن عاصم الاسدی الکوفی (م ۱۲۸ھ) ثقہ و ثبت محدث تھے۔ صاحب سنہ تھے۔ عیال دار ہونے کے باوجود امراء سے ہدیہ قبول نہ کرتے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/۲۲۰؛ الجرح و التعدیل، ۳/i/۱۴۰؛ سیر اعلام، ۵/۴۱۲

۱۲- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۳؛ ابن الصلاح، ۳۰۱؛ تدریب، ۴۷۲

۱۳- ایضاً، ۴ / ۴۰۳

۱۴- عمران بن حصین بن عبید بن خلف ابو نجید الخزاعی (م ۵۲ھ) وہ اور ان کے والد ۷ھ میں اسلام لائے۔ دوران فتنہ الگ تھلگ رہے اور کسی کا ساتھ نہ دیا۔ عابد و زاہد تھے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/۴۰۸؛ تهذیب التهذیب، ۸ / ۱۲۵؛ سیر اعلام النبلاء، ۲/۵۰۸

المثناة من تحت و آخره نون (۱) اس نام کے حصین بن المنذر ابوساسان (۲) ہیں۔ مسلم نے ان کی روایت لی ہے۔ امام حاکم نے اور ان کے اتباع میں حافظ المزی نے کہا ہے کہ رواۃ حدیث میں، ہمارے علم کے مطابق اس نام کا کوئی اور آدمی نہیں ہے اور وہ جلیل القدر تابعی ہیں (۳)۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ صحیحین میں ابن شہاب کے طریق سے عتبان بن مالک (۴) کے قصہ میں ہے کہ میں نے الحصین بن محمد الانصاری سے محمود بن الربیع کی حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے تصدیق کی۔ جیسا کہ صاحب المشارق وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ الاصیلی (۵) اور القابسی (۶) کا خیال ہے کہ یہ لفظ بالضاد ہے۔ القابسی کہتے ہیں کہ بخاری میں اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ المزی کہتے ہیں کہ یہ محض وہم ہے اور قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ یہ نام بالصاد المھملة ہے۔ جیسا کہ اکثریت نے کہا ہے۔ (۷)

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ حصین (بالنون) کے حضیر (۸) (بالراء) کا اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔ کتب ثلاثہ میں اسید بن حضیر الاشہلی (۹) کا ذکر ہے۔ چونکہ اکثر حالات میں یہ اشتباہ نہیں پیدا ہوتا اس لیے میں نے ابن الصلاح پر استدراک نہیں کیا۔ (۱۰)

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۰۳؛ تدریب، ۴۷۲

۲- حصین بن المنذر ابوساسان الرقاشی البصری (م ۹۷ھ) کبار صحابہ سے احادیث کا سماع کیا۔ جنگ صفین کے موقعہ پر حضرت علی کی فوج کے علمبردار تھے۔ حضرت علی نے انھیں اصطخر کا گورنر بھی مقرر کیا۔ تاریخ خلیفة بن خیاط، ۱۹۴، ۳۱۳، ۳۲۰؛ تھذیب التھذیب، ۲ / ۳۵۶

۳- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۰۳

۴- عتبان بن مالک بن عمرو بن العجلانی الخزرجی، الانصاری السلمی البدری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلاواسطہ سماع کیا۔ کبار صحابہ سے سماع کا شرف بھی حاصل ہوا۔ امیر معاویہ کے دور خلافت میں انتقال ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر اور عتبان (صاحب ترجمہ) کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا۔ تھذیب التھذیب، ۷/ ۸۳

۵- الاصیلی عبداللہ بن ابراہیم ابومحمد (م ۳۹۲ھ) اندلس کے معروف و مقبول محدث اور فقیہ تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ حدیث کے علل و رجال کے ماہر مانے جاتے۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/ ۲۴۹؛ تذکرة الحفاظ، ۳/ ۱۰۲۴؛ سیر اعلام، ۱۶/ ۵۶۰

۶- القابسی، ابوالحسن علی بن محمد القابسی المالکی (م ۴۰۳ھ) علوم حدیث اور فقہ پر دسترس حاصل تھی۔ مفید کتب کے مولف تھے۔ اندلس کے معروف محدث تھے۔ وفیات الأعیان، ۳ / ۳۲۰؛ تذکرة الحفاظ، ۳ / ۱۰۷۹؛ العبر، ۳ / ۸۵؛ سیر اعلام، ۱۷/ ۱۵۸

۷- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۰۳؛ تدریب، ۴۷۲

۸- حضیر بضم الحاء المھملة و فتح الضاد المعجمة و الراء فی آخره۔

۹- اسید بضم الھمزہ فتح السین المھملة بن حضیر بن سماک بن عتیک الانصاری الاشہلی ابویحییٰ (م ۲۰ھ) بیعت عقبہ کے نقباء میں سے ہیں۔ بدر میں ان کی شرکت مختلف فیہ ہے۔ تھذیب التھذیب، ۱/ ۳۰۳۔۔۳۰۴؛ التاریخ الکبیر، ۱/ ۲/ ۴۷؛ سیر اعلام، ۱/ ۳۴۰

۱۰- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۰۳؛ تدریب / ۴۷۲

۱۱- ایسی ہی ایک مثال حَبّان، حبان اور حیان کی ہے۔حبان بفتح الحاء المهملة و تشدید الباء الموحدة (۱)اس نام کی کئی شخصیات ہیں جیسے حبان بن منقذ (۲)۔موطأ میں ان کا ذکر ہے۔ان کی دو بیویاں تھیں۔ان کے بیٹے واسع بن حبان بن منقذ (۳)،ان کی حدیث موطا اور صحیحین میں ہے اور ان کے بیٹے حبان بن واسع بن حبان (۴)۔مسلم نے ان کی روایت نقل کی ہے۔ان کا چچازاد محمد بن یحیٰی بن حبان بن منقذ (۵) ان کی حدیث موطا اور صحیحین میں مذکور ہے۔اور حیان بن ہلال الباہلی (۶)،ان کی حدیث صحیحین میں وارد ہے۔حبان بن ہلال کبھی بغیر نسبت کے مطلقاً صحیحین میں وارد ہوئے ہیں اور شیوخ کی وجہ سے فرق کیا جاتا ہے۔مثلاً حبان عن شعبة؛ وحبان عن وهيب؛ وحبان عن همام، حبان عن ابان، حبان عن سليمان بن المغيرة اور حبان عن ابی عوانة۔قاضی عیاض المشارق میں کہتے ہیں کہ ان مثالوں میں مذکور شخص سے مراد حبان بن ہلال ہیں۔ابن الصلاح نے ان کی متابعت میں یہی مثالیں دی ہیں (۷) دوسرے حبان بکسر الحاء المهملة (۸) مثلاً حبان بن عطیہ السلمی (۹): بخاری نے حاطب بن ابی بلتعه کے قصہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ابن ماکولا اور صاحب المشارق نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں ابو الولید الفرضی کا کہنا ہے کہ حاء مفتوحہ ہے۔ابو علی الجیانی اور صاحب المشارق نے ابوذرؓ کے بعض رواۃ کے سلسلے میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایسا کہنا وہم ہے (۱۰) اور حبان بن موسیٰ السلمی المروزی (۱۱)،ان سے بخاری و مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔یہ حبان بغیر نسبت کے

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۰۳

۲- حبان بن منقذ بن عمرو بن عطیہ الانصاری الخزرجی نابینا صحابی تھے۔الاصابة، ۱/ ۳۰۳

۳- واسع بن حبان بن منقذ بن عمرو الانصاری المازنی، المدنی صحابی ابن صحابی۔ثقہ۔دوسرے طبقے سے تعلق ہے۔تقریب التهذیب، ۲ / ۳۲۸

۴- حبان بن واسع بن حبان بن منقذ بن عمرو الانصاری المازنی المدنی۔اپنے والد اور خلاد بن سائب سے روایت کی۔ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔تہذیب التهذیب، ۲ / ۱۷۹

۵- محمد بن یحیٰی بن حبان بن منقذ الانصاری المدنی (م ۱۲۱ھ) ثقہ، فقیہ، چوتھے طبقے سے تعلق ہے۔چوہتر (۷۴) سال کی عمر میں وفات پائی۔تہذیب التهذیب، ۹/ ۵۰۷؛ کتاب المعرفة، ۱/ ۳۸۹؛ الجرح، ۴/ ا/ ۱۲۲؛ سیر اعلام، ۵/ ۱۸۶

۶- حبان بن ہلال ابو حبیب الباہلی البصری (م ۲۱۶ھ) شعبہ، معمر اور حماد بن سلمہ وغیرہ سے روایت کیا۔احمد بن حنبل، اسحاق الکوسج اور دیگر اہل علم نے ان سے استفادہ کیا۔بصرہ کے ثقہ محدث تھے۔العبر، ۱/ ۳۶۹؛ تہذیب، ۲ / ۱۷۰؛ شذرات، ۲ / ۳۶؛ سیر أعلام، ۱۰ / ۲۳۹

۷- فتح المغیث، ۴ / ۴۰۴؛ ابن الصلاح، ۳۵۱-۳۵۲؛ تدریب، ۴۷۳

۸- ایضاً، ۴ / ۴۰۴

۹- حبان بن عطیہ السلمی، ابو عبد الرحمٰن، حضرت علی کے حامی تھے۔تہذیب التهذیب، ۲/ ۱۵۹

۱۰- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۰۴

۱۱- حبان بن موسیٰ المروزی الکشمیهنی (بالضم، و السکون و الکسر و تحتانیه ساکنه و فتح الهاء) (م ۲۳۳ھ) ابن المبارک، ابو حمزہ السکری وغیرہ سے روایت کی اور اس سے بخاری اور مسلم نے روایت کی۔ابراہیم بن الجنید کا کہنا ہے کہ وہ صاحب حدیث نہیں البتہ انھوں نے کہا: لا باس به. ابن حبان نے الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔تہذیب التهذیب، ۲/ ۱۵۲-۱۵۳؛ التاریخ الکبیر، ۲/ ا/ ۹۰؛ شذرات، ۲/ ۷۷

عبداللہ بن مبارک سے راوی ہیں اور حبان بن العرقہ، ان کا ذکر بھی صحیحین میں ہے۔عائشہؓ کی حدیث ہے کہ سعد بن معاذ کو قریش کے جس شخص نے تیر مارا اس کے نام حبان بن العرقہ ہے، یہی مشہور ہے۔ابن ماکولا بیان کرتے ہیں کہ ابن عقبہ نے مغازی میں اسے جبان (بالجیم) ضبط کیا ہے لیکن قول اول صحیح ہے(۱) اور ابوعبید قاسم بن سلام کے بقول العرقہ اس کی ماں کا نام ہے۔اس لفظ کے ضبط میں اختلاف ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ عین مفتوحہ پھر راء مکسورہ اور اس کے بعد قاف ہے۔ابن ماکولا نے واقدی کا قول نقل کیا ہے جس میں راء کا فتح ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے۔یہ نام اسے اس کی اچھی خوشبو کی وجہ سے دیا گیا۔ابن کلبی کے مطابق اس کا نام قلابہ (بکسر القاف) بنت سعید (بضم السین) بن سہم تھا اور کنیت فاطمہ تھی۔اس کے والد کے نام کے سلسلے میں بھی اختلاف ہے۔ایک قول کے مطابق حبان بن قیس اور دوسرے کے مطابق ابن ابی قیس تھا۔(۲)

تیسرے حیان بفتح الحاء المهملة بعدها یا مثناة من تحت بکثرت موجود ہیں اور کتب ثلاثہ میں معتدبہ تعداد میں منقول ہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اسی طرح جبار اور خیار میں اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے۔جبار بفتح الجیم و تشدید الباء الموحدة و آخره راء (۳) جیسے جبار بن صخر (۴) جو بدر میں شریک ہوئے۔مسلم نے عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت (۵) کی حدیث میں ان کا ذکر کیا ہے جس کے الفاظ ہیں:(خرجت انا و أبی نطلب العلم فی هذا الحی من الأنصار. الحدیث) (۶) دوسرے خیار بکسر الخاء المعجمة بعدها یاء مثناة من تحت مخففة و آخره راء (۷) جیسے عبیداللہ بن عدی بن الخیار (۸) ہیں صحیحین میں ان کی حدیث نقل ہوئی ہے۔

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴/۴۰۴
۲- ایضاً، ۴/۴۰۴
۳- ایضاً، ۴/۴۰۴
۴- جبار بن صخر بن امیہ بن خنساء بن سنان الانصاری ثم السلمی، کنیت ابوعبداللہ (م ۳۰ھ) موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب کے ذریعہ انھیں بیعت عقبہ کرنے والوں میں شامل کیا ہے اور ابوالاسود نے بروایت عروہ اہل بدر میں شمار کیا ہے۔ابونعیم کے مطابق وفات کے وقت ان کی عمر ۶۲ سال تھی۔الاصابة، ۱/ ۲۲۰
۵- عبادة بن الولید بن عبادہ بن الصامت ابوالصامت الانصاری المدنی اپنے دادا، باپ، ابوایوب اور جابر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے یحییٰ بن سعید اور عبیداللہ بن عمر نے روایت کی۔ابوزرعہ اور نسائی نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔الجرح، ۳/۱/۹۶؛ خلاصة تهذیب الکمال، ۱۸۸، سیر اعلام، ۵ / ۱۰۷
۶- مسلم نے الجامع کی کتاب الزهد، باب حدیث جابر الطویل، ۸ / ۲۳۱ میں نقل کیا ہے۔
۷- فتح المغیث، ۴/ ۴۰۳
۸- عبیداللہ بن عدی بن الخیار (بکسر المعجمة و تخفیف التحتانیة) ابن عدی بن نوفل القرشی النوفلی المدنی (م ۹۵ھ تقریبا) ان کا والد بدر میں قتل ہوا لیکن وہ فتح میں واضح تھے اس لیے صحابہ میں شمار ہوئے۔العجلی نے انھیں ثقہ تابعین میں شمار کیا ہے۔ولید بن عبدالملک کی خلافت کے آخر میں فوت ہوئے۔التاریخ الکبیر، ۳/ ۱/۳۹۱؛ المعرفة و التاریخ، ۱/۳۱۱؛ سیر اعلام، ۳ / ۵۱۴؛ تقریب التهذیب، ۱ / ۵۳۶

احمد محمد شاکر نے حبان اور حیان کے تحت کچھ اور ناموں کا تذکرہ کیا ہے جو وجہ اشتباہ ہو سکتے ہیں، ان کے مطابق حبان بضم المهملة و بالباء الموحدة ،حنان بفتح المهملة و بالنون وجبان بالجيم المفتوحة و بالباء الموحدة، وجنان بفتح الجيم و النون وجيان بفتح الجيم و بالياء المثناة التحتية ان سب میں دوسرا حرف مشدد ہے۔حنان بفتح المهملة و بالنون ،وجنان بكسر الجيم و النون ان دونوں میں دوسرا حرف مخفف ہے۔(۱)

۱۲۔ اسی طرح خُبیب اور حبیب ہیں۔خبیب ،بضم الخاء المعجمة و فتح الباء الموحدة بعدها ياء مثناة من تحت ساكنة و آخره باء موحدة (۲) جیسے خبیب بن عبدالرحمٰن بن خبیب بن یساف الانصاری (۳) ان کی حدیث صحیحین اور موطأ میں ہے۔اور بغیر نسبت کے ان کا ذکر حفص بن عاصم کے ذریعہ بھی صحیحین میں ہے اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن معن کے روایت میں بھی مذکور ہیں ان کے دادا کا نام بھی خبیب ہے لیکن کتب ثلاثہ میں ان کی کوئی روایت نہیں۔اور خبیب بن عدی (۴) جن کا ذکر عاصم بن ثابت الانصاری کی سیرت میں قتل خبیب کے سلسلے میں ابوہریرہ کی روایت میں ہے جسے بخاری نے نقل کیا ہے۔خبیب کا مشہور شعر ہے:

و لست ابالي حين اقتل مسلما على اي جنب كان في الله مصرعي

اسی طرح ابوخبیب ، یہ عبداللہ بن الزبیر کی کنیت ہے۔ان کے بیٹے کا نام خبیب ابن عبداللہ بن الزبیر ہیں (۵) خبیب کی کوئی حدیث کتب ثلاثہ میں نہیں، البتہ نسائی نے ایک روایت نقل کی ہے لیکن اس میں بھی نام کا تعین نہیں ہے صرف عن ابن عبدالله ہے۔دوسرے لوگوں نے اسے خبیب کہا ہے (۶) دوسرا حبیب بفتح الحاء المهملة و كسر الباء الموحدة (۷)۔حبیب کا لفظ کتب ثلاثہ میں موجود ہے ان میں حبیب بن ابی ثابت (۸)،

۱۔ الباعث الحثیث، ۲۱۱

۲۔ فتح المغیث ، ۳/ ۳۰۵؛ تدریب ، ۴۷۳

۳۔ خبیب بن عبدالرحمٰن بن خبیب بن یساف الانصاری، ابوالحارث المدنی (م ۱۳۲ھ) چوتھے طبقے سے تعلق ہے۔ابن سعد نے ثقہ کہا۔وہ قلیل الحدیث تھے۔تہذیب التہذیب ، ۳ / ۱۲۲؛ التاریخ الکبیر، ۲/۱/ ۲۰۹

۴۔ خبیب بن عدی بن مالک بن عامر بن مجدعہ الانصاری الاوسی (م ۴ھ) احد میں شریک تھے۔اہل مکہ کے قیدی ہوئے اور شہید کیے گئے۔القیروانی نے ذکر کیا ہے کہ قتل کے بعد ان کا رخ غیر قبلہ کی طرف کیا گیا لیکن وہ از خود قبلہ کی طرف ہو گیا ایسا انھوں نے کئی مرتبہ کیا پھر عاجز آکر چھوڑ دیا۔الاصابۃ ، ۱/ ۴۱۸۔۴۱۹؛ تاریخ خلیفۃ، ۴۷، ۷۶؛ سیر ، ۱/ ۲۴۶

۵۔ خبیب بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام الاسدی (م ۹۳ھ) ثقہ، عابد، تیسرے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔تہذیب ، ۳ / ۱۳۳؛ التاریخ الکبیر، ۲/ ۱/ ۲۰۸

۶۔ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۰۵؛ تدریب ، ۴۷۳

۷۔ ایضاً، ۳ / ۳۰۵؛ تدریب / ۴۷۳؛ ابن الصلاح ، ۳۵۲

۸۔ حبیب بن ابی ثابت: قیس/ ہند بن دینار الاسدی، مولاہم، ابویحییٰ الکوفی (م ۱۱۹ھ)۔ثقہ، جلیل ،فقیہ، مرسل احادیث بہت بیان کرتے اور تدلیس بھی کرتے۔تہذیب التہذیب، ۳/ ۱۴۳؛ سیر، ۵ / ۲۸۸

حبیب بن الشہید (۱)، حبیب بن المعلم (۲) اور یزید ابن ابی حبیب (۳) وغیرہم نمایاں ہیں۔ (۴)

۱۳۔ اسی طرح رباح اور ریاح کی مثال ہے۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

کل ما فیها من رباح فهو بالباء الموحدة الا زیاد بن ریاح (۵) و هو ابو قیس الراوی عن أبی هریرة فی اشراط الساعة (۶) و مفارقة الجماعة (۷) فانه بالیاء المثناة من تحت عند الاکثرین. وقد حکی البخاری فیه الوجهین بالباء و الیاء. (۸)

اسی سلسلے میں رباح بالباء الموحدة ہی وارد ہوا ہے سوائے زیاد بن ریاح کے اور وہ ابو قیس ہیں جنھوں نے اشراط الساعة اور مفارقة الجماعة سے متعلق ابو ہریرہ سے روایت کی ہے اکثر کے نزدیک یہ ریاح بالیاء المثناة من تحت ہے۔ البتہ بخاری نے باء اور یاء دونوں وجوہ سے بیان کیا ہے۔

حافظ عراقی ریاح کو ضبط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بکسر الراء بعدها یاء مثناة من تحت. (۹)

یہ جو راء کا کسرہ کہا ہے تو یہ اکثر کی رائے ہے۔ عبد الغنی اور ابن ماکولا نے اس کی تصدیق کی ہے۔ البتہ صاحب المشارق نے ابن الجارود سے باء کے ساتھ نقل کیا ہے اور بخاری نے دونوں وجوہ بیان کیے ہیں (۱۰) بصری

۱۔ حبیب بن الشہید الازدی، ابو محمد البصری (۱۴۵ھ) ثقہ، ثبت۔ پانچویں طبقے سے تعلق ہے۔ التاریخ الکبیر، ۱/۱۱/۳۲۰؛ سیر أعلام، ۷ / ۵۶؛ تهذیب التهذیب، ۲/۱۷۱

۲۔ حبیب بن المعلم، ابو محمد البصری معقل بن یسار کے مولی۔ باپ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، زاید یا زید تھا۔ صدوق تھے۔ چھٹے طبقے سے تعلق ہے۔ تقریب التهذیب، ۱ / ۱۵۲

۳۔ یزید بن ابی حبیب ابو رجاء الازدی المصری (م ۱۲۸ھ) جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ مصر میں احادیث کی تبلیغ و تشہیر میں نمایاں کردار رہا۔ سیاہ فام ہونے کے باوجود علم و فضل میں علماء نے انھیں سردار تسلیم کیا۔ التاریخ الکبیر، ۴ /۱۱ / ۳۴۴؛ شذرات، ۱ / ۱۷۵؛ سیر اعلام، ۶ / ۳۱

۴۔ فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۰۵–۳۰۶؛ تدریب، ۴۷۳

۵۔ زیاد بن ریاح، ابو قیس البصری و یقال المدنی۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔ تقریب التهذیب، ۱/۳۲۱؛ تهذیب التهذیب، ۳ / ۳۲۱؛ التاریخ الکبیر، ۲ /۱/ ۳۵۱

۶۔ مسلم، الجامع، کتاب الفتن، باب احادیث الدجال، ۸ /۲۰۷

۷۔ مسلم، الجامع، کتاب الامارة، باب الامر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن، ۶ / ۲۰

۸۔ ابن الصلاح، ۳۵۲

۹۔ فتح المغیث للعراقی، ۳ /۳۰۶

۱۰۔ التاریخ الکبیر، ۲/۱/ ۳۵۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۳ / ۳۰۶؛ بخاری نے التاریخ الکبیر میں نام و کنیت کے اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے لیکن باء اور یاء کا نہیں۔ ابن الصلاح نے اس ضمن میں صاحب المشارق کی پیروی کی ہے التقیید، ۳۹۵

تابعین میں ایک زیاد بن ریاح الھذلی (۱) کے نام سے ہیں۔ ان کی کنیت بھی ابوریاح ہے اور وہ بھی راء کے کسرہ کے ساتھ۔ انھوں نے انس بن مالک کو دیکھا اور حسن سے روایت کی تاہم یہ متاخر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ خطیب نے ان کا ذکر المتفق و المفترق میں کیا ہے لیکن ان کی کنیت ابوریاح اور پہلے ابوقیس بیان کی ہے۔ ابن ماکولا نے بھی یہی کہا ہے۔

البتہ المزی نے اختلاف کیا ہے اور وہ پہلے کو ابوریاح کہتے ہیں۔ (۲) جہاں تک رباح کا تعلق ہے تو وہ کتب ثلاثہ میں منقول ہے۔ رباح بن ابی معروف (۳) مسلم کے ہاں معروف ہے اور عطاء بن ابی رباح (۴) صحیحین اور الموطا میں مذکور ہیں اور زید بن رباح (۵) موطا اور بخاری میں منقول ہیں۔

۱۴۔ اسی طرح حُکَیم اور حکیم ہیں

پہلا حکیم مصغر بضم الحاء المهملة وفتح الكاف (۶) حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

ليس فيها حكيم بالضم الا حكيم بن عبدالله و رزيق بن حُكَيم. (۷)

اور اس میں کاف کے ضمہ سے، صرف حکیم بن عبداللہ اور رزیق بن حکیم ہیں۔

حکیم بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ القرشی المصری (۸) ہیں۔ مسلم نے ان کی تین احادیث نقل کی ہیں۔ حدیث کے بعض طرق میں الحکیم (بالالف و اللام) بھی نقل ہوا ہے۔ دوسرے رزیق بن حکیم (۹) ہیں رزیق

۱۔ زیاد بن ریاح الھذلی ابوریاح البصری انس بن مالک کو دیکھا۔ حسن بصری سے روایت کیا۔ حکام بن سلم الرازی نے ان سے روایت کیا۔ تهذيب التهذيب، ۳ / ۳۲۲؛ تقريب التهذيب، ۱ / ۳۲۲

۲۔ فتح المغيث / ۳۰۶؛ تدریب / ۴۷۳

۳۔ رباح بن ابی معروف بن ابی سارہ المکی۔ قیس، عطاء وغیرہ سے روایت کیا۔ زہد و ورع کا غلبہ تھا۔ ابن عدی اور ابوحاتم نے ان سے احادیث لکھنے کی اجازت دی ہے۔ تهذيب، ۳/۲۱۰؛ التاريخ الكبير، ۲/۱/۳۱۵

۴۔ عطاء بن ابی رباح ابومحمد القرشی المکی (م ۱۱۴ھ) اپنے وقت کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ مکہ میں فتوی میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا۔ عابد و زاہد اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔ حج سے متعلق مسائل سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ التاريخ الكبير، ۳/۱/۴۶۳؛ الجرح، ۳/۱/۳۳۰؛ وفيات، ۳ / ۲۶۱؛ تهذيب، ۷/۱۹۹؛ سير اعلام النبلاء، ۵ / ۷۸؛ كتاب المعرفة، ۱/۷۰۳، ۷۰۴

۵۔ زید بن رباح المدنی (م ۱۳۱ھ) ابن حبان اور ابن عبدالبر نے ثقہ کہا ہے۔ تهذيب التهذيب، ۳/۳۵۸؛ التاريخ الكبير، ۲/۱/۳۹۴

۶۔ فتح المغيث، ۳/ ۳۰۶؛ تدریب، ۴۷۳

۷۔ ابن الصلاح، ۳۵۴

۸۔ حکیم بن عبداللہ بن قیس بن مخرمۃ القرشی المصری (م ۱۱۸ھ) ابن عمر، نافع بن جبیر بن مطعم اور عامر بن سعد سے روایت کی اور ان سے یزید بن حبیب، اللیث، عمرو بن الحارث اور ابن لہیعہ وغیرہ نے روایت کی۔ نسائی کہتے ہیں: لا باس به ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ تهذيب التهذيب، ۲ / ۳۹۰؛ كتاب الثقات، ۴/۱۸۴

۹۔ رزیق بن حکیم الایلی والی ایلہ۔ عمرہ بنت عبدالرحمن اور سعید بن المسیب وغیرہ سے روایت کی اور ان سے مالک اور ابن عیینہ وغیرہ نے روایت کی۔ نسائی نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے اور ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ تهذيب التهذيب، ۳/۲۳۴؛ كتاب المعرفة، ۲/۷۳۶

(مصغر بتقديم الراء) باپ کی طرح ان کی کنیت ابوحکیم ہے۔ یہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں أیلہ کے گورنر تھے(۱)۔ ابن الحذاء نے ذکر کیا ہے کہ وہ مدینہ کے حاکم تھے۔(۲) ان کا ذکر موطا کی کتاب الحدود میں ہے۔(۳) اوران کا ذکر بخاری نے بھی کیا ہے۔ یونس کہتے ہیں کہ رزیق نے ابن الشہاب الزہری کو لکھا اور میں اس کے ساتھ وادی القریٰ میں تھا کہ کیا ہم جمعہ قائم کر سکتے ہیں؟ رزیق اس وقت حاکم ایلہ تھے۔(۴)

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ حکیم بضم الحاء نقل کیا ہے۔ یہی صحیح ہے کیونکہ علی بن المدینی نے اسی طرح کہا ہے صاحب تقیید المهمل نے ان سے بیان کیا کہ سفیان بن عیینہ اکثر حکیم بالفتح پڑھتے (۵) اور حکیم مکبر بفتح الحاء و کسر الکاف (۶)۔ کتب ثلاثہ میں یہ نام بکثرت مذکور ہے۔ جیسے حکیم بن حزام (۷) اور حکیم ابی بن حرہ (۸) بخاری نے ان کی ایک حدیث نقل کی ہے اور بہز بن حکیم البخاری (۹) وغیرہ۔(۱۰)

۱۵- زبید اور زبید۔

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

لیس فی الصحیحین الّا زبید بالباء الموحدۃ و هو زبید بن الحارث الیامی و لیس فی الموطا من ذلك الا زبید بیاء یْن مثنا تین من تحت و هو زبید بن الصلت، یکسر أوله ویضم. (۱۱)

۱- فتح المغیث، ۴/۴۰۷

۲- ایضاً، ۴/۴۰۷

۳- الموطأ، کتاب الحدود، باب الحد فی القذف و التعریض، ۵۵۱. الموطا کے میسر نسخہ میں زریق ہے۔

۴- بخاری، الجامع، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القرىٰ و المدن، ۱/۲۱۵ (حدیث ۸۹۳)

۵- فتح المغیث، ۴/۴۰۷

۶- ایضاً، ۴/۴۰۷

۷- حکیم بن حزام بن خویلد ابو خالد القرشی الاسدی (م ۵۴ھ) فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ اشراف قریش میں سے تھے۔ حضرت خدیجہ کے بھتیجے تھے۔ دمشق میں تجارت کے لیے گئے۔ التاریخ الکبیر، ۲/۱/۱۱؛ تهذیب، ۲/۴۰۰؛ الجرح و التعدیل، ۳/۲۰۲؛ سیر اعلام، ۳/۴۴؛ کتاب الثقات، ۳/۷۰

۸- حکیم بن ابی حرہ (بضم المهملة و تشدید الراء) الاسلمی صدوق، تیسرے طبقہ سے تعلق ہے۔ ابن عمر اور سلمان الاغر وغیرہ سے روایت کی۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ تهذیب التهذیب، ۲/۴۰۰؛ التاریخ الکبیر، ۲/۱/۱۴

۹- بہز بن حکیم بن معاویہ بن حیدۃ (م قبل ۱۵۰ھ) اپنے وقت کے بلند پایہ محدث تھے۔ ابن معین، نسائی اور یحییٰ القطان نے ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ کثرت سے غلطیاں کرتے تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲/۱/۱۴۲؛ کتاب المجروحین، ۱/۱۹۴؛ سیر اعلام النبلاء، ۶/۲۵۳

۱۰- فتح المغیث، ۴/۴۰۷

۱۱- ابن الصلاح، ۳۵۲-۳۵۳

صحیحین میں صرف زبید (بالباء الموحدة) ہے اور وہ زبید بن الحارث الیامی ہے اور موطا میں صرف زیید ہے (بالیاء ین مثناتین من تحت) اور وہ یزید بن صلت ہے اس کا پہلا حرف مکسور ہے اور مضموم بھی پڑھا جاتا ہے۔

حافظ عراقی نے حسب معمول ترتیب بدلی ہے۔ پہلے زیید کا ذکر کیا اور بعد میں زبید کا (۱)۔ ہم اسی ترتیب کو مدنظر رکھیں گے۔ زیید بضم الزاء و کسرها ایضاً و فتح الیاء المثناة من تحت بعدها یاء مثناة من تحت ایضاً ساکنة و آخره دال مهملة (۲) زیید بن الصلت بن معدیکرب الکندی (۳) ان کا ذکر موطا میں ہشام بن عروہ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا:

خرجت مع عمر بن الخطاب الی الجرف (۴) فنظر فاذا هو قداحتلم وصلی فذکر القصة (۵)

میں عمر ابن الخطاب کے ساتھ جرف گیا تھا کہ انھوں نے محسوس کیا کہ ان کو احتلام ہوا تھا اور بھول کر نماز ادا کر لی۔

امام مالک نے الصلت بن زیید سے ان کے خاندان کے ذریعہ عمر بن الخطاب کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب الشجرہ میں تھے تو انھوں نے خوشبو محسوس کی اور ان کے ساتھ کثیر بن زیید تھے اور آپ نے اس سے پوچھا کہ خوشبو کہاں سے ہے؟ تو اس نے کہا کہ امیر المومنین یہ مجھ سے آرہی ہے (۶) عبدالغنی بن سعید نے کہا ہے کہ الصلت بن زیید ابن زبید بن الصلت ہی ہیں۔ علی بن الحذاء نے بیان کیا کہ ان دونوں اقوال میں بہت بعد ہے۔ الصلت بن زیید مدینہ کے قاضی تھے اور ابن الحذاء کا قول کہ اس کے والد زیید بن الصلت ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں

۱۔ فتح المغیث، ۴/۴۰۷

۲۔ ایضاً، ۴/ ۴۰۷

۳۔ زیید بن الصلت بن معدی کرب الکندی حلیف بنی جمح، کثیر بن الصلت کے بھائی۔ واقدی لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد میں پیدا ہوئے اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ سے روایت کی۔ ابن ابی حاتم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ سے ان کی روایت مرسل ہے لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ سے ان کا سماع ثابت ہے۔ الاصابة، ۱/ ۵۷۵-۵۷۶

۴۔ الجرف۔ مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ النہایة، ۱/۲۶۲ (واصله ما تجرفه السيول من الاودية)

۵۔ الموطأ، کتاب الطهارة، باب اعادة الجنب الصلوٰة، ۴۴

۶۔ عن مالك، عن الصلت بن زبيد، عن غير واحد من اهله، ان عمر بن الخطاب و جدريح طيب، وهو بالشجرة، والى جنبه كثير بن الصلت فقال عمر، ممن ريح هذا لطيب؟ فقال كثير: منى يا امير المومنين، لبدت راسى و اردت ان لا احلق، فقال عمر اذاهب الى شربة فادلك راسك حتى تنقيه. ففعل كثير بن الصلت. قال مالك: الشربة حفير تكون عند اصل النخلة. الموطاء، كتاب الحج، باب ما جاء في الطيب في الحج، ۲۰۷-۲۰۸

مدینہ کے قاضی تھے، وہم ہے(۱) دوسرے زبید بضم الزاء بعدها موحدة (۲) کئی ہیں۔ جیسے زبید الیامی (۳) اور ابو زبید عمیر بن القاسم (۴) وغیرہ۔

۱۶۔ سَلیم و سُلیم

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

فیها سَلیم بفتح السین واحد، وهو سلیم بن حیان۔ و من عداه فهو سُلیم بالضم. (۵)

موتلف و مختلف میں سلیم بفتح السین اکیلا ہے اور وہ سلیم بن حیان ہے اس کے علاوہ سب سلیم بالضم ہیں۔

امام نوویؒ اور سیوطیؒ نے پہلے سُلیم اور بعد میں سلیم کا ذکر کیا ہے۔(۶) حافظ عراقی، ابن الصلاح کے تتبع میں کہتے ہیں۔ پہلا نام مکبر ہے سین کے فتح اور لام کے کسرہ کے ساتھ اور وہ سلیم بن حیان (۷) ہے اس کی حدیث صحیحین میں ہے اور اس کے علاوہ کوئی سلیم مذکور نہیں ہے۔ دوسرا مصغر ہے (بضم السین و فتح اللام) باقی تمام نام یہی ہیں جو کتب ثلاثہ میں وارد ہوئے ہیں مثلاً سلیم بن عامر الخبائری (۸)، ابو الشعثاء سلیم بن اسود المحاربی بن اخضر (۹)

۱۔ فتح المغیث، ۴ / ۴۰۸

۲۔ ایضاً، ۴ / ۴۰۸

۳۔ زبید الیامی، زبید بن الحارث بن عبدالکریم بن عمرو بن کعب الیامی (م ۱۲۲ھ)۔ انھیں الایامی، ابو عبدالرحمٰن بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ابو عبداللہ کی کنیت سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ یعقوب بن سفیان کا کہنا ہے کہ ثقہ ہیں الا یہ کہ تشیع کی طرف میلان تھا۔ تهذیب التهذیب، ۳ / ۲۶۸؛ التاریخ الکبیر، ۲/۱/ ۴۵۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۵ / ۲۹۶؛ کتاب المعرفة، ۶۷۸/۲

۴۔ میسر مصادر میں نہ مل سکا۔

۵۔ ابن الصلاح، ۳۵۳

۶۔ تدریب، ۴۷۴

۷۔ سلیم بن حیان بن بسطام الهذلی البصری۔ حدیث کے عالم تھے۔ انہوں نے عمرو بن دینار، قتادہ وغیرہ سے احادیث اخذ کیں۔ ان سے ان کے بیٹے، یحییٰ القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ نے روایت کیا۔ احمد، ابن معین اور نسائی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔ تہذیب، ۱۵۲/۴

۸۔ سلیم بن عامر الخبائری، ابو یحییٰ الحمصی (م ۱۳۰ھ)۔ خبائر حمیر سے ہیں۔ ابو امامہ، عبداللہ بن الزبیر اور عوف بن مالک وغیرہ سے روایت کی العجلی کہتے ہیں کہ سلیم شامی تابعی اور ثقہ ہیں۔ فتح قادسیہ میں موجود تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ ii /۱۲۵؛ تهذیب التهذیب، ۴/۱۲۶—۱۲۷؛ شذرات، ۱/ ۱۳۰؛ سیر اعلام، ۵ / ۱۸۵

۹۔ ابو الشعثاء سلیم بن اسود المحاربی الکوفی (م ۸۲ھ) عمرؓ، ابوذر اور حذیفہؓ وغیرہ سے روایت کی۔ امام احمد کہتے ہیں: هو ثقة۔ خلیفہ کے مطابق ان کی وفات الجماجم کے بعد ۸۲ھ میں ہوئی۔ تهذیب التهذیب، ۴/۱۶۵؛ التاریخ الکبیر، ۲/ ii / ۱۲۰

اور سلیم بن جبیر(۱) وغیرہ(۲)۔

حافظ ابن الصلاح نے سلم بن زریر(۳)، سلم بن قتیبہ(۴)، سلم بن ابی الذیال (۵) اور سلم بن عبدالرحمٰن(۶) کو اسی کے تحت ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ چاروں لام کے سکون کے ساتھ واقع ہوئے ہیں۔ ان کے سوا سب سالم (بالالف ہیں) (۷) حافظ عراقیؒ کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے سلم اور سالم کا ذکر کیا لیکن الف کے اضافہ سے اشتباہ پیدا نہیں ہوتا اس لے میں نے اسے حذف کر دیا ہے۔ (۸) امام نوویؒ نے ابن الصلاحؒ کے تتبع میں ان کا ذکر کیا ہے اور سیوطی نے بھی۔ (۹) اگرچہ حافظ سیوطی نے ضبط نہیں کیا ہے تاہم تدریب محققہ عبدالوہاب عبداللطیف میں تقریب کا متن مشکول ہے اور اس میں سلم کے لام پر فتحہ ہے۔ حافظ سیوطیؒ ان ناموں کی عدم شمولیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال :ثم ان اصحاب الموتلف و المختلف لم یذکروا هذه الترجمة فی کتبهم ، لأنها لا تأتلف خطا لزیادة الالف فی سالم. وانما ذکرها صاحب "المشارق" فتبعه ابن الصلاح(۱۰) قلت:قوله:لا تأتلف خطا ممنوع، لأن القاعدة فی علم الخط ان کل علم زاد علی ثلاثة یحذف الفه

۱۔ سلیم بن جبیر: ایک قول کے مطابق ابن جبیرہ الدوسی، ابو یونس المصری مولی ابی ہریرہ (م ۱۲۳ھ)۔ ابو ہریرہ اور ابو اسید الساعدی سے روایت کی۔ نسائی کہتے ہیں: ھو ثقہ ابن یونس کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات ۱۲۳ھ میں ہوئی۔ تهذیب التهذیب، ۴ / ۱۳۶؛ التاریخ الکبیر، ۲/ii /۱۲۲

۲۔ فتح اللمغیث للعراقی، ۴/۴۰۸

۳۔ سلم بن زریر العطاردی ابو یونس المصری۔ انھوں نے ابو رجاء العطاردی، عبدالرحمٰن بن طرفہ وغیرہ سے سماع کیا۔ ابو حاتم اور ابو زرعہ نے صدوق وثقہ کہا جب کہ ابن معین نے ضعیف کہا۔ تهذیب التهذیب، ۴ / ۱۱۷

۴۔ سلم بن قتیبہ بن سلم بن عمرو بن حصین الباہلی ان کے والد حجاج بن یوسف کے زمانے میں خراسان کے والی تھے جو سلیمان بن عبدالملک کے دور خلافت میں قتل کر دیے گئے۔ ہشام کے زمانے میں سلم بن قتیبہ خراسان کے والی مقرر ہوئے۔ زاہد و عابد تھے۔ شمار ثقہ رواۃ میں ہوتا ہے۔ تهذیب التهذیب، ۴ / ۱۳۰؛ التاریخ الکبیر، ۲/ii /۱۵۸

۵۔ سلم بن ابی الذیال المصری۔ حسن بصری، ابن سیرین، قتادہ وغیرہ سے روایت کیا۔ اسماعیل بن علیہ، معتمر بن سلیمان نے ان سے سماع کیا۔ ابن معین اور دارمی وغیرہ نے ثقہ کہا۔ تهذیب التهذیب، ۴ / ۱۲۹؛ کتاب الثقات، ۶/۴۱۹

۶۔ سلم بن عبدالرحمٰن النخعی الکوفی ابراہیم نخعی و راد مولی مغیرہ بن شعبہ سے احادیث روایت کیں۔ ان سے ثوری، شریک، عیسیٰ بن المسیب البجلی نے روایت کیا۔ دار قطنی، عجلی اور ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔ تهذیب التهذیب، ۴ / ۱۱۸؛ کتاب الثقات، ۴/۳۳۴؛ التاریخ الکبیر، ۲/ii /۱۵۶

۷۔ ابن الصلاح، ۳۵۳

۸۔ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۰۸

۹۔ تدریب ، ۴۷۴

۱۰۔ یہ عبارت حافظ عراقی کی ہے جسے سیوطی نے قدرے تصرف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ التقیید والایضاح ، ۳۹۷

خطا، كما ذكره ابن مالك في آخر التسهيل وغيره "فصلح" و "ملك" ونحوهما، كل ذلك يكتب بلا الف و سالم من هذا القبيل.(۱)

حافظ عراقی نے کہا کہ المؤتلف و المختلف کے مصنفین نے ان اسماء کو اپنی کتابوں میں نہیں بیان کیا کہ یہ لکھنے میں ایک جیسے نہیں کیونکہ سالم میں الف کا اضافہ ہے۔ چونکہ صاحب مشارق نے اس کا تذکرہ کیا ہے اس لیے ابن الصلاح نے اس کی متابعت کی ہے۔ حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ عراقی کی یہ بات، کہ خط میں موافقت نہیں، درست نہیں اس لیے کہ علم الخط کا یہ قاعدہ ہے کہ ہر اسم علم جو تین حروف سے زاید ہو اس کا الف لکھنے میں حذف ہو جاتا ہے جیسا کہ ابن مالک نے اپنی تسہیل کے آخر میں اس کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا صلح اور ملک وغیرہ الف کے بغیر لکھے جاتے ہیں اور سالم اسی قبیل سے ہے۔

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

الامر الثاني: انه فات المصنف و صاحب المشارق قبله ان يستثنى حكّام بن سلم الرازي(۲) . فقد روى له مسلم في الصحيح في فضائل النبي حديث انس :قبض النبي ﷺ و هو ابن ثلاث و ستين (۳) وذكره البخاري في البيوع (۴) غير منسوب عند حديث النهي عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها. فقال رواه علي بن بحر عن حكام عن عنبسة عن زكريا بن خالد عن ابي الزناد. (۵)

دوسری بات یہ ہے کہ مصنف نے اور ان سے پہلے صاحب المشارق نے حکام بن سلم الرازی کو نظرانداز کیا۔ مسلم نے صحیح میں فضائل النبی میں انس کی حدیث ان سے روایت کی

۱- تدریب، ۴۷۴

۲- حکام بن سلم الرازی ابو عبدالرحمٰن الکنانی الرازی (م ۱۹۰ھ)۔ اپنے وقت کے مشہور محدثین سے سماع کیا۔ یحییٰ بن معین ابوبکر بن ابی شیبہ بلند پایہ محدث ان کے شاگرد ہے۔ چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ طبقات ابن سعد، ۷/ ۳۸۱؛ العبر، ۱/ ۲۹۲؛ سیر اعلام، ۹ / ۸۸؛ کتاب الثقات، ۶/ ۲۲۲

۳- حدثنا حكام بن سلم، حدثنا عثمان بن زائده عن الزبير بن عدی عن انس بن مالك قال: قبض رسول الله ﷺ وهو، ابن ثلاث و ستين . و ابوبكر الصديق و هو ابن ثلاث و ستين و عمر و هو ابن ثلاث وستين ۔ مسلم، الجامع، كتاب الفضائل ، باب كم سن النبي يوم قبض، ۷/ ۸۷

۴- بخاری، الجامع، كتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل ان يبدو صلاحها، ۳/ ۳۳

۵- التقييد، ۳۹۷

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال تھی اور بخاری نے کتاب البیوع میں نسبت کے بغیر حدیث النھی عن بیع الثمار میں ذکر کیا ہے۔

بخاری کہتے ہیں: اسے علی بن بحر نے حکام سے اس نے عنبسہ سے اور انھوں نے بذریعہ زکریا بن خالد ابو الزناد سے روایت کیا ہے۔

۱۷- **سریج و شریح**

اور اسی قبیل سے سریج و شریح ہیں۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و فیھا سریج بن یونس، و سریج بن النعمان و احمد بن ابی سریج. ھؤلاء الثلاثة بالجیم و السین المھملة و من عداھم فیھا فھو بالشین المنقوطة و الحاء المھملة۔ (۱)

اور اس میں سریج بن یونس (۲)، سریج بن النعمان (۳) اور احمد بن ابی سریج (۴) کے نام شامل ہیں۔ یہ تینوں جیم اور سین سے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو ہیں شین منقوطہ اور حاء مھملہ کے ساتھ ہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ سریج بن یونس کی حدیث صحیحین میں ہے۔ ان سے مسلم نے سماع کیا اور بخاری نے بالواسطہ روایت کی۔ اسی طرح سریج بن النعمان سے بخاری نے صحیح میں روایت کی ہے اور الجیانی نے کہا ہے کہ مسلم نے غیر مسمی شخص (رجل) کے ذریعہ ان سے روایت کی ہے۔ احمد بن ابی سریج سے بخاری نے روایت کی ہے اور ابو سریج کا نام الصباح ہے اور ایک قول کے مطابق احمد بن عمر بن ابی سریج ہے (۵) شریح بضم الشین المعجمة و آخرہ حاء مھملة ہر جگہ مذکور ہے سوائے بحولہ بالا اسماء کے کتب ثلاثہ میں وارد ہے۔ ان میں سے شریح القاضی (۶)،

۱- ابن الصلاح، ۳۵۳؛ تدریب، ۴۷۴

۲- سریج بن یونس ابو الحارث المروذی ثم البغدادی (م ۲۳۵ھ)۔ ہشیم بن بشیر اور عباد بن عباد وغیرہ سے سماع کیا۔ مسلم (بواسطہ بخاری)، نسائی اور چوٹی کے اہل علم نے ان سے استفادہ کیا۔ عابد و زاہد صاحب خیر شخص تھے۔ ثقہ و صدوق تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ii/۲۰۵؛ الجرح، ۴ / ۳۰۵؛ تھذیب التھذیب، ۳/ ۴۵۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۱۴۶

۳- سریج بن النعمان بن مروان ابو الحسین/ ابو الحسن، البغدادی الجوہری اللؤلؤی (م ۲۱۷ھ)۔ بخاریؒ اور مسلم کے علاوہ دیگر مؤلفین خمسہ نے بالواسطہ روایت کیا۔ ذہبی انھیں چوٹی کے محدثین میں شمار کرتے ہیں۔ التاریخ الکبیر، ۲/ ii /۲۰۵؛ تاریخ بغداد، ۹ / ۲۱۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/ ۲۱۹

۴- احمد بن ابی سریج، ابن الصباح النھشلی ابو جعفر الرازی المقری (م ۲۴۰ھ)۔ معروف نحوی کسائی سے علم قراءت سیکھا۔ ثقہ اصحاب حدیث میں سے تھے۔ تھذیب التھذیب، ۱/ ۳۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۵۵۴

۵- فتح المغیث، ۴ / ۴۰۸

۶- شریح القاضی شریح بن الحارث بن قیس الکندی (م ۸۰/۷۸ھ)۔ قاری الاصل یمن میں ان کا خاندان (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ابو شریح الخزاعی (۱) اور عبدالرحمٰن بن شریح ابو شریح الاسکندرانی (۲) معروف ہیں۔ (۳)

۱۸- سلمان و سلیمان

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و فیها سلمان الفارسی، سلمان بن عامر، سلمان الاغر وعبدالرحمن بن سلمان ومن عدا هولاء الاربعة سلیمان بالیاء، و ابو حازم الاشجعی الراوی عن أبی هریرة، وأبو رجاء مولی أبی قلابة کل واحد منهما اسمه سلمان بغیر یاء لکن ذکر بالکنیة. (۴)

اس مثال میں سلمان الفارسی (۵)، سلمان بن عامر (۶)، سلمان الاغر (۷) اور عبدالرحمٰن

مقیم تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی میں ایمان لائے لیکن صحبت نہ ملی۔ حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں یمن سے مدینہ منورہ آئے۔ حدیث وفقہ میں دسترس رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ ابن سعد، ۶ / ۱۳۶؛ التاریخ الکبیر، ۲/۱/۲۲۸؛ تذکرة الحفاظ، ۱ / ۵۵؛ تهذیب التهذیب، ۴ / ۳۲۸؛ سیر أعلام النبلاء، ۴ / ۱۰۰ بعد

۱- ابو شریح الخزاعی الکعبی (م ۶۸ھ)۔ ان کے نام کے بارے میں اہل علم کو اختلاف ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ سے احادیث روایت کیں۔ مدینہ کے عاقل فاضل لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ تهذیب التهذیب، ۱۲/ ۱۱۳؛ الاصابة، ۴/۱۰۲

۲- ابو شریح الاسکندرانی عبدالرحمٰن بن شریح المعافری (م ۱۶۷ھ)۔ اپنے ہمعصر علماء سے احادیث کا سماع کیا۔ عبداللہ بن المبارک، عبداللہ بن صالح اور ابن وھب نے ان سے سماع کیا۔ عالم باعمل تھے۔ یحییٰ بن معین نے توثیق کی جب کہ ابو حاتم نے "لاباس به" کہا۔ التاریخ الکبیر، ۳/ ۱/ ۲۹۶؛ میزان الاعتدال ۲/۵۶۹؛ شذرات، ۲/ ۲۶۳؛ سیر اعلام النبلاء، ۷ / ۱۸۲؛ کتاب المعرفة، ۱/۱۵۴

۳- فتح المغیث، ۴/۲۰۸

۴- ابن الصلاح، ۳۵۳؛ تقریب مع تدریب، ۴۷۵

۵- سلمان الفارسی (م ۳۳ھ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد ایمان لائے۔ تلاش حق میں سرگرداں رہے حتیٰ کہ حق کو پالیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں وفات پائی۔ تهذیب التهذیب، ۴/۱۳۴؛ سیر اعلام، ۱ / ۵۰۵؛ الجرح و التعدیل، ۴ / ۲۹۶

۶- سلمان بن عامر بن اوس بن حجر الضبی صحابی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ غالباً امیر معاویہ کے عہد تک زندہ رہے۔ تهذیب التهذیب، ۴ / ۱۲۱

۷- سلمان الاغر ابو عبداللہ المدنی مولی جهینه۔ ابو ہریرہ، ابو الدرداء، ابو سعید الخدری وغیرہم سے احادیث اخذ کیں۔ ان سے ان کے صاحبزادوں اور زہری وغیرہم نے استفادہ کیا۔ ابن حبان، ابن عبدالبر وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔ تهذیب التهذیب، ۴/۱۳۵؛ کتاب المعرفة، ۱/۴۱۴

بن سلمان (۱) ہیں ان چار کے علاوہ سب سلیمان بالیاء ہیں اور ابو حازم الاشجعی (۲) الراوی عن ابی ہریرہ اور ابو رجاء (۳) مولی ابی قلابہ میں سے ہر ایک کا نام سلمان بغیر یاء کے ہے لیکن وہ کنیت کے ساتھ مذکور ہیں۔

حافظ عراقی نے فتح المغیث میں انھیں درج نہیں کیا اور کہا ہے کہ ابن الصلاح نے یہاں سلمان اور سلیمان کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں یاء تصغیر کے اضافے سے اشتباہ کا امکان نہیں ہے، اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا ہے (۴) لیکن انھوں نے التقیید میں قدرے مفصل بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں:

وفیہ امران، أحدھما أن أصحاب الموتلف و المختلف لم یوردوا ھذہ الترجمة فی کتبھم کالدار قطنی و ابن ماکولا لعدم اشتباھھما لزیادة الیاء فی المصغر. و انما ذکر ذلك صاحب المشارق فتبعه المصنف. والامر الثانی انه فات المصنف و صاحب المشارق قبله ان یستثنی سلمان بن ربیعه الباھلی (۵) . فقد روی له مسلم فی صحیحه فی کتاب الزکوٰة من روایة ابی وائل عن سلمان بن ربیعه قال، قال عمر: قسم رسول الله قسما فقلت والله یا رسول الله لغیر ھولاء احق به منھم قال؛ انھم خیرونی قبل أن یسئلونی بالفحش او یبخّلونی و لست بباخل. (٦)

اس میں دو امور ہیں ایک تو یہ کہ الموتلف و المختلف کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں

۱- عبدالرحمن بن سلمان، ابو الاعیس الخولانی الشامی تابعین میں سے تھے۔ ابن حبان نے ان کا شمار ثقات میں کیا ہے۔ تھذیب التھذیب، ۴ / ۱۷۱

۲- ابو حازم الاشجعی سلمان الکوفی (م ۱۰۰ھ) کبار صحابہ سے سماع کیا اور پھر ان سے شائقین حدیث کی ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا۔ ابن معین، ابوداؤد، عجلی اور ابن عبدالبر وغیرہ نے ثقہ قرار دیا۔ تھذیب التھذیب، ۴/ ۱۴۰؛ کتاب المعرفة، ۲/ ۲۷۴، ۴۴۹/۱

۳- ابو رجاء مولی ابی قلابہ الجرمی المصری۔ ابو قلابہ اور عمر بن عبدالعزیز سے سماع کیا۔ ابن حبان اور العجلی نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ تھذیب التھذیب، ۴ / ۱۳۹

۴- فتح المغیث، ۴ / ۴۰۸

۵- سلمان بن ربیعہ الباھلی ابو عبداللہ (م ۲۵/ ۲۹ھ)۔ کہا جاتا ہے کہ صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ ﷺ اور حضرت عمرؓ سے احادیث روایت کیں۔ حضرت عمر نے کوفہ کا قاضی مقرر کیا حضرت عثمان کے زمانے میں آرمینیہ کے غزوہ میں شریک ہوئے۔ ثقہ تھے۔ تھذیب التھذیب، ۴ / ۱۳۲

٦- التقیید، ۳۹۷؛ مسلم، الجامع، کتاب الزکوٰة، باب اعطاء من سال بفحش، ۳ / ۱۰۳

اس کا تذکرہ نہیں کیا جیسے دار قطنی اور ابن ماکولا۔ سبب یہ ہے کہ مصغر میں اضافی یاء کی وجہ سے اشتباہ نہیں پیدا ہوتا۔ دوسرا یہ کہ مصنف اور اس سے پہلے صاحب المشارق نے سلمان بن ربیعہ الباہلی کو مستثنیٰ کر کے فروگذاشت کی حالانکہ مسلم نے اپنی صحیح کی کتاب الزکوٰۃ میں ابووائل کی روایت بذریعہ سلیمان بن ربیعہ نقل کی ہے کہ عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ مال تقسیم کیا تو میں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم اس کے مستحق اور لوگ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے مجھے دو چیزوں کو اختیار کرنے کا موقعہ دیا، یا تو مجھ سے ڈھٹائی سے مانگیں یا مجھے بخیل ٹھہرائیں سو میں بخل کرنے والا نہیں ہوں۔

اسی طرح مسلم نے کتاب الایمان میں بروایت صفوان بن سلیم حدیث نقل کی ہے:

صفوان بن سليم عن عبدالله بن سلمان عن أبيه عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ إن الله يبعث ريحا من اليمن الين من الحرير فلا تدع احداً في قلبه مثقال ذرة من إيمان الّا قبضته. (۱)

صفوان بن سلیم عبداللہ بن سلمان سے اور وہ بواسطہ اپنے والد اور وہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یمن سے ایک ہوا اٹھائے گا جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی اور وہ کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑے گی جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلمان کے والد سلمان الاغر ہیں اور مصنف (ابن الصلاح) کے لیے مناسب تھا کہ اس کا ذکر کرتے کیونکہ اس حدیث میں ان کی نسبت مذکور نہیں ہے۔ شاید انھیں گمان ہو کہ یہ کوئی دوسرا آدمی ہے(۲) امام مالک اور امام بخاری نے عبیداللہ بن سلمان سے روایت کی ہے لیکن اس کے والد کے نام کی بجائے کنیت کا ذکر کیا ہے۔ (۳)

امام مالک نے موطا میں یہ روایت بیان کی ہے:

عن زيد بن رباح و عبيدا لله بن ابى عبدالله عن ابى عبدالله الاغر عن ابى هريرة عن النبى ﷺ انه قال: صلاة فى مسجدى هذا خير من الف صلوٰة فيما سواه الا المسجد الحرام. (۴)

۱- مسلم، الجامع ، كتاب الايمان، باب فى الريح التى تكون فى قرب القيامة، ۱/ ۷۶، حديث ۱۸۵

۲- التقييد ، ۳۹۸

۳- ايضاً، ۳۹۸

۴- الموطا، كتاب الصلوٰة، باب ما جاء فى مسجد النبى ﷺ، ۱۲۱-۱۲۲

زید بن رباح اور عبید اللہ بن ابی عبداللہ دونوں ابو عبداللہ الاغر سے اور وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ادا کی گئی نماز دوسری مساجد میں ادا کی گئی ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔

امام مسلم نے کتاب الفتن میں بروایت محمد بن فضیل عن ابی اسماعیل عن ابی حازم عن ابی ہریرہ دو حدیثیں مرفوعاً نقل کی ہیں:

۱. قال رسول اللہ ﷺ: والذی نفسی بیدہ لا تذہب الدنیا حتی یمر الرجل علی القبر فیتمرّغ علیہ و یقول :یا لیتنی کنت مکان صاحب ھذا القبر. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی کہ ایک شخص کسی قبر کے پاس سے گذرے گا اور اس پر لوٹ لگائے گا اور کہے گا: اے کاش میں اس صاحب قبر کی جگہ پر ہوتا۔

۲. والذی نفسی بیدہ لا تذہب الدنیا حتی یاتی علی الناس یوم لا یدری القاتل فیم قتل ولا المقتول فیم قتل فقیل کیف یکون ذلک؟ قال: الھرج .القاتل والمقتول فی النار. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک لوگوں پر وہ دن نہ آجائے جب قاتل کو معلوم نہ ہو کہ اس نے کس وجہ سے قتل کیا اور نہ مقتول کو کہ کس بنا پر قتل ہوا۔ کہا گیا کہ یہ کس طرح ہوگا؟ فرمایا: الھرج یعنی ہنگامہ ہوگا اور قاتل اور مقتول دونوں آگ میں داخل ہوں گے۔

سَلِمة و سَلَمة

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

سلِمۃ بکسر اللام عمرو بن سلمۃ الجرمی امام قومہ، و بنو سلمۃ القبیلۃ من الانصار و الباقی سلمۃ بفتح اللام، غیر أن عبدالخالق بن سلمۃ فی کتاب مسلم ذکر فیہ الفتح و الکسر. (۳)

۱- مسلم، الجامع، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعۃ حتی یمر الرجل بقبر الرجل... ۸/ ۱۸۲-۱۸۳

۲- ایضاً، ۸/ ۱۸۳

۳- ابن الصلاح، ۳۵۳-۳۵۴؛ تدریب، ۴۲۵

سلمہ لام مکسورہ کے ساتھ جیسے عمرو بن سلمہ الجرمی (۱) جو اپنی قوم کا رہنما تھا اور انصار کا قبیلہ بنو سلمہ ہے۔ باقی لام مفتوحہ کے ساتھ وارد ہوئے ہیں سوائے عبدالخالق بن سلمہ کے جو امام مسلم کے ہاں فتحہ و کسرہ دونوں کے ساتھ مذکور ہیں۔

عبدالخالق بن سلمہ کے بارے میں حافظ عراقی لکھتے ہیں:

واختلف فی عبدالخالق بن سلمة (۲) احد من روی له مسلم و لیس له عنده الا حدیث و احد فی قدوم و فد عبدالقیس و سؤالهم عن الشربة فقال فیه یزید بن هارون ابن سلمة بفتح اللّام و قال ابن علیة سلمة بکسرها، و ممن حکی فیه الوجهین ابن ماکولا. (۳)

اور عبدالخالق بن سلمہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، عبدالخالق مسلم کے رواۃ میں سے ہیں حالانکہ مسلم کے ہاں ان کی صرف ایک حدیث مروی ہے جس کا تعلق عبدالقیس کے وفد کی آمد اور مشروبات کے بارے میں ان کے سوال سے ہے۔ یزید بن ہارون کا کہنا ہے کہ ابن سلمہ لام کے فتح سے ہے اور ابن علیہ نے کہا ہے کہ لام کے کسرہ سے ہے جب کہ ابن ماکولا سے دونوں صورتیں منقول ہیں۔

سنان و شیبان

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و فیها سنان بن ابی سنان الدؤلی (۴) و سنان بن سَلَمة (۵) و سنان بن

۱- عمرو بن سلمہ الجرمی ابو برید، اور ابو یزید بھی منقول ہے۔ البصری، (م ۸۵ھ)۔ ان کے والد نبی ﷺ کے ہاں حاضر ہوئے اور عمرو اپنی قوم کو نماز پڑھاتے تھے حالانکہ وہ کم عمر تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کا سماع اور ان کی روایت ثابت نہیں، البتہ ابن مندہ نے کتاب الصحابة میں صحیح طریق سے عمرو بن سلمہ سے روایت کی ہے: قال: "و کنت فی الوفد الذین و فدوا علی رسول الله" اس سے ان کی حاضری ثابت ہوتی ہے۔ تهذیب التهذیب، ۸ / ۳۸

۲- عبدالخالق بن سلمہ الشیبانی ابو روح البصری۔ شعبہ، حماد بن زید اور سعید بن ابی عروبہ سے احادیث کا سماع کیا۔ ناقدین نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/۲۵؛ کتاب الثقات، ۷/۱۳۸؛ تهذیب التهذیب، ۶ / ۳

۳- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۰۹

۴- سنان بن ابی سنان الدؤلی المدنی (م ۱۰۵ھ) کبار صحابہ سے احادیث اخذ کیں۔ زہری اور زید بن اسلم ایسے چوٹی کے محدثین نے ان سے استفادہ کیا۔ عجلی نے ثقہ تابعین میں شمار کیا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ ii /۱۶۲؛ کتاب المعرفة، ۱/۲۹۰؛ تهذیب التهذیب، ۴/۲۱۹

۵- سنان بن سلمہ بن المحبق ابو عبدالرحمٰن البصری الھذلی۔ بصرہ کے مشہور تابعی محدث جنھوں نے کبار صحابہ سے سماع کیا۔ بصرہ کے گورنر بھی رہے۔ ابن سعد اور عجلی وغیرہ نے ثقہ کیا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ ii /۱۶۲؛ تاریخ خلیفة بن خیاط، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۳؛ تهذیب التهذیب، ۴/۲۱۹

ربيعة أبو ربيعة(۱) و احمد بن سنان(۲)، وأم سنان، و أبو سنان ضرار بن مرة الشيباني(۳) و من عدا هولاء الستة شيبان بالشين المنقوطة والياء. (۴)

اور اس میں سنان بن ابی سنان الدؤلی، سنان بن سلمہ، سنان بن ربیعہ ابو ربیعہ، احمد بن سنان، ام سنان اور ابو سنان ضرار بن مرہ الشیبانی آتے ہیں۔ان چھ کے علاوہ شین منقوطہ اور یاء کے ساتھ شیبان ہیں۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح کے بیان کے دو پہلو قابل غور ہیں۔ایک تو یہ کہ سنان اور شیبان میں کوئی التباس نہیں کیونکہ شیبان میں ایک حرف کا اضافہ ہے اسی لیے الموتلف و المختلف کے مصنفین نے ان دو اسماء کو اکٹھا ذکر نہیں کیا۔دار قطنی اور ابن ماکولا نے سنان، یسار اور شبان کو درج کیا ہے۔ابن ماکولا نے شبان کا اضافہ کیا ہے لیکن شیبان کا تذکرہ نہیں کیا۔

ابن الصلاح نے صاحب المشارق کے تتبع میں اسے بیان کیا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ ابن الصلاح کے مذکورہ اسماء کے علاوہ بھی اس نام کے راوی ہیں جو صحاح میں مذکور ہیں مثلاً ہیثم بن سنان (۵) بخاری نے صلوٰۃ اللیل میں ابو ہریرہ سے اس کی روایت نقل کی ہے۔حدیث کے الفاظ ہیں۔

عن ابن شهاب قال :أخبرني الهيثم ابن أبي سنان أنه سمع أبا هريرة

۱- سنان بن ربیعہ ابو ربیعہ البصری۔انسؓ، ثابت بنانی وغیرہ سے سماع کیا۔ان سے سماع کرنے والے حماد بن زید، حماد بن سلمہ، سعید بن زید ایسے مشہور محدث تھے۔ابن معین کا کہنا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ابو حاتم نے ان کو مضطرب الحدیث کہا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ii/۱۶۴؛ تهذيب التهذيب، ۴/ ۲۱۷

۲- احمد بن سنان بن اسد، بن حبان ابو جعفر الواسطی القطان (م ۲۵۶ھ)۔اپنے وقت کے چوٹی کے محدثین مثلاً وکیع بن الجراح، عبدالرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ القطان سے احادیث اخذ کیں۔ان کے شاگردوں میں امام بخاری، مسلم، ابوداؤد ایسے اہل علم کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ صرف بدعتی احادیث سے بغض رکھتا ہے۔الجرح و التعدیل، ۱/۱/۵۳؛ شذرات، ۲/ ۱۳۷؛ تذکرة الحفاظ، ۲/ ۵۲۱؛ سیر اعلام، ۱۲/ ۲۴۴

۳- ابوسنان ضرار بن مرہ الشیبانی الکوفی (م ۱۳۲ھ)۔کوفہ کے اجل محدثین میں سے تھے۔متقی و پرہیزگار تھے۔ابن سعد، ابن حبان، ابوحاتم وغیرہ چوٹی کے ناقدین نے انھیں ثقہ کہا اور ان کے علم و فضل کی تعریف کی۔کتاب المعرفة، ۲/ ۷۱۰، ۷۱۱؛ ۳/ ۸۸، ۲۵۱؛ تهذيب التهذيب، ۴/ ۴۶۱

۴- ابن الصلاح، ۳۵۴؛ تدریب، ۴۷۵

۵- هيثم بن ابی سنان المدنی، ابو ہریرہ اور ابن عمر سے روایت کیا اور ان سے زہری اور بکیر بن عبداللہ بن الاشج نے روایت کی۔ ابو حاتم نے صالح الحدیث اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔کتاب المعرفة، ۱/ ۳۹۱؛ ۳/ ۲۹۳؛ کتاب الثقات، ۵/ ۵۰۷، تهذيب التهذيب، ۱۱/ ۸۲

وهو يقص في قصصه يذكر رسول الله ﷺ: "ان اخالكم لا يقول الرفث" يعني بذلك عبدالله بن رواحة.(۱)

ابن شہاب سے روایت ہے کہ انھیں ھیثم بن ابی سنان نے بتایا کہ انھوں نے ابو ہریرہ کو واقعات بیان کرتے ہوئے سنا جس میں وہ رسول اللہ کا ذکر کر رہے تھے: "تمھارا ایک بھائی ہے جو گندی باتیں نہیں کرتا" یعنی عبداللہ بن رواحہ۔

اسی طرح محمد بن سنان العوقی (۲) (واو کے فتح اور قاف سے) ان کی حدیث صحیح بخاری کے کتاب الجنائز میں ہے۔ (۳) کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحمۃ کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسی اسناد کے ساتھ صفت النبی ﷺ میں حدیث نقل کی ہے: مثلي ومثل قبلي (۴)

ایک اور مثال ابو سنان الشیبانی (۵) کی ہے اور یہ ضرار بن مرہ سے مختلف ہیں۔ مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں وکیع عن ابی سنان الشیبانی عن علقمہ بن مرثد عن سلیمان بن بریدہ عن أبیہ روایت کی ہے۔

۱۔ بخاری، الجامع، کتاب التهجد، باب فضل من تعار بالليل ۲ / ۳۹۔ حدیث میں عبداللہ بن رواحہ کے اشعار بھی منقول ہیں:

وفينا رسول الله يتلو كتابه	اذا انشق معروف من الفجر ساطع
أرانا الهدى (الف) بعد العمى فقلوبنا	به موقنات أن ما قال واقع
يبيت يجافي جنبه عن فراشه	اذا استثقلت بالمشركين (ب) المضاجع

الف. کتاب المعرفة، ۱/۳۹۱ میں أتانا الهدى ہے۔ ب. کتاب المعرفة میں بالکافرین ہے۔ ۱/۳۹۱

۲۔ محمد بن سنان ابو بکر الباھلی البصری العوقی (م ۲۲۳ھ) ابراہیم بن طھمان، نافع بن عمر وغیرہ سے روایت کیا۔ بخاری اور ابوداود نے بلا واسطہ احادیث اخذ کیں۔ یحییٰ بن معین، ابوحاتم وغیرہ نے انھیں صدوق اور ثقة کہا ہے۔ التاریخ الکبیر ۱/i/۱۰۹؛ الجرح و التعديل، ۳/ii/ ۲۷۹؛ شذرات الذهب، ۲ / ۵۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/ ۳۸۵

۳۔ حدثنا محمد بن سنان حدثنا سليم بن حيان، حدثنا سعيد بن ميناء عن جابرؓ ان النبي صلى على اصحمة النجاشي فكبر اربعاً: بخاری، الجامع، کتاب الجنائز، باب التكبير على الجنازة اربعاً، ۲ / ۹۱

۴۔ حدثنا محمد بن اسماعيل، حدثنا محمد بن سنان حدثنا سليم بن حيان بصرى، حدثنا سعيد بن ميناء عن جابر ابن عبدالله قال: قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم: انما مثلي و مثل الانبياء قبلي كرجل بنى داراً فاكملها واحسنها الا موضعة لبنة فجعل الناس يدخلونها و يتعجبون منها و يقولون لولا موضع اللبنة. ترمذی، السنن، کتاب الامثال، باب ما جاء في مثل النبي ﷺ، ۵ / ۱۴۷

۵۔ ابو سنان الشیبانی البرجمی الکوفی اپنے شہر کے زاہد و عابد معروف محدث تھے۔ شعبی، طاؤس، ضحاک وغیرہ سے روایت کیا۔ ابو احمد الزبیری، زید بن الحباب وغیرہ نے ان سے سماع کیا۔ ابوحاتم اور ابوداود نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ ہر سال حج پر جاتے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ وہ بد خلق تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ i/ ۲۷۷؛ الجرح، ۲/ i/ ۲۷؛ کتاب المعرفة، ۲/ ۶۳۱، ۶۶۰، ۳/ ۱۸؛ سیر اعلام، ۶ / ۲۰۶

سمع النبی ﷺ رجلاً فی المسجد قال :من دعا إلی الجمل الأحمر الحدیث.(۱)

ابوسفیان الشیبانی کا نام سعید بن سنان ہے امام احمد نے اسی طرح اپنی مسند میں بروایت وکیع اس حدیث کو نقل کیا ہے(۲) ابوالقاسم اللالکائی نے رجال مسلم میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ جب کہ ابوبکر بن منجویہ نے صرف ابوسنان ضرار بن مرہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ ابوسنان الشیبانی الاکبر ہیں اور ابوسنان الشیبانی الاصغر کا نام سعید بن سنان ہے۔ المزی کہتے ہیں اللالکائی کا موقف درست ہے۔ ایک اور راوی سعید بن سنان ہیں جن کی ایک حدیث ابن ماجہ نے بتوسط ابوالزاہریہ بیان کی ہے(۳)

عُبیدة و عبیدة

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

عبیدة بفتح العین لیس فی الکتب الثلاثة الا عَبیدة السلمانی (۴) وعَبیدة بن حمید (۵) و عَبیدة بن سفیان (۶) عامر بن عَبیدة الباهلی(۷) و من عدا هٰؤلاء الأربعة فعُبیدة بالضم. (۸)

۱- ان النبی ﷺ لما صلی قام رجل فقال :من دعا الی الجمل الأحمر؟ فقال النبی ﷺ :لا وجدت، انما بنیت المساجد لما بنیت له .مسلم، الجامع، کتاب المساجد، باب النهی عن نشر الضالة، ۲/ ۸۲

۲- التقیید، ۳۹۹ ۔

۳- ایضاً، ۳۹۹

۴- عبیدہ السلمانی المرادی ابوعمرو الکوفی (م ۷۴ھ)۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے قبل ایمان لائے لیکن ملاقات نہ ہوسکی۔ کبار صحابہ سے روایت کیا۔فقہ وقضاء کے معاملات پر خوب نظر تھی۔ ناقدین نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/۸۲؛ تاریخ بغداد، ۱۱/ ۱۱۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۴/ ۴۰؛ تهذیب التهذیب، ۷/۷۶

۵- عبیدہ بن حمید بن صہیب التیمی ابوعبدالرحمٰن الکوفی (م ۱۹۰ھ)۔ ہمعصر علماء سے احادیث کا سماع کیا پھر شائقین علم نے ان کی طرف رجوع کیا اور مستفید ہوئے۔ دارقطنی، ابن ابی شیبہ اور عجلی وغیرہ نے ثقہ قرار دیا۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/۸۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۳۱۱؛ سیر اعلام، ۸/۵۰۸؛ تهذیب التهذیب، ۷/۷۳-۷۴

۶- عبیدہ بن سفیان بن الحارث بن الحضرمی المدنی۔ ابوہریرہ اور زید بن خالد سے استفادہ کیا۔ ابن سعد کے بقول احادیث کم بیان کرتے۔ ابن حبان اور عجلی نے ثقہ قرار دیا۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/۸۲؛ تهذیب التهذیب، ۷ / ۷۵

۷- عامر بن عبیدہ الباهلی البصری۔ حضرت انس اور ابوالملیح الهذلی سے سماع کیا۔ شعبہ اور معاویہ بن عبدالکریم نے ان سے روایت کیا۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔ بصرہ کے قاضی بھی رہے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ ii /۴۵۲؛ تاریخ خلیفة بن خیاط، ۱/ ۳۶؛ تهذیب التهذیب، ۵ / ۷۱

۸- ابن الصلاح، ۳۵۴؛ تدریب، ۳۷۶

عین کی فتح کے ساتھ عبیدہ کتب ثلاثہ میں سوائے عبیدہ السلمانی، عبیدہ بن حمید، عبیدہ بن سفیان اور عامر بن عبیدہ الباہلی کے نہیں وارد ہوا۔ ان کے سوا سب عین کے ضمہ سے عبیدہ مذکور ہوئے ہیں۔

حافظ عراقی نے ناموں کی ترتیب بدلی ہے لیکن کمی بیشی نہیں کی۔ سب سے پہلے عامر بن عبیدہ الباہلی کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد بقیہ نام ضبط کیے ہیں۔ عامر کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

وقع ذکرہ عند البخاری فی کتاب الأحکام فقال: قال معاویۃ بن عبدالکریم الثقفی القرشی (۱) شھدت عبدالملک بن یعلی (۲) قاضی البصرۃ و ایاس بن معاویۃ (۳) والحسن (۴) و ثمامۃ بن عبداللہ بن انس (۵) و بلال بن ابی بردۃ (۶)

۱- معاویہ بن عبدالکریم القرشی الثقفی (مولاھم) ابو عبدالرحمٰن البصری (م ۱۸۰ھ)۔ عبدالملک بن یعلی، ایاس بن معاویہ اور حسن بصری وغیرہ سے سماع کیا۔ یحییٰ بن یحییٰ، ابن مھدی اور ابن المدینی ان کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ ناقدین فن نے انھیں صالح الحدیث قرار دیا۔ بخاری نے تضعیف کی ہے۔ ''ضال'' کے نام سے معروف ہوئے کہ مکہ جاتے ہوئے راستہ بھول گئے تھے۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔ التاریخ الکبیر، ۴/i/۳۳۷: تھذیب التھذیب، ۱۰/۱۹۳-۱۹۴

۲- عبدالملک بن یعلی اللیثی البصری (م ۱۰۳ھ تقریباً)۔ کبار صحابہ سے روایت کیا۔ معاویہ بن عبدالکریم الضال وغیرہ نے ان سے احادیث روایت کیں۔ بصرہ کے قاضی رہے التاریخ الکبیر، ۳/i/۴۳۷؛ تاریخ خلیفۃ، ۳۳۴؛ کتاب الثقات، ۱۰۶/۷؛ تھذیب التھذیب، ۶ / ۴۲۵

۳- ایاس بن معاویہ، ابو واثلہ (م ۱۲۱ھ)۔ اپنے والد، حضرت انس، سعید بن المسیب وغیرہم سے روایت کیا۔ شعبہ اور حماد بن سلمہ ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ بصرہ کے قاضی رہے۔ ذکاوت و ذہانت میں ضرب المثل تھے۔ التاریخ الکبیر، ۱/ i /۴۴۲؛ وفیات الأعیان، ۱/۲۴۷؛ میزان الاعتدال، ۱ / ۲۸۳؛ سیر اعلام النبلاء، ۵ / ۱۵۵

۴- حسن البصری بن ابی الحسن یسار ابو سعید مولی زید بن ثابت (م ۱۱۰ھ)۔ اپنے وقت کے علم و عمل دونوں میں سردار تھے۔ وقت کے چوٹی کے علماء ان سے استفادہ کے لیے حاضر ہوتے۔ بلند پایہ فقیہ، ثقہ محدث، عابد و زاہد، فصیح و بلیغ تھے۔ زندگی کی بے ثباتی کے بارے میں ان کے اقوال مشہور ہیں۔ التاریخ الکبیر، ۱/ii/۲۸۹؛ المعرفۃ و التاریخ للفسوی، ۲ / ۳۲؛ ۳ / ۳۳۸؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱ / ۷۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۴/۵۶۳ و بعد

۵- ثمامہ بن عبداللہ بن انس بن مالک الانصاری البصری، بصرہ کے قاضی رہے۔ اپنے دادا، انس، براء بن عازب اور ابو ہریرہ سے روایت کی اگرچہ ابو ہریرہ سے نہیں ملے۔ احمد اور نسائی کے بقول ثقہ ہیں۔ ابن عدی نے الکامل میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ابو یعلی سے مروی ہے کہ ابن معین نے ان کی تضعیف کی ہے۔ التاریخ الکبیر، ۱/ii/۱۷۷؛ الجرح، ۱/ i/ ۴۶۶؛ تاریخ خلیفۃ، ۳۶۱؛ تھذیب التھذیب، ۲ / ۲۸؛ سیر اعلام النبلاء، ۵ / ۲۰۴

۶- بلال بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری (م ۱۲۵ھ)۔ حضرت انس، والد ابو بردہ، قتادہ وغیرہ سے احادیث روایت کیں۔ بقول خلیفہ ۱۰۹ھ میں بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ ابن حبان نے ثقہ کہا۔ تاریخ خلیفۃ بن خیاط، ۳۵۱، ۳۵۸، ۳۶۲؛ تھذیب التھذیب، ۱/۴۵۹-۴۶۰

و عبدالله بن بريدة الاسلمی(۱) وعامر بن عبيدة (۲) و عباد بن منصور(۳) يجيزون كتب القضاة بغير محضر من الشهود.(۴) والثانی من الأسماء عبيدة بن عمرو يقال ابن قيس السلمانی حديثه فی الصحيحين والثالث عبيدة بن حميد روی له البخاری والرابع عبيدة بن سفيان الحضرمی حديثه فی الموطأ و صحيح مسلم و ليس عندهما الاحديث واحد وهو حديث أبی هريرة فی تحريم كل ذی ناب من السباع.(۵)

بخاری کے ہاں کتاب الاحکام میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ معاویہ بن عبدالکریم القرشی کہتے ہیں کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ عبدالملک بن یعلی و قاضی بصرہ، ایاس بن معاویہ، حسن ثمامہ بن عبداللہ بن انس، بلال ابن ابی بردہ، عبداللہ بن بریدہ الاسلمی، عامر بن عبیدہ اور عباد بن منصور قاضی کے مکتوب کو بغیر گواہی کے جائز قرار دیتے تھے۔ ان ناموں میں سے دوسرے عبیدہ بن عمرو ہیں جنھیں ابن قیس السلمانی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی حدیث صحیحین میں ہے۔ تیسرے عبیدہ بن حمید ہیں۔ بخاری نے ان کی روایت نقل کی ہے اور چوتھے عبیدہ بن سفیان الحضرمی ہیں۔ ان کی حدیث موطا اور صحیح مسلم میں ہے۔ ان کے ہاں صرف ایک حدیث ہے اور وہ ابوہریرہ کی حدیث ہے جو کچلیوں والے درندوں کی حرمت کے بارے میں ہے۔

۱۔ عبداللہ بن بریدہ بن الحصیب ابو سہل الاسلمی المروزی (م ۱۱۵ھ)۔ مرو کے معروف محدث اور قاضی تھے۔ اپنے وقت کے چوٹی کے محدثین سے استفادہ کیا اور تابعین کی کثیر تعداد نے ان سے سماع کیا۔ یحییٰ بن معین وغیرہ نے ثقہ قرار دیا۔ التاریخ الکبیر، ۳/۱/۵۱؛ الجرح، ۲/ii/۱۳؛ تہذیب التہذیب، ۵/ ۱۵۷؛ سیر اعلام، ۵/۵۰

۲۔ عامر بن عبیدہ۔ ابوالملیح سے سماع کیا اور ان سے عارم نے روایت کیا۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/ ۴۵۲

۳۔ عباد بن منصور ابو سلمہ الناجی البصری (م ۱۵۲ھ)۔ عکرمہ، عطاء، قاسم وغیرہ سے روایت کیا۔ نضر بن شمیل، یحییٰ القطان ان کے ہونہار تلامذہ میں سے تھے۔ ابوداؤد کا کہنا ہے کہ وہ پانچ سال تک بصرہ کے قاضی رہے۔ ابوحاتم نے ضعیف قرار دیا لیکن کہا کہ ان سے احادیث لکھی جا سکتی ہیں۔ بعض نے قدری ہونے کا ذکر کیا۔ التاریخ الکبیر، ۳/ ii/۳۹؛ تاریخ خلیفة بن خیاط، ۲۰۵، ۳۰۷؛ الجرح و التعدیل، ۳/i/۸۶؛ تہذیب التہذیب، ۵/ ۱۰۳؛ سیر اعلام، ۷/۱۰۵

۴۔ بخاری، الجامع، کتاب الأحکام، باب الشهادة على الخط المختوم، ۸/ ۱۰۹–۱۱۰

۵۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۰۹؛ مسلم، الجامع، کتاب الصید، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع، ۶/۵۹؛ اسی حدیث کو بخاری نے ابوثعلبہ الخشنی سے روایت کیا ہے۔ بخاری، الجامع، کتاب الذبائح، باب اکل کل ذی ناب من السباع، ۶/۲۳۰۔ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی یہ حدیث مروی ہے، دیکھئے: ترمذی، السنن، کتاب الصید، باب ماجاء فی کراهية کل ذی ناب، ۴/۷۳؛ النسائی، السنن، کتاب الصید، باب تحریم اکل السباع، ۷/۲۰۰؛ ابن ماجه، السنن، کتاب الصید، باب اکل کل ذی ناب من السباع، ۲/۱۰۷۷؛ مسند احمد، ۱/ ۲۴۳، ۲۸۹، ۳۰۲۔ حدیث کے الفاظ ہیں: عن مالك عن اسمعیل بن حکیم، عن عبیدة بن سفیان الحضرمی، عن أبی هریرة، أن رسول الله ﷺ قال: اکل کل ذی ناب من السباع حرام قال مالك: وهو الامر عندنا. الموطا، کتاب الصید، باب تحریم اکل ذی ناب من السباع، ۳۱۱

حافظ عراقی مزید لکھتے ہیں کہ ان کے علاوہ عبیدہ (مصغر بضم العین و فتح الباء) ہیں جو کتب ثلاثہ میں مذکور ہیں۔ ان میں عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب (۱)، عبیدہ بن معتب (۲) سعد بن عبیدہ (۳) اور عبداللہ بن عبیدہ بن نشیط (۴) وغیرہم ہیں (۵)۔

عُبید و عَبید

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

ومن ذلک عُبید و عَبید کلاهما بغیر هاء التانیث فالاول مصغراً وهو جمیع ما فی الکتب الثلاثة حیث وقع، قاله ابن الصلاح تبعاً لصاحب المشارق(۶) والثانی عبید مکبر و لیس فی واحد من الکتب الثلاثة. وهو اسم جماعة من الشعراء عبید بن الأبرص (۷) و عبید بن زهیر و عبید بن قماص و فی الصحابة جماعة ینسبون الی عوف (۸) بن عبید بن عویج (۹)

۱- عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب بن عبد مناف القرشی المطلبی (م ۲ ھ)۔ قدیم الاسلام بنی عبد مناف کے رئیس تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ میں رہے، پھر مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ بدر میں شہید ہوئے۔ الاصابة، ۲/ ۴۴۹؛ شذرات الذهب، ۱/ ۹؛ تاریخ خلیفة بن خیاط، ۵۹، ۶۱، ۶۲؛ سیر اعلام، ۱/ ۲۵۶

۲- عبیدہ بن معتب الضبی ابو عبد الکریم الکوفی۔ ابراہیم نخعی، شعبی اور ابو وائل وغیرہ سے روایت کی۔ ابن المبارک نے انھیں متروک الحدیث لوگوں میں شمار کیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ضعف کے باوجود ان کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ تهذیب التهذیب، ۷/ ۸۰-۸۱؛ دیوان الضعفاء، ۱/ ۲۴۳

۳- سعد بن عبیدہ السلمی ابو حمزة الکوفی۔ اپنے وقت کے چوٹی کے علماء مثلاً مغیرہ بن شعبہ، براء بن عازب وغیرہ سے سماع کیا۔ ان کے تلامذہ میں اعمش، منصور اور زبید الیامی وغیرہ شامل ہیں۔ ابو حاتم کا کہنا ہے کہ خوارج کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ابن معین اور نسائی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ ii/ ۶۰؛ تهذیب التهذیب، ۳/ ۴۱۷

۴- عبداللہ بن عبیدہ بن نشیط الربذی مولیٰ بنی عامر بن لوی (م ۱۳۰ ھ)۔ جابر سے روایت کی، ایک قول کے مطابق ان سے سماع ثابت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ سہل بن سعد، عقبہ بن عامر الجہنی سے بھی روایت کی۔ دار قطنی کے مطابق وہ ثقہ ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں ضعف ظاہر ہوا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ i/ ۱۴۳؛ تهذیب التهذیب، ۵/ ۲۷۰-۲۷۱

۵- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۱۰

۶- حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں: عبید بغیر هاء تانیث هو بالضم حیث وقع فیها. ابن الصلاح، ۳۵۴

۷- عبید بن الابرص بن عوف بن جشم ابو زیاد الاسدی (م ۲۵ ق ھ)۔ امرء القیس کا معاصر تھا۔ جاہلیت کے ممتاز شعراء میں شمار ہوتا ہے۔ الأعلام، ۴/ ۱۸۸

۸- غالباً یہ عبید بن عوف ہے۔ صاحب الأعلام نے قلقشندی کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ اس کی نسل سے بعض صحابہ بھی تھے۔ الأعلام، ۴/ ۱۸۹

۹- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۱۰

اور اسی نوع میں سے عبید و عبید بھی ہیں۔ دونوں ہائے تانیث کے بغیر ہیں پہلا مصغر ہے اور یہی کتب ثلاثہ میں واقع ہے جہاں کہیں بھی ہے۔ ابن الصلاح نے صاحب المشارق کے تتبع میں یہی کہا ہے دوسرا عبید مکبر ہے اور یہ کتب ثلاثہ میں وارد نہیں ہوا ہے یہ شعراء کی ایک جماعت کا نام ہے۔ جن میں عبید بن الأبرص، عبید بن زہیر اور عبید بن قماص شامل ہیں۔

صحابہ میں کچھ لوگ عوف بن عبید بن عویج کی طرف منسوب ہیں۔

عُبادۃ و عَبادۃ

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

وكذلك عُبادة بالضم حيث وقع الا محمد بن عبادة الواسطى (۱) من شيوخ البخارى فانه بفتح العين و تخفيف الباء. (۲)

اور اسی قبیل سے عبادہ عین کے ضمہ سے واقع ہوا ہے سوائے محمد بن عبادہ الواسطی کے جو شیوخ بخاری میں سے ہیں۔ وہ عین کے فتح اور مخفف باء کے ساتھ ہے۔

عبادہ کتب ثلاثہ میں مذکور ہے ان میں سے عبادہ بن الصامت (۳) اور ان کا پوتا عبادہ بن الولید (۴) اور عبادہ (۵) بن نسیی ہیں۔ (۶)

عَبْدۃ و عَبَدۃ

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

عبدة هو باسكان الباء حيث وقع فى هذه الكتب الا عامر بن عَبَدة (۷)

۱- محمد بن عبادہ الواسطی۔ ابو عبداللہ / ابو جعفر۔ ابن ابی حاتم، آجری اور ابن حبان وغیرہ نے ثقہ کہا۔ تہذیب التہذیب ۲۱۲/۹

۲- بفتح العين المهملة و تخفيف الباء الموحدة و هو محمد بن عبادة الواسطى شيخ البخارى فتح المغيث للعراقى، ۴ / ۳۱۰؛ ابن الصلاح، ۳۵۴

۳- عبادہ بن الصامت بن قیس الانصاری ابو الولید المدنی (م ۳۴ھ)۔ غزوہ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک ہوئے۔ مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو مرثد اور ان کے درمیان رشتہ مؤاخات قائم کیا۔ فلسطین میں سب سے پہلے قاضی مقرر ہوئے۔ سیر اعلام، ۵/۲؛ تهذيب التهذيب، ۵/ ۹۹؛ شذرات، ۳۴۰/۲

۴- عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت الانصاری المدنی ابو الصامت۔ کبار صحابہ سے سماع کیا۔ ابو زرعہ، نسائی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ تهذيب التهذيب، ۵ / ۱۰۲

۵- عبادہ بن نسیی الکندی ابو عمرو الشامی (م ۱۱۸ھ)۔ تابعین میں سے تھے۔ ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ تهذيب التهذيب، ۵ / ۱۰۱

۶- بضم النون و بفتح السين المهملة الخفيفة و تشديد التحتانية (خلاصة، ۱۸۸؛ فتح المغيث للعراقى، ۳۱۰/۴)

۷- عامر بن عبدہ البجلی ابو ایاس الکوفی۔ ابن مسعود سے علم حاصل کیا اور ان سے مسیب بن رافع نے۔ ناقدین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ التاريخ الكبير، ۳/ ii/ ۳۵۲؛ تهذيب التهذيب، ۵ / ۷۱

فی خطبة کتاب صحیح مسلم، و إلا بجالة بن عَبَدة (۱) علی ان فیهما خلافاً، منهم من سکّن الباء منهما ایضاً، و عند بعض رواة مسلم عامر بن عبدٍ بلا هاء ولا یصح. (۲)

عبدہ باء ساکنہ کے ساتھ ان کتب میں واقع ہوا سوائے عامر بن عبدہ کے جو صحیح مسلم کے خطبہ میں وارد ہوا ہے یا بجالہ بن عبدہ، لیکن ان کے بارے میں اختلاف موجود ہے۔ بعض لوگوں نے انھیں باء کے سکون سے پڑھا ہے۔ مسلم کے بعض راویوں کے ہاں عامر بن عبد بغیر ھاء کے پایا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

حافظ عراقی نے اسے ضبط کرتے ہوئے لکھا ہے:

عَبـدة بفتح العین و سکون الباء وهو بقیة ما فی الکتب الثلاثه من ذلك منهم عبدة بن سلیمـان الکلابی (۳) و عبد ة بن ابی لبابة (۴) وغیرهما. (۵)

عبدہ عین کے فتحہ اور باء کے سکون سے کتب ثلاثہ میں وارد ہوا ہے۔ ان میں سے عبدہ بن سلیمان الکلابی اور عبدہ بن ابی لبابہ وغیرہما ہیں۔

عبدہ کے بارے میں حافظ عراقی لکھتے ہیں:

عبده بـفتـح الـعین المهملة و فتح الباء الموحدة ایضاً، ولیس فیها الا اسمان الأول عامر بن عبدة البجلی الکوفي والثانی بجالة بن عبدة (۶)

۱- بجالہ بن عبدہ التمیمی ثم العنبری البصری کاتب جزء بن معاویہ۔ انہوں نے عمر بن الخطاب، اور عبدالرحمٰن بن عوف اور عمران بن حصین وغیرہم سے بھی روایت کی۔ ابو زرعہ کے بقول ثقہ ہیں اور ابو حاتم انھیں شیخ قرار دیتے ہیں۔ تهذیب التهذیب ۱/ ۳۶۵- ۳۶۶

۲- ابن الصلاح، ۳۵۴؛ تدریب، ۴۷۶؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۴۱۱

۳- عبدہ بن سلیمان الکلابی ابو محمد الکوفی (م ۱۸۷ھ)۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اسماعیل بن خالد، یحیٰی بن سعید الانصاری اور عاصم الاحول وغیرہم سے روایت کی۔ العجلی کہتے ہیں: کان رجل صالح و صاحب قرآن۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii /۱۲۱؛ تهذیب التهذیب، ۱/ ۳۶۵-۳۶۶

۴- عبدہ بن ابی لبابہ الاسدی الغاضری، مولاہم ایک قول کے مطابق وہ مولیٰ قریش تھے، ابو القاسم البزار الکوفی الفقیہ، نزیل دمشق، ابن عمر، ابن عمرو، زر بن حبیش اور دوسرے کئی لوگوں سے روایت کی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ فقہاء کوفہ میں سے تھے۔ ابو حاتم کے مطابق ثقہ تھے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii /۱۱۴؛ تهذیب التهذیب، ۶/ ۴۰۷-۴۰۸

۵- فتح المغیث للعراقی، ۴/۴۱۱

۶- ایضاً، ۴/۴۳۱

عبدہ عین کے فتح اور باء کے فتح سے ہے اور اس میں دو اسماء ہیں، ایک عامر بن عبدہ البجلی الکوفی اور دوسرے بجالہ بن عبدہ ہیں۔

عامر بن عبدہ کی روایت کو مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں درج کیا ہے:

أبو سعيد الأشج، حدثنا وكيع: حدثنا الأعمش عن المسيب بن رافع عن عامر بن عبدة قال: عبدالله: ان الشيطان ليتمثل فى صورة الرجل فيأتى القوم فيحدثهم بالحديث من الكذب، فيتفرقون فيقول الرجل منهم: سمعت رجلا اعرف وجهه، ولا ادرى ما اسمه، يحدث. (۱)

ابوسعید الاشج بیان کرتے ہیں کہ وکیع نے بیان کیا کہ الاعمش نے مسیّب بن رافع سے انھوں نے عامر بن عبدہ سے روایت کیا کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: شیطان انسانی صورت اختیار کرتا ہے اور لوگوں کے پاس آ کر جھوٹی حدیث بیان کرتا ہے لوگ بکھر جاتے ہیں اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں ایک شخص کا چہرہ پہچانتا ہوں اور نام نہیں جانتا جس نے یہ حدیث بیان کی۔

عبدہ کو علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، ابوعلی الجیانی، التیمی، الصدفی اور ابن الحذاء نے فتح کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ دارقطنی اور ابن ماکولا کے ہاں بھی اسی طرح واقع ہوا ہے۔ ان دونوں نے باء کے سکون کا قول بھی نقل کیا ہے۔ صاحب المشارق کہتے ہیں کہ بعض شیوخ نے بغیر ھاء کے (عبد) نقل کیا ہے لیکن یہ وہم ہے (۲) جہاں تک عامر بن عبدہ کا تعلق ہے جس سے ابواسامہ روایت کرتے ہیں تو وہ باء کے سکون سے ہے اور اس کی کوئی روایت کتب ستہ میں نہیں ہے۔ (۳)

حافظ عراقی کہتے ہیں:

و قول الذهبى فيما قرأته بخطه فى المشتبه (۴) انه يشتبه بعامر بن عبدة الباهلى وهم، انما الباهلى عامر بن عبيدة بزيادة ياء مثناة من تحت بعد الباء الموحدة المكسورة. (۵)

۱- مسلم، الجامع، مقدمة، باب النهى عن الرواية عن الضعفاء، ۱/ ۹

۲- ابن الصلاح، ۳۵۴

۳- فتح المغيث للعراقى، ۴ / ۴۱۱

۴- المشتبه، ۴۴۴

۵- فتح المغيث للعراقى، ۴/۴۱۱

اور الذہبی کا قول ہے جسے میں نے ان کے خط میں المشتبہ میں پڑھا ہے کہ اس کا اشتباہ عامر بن عبدہ الباہلی سے ہوتا ہے، وہم ہے۔ کیونکہ الباہلی تو عامر بن عبیدہ ہے جو یاء کے اضافہ سے باء مکسورہ کے بعد ہے۔

دوسرے بجالہ بن عبدہ التمیمی ثم العنبری البصری ہیں۔ بخاری نے کتاب الجزیۃ میں ان کی حدیث نقل کی ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

قال: کنت کاتبا لجزء بن معاویۃ(۱). عم الأحنف. فجاء نا (فأتانا) کتاب عمر بن الخطاب قبل موتہ بسنۃ: فرّقوا بین کل ذی محرم من المجوس، ولم یکن عمر اخذ الجزیۃ من المجوس. (۲)

کہتے ہیں کہ میں جزء بن معاویہ کا سیکرٹری تھا کہ ہمیں عمر بن الخطاب کی وفات سے ایک سال پہلے خط آیا جس میں لکھا تھا: مجوسیوں کے محرموں کو ایک دوسرے سے الگ کر دو۔ اور عمرؓ مجوس سے جزیہ نہیں لیتے تھے۔

دار قطنی، ابن ماکولا اور الجیانی نے فتحہ سے منضبط کیا ہے۔ صاحب المشارق نے کہا ہے کہ بخاری نے اپنی التاریخ میں اور اصحاب الضبط نے اسی طرح نقل کیا ہے الباجی نے عبدہ سکون سے نقل کیا ہے اور کہا ہے بخاری نے بھی اسے سکون سے ضبط کیا ہے۔ (۳)

عُباد و عَبّاد

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

عُباد بضم العین المہملۃ و تخفیف الباء الموحدۃ و ہو قیس بن عباد القیسی الضبعی البصری (۴) حدیثہ فی الصحیحین و لیس فیہا بالضم

۱- محدثین کے نزدیک جزء جیم کے فتح اور زاء کے سکون اور بعد میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اہل نسب اسے زاء کے کسرہ یاء ساکنہ اور اس بعد ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔
جزء ابن معاویہ بن حصن بن عبادہ التمیمی السعدی، عم الاحنف بن قیس ان کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے۔ عمرؓ کے عہد میں اہواز کے گورنر تھے۔ البلاذری کے بقول خلافت معاویہ تک زندہ رہے۔ زیاد نے ان کو بعض ذمہ داریاں دیں۔ فتح الباری، ۳۰۱/۶

۲- بخاری، الجامع، کتاب الجزیۃ، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اہل الذمۃ و الحرب، ۶۲/۴ (حدیث ۳۱۵۶)

۳- فتح المغیث للعراقی، ۳۱۱/۴

۴- قیس بن عباد القیسی الضبعی ابو عبداللہ البصری۔ حضرت عمر کی خلافت کے دوران مدینہ آئے اور کبار صحابہ سے احادیث روایت کیں۔ ابن سعد نے انھیں ثقہ میں قلیل الحدیث کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۳۴۶/۸

والتخفيف غيره الا انّ صاحب المشارق حكى انه وقع عند أبى عبدالله محمد بن المطرف بن المرابط (۱) فى الموطأ عباد ابن الوليد بن عبادة قال وهو خطأ و الكل عبادة بن الوليد كما تقدم وهو الصواب. (۲)

عبادعین کے ضمہ اور باء مخففہ کے ساتھ صرف قیس بن عباد القیسی الضبعی البصری ہیں جن کی حدیث صحیحین میں ہے ان کے علاوہ کوئی شخص عین کے ضمہ اور باء مخففہ کے ساتھ نہیں ہے۔صاحب المشارق نے بیان کیا ہے کہ ابوعبداللہ محمد بن مطرف بن المرابط کے ہاں الموطأ میں عباد بن الولید بن عبادہ واقع ہوا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ یہ خطا ہے۔سب عبادہ بن الولید ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور یہی درست ہے۔

دوسرے عباد بفتح العین و تشدید الباء ہیں اور مقدم الذکر کے علاوہ باقی سب عبّاد ہیں جن کا ذکر کتب ثلاثہ میں ہے۔جیسے عباد بن تمیم المازنی (۳)،عباد بن عبداللہ بن الزبیر (۴) اور ان کے بھتیجے عباد بن حمزہ (۵) اور عباد بن العوام (۶) وغیرہم (۷)

حافظ ابن الصلاح نے اختصار کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے لکھا:

عباد هو فيها بفتح العين و تشديد الباء، الاقيس بن عُباد فانه بضم

۱- میسر مصادر میں نہ مل سکا۔

۲- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۲۱۰

۳- عباد بن تمیم المازنی المدنی عبداللہ بن زید۔ام عمارہ، ابوقتادہ الانصاری سے احادیث کا سماع کیا۔محمد اور عبداللہ (ابوبکر کے صاحبزادے) اور زہری نے ان سے روایت کیا۔ناقدین فن نے انھیں ثقات میں شمار کیا۔التاریخ الکبیر، ۳/ ii /۳۴؛ تهذیب التهذیب، ۵ / ۸۶

۴- عباد بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام ابویحیٰی القرشی الاسدی۔ان کے والد ان کی بہت قدر و منزلت کرتے۔مکہ میں قضاء کے عہدہ پر بھی فائز ہوئے۔اپنے والد، نانی اسماء اور والد کی خالہ حضرت عائشہ سے روایت کیا۔التاریخ الکبیر، ۳/ ii/۳۲؛ الجرح و التعدیل، ۳ / i/ ۸۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۴ / ۲۱۷

۵- عباد بن حمزہ بن عبداللہ بن الزبیر الاسدی۔اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ صدیقہ سے احادیث روایت کیں۔سخی اور شریف الطبع تھے۔نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے ثقہ قرار دیا۔تهذیب التهذیب، ۵ /۸۲

۶- عباد بن العوام بن عمرو ابو سہل الکلابی الواسطی (م ۱۸۰ھ) ابو مالک الاشجعی، ابن عون وغیرہ سے سماع کیا۔ان کے شاگردوں میں نمایاں احمد بن حنبل، حسن بن عرفہ وغیرہ ہیں۔ابوداؤد، ابن سعد وغیرہ نے ثقہ کہا۔التاریخ الکبیر، ۳/ ii/۴۱؛ تذکرة الحفاظ، ۱/ ۲۶۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۸ / ۱۵۱؛ تهذیب التهذیب، ۵ / ۸۹

۷- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۰

العين و تخفيف الباء (۱)

عبادعین کے فتح اور باء کی تشدید کے ساتھ واقع ہوا ہے سوائے قیس بن عُباد کہ وہ عین کے ضمہ اور باء مخففہ کے ساتھ وارد ہوا ہے۔

عُقیل و عقیل

ان کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

لیس فیها عقیل بضم العین الا عقیل بن خالد و یحییٰ بن عقیل و بنو عقیل القبیلة . ومن عدا هؤلاء عقیل بفتح العین۔ (۲)

اس میں عین کے ضمہ کے ساتھ عُقیل صرف عُقیل بن خالد، یحییٰ بن عُقیل اور قبیلہ بنو عُقیل واقع ہوئے ہیں، ان کے علاوہ عین کے فتح کے ساتھ عَقیل ہیں۔

حافظ عراقی نے اپنے تفصیلی انداز میں لکھا ہے:

فالأول مصغر بضم العین المهملة و فتح القاف من ذلك بنو عقیل القبیلة المعروفة لهم ذکر فی حدیث عمران بن حصین عند مسلم کانت ثقیف خلفاء لبنی عقیل فذکر حدیث العضباء و أنها کانت لرجل من بنی عقیل (۳) و کذلك عقیل بن خالد (۴) حدیثه فی الصحیحین ، و کذلك یحیی بن عقیل الخزاعی البصری (۵) روی له مسلم والثانی بفتح العین و کسر القاف مکبر منهم عقیل ابن ابی طالب (۶)

۱- ابن الصلاح، ۳۵۵

۲- ایضاً، ۳۵۵؛ تدریب، ۴۷۶

۳- مسلم، الجامع ، کتاب النذر، باب لاوفاء فی معصیة الله ولا فیما لا یملك العبد، ۷۸/۵؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الایمان ، باب النذر فیما لایملك، ۳/۶۰۹-۶۱۲ ،مسند احمد، ۴ / ۴۳۰

۴- عُقیل بن خالد الأیلی ابو خالد الاموی مولیٰ عثمان (م ۱۴۱ھ)۔ اپنے والد اور چچا، زیاد اور نافع مولیٰ ابن عمر وغیرہم سے روایت کی۔ امام احمد، اور نسائی کے بقول ثقہ ہیں۔ تهذیب التهذیب، ۷ / ۲۲۸- ۲۲۹؛ شذرات، ۱ / ۲۱۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۶/۳۰۱

۵- یحییٰ بن عُقیل الخزاعی البصری۔ انس بن مالک، یحییٰ بن یعمر وغیرہ سے روایت کیا اور ان سے سلیمان التیمی، عبداللہ بن کیسان وغیرہ نے روایت کیا۔ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ تهذیب التهذیب، ۱۱/۲۲۵

۶- عَقیل ابن ابی طالب الہاشمی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم زاد تھے۔ ان سے ان کے بیٹے محمد پوتے عبداللہ، موسیٰ بن طلحہ، عطاء وغیرہ نے روایت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں ہر سال خیبر کی زمینوں سے حصہ دیتے تھے۔ التاریخ الکبیر، ۴/۱/۵۰؛ الجرح، ۳/۱/۲۱۸؛ سیر اعلام النبلاء ۳ / ۹۹

مذكور فی الحدیث المتفق علیه:"وهل ترك لنا عقیل من رباع أو دور" (۱) ولیست له روایة عندهما. (۲)

واقد و وافد

حافظ عراقی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

فالأول بالقاف وهو جمیع ما فی الکتب الثلاثة منهم واقد بن عبدالله بن عمر (۳) و ابن اخیه واقد بن محمد بن زید (۴) وغیرهما و الثانی وافد بالفاء و لیس فی شیء من الکتب الثلاثة، قاله صاحب المشارق وتبعه ابن الصلاح (۵) و منهم وافد بن موسٰی الدارع (۶) و وافد بن سلامة (۷) ذکرهما الأمیر وغیره. (۸)

پہلا قاف سے ہے اور یہی کتب ثلاثہ میں وارد ہوا ہے۔ان ناموں میں سے ایک واقد بن عبداللہ بن عمر اور ان کے بھتیجے واقد بن محمد بن زید وغیرہما ہیں اور دوسرا وافد فاء کے ساتھ ہے کتب ثلاثہ میں اس نام کا کوئی راوی نہیں۔یہی بات صاحب المشارق نے کہی ہے اور اسی کی متابعت ابن الصلاح نے کی ہے۔ان ناموں میں وافد بن موسٰی الدارع اور وافد بن سلامہ ہیں۔الامیر وغیرہ نے ان دونوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۱- بخاری، الجامع، کتاب الحج، باب توریث دور مکة، ۲/۱۵۷؛ مسلم، الجامع، کتاب الحج، باب نزول الحاج بمکة و توریث دور مکة، ۴/۱۰۸؛ ابن ماجة، السنن، کتاب الفرائض، باب میراث اهل الاسلام من اهل الشرك، ۲/۹۱۲

۲- فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۱۲

۳- واقد بن عبداللہ بن عمر۔انھوں نے اپنے والد اور دیگر محدثین سے روایت کیا۔شعبہ اور ان کے طبقے کے دیگر طالبان حدیث نے ان سے روایت کیا۔التاریخ الکبیر، ۴/ii/۱۷۳؛ تهذیب التهذیب، ۱۱/ ۹۴

۴- واقد بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب العدوی المدنی۔اپنے والد، سعید بن مرجانہ ابن ابی ملیکہ اور دوسرے لوگوں سے روایت کی۔ابوداؤد اور ابن معین نے ثقہ قرار دیا اور ابن معین دوبار صالح الحدیث کہا۔ابوحاتم کہتے ہیں: لاباس به ثقة یحتج به۔تهذیب التهذیب، ۱۱/ ۹۵

۵- ابن الصلاح، ۳۵۵

۶- میسر مصادر میں نہ مل سکا۔

۷- وافد بن سلامہ۔یزید الرقاشی سے روایت کیا اور ان سے ابن وہب نے روایت کیا۔ضعیف راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔التاریخ الکبیر، ۴/ii/۱۹۱؛ میزان الإعتدال، ۴/۳۳۰

۸- فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۱۲؛ تدریب، ۴۷۶

ابن الصلاح نے بہت مختصر انداز میں اسے بیان کیا ہے:

ولیس فیها وافد بالفاء اصلاً و جمیع ما فیها واقد بالقاف. (۱)

اس میں وافد بالکل موجود نہیں ہے اور جو سب نام موجود ہیں وہ واقد بالقاف ہیں۔

الانساب

جس طرح اسماء میں اشتباہ پیدا ہوسکتا ہے اسی طرح انساب کے تلفظ اور تحریر میں بھی اشتباہ واقع ہوسکتا ہے۔ اسی لیے محدثین نے المؤتلف والمختلف کے سلسلے میں انساب کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے تو اس نوع کے عنوان میں بھی انساب کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس باب کا عنوان ان الفاظ میں باندھتے ہیں۔

النوع الثالث و الخمسون معرفة الموتلف و المختلف من الاسماء والانساب ومایلتحق بها (۲).

حافظ عراقی، امام نووی، حافظ سیوطی اور علامہ سخاوی وغیرہ نے بھی ابن الصلاح کا تتبع کیا ہے۔ (۳)

الأیلی والأبلی

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

ومن ذلك الأیلی والأبلی، فالأول بفتح الهمزة و سكون الیاء المثناة من تحت منهم هارون بن سعید (۴) و یونس بن یزید الأیلی (۵) وعقیل بن خالد الأیلی (۶) و غیرهم. (۷)

۱- ابن الصلاح، ۳۵۵

۲- ایضاً، ۳۴۴

۳- تقیید، ۳۸۱؛ تدریب، ۴۶۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۲۴۱

۴- ہارون بن سعید بن الہیثم بن محمد التمیمی الأیلی السعدی مولاہم ابوجعفر نزیل مصر (م ۲۵۳ھ)۔ ابن عیینہ، ابن وھب، ابی ضمرہ اور دوسرے لوگوں سے روایت کی۔ ابوحاتم انھیں شیخ کہتے ہیں، نسائی نے کہا: "لاباس به" ایک دوسرے مقام پر ثقہ قرار دیا۔ ابن حبان نے الثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ کتاب الثقات، ۹/ ۲۴۰؛ تھذیب التھذیب، ۱۱/ ۷

۵- یونس بن یزید الأیلی ابو یزید مولی معاویہ بن سفیان (م ۱۵۷ھ)۔ اپنے بھائی ابوعلی بن یزید اور الزہری وغیرہ سے روایت کی۔ ابن المبارک کہتے ہیں: "کتابه صحیح" وکیع نے انھیں "سیئی الحفظ" قرار دیا ہے۔ امام احمد کہتے ہیں: "فی حدیث یونس عن الزهری منکرات" قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ بن عمر کا خیال ہے کہ ان کی وفات بالائی مصر میں ہوئی۔ الجرح و التعدیل، ۴/۱۱/۷-۲۴۷-۲۴۸؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۴۲؛ سیر أعلام، ۶/۲۹۷؛ تھذیب، ۱۱/ ۳۹۵-۳۹۷

۶- دیکھیے صفحہ، ۳۳۸، حاشیہ ۲

۷- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۲۴۳؛ تدریب، ۴۷۷

اس قسم میں لأیلی اور لأیلی ہیں۔ پہلا ہمزہ کے فتحہ اور یاء کے سکون سے ہے۔ ان میں ہارون بن سعید، یونس بن یزید لأیلی اور عقیل بن خالد لأیلی وغیرہ ہیں۔

حافظ ابن الصلاح قاضی عیاض کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و من الانساب ذكر القاضی الحافظ عياض انه ليس فی هذه الكتب الأبلّی بالباء الموحدة المضمومة، و جميع ما فيها على هذه الصورة فانما هو الأيلی بالياء المنقوطه باثنتين من تحت. (۱)

اور انساب کے تحت قاضی حافظ عیاض نے ذکر کیا ہے کہ ان کتب میں باء مضمومہ کے ساتھ لأبلی موجود نہیں ہے۔ اس شکل میں جو موجود ہے وہ لأیلی نیچے دو نقطوں والی یاء کے ساتھ ہے۔

قاضی عیاض کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

قلت: روى مسلم الكثير عن شيبان بن فروخ (۲) وهو ابلی بالباء الموحدة، لكن اذا لم يكن فی شیء من ذلك منسوباً لم يلحق عياضاً منه تخطئة (۳)

میں کہتا ہوں: مسلم نے بواسطہ شیبان بن فروخ سے کثرت سے روایت کی ہے اور وہ باء موحدہ کے ساتھ ابلی ہے لیکن اگر اس میں نسبت کا ذکر نہیں ہے تو قاضی کی خطا نہیں ہے۔

حافظ عراقی کہتے ہیں:

و قد تتبعت كتاب مسلم فلم اجد فيه شيبان بن فروخ منسوباً فلا تخطئة على القاضی عياض حينئذ فيما قاله. (۴)

میں نے مسلم کی کتاب میں تلاش کیا، مجھ کو اس میں شیبان بن فروخ نسبت کے ساتھ نہیں ملا، لہٰذا قاضی عیاض کے قول میں غلطی نہیں ہے۔

۱- ابن الصلاح، ۳۵۵؛ تدریب، ۳۷۷

۲- شیبان بن فروخ الابلی المصری (م ۲۳۶ھ)۔ حماد بن سلمہ، جریر بن حازم اور دیگر ہمعصر اہل علم سے حدیث کا سماع کیا۔ مسلم، ابوداؤد، حسن بن سفیان وغیرہم نے ان سے روایت کی۔ ابوزرعہ نے صدوق کہا۔ ابوحاتم کا کہنا ہے کہ وہ عقیدہ قدر کے قائل تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲/۱/۲۵۴؛ الجرح و التعدیل، ۲/۱/۳۵۷؛ سیر اعلام، ۱۱/۱۰۱

۳- ابن الصلاح، ۳۵۵؛ تدریب، ۳۷۷

۴- التقیید، ۴۰۰؛ تدریب، ۳۷۷

البزار و البزاز

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

لا نعلم فی الصحیحین البزار بالراء المهملة فی آخره الاخلف بن هشام البزار (۱)و الحسن بن الصباح (۲)البزار. (۳)

ہمارے علم میں نہیں ہے کہ صحیحین میں خلف بن ہشام البزار اور الحسن بن الصباح البزار کے علاوہ بھی کوئی نام واقع ہوا ہے۔

حافظ عراقی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ذکر الجیانی فی تقیید المهمل فی هذه الترجمة یحیی بن محمد السکن البزار (۴) من شیوخ البخاری و بشر بن ثابت البزار (۵) واستشهد به البخاری قلت:ولم یقع ذکر هما فی البخاری منسوبین بل خالیین من النسبة فلذلك لم استدر کهما فی النظم علی ابن الصلاح.(۶)

الجیانی تقیید المهمل میں اس تذکرے کے تحت یحییٰ بن محمد السکن البزار، جو بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، اور بشر بن ثابت البزار کے نام نقل کیے ہیں اور بخاری سے استشھاد کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بخاری میں ان کا تذکرہ نسبت کے بغیر ہے اسی لیے میں نے نظم میں ابن الصلاح کے بیان پر اضافہ نہیں کیا۔

۱- من شیوخ مسلم (فتح المغیث ۴/۲۱۳)؛ خلف بن ہشام البزار البغدادی المقرئی (م ۲۲۹ھ) مالک، حماد بن زید، ہشیم وغیرہم سے روایت کی۔ مسلم، ابوداؤد، عباس الدوری، ابوزرعہ وغیرہم نے خلف سے سماع کیا۔ نسائی، ابن حبان نے ثقہ قرار دیا۔ بہت زیادہ مخیر تھے۔ قراءت کے عالم تھے۔ تهذیب التهذیب، ۳/ ۱۴۱

۲- من شیوخ البخاری (فتح المغیث ۴/ ۲۱۳) الحسن بن الصباح البزار ابوعلی الواسطی البغدادی (م ۲۴۹ھ)۔ وکیع، علی بن المدینی، احمد بن حنبل ایسے بلند پایہ محدثین سے سماع کیا۔ بخاری، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے الحسن سے احادیث روایت کیں۔ نسائی اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا۔ التاریخ الکبیر، ۱/ii/۲۹۵؛ تهذیب التهذیب، ۲/ ۲۶۴

۳- ابن الصلاح، ۳۵۵

۴- یحییٰ بن محمد السکن البزار ابوعبداللہ ویقال ابوعبید المصری۔ بغداد میں قیام پذیر رہے۔ نسائی کہتے ہیں: "لا بـأس بـه" اور ایک مقام پر انھیں ثقہ گردانا ہے۔ مسلم کہتے ہیں: بصری صدوق۔ تهذیب التهذیب، ۱۱/ ۲۲۷

۵- بشر بن ثابت ابو محمد البزار اپنے وقت کے مشہور اہل علم سے استفادہ کیا۔ شائقین علم کی ایک بڑی تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔ ابن حبان اور دار قطنی نے ثقہ کہا۔ تهذیب التهذیب، ۱/ ۴۰۵

۶- فتح المغیث للعراقی، ۴/۲۱۳؛ التقیید کی عبارت اس طرح ہے: "فجعلت الترجمتان کما ذکر فی صحیح البخاری لکن غیر منسوبین فلا یردان علی المصنف، ۴۰۱

والثاني: البزاز اى بالزاى المكررة وهو باقى المذكورين فى الصحيحين منهم محمد بن الصباح البزاز (۱) و محمد بن عبدالرحيم البزاز (۲) المعروف بصاعقة وغيرهما. (۳)

دوسرا زای مکررہ کے ساتھ البزاز ہے اور یہی وہ باقی نام ہیں جو صحیحین میں مذکور ہیں۔ ان میں محمد بن الصباح البزاز اور محمد بن عبدالرحیم البزاز المعروف بصاعقہ وغیرہما ہیں۔

حافظ ابن الصلاح نے اسے جامعیت کے ساتھ نقل کیا ہے:

لا نعلم فى الصحيحين البزار بالراى المهملة فى آخره الاخلف بن هشام البزار والحسن بن الصباح البزار و اما محمد بن الصباح البزاز وغيره فيهما فهو بزايين. (۴)

ہمارے علم کے مطابق آخر میں راء مہملہ کے ساتھ البزار صرف خلف بن ہشام البزار اور حسن بن الصباح البزار واقع ہوئے ہیں جہاں تک محمد بن الصباح البزاز وغیرہ کا تعلق ہے تو وہ سب دو زاء کے ساتھ البزاز ہیں۔

النصرى و البصرى

و ليس فى الصحيحين و الموطّا النصرى بالنون والصاد المهملة الا ثلاثة: مالك بن اوس بن الحدثان النصرى(۵) و عبدالواحد بن عبدالله

۱۔ محمد بن الصباح البزاز ابو جعفر البغدادی (م ۲۲۷ھ) اجل ہمعصر علماء سے احادیث کا سماع کیا۔ بخاری، مسلم اور ابوداؤد ایسے پائے کے محدثین نے ان سے روایت کیا۔ بخاری اور مسلم دونوں نے ان سے اپنی الجامع میں روایت کیا ہے۔ نقادان حدیث نے ثقہ ثبت کہا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۱/۱/۱۱۹؛ تہذیب التہذیب، ۹/۱۹۷۔۱۹۸

۲۔ محمد بن عبدالرحیم البزاز ابو یحییٰ البغدادی (م ۲۵۵ھ)۔ فارسی الاصل تھے۔ عمدہ حافظہ کی وجہ سے صاعقۃ الحافظ کے نام سے مشہور تھے۔ ناقدین حدیث نے انھیں ثقہ، ثبت اور مامون ایسے القابات سے نوازا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۹/۲۶۸۔۲۶۹

۳۔ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۴۳؛ تدریب، ۴۷۷

۴۔ ابن الصلاح، ۳۵۵؛ تدریب، ۴۷۷

۵۔ مالک بن اوس بن الحدثان النصری الحجازی المدنی (م ۹۲ھ)۔ کبار صحابہ سے احادیث کا سماع کیا۔ طلب علم کے بعد شائقین علم کی ایک کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا اور احادیث روایت کیں۔ حضرت عمر کے ساتھ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر موجود تھے۔ فصیح و بلیغ تھے۔ ان کا شمار قلیل الروایہ میں ہوتا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۴/۱/۳۰۵؛ الجرح و التعدیل، ۴/۱/۲۰۳؛ شذرات الذھب، ۱/۹۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۴/۱۷۱

النصری (۱) وسالم مولی النصریین(۲). و سائر ما فیها علی هذه الصورة فهو بصری بالباء الموحدة. (۳)

صحیحین اور موطأ میں نون اور صاد مھملہ کے ساتھ النصری صرف تین شخص وارد ہوئے ہیں:

مالک بن اوس بن الحدثان النصری، عبدالواحد بن عبداللہ النصری اور سالم مولی النصریین۔

اسی خطی صورت کے باقی تمام باء موحدہ کے ساتھ البصری ہیں۔

حافظ عراقی اسے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں سے پہلا نون اور صاد مھملہ کے ساتھ النصری ہے اور اس کے تحت تین نام آتے ہیں: پہلا سالم مولیٰ النصریین ہے اور وہ مالک بن اوس النصری، جس کا ذکر آگے آرہا ہے، کا مولیٰ ہے۔

مسلم نے اس کی روایت لی ہے اور سالم کے والد کا نام عبداللہ ہے۔ عبدالغنی بن سعید نے ایضاح الاشکال میں کہا ہے: سالم ابوعبداللہ المدینی، مولیٰ مالک بن اوس ہیں وہی سالم مولی النصریین ہیں وہی سالم مولی المھریین ہیں اور وہ سالم سبلان اور وہی سالم مولی شداد ہیں جن سے ابوسلمہ عبدالرحمٰن نے روایت کی اور وہی ابوعبداللہ ہیں جن سے بکیر بن الاشج نے روایت کی۔ اور یہ مذکور ہے کہ وہ بڑے شیخ تھے اور وہ سالم ابوعبداللہ الدوسی ہیں اور وہی سالم مولی دوس ہیں۔ صاحب المشارق کہتے ہیں کہ العذری کے ہاں ضاد معجمہ کے ساتھ النضریین واقع ہوا ہے اور ان کے بقول یہ وہم ہے دوسرے عبدالواحد بن عبداللہ النصری ہیں۔ صحیح بخاری میں واثلہ بن الاسقع سے ایک حدیث مروی ہے۔ تیسرے مالک بن اوس الحدثان النصری ہیں جو مخضرم ہیں لیکن ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ان کی حدیث موطأ اور صحیحین میں وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ نون کے ساتھ النصری ان تین کے علاوہ نہیں آئے ہیں (۴) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ اوس بن الحدثان بغیر نسبت کے صحیح مسلم کے کتاب الصیام میں وارد ہوا ہے (۵) اور باء موحدہ کے ساتھ البصری کتب ثلاثہ میں مذکور ہوا ہے اور البصری باء کے فتح اور کسرہ کے ساتھ منقول ہے لیکن مکسور پڑھنا زیادہ فصیح ہے۔ (۶)

۱- عبدالواحد بن عبداللہ النصری ابوبشر الدمشقی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے والد کو صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ ثقہ محدث تھے۔ مدینہ کے گورنر رہے۔ قاسم بن ابی بکر اور سالم بن عبداللہ سے معاملات میں مشورہ کرتے۔ پرہیزگار اور صالح تھے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/۵۵؛ تہذیب التہذیب، ۶/ ۳۸۱

۲- سالم مولی النصریین (م ۱۱۰ھ)۔ کبار صحابہ سے روایت کیا۔ حضرت عائشہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ان کی امانت و دیانت سے بہت متاثر تھیں۔ ابن حبان نے ثقہ کہا۔ التاریخ الکبیر ۲/ii/۱۰۹؛ کتاب الثقات، ۴/۳۰۷؛ تہذیب التہذیب، ۳/ ۳۸۱

۳- ابن الصلاح، ۳۵۲

۴- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۱۳

۵- ایضاً، ۴/۴۱۳

۶- ایضاً، ۴/۴۱۳

التّوزی والثّوری

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

لیس فیھا التوزی بفتح التاء المثناۃ من فوق و الواو المشددۃ المفتوحۃ والزای الا ابو یعلیٰ التوزی محمد بن الصلت (۱) فی کتاب البخاری فی باب الردۃ (۲) ومن عداہ فھو الثوری بالثاء المثلثۃ ومنھم ابو یعلیٰ منذر بن یعلیٰ الثوری (۳) خرجاعنہ. (۴)

تاء کے فتح اور واؤ مشددہ مفتوحہ اور زاء کے ساتھ التوزی صرف ایک ہیں اور وہ محمد بن الصلت ہیں جو بخاری کے باب الردہ میں وارد ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ سب ثاء مثلثہ کے ساتھ الثوری ہیں۔ ان میں ابویعلی منذر بن یعلی الثوری ہیں۔ بخاری اور مسلم دونوں نے ان کی روایت نقل کی ہے۔

حافظ عراقی نے توّزی کے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

التّوزی اصلہ من توز من بلاد فارس و یقال التوج بالجیم، سکن البصرۃ روی عنہ البخاری فی کتاب الردۃ حدیث العرنیین و لیس فیھا التوزی غیرہ (۵)

التوزی کا اصل بلاد فارس کے قریہ توز سے ہے اور اسے التوج بھی کہا جاتا ہے۔ بصرہ میں سکونت پذیر رہے۔ بخاری نے کتاب الردۃ کی حدیث العرنیین، ان سے روایت کی ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور توزی نہیں۔

حافظ عراقی مزید لکھتے ہیں:

۱- ابویعلی محمد بن الصلت التوزی البصری (م ۲۲۸ھ)۔ فارس کے علاقے توز سے تعلق تھا۔ اجل محدثین سے استفادہ کیا۔ بخاری ونسائی نے بواسطہ الذہلی روایت کیا۔ ابن حبان اور ابوحاتم نے صدوق ثقہ قرار دیا۔ حافظ عمدہ تھا لیکن کبھی کبھی وہم کا شکار بھی ہوجاتے تھے۔ التاریخ الکبیر، ۱/ا/۱۱۸؛ تہذیب التہذیب، ۹ / ۲۰۰

۲- بخاری، الجامع، کتاب الردۃ، باب لم یحسم النبی المحاربین من اھل الردۃ حتی ھلکوا، ۸ / ۱۹

۳- ابویعلی منذر بن یعلی الثوری الکوفی۔ ناقدین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ کم احادیث روایت کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۴/ا/۳۵۷؛ تہذیب التہذیب، ۱۰ / ۲۷۱

۴- ابن الصلاح، ۳۵۶؛ تدریب، ۴۷۷

۵- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۴

والثاني بفتح المثلثة وسكون الواو بعدها راء مهملة وهو من عدا محمد بن الصلت المذكور منهم ابو يعلى الثوري (۱) ؛ قال صاحب المشارق؛ و هو يلتبس بالمذكور اولا يريد من حيث اتفاق كنيتهما ايضاً، واسم ابى يعلى هذا منذر بن يعلى حديثه في الصحيحين. (۲)

اور دوسرے ثاء مثلثہ کے فتح، واو کے سکون اور اس کے بعد راء مہملہ کے ساتھ الثوری ہے اور یہ مذکورہ محمد بن الصلت کے علاوہ ہیں۔ ان میں ابو یعلی الثوری ہیں۔ صاحب المشارق کہتے ہیں کہ وہ محمد بن الصلت سے ملتبس ہوتے ہیں کیونکہ دونوں کی کنیت ایک ہے اور ابو یعلی کا نام منذر بن یعلی ہے اور ان کی حدیث صحیحین میں مذکور ہے۔

الجُريری و الحَريری

سعيد الجريري (۳) و عباس الجريري (۴) والجويري غير مسمى عن ابی نضرة هذا ما فيها من الجيم المضمومة و فيها الحريري بالحاء المهملة يحيى بن بشر (۵) شيخ البخاري و مسلم. (۶)

سعید الجریری، عباس الجریری اور بغیر نام کے ابو نضرہ الجویری وہ نام ہیں جو جیم مضمومہ کے ساتھ آئے ہیں۔ اس میں حاء مہملہ کے الحریری یحیٰ بن بشر ہیں جو بخاری و مسلم کے شیخ ہیں۔

حافظ عراقی قدرے توضیح کے ساتھ لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

۱- دیکھیے صفحہ ۳۴۵، حاشیہ ۳

۲- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۲۱۴؛ تدریب، ۴۷۱

۳- سعید بن ایاس الجریری، ابو مسعود البصری (م ۱۴۴ھ)۔ ثقہ تھے لیکن وفات سے تین برس پہلے اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ پانچویں طبقے سے ہیں۔ التاریخ الکبیر، ۲/i / ۴۵۶؛ تقریب التہذیب، ۱ / ۲۹۱؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱ / ۱۵۵

۴- عباس بن فروخ الجریری ابو محمد البصری (م ۱۲۰ھ)۔ اپنے وقت کے اجل محدثین مثلاً ابو عثمان النہدی، حسن بصری، عمرو بن شعیب سے سماع کیا۔ اصمعی کے راوی تھے۔ حدیث کے علاوہ لغت اور ادب کے ماہر بھی تھے۔ ناقدین نے ثقہ کہا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۵ / ۱۱۲ — ۱۱۳

۵- یحیٰ بن بشر بن کثیر الحریری الاسدی ابو زکریا الکوفی (۲۲۷ھ)۔ معاویہ بن سلام، معروف ابو الخطاب، سعید بن بشر اور دیگر لوگوں سے روایت کی اور ان سے مسلم اور عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی وغیرہ نے روایت کی۔ صالح بن محمد کے بقول وہ صدوق ہیں اور دار قطنی نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ الجرح و التعدیل، ۴/ ii / ۱۳۱؛ تہذیب التہذیب، ۱۱/ ۱۹۶؛ سیر أعلام النبلاء، ۱۰/ ۶۴۷

۶- ابن الصلاح، ۳۵۶؛ تدریب، ۴۷۷

الأول بضم الجيم و فتح الراء و سكون الياء المثناة من تحت بعدها راء ايضاً نسبة الى جرير مصغراً و هو جرير بن عباد بضم العين وتخفيف الموحدة و هو عباس بن فروخ الجريرى (١) حديثه فى الصحيحين و سعيد بن اياس الجريرى حديثه فى الصحيحين ايضاً.

وكذا اذا ورد فى الصحيحين الجريرى غير مسمى عن أبى نضرة فالمراد به سعيد، هكذا اقتصر ابن الصلاح تبعا لصاحب المشارق على الجريرى غير مسمى عن أبى نضرة (٢) و قد وردفى الصحيح غير مسمى فى غير روايته عن ابى نضره فى غير ما موضع منها فى مسلم فى الكسوف عن الجزيرى عن حيان بن عمير وغير ذلك. (٣) و هكذا اقتصر ايضاً تبعاً لصاحب المشارق على ما فيها من الجريرى بضم الجيم و زاد الجيانى (٤) فى التقييد حيان بن عمير الجريرى له عند مسلم حديث واحد فى الكسوف (٥) وأبان بن ثعلب الجريرى مولاهم روى له مسلم ايضاً وحده. قلت: ولم استدرك هذين الإسمين على ابن الصلاح لأ نهما و إن كانا فى كتاب مسلم فهما باسميهما غير منسوبين. (٦)

پہلا جیم کے ضمہ، راء کے فتحہ اور نیچے دو نقطوں والی یاء کے سکون کے ساتھ جس کے بعد بھی را ہے۔ جریر مصغر کی طرف نسبت ہے اور وہ جریر بن عباد بضم العین و تخفیف الباء، عباس بن فروخ الجریری جس کی حدیث صحیحین میں ہے اور سعید بن ایاس الجریری اس کی حدیث بھی صحیحین میں ہے۔ اسی طرح اگر صحیحین میں بغیر نام کے الجریری ابی نضرہ سے روایت کرتے

۱- فروخ فاء کے فتحہ، راء مشددہ اور آخر میں خاء معجمہ کے ساتھ۔ (تقریب التہذیب، ۱ / ۳۹۸): عباس بن فروخ الجریری، ابو محمد المصری (م ۱۲۰ھ) ابو عثمان النہدی، حسن بصری وغیرہ سے روایت کیا۔ ثقہ راوی تھے۔ تہذیب التہذیب، ۱۱۲/۵

۲- ابن الصلاح، ۳۵۲

۳- مسلم، الجامع، کتاب الکسوف، باب ذکر النداء لصلوٰۃ الکسوف، ۳ / ۳۵

۴- الجیانی سے مراد قاضی عیاض کے شیخ ہیں۔

۵- مسلم، الجامع، کتاب الکسوف، باب ذکر النداء بصلوٰۃ الکسوف، ۳ / ۳۶

۶- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۴۱۴ – ۴۱۵

ہیں تو اس سے مراد سعید ہیں۔ اسی طرح ابن الصلاح نے صاحب المشارق کی متابعت میں ابونضرہ کے بغیر نام کے راوی الجریری پر انحصار کیا ہے حالانکہ بغیر نام کے ابونضرہ سے اس کی روایت کے علاوہ دوسرے مقام پر مسلم کی کتاب الکسوف میں الجریری عن حیان بن عمیر وغیرہ مذکور ہے۔ اسی طرح اس نے جیم کے ضمہ کے ساتھ الجریری پر صاحب المشارق کی متابعت میں انحصار کیا ہے۔ الجیانی نے تقیید میں حیان بن عمیر الجریری جس کی ایک حدیث مسلم میں ہے اور ابان بن تغلب الجریری مولاھم، جس کی روایت بھی مسلم نے نقل کی ہے، کا اضافہ کیا ہے۔ حافظ عراقی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ میں نے ابن الصلاح پر ان ناموں کا اضافہ نہیں کیا کیونکہ یہ اگرچہ مسلم میں ہیں لیکن بغیر نسبت کے مذکور ہیں۔

الحریری کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ عراقی، ابن الصلاح کے بیان کا تجزیہ کرتے ہیں:

حاء مہملہ کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ الحریری ہے جیسے یحییٰ بن بشر الحریری جن کی روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے اور ابن الصلاح کا یہ قول کہ وہ بخاری اور مسلم کے شیخ ہیں (۱) دراصل صاحب المشارق کے اتباع میں ہے اور انھوں نے صاحب تقیید المھمل (۲) کی متابعت کی ہے۔ ان سے پہلے ابو عبداللہ حاکم نے یہی بات کہی ہے۔ انھوں نے یحییٰ بن بشر کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جو بخاری کے ہاں متفق علیہ ہیں۔ اسی طرح الکلاباذی نے ان کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جن کی تخریج بخاری نے کی ہے، حالانکہ ان سب حضرات نے کوئی ثبوت نہیں لکھا۔ بخاری نے ان کی کوئی حدیث نقل نہیں کی انھوں نے یحییٰ بن بشر البلخی (۳) کی حدیث نقل کی ہے اور الجیانی اور الکلاباذی نے ان دونوں ناموں کو ایک سمجھا ہے اور یہ ان کا اور ان کی متابعت کرنے والوں کا وہم ہے۔ یہ دونوں اشخاص میں اپنے شہروں اور اپنی وفات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ جن لوگوں نے ان دونوں کے درمیان امتیاز قائم رکھا ہے ان میں ابن ابی حاتم نے الجرح و التعدیل میں اور خطیب نے المتفق و المفترق میں اور اس کی تصدیق حافظ المزی نے تھذیب میں کی ہے۔ میں نے ابن الصلاح پر جو کچھ جمع کیا ہے، اس میں اس کی وضاحت کر دی ہے (۴)۔ ابن الصلاح نے الجریری والحریری پر اکتفا کیا ہے جب کہ الجیانی نے تقیید المھمل میں جیم کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ الجریری کا اضافہ کیا ہے اور وہ یحییٰ بن ایوب الجریری ہیں جو جریر بن عبداللہ البجلی کی اولاد میں سے ہیں۔ الجیانی کہتے ہیں۔

۱- ابن الصلاح، ۳۵۶

۲- اس سے مراد قاضی عیاض کے شیخ الجیانی ہیں۔

۳- یحییٰ بن بشر البلخی ابو زکریا الفلاس الزاھد (م ۲۰۲ھ)۔ الولید بن مسلم، وکیع، روح بن عبادہ وغیرہم سے سماع کیا۔ بخاری نے ان سے سماع کیا ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ تھذیب التھذیب، ۱۱/ ۱۸۷

۴- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۱۵؛ تدریب، ۴۷۸

بخاری نے ان سے استشہاد کرتے ہوئے کتاب الادب کے آغاز میں ان کا ذکر کیا ہے۔اسی طرح صاحب المشارق نے کہا کہ بخاری میں جیم کے فتحہ کے ساتھ یحییٰ بن ایوب الجریری ہیں جن کا ذکر بخاری کے کتاب الادب (۱) میں ہے۔

حافظ عراقی کہتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ میں نے ابن الصلاح پر استدراک نہیں کیا کیونکہ بخاری نے اس کی نسبت کا ذکر نہیں کیا۔اس نے صرف اس کا نام اور اس کے والد کا نام ذکر کیا ہے(۲)۔

ابن الصلاح نے حسب معمول اختصار کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

و فیھا الجریری بفتح الجیم یحیی بن ایوب الجریری فی کتاب البخاری من ولد جریر بن عبداللہ. (۳)

اور اس میں الجریری جیم کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے، مثلاً یحییٰ بن ایوب الجریری جو جریر بن عبداللہ کی اولاد میں سے ہیں۔

الجاری و الحارثی

حافظ ابن الصلاح نے اس کے تحت ایک اور نسبت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

الجاری فیھا بالجیم شخص واحد و ھو سعد منسوب الی الجار مرفأ السفن بساحل المدینة و من عداہ الحارثی بالحاء و الثاء. (۴)

الجاری جیم کے ساتھ صرف ایک شخص ہے اور وہ سعد الجاری ہے جو الجار یعنی ساحل مدینہ پر جہازوں کے لنگر انداز کی جگہ کی طرف منسوب ہے۔اس کے سواسب حاء اور ثاء کے ساتھ الحارثی ہیں۔

حافظ عراقی الحارثی والجاری کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

فالأول بالحاء المھملة وکسر الراء بعدھا ثاء مثلثة و ھو جمیع ما وقع من ذلک فی الصحیحین منھم أبو أمامة الحارثی (۵) صحابی لہ

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۱۵؛ امام مسلم نے بغیر نسبت کے یحییٰ بن ایوب کا ذکر کیا ہے۔مسلم، الجامع، کتاب الایمان، باب و عیدمن اقتطع حق مسلم بیمین فاجرۃ ، ۱ / ۸۵

۲- فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۱۵؛ تدریب ، ۴۷۸

۳- ابن الصلاح ، ۳۵۶

۴- ایضاً، ۳۵۶

۵- ابو امامہ الأنصاری الحارثی (م ۱۰۰ھ)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض دوسرے صحابہ سے روایت کیا۔آپ ﷺ نے غزوہ بدر میں شرکت کی اجازت نہ دی کیونکہ والدہ بیمار تھیں۔تھذیب التھذیب ۱۲/۱۳؛ سیر ، ۳/ ۵۱۷

روایة عـند مسلم فی کتاب الایمان بکسر الهمزة فی حدیث (من اقتطع حق امری مسلم بیمینه)(۱) الحدیث. و الثانی الجاری بالجیم و بعد الراء یاء النسبة و هو سعید الجاری روی له مالك فی الموطا عن زید بن أسلم عن سعد الجاری مولیٰ عمر بن الخطاب (سألت ابن عمر عن الحیتان یقتل بعضها بعضًا(۲) ...... الحدیث.

قال صاحب المشارق ینسب الی جده، وقال ابن الصلاح ؛ منسوب الی الجار مرفأ السفن بساحل المدینة (۳) والمرفأ بضم المیم وسکون الراء وفتح الفاء مهموز مقصور، قال الجوهری؛ أرفات السفینة قربتها من الشط، و قال و ذلك الموضع مرفأ، وقال الذهبی فی مشتبه النسبة، الجار موضع بالمدینة و ذکر ابو علی الجیانی فیمایشتبه بهذه المادة (الخارفی) بالخاء المعجمة و بالفاء مکان الثاء منهم عبدالله بن مرة الخارفی (۴) و قد لا یلبس. (۵)

ان میں سے پہلا حاء مہملہ راء کے کسرہ جس کے بعد ثاء مثلثہ ہے، کے ساتھ الحارثی ہے اور یہی نسبت صحیحین میں وارد ہوئی ہے انہی میں سے ابوامامہ الحارثی صحابی ہیں۔ان کی روایت مسلم کی کتاب الایمان میں ہے جس کے الفاظ ہیں: من اقتطع حق امری مسلم بیمینه الحدیث. دوسرے الجاری جیم اور راء کے بعد یاء نسبت کے ساتھ اور وہ سعید الجاری ہیں۔امام مالک نے الموطا میں زید ابن اسلم کے ذریعہ سعید الجاری مولی عمر بن الخطاب سے روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں: سالت ابن عمر عن الحیتان یقتل

۱- حدیث کے الفاظ ہیں: من اقتطع حق امری مسلم بیمینه ، فقد اوجب الله له النار و حرم علیه الجنة. فقال رجل وان کان شیئاً یسیرا یا رسول الله ﷺ؟ قال :وان کان قضیباً من أراك ، مسلم ، کتاب الایمان،باب و عید من اقتطع حق مسلم بیمین، ۸۵/۱؛ الموطّا، کتاب الأقضیة، باب ماجاء فی الحنث علی المنبر ،۴۷۷

۲- الموطأ، کتاب الصید، ماجاء فی صید البحر، اس اثر کے الفاظ ہیں: سالت عبدالله بن عمر عن الحیتان یقتل بعضها بعضاً او تموت سرداً. فقال :لیس بها باس. قال سعد :ثم سالت عبدالله بن عمرو بن العاص، فقال مثل ذلك،۳۱۰-۳۱۱

۳- ابن الصلاح ، ۳۵۶

۴- عبداللہ بن مرہ الخارفی الھمدانی (م ۱۰۰ھ)۔کوفہ کے ثقہ محدثین میں شمار ہوتے تھے۔تقریب،۴۴۹/۱

۵- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۲۴۱، حافظ عراقی نے التقیید میں اس موضوع پر زیادہ مفصل بات کی ہے۔التقیید، ۳۵۴-۳۵۵

بعضها بعضاً۔ صاحب **المشارق** کہتے ہیں اس کی نسبت اپنے دادا کی طرف ہے اور ابن الصلاح کا کہنا ہے کہ الجار کی طرف منسوب ہیں جن کے معنی مدینہ کے قریب جہازوں کی بندرگاہ ہیں۔ اور **المرفا** میم کے ضمہ راء کے سکون اور فاء کے فتح کے ساتھ مہموز ہے۔ الجوہری کہتے ہیں **أرفات السفينة** کے معنی ہیں جہاز کو کنارے کے قریب لیا اور کہا کہ اس جگہ کو مرفا کہتے ہیں۔ علامہ ذہبی **مشتبہ النسبة** میں کہتے ہیں کہ **الجار** مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ابوعلی الجیانی نے اس مادہ میں اشتباہ کے سلسلے میں خاء معجمہ اور فاء بجائے ثاء کے ذکر کیا ہے۔ ان میں عبداللہ بن مرہ الخارفی ہیں حالانکہ اس میں التباس کا امکان نہیں۔

الحزامی و الحرامی

حافظ ابن الصلاح نے صرف الحزامی کو درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

الحزامی حيث و قع فيها فهو بالزای غير المهملة. (۱)

الحزامی جیسا کہ واقع ہوا ہے وہ زای غیر مہملہ کے ساتھ ہے۔

حافظ عراقی نے دونوں پر لکھا ہے اور قدرے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فالأول بكسر الحاء المهملة و بالزای منهم ابراهيم بن المنذر الحزامی (۲) والضحاك بن عثمان الحزامی (۳) و غيرهما، و قال ابن الصلاح: انه حيث وقع فيها فهو بالزای غير المهملة (۴) انتهى، و قولی: "سوی من أبهما فاختلفوا (۵) هو من الزيادات على ابن الصلاح" ای سوی من وقع فی الصحيح و أبهم اسمه فلم يسم بل فيه فلان الحرامی فان فيه خلافاً و ذلك فی صحيح مسلم فی اواخر الكتاب فی حديث أبی اليسر (۶) قال: (كان لی علی فلان بن فلان الحزامی مال

۱۔ ابن الصلاح، ۳۵۷

۲۔ ابراہیم بن المنذر ابواسحاق القرشی الأسدی الحزامی المدنی (م ۲۳۶ھ)۔ اپنے وقت کے اجل محدثین سے حدیث کا سماع کیا۔ ناقدین نے انہیں ثقہ صدوق قرار دیا۔ التاریخ الکبیر، ۱/ ۱/ ۳۳۱؛ تاریخ بغداد، ۶/ ۱۷۹؛ میزان الاعتدال، ۱/ ۶۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/ ۶۸۹

۳۔ ضحاک بن عثمان ابوعثمان الاسدی الحزامی، طبقہ سابعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ثقہ محدث تھے۔ تقریب، ۱/ ۳۷۳

۴۔ ابن الصلاح / ۳۵۷

۵۔ یہ الفیہ کے شعر کا حصہ ہے: فتح المغیث، ۴ / ۴۱۵

و انسب حزاميا سوی من ابهما فاختلفوا والحارثی لهما

۶۔ مسلم، الجامع، کتاب الزهد، باب حديث جابر الطويل وقصة ابی اليسر، ۸/ ۲۳۱

فـأتيـتُ أهـلـه) الحديث فقد اختلفوا فى ضبط هذه النسبة فرواه أكثر الرواة كـمـا قـال الـقـاضـى عيـاض بحاء مهملة مفتوحة وراء، وعند الـطـبـرى الحزامى بكسرها و بالزاى، و عند ابن ما هان الجذامى بضم الـجـيـم و ذال معجمة. وقال ابن الصلاح فى حاشية املاها على كتابه: لا يـرد هـذا لأن الـمـراد بكلامنا المذكور ما وقع من ذلك فى انساب الرواة ، و كـذا قـال الـنـووى فـى كـتـاب الارشاد و هذا ليـس بجيد. لأن ابـن الـصـلاح و تبعه النووى ذكرا فى هذا القسم غير واحد ليس لهـم فـى الـصـحـيـح ولا فـى الـمـوطّـأ رواية بل مجرد ذكر كما تقدم إيـضـاحـه فـى هـذا الـفـصـل فـلـذلك استثنيته . والثانى بفتح الحاء الـمـهـمـلة والـراء وهـو فـلان بـن فـلان الـحـرامى المتقدم على رواية الأكثريـن وعد أبو على الجيانى فى هذا القسم من ينسب الى بنى حرام من الانـصـار مـنـهـم جـابـر بـن عبـدالله بن عمرو بن حزم الحرامى (۱) وجـمـاعة سواهم ، كذا ذكر ابو على و فيه نظر فانى لا أعلم فى واحد مـن الـصـحـيـحين ورود هذه النسبة عند ذكره وانما تذكر اسماءهم غير منسوبة فلذلك لم أستدركه على ابن الصلاح ، وقد ذكر صاحب الـمـشـارق فيـمـا يشتبه بهـذه المادة (الجذامى) بضم الجيم و بالذال الـمـعـجـمة فذكر فروة بـن نـعـامة الـجـذامى (۲) و هو الذى اهدى النبى ﷺ بغلة و قد لا يلبس فلهذا لم أذكره. (۳)

پہلا حاء مہملہ کے کسرہ اور زائ کے ساتھ ہے۔ ان میں ابراہیم بن منذر الحزامی اور ضحاک بن عثمان الحزامی وغیرہما ہیں۔ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ یہ جیسے بھی واقع ہوا ہے زائ کے ساتھ ہے اور میں نے جو کہا ہے کہ اس کے سوا جو بھی مبہم واقع ہوا ہے اس میں اختلاف ہے۔

۱- جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حزم الخزرجی، المدنی (م ۷۸ھ)۔ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بیعت رضوان میں شریک تھے۔ اپنے وقت میں مدینہ کے مفتی رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سولہ غزوات میں شریک رہے۔
التاريخ الكبير، ۱/أ/ ۲۰۷؛ تذكرة الحفاظ، ۱/ ۴۰؛ تهذيب ، ۲/ ۴۲؛ سير أعلام النبلاء، ۳/ ۱۸۹

۲- فروہ بن نعامہ الجذامی: كتاب المعرفة میں اس کے ہدیہ کا ذکر ہے۔ (۲/۷۴۲)

۳- فتح المغيث للعراقى، ۴/ ۲۱۵— ۲۱۹

یہ ابن الصلاح پر اضافہ ہے یعنی اس کے سوا جو صحیحین میں واقع ہوا ہے اس کے نام میں ابہام ہے۔ اس کا نام نہیں لیا گیا بلکہ یہ کہا گیا فلان الحرامی تو اس میں اختلاف ہے۔ صحیح مسلم کے اواخر میں ابوالیسر کی روایت میں ہے۔ فلان بن فلان الحرامی کے ذمہ کچھ مال تھا تو میں اس کے گھر گیا۔ انھوں نے اس نسبت کے ضبط میں اختلاف کیا اور جیسا کہ قاضی عیاض نے کہا ہے اکثر راویوں نے اسے حاء مہملہ مفتوحہ اور راء کے ساتھ الحرامی روایت کیا ہے لیکن طبری کے نزدیک حاء کے کسرہ اور زای کے ساتھ الحزامی ہے۔ ابن ماهان کے نزدیک جیم کے ضمہ اور ذال معجمہ کے ساتھ ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یہ وارد نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے مذکورہ کلام سے مراد وہ ہے جو راویوں کی نسبتوں کے سلسلے میں واقع ہوا ہے اور امام نووی نے یہی بات الارشاد میں کہی ہے۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ یہ اچھی بات نہیں ہے کیونکہ ابن الصلاح اور ان کی متابعت میں امام نووی نے اس قسم میں کئی لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کی صحیحین اور موطا میں کوئی روایت نہیں بلکہ مجرد ذکر ہے جیسا کہ اس فصل میں پہلے گزر چکا ہے۔ اس لیے میں نے استثناء کیا ہے۔

دوسرا حاء مہملہ اور راء کے ساتھ جیسے اکثر راویوں کے مطابق فلان بن فلان الحرامی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ابوعلی الجیانی نے اس قسم میں ان کو شامل کیا جو انصار کے قبیلہ بنو حرام سے منسوب ہیں۔ ان میں جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حزم الحرامی اور دوسرے کئی لوگ شامل ہیں۔ اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے کیونکہ میرے علم کے مطابق صحیحین کا کوئی ایک راوی بھی نہیں جو اس نسبت سے مذکور ہو۔ ان کے صرف نام بغیر نسبت کے وارد ہوئے ہیں لہٰذا میں نے ابن الصلاح کے کلام کی تصحیح نہیں کی۔ صاحب المشارق نے اس مادہ میں اشتباہ کے سلسلے میں جیم کے ضمہ اور ذال معجمہ کے ساتھ الجذامی کا ذکر کیا ہے اور اس کی مثال کے لیے فروہ بن نعامہ الجذامی کا نام لیا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے حضور اکرم ﷺ کو مادہ خچر ہدیہ کی تھی۔ حافظ عراقی کہتے ہیں: چونکہ اس سے التباس نہیں پیدا ہوتا اس لیے میں نے اسے بیان نہیں کیا۔

السَلمی و السُلمی

حافظ ابن الصلاح اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

السلمی إذا جاء فی الأنصار فهو بفتح السین نسبة الی بنی سَلِمة

ومنهم جابر بن عبدالله (۱) و أبو قتادة (۲). ثم، ان أهل العربية يفتحون اللام منه في النسب كما في النَمَري و الصَدَفي و بابهما واكثر اهل الحديث يقولونه بكسر اللام على الاصل وهو لحن. (۳)

السلمی جب انصار کے سلسلے میں آئے تو وہ سین کے فتحہ سے ہوگا۔ یہ ان کے قبیلہ بنی سلمہ کی طرف نسبت ہے۔ ان میں جابر بن عبداللہ اور ابوقتادہ ہیں۔ عربی زبان کے ماہرین نسبت میں اسے لام کے فتحہ سے پڑھتے ہیں جیسے النمری، الصدفی اور اس جیسی نسبتیں۔ اکثر اہل حدیث اسے لام کے کسرہ سے پڑھتے ہیں لیکن عربیت کے لحاظ یہ غلطی ہے۔

امام نوویؒ نے السلمی کا تذکرہ کیا ہے جو بنی سُلیم کی طرف منسوب ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

و بضم السين و فتح اللام في النسبة الى بني سليم. (۴)

سین کے ضمہ اور لام کے فتحہ سے نسبت قبیلہ بنی سلیم کی طرف۔

حافظ عراقی نے اسے الگ قسم کے طور پر نہیں لکھا، البتہ التقیید میں نسبتوں کے ذکر میں حافظ ابن الصلاح کی وضاحت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

و هذا لا يحسن جواباً لأن المصنف و تبعه النوويّ في مختصر يه قد ذكرا في هذا القسم غير واحد ليس لهم في الصحيحين ولا في الموطّأ رواية بل مجرد ذكر منهم بنو عقيل و بنو سلمة القبيلة. (۵)

اور یہ اچھا جواب نہیں ہے اس لیے کہ مصنف اور ان کے اتباع میں نوویؒ اپنی دونوں مختصر کتابوں میں اس قسم میں کئی ایسی نسبتوں کا ذکر کیا ہے جن کی کوئی روایت صحیحین اور موطا میں نہیں ہے صرف ان کا ذکر آیا ہے جیسے بنوعُقیل اور بنوسلمہ کے قبیلے۔

الهمداني و الهمذاني

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

۱- دیکھیے صفحہ ۳۵۲، حاشیہ ۱

۲- ابوقتادہ الحارث بن ربعی الانصاری السلمی (م ۵۴ھ)۔ فارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ غزوہ احد اور بیعت رضوان میں شرکت کی۔ بقول خلیفہ بن خیاط حضرت علی نے انھیں مکہ کا گورنر مقرر کیا اور پھر معزول کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق کوفہ میں انتقال ہوا اور حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ التاریخ الکبیر، ۱/ ii/ ۲۵۹؛ الجرح والتعدیل، ۱/ ii/ ۷۴؛ سیر اعلام، ۲/ ۴۴۹

۳- ابن الصلاح، ۳۵۷

۴- تدریب، ۴۷۸

۵- التقیید، ۴۰۵

ليس في الصحيحين و الموطأ الهمذاني بالذال المنقوطة و جميع ما فيها على هذه الصورة فهو الهمداني بالدال المهملة و سكون الميم. وقد قال أبو نصر بن ماكولا: الهمداني في المتقدمين بسكون الميم أكثر و بفتح الميم في المتأخرين أكثر وهو كما قال. (۱)

صحیحین اور موطا میں ذال منقوطہ کے ساتھ الھمذانی نہیں آیا۔ اس صورت میں سب کچھ جو وارد ہوا ہے وہ دال مھملہ میم ساکن کے الھمدانی آیا ہے۔ ابونصر بن ماکولا نے کہا ہے کہ متقدمین کے ہاں میم ساکن کے ساتھ اور متاخرین کے ہاں میم کے فتح سے زیادہ آیا ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ ابن ماکولا نے جو کہا ہے ویسا ہی ہے۔

حافظ عراقی اس کی توضیح کرتے ہوئے مفصل لکھتے ہیں:

فالأول باسكان الميم و إهمال داله وهم المنسوبون إلى قبيلة همدان، وهو جميع ما في الموطأ والصحيحين . قال ابن الصلاح: و ليس فيها الهمذاني بالذال انمنقوطة.(۲) قال صاحب المشارق :لكن فيها من هو من مدينة همذان ببلاد الجبل الا أنه غير منسوب في شيء من هذه الكتب، قال: الا أن في البخاري، مسلم بن سالم الهمداني (۳) ضبطه الأصيلي بسكون الميم بخط يده وهو الصحيح، قال :ووجدته في بعض النسخ للنسفي بفتح الميم و ذال معجمة وهو وهم و انما نسبه نهدي و يعرف بالجهيني لأنه كان نازلاً فيهم. وهذاالاسم وقع عند البخاري في كتاب الانبياء في ذكر ابراهيم في حديث كعب بن عجرة (۴) (الا اهدىٰ لك هدية) (۵) و فيه حدثنا ابو فروة مسلم

۱- ابن الصلاح، ۳۵۷

۲- ایضاً، ۳۵۷

۳- مسلم بن سالم الھمدانی النھدی ابوفروۃ: کبار محدثین سے سماع کیا۔ شعبہ، سفیان ثوری، فطر بن خلیفہ وغیرہم نے ان سے سماع کیا۔ ابن معین اور ابوحاتم نے صالح الحدیث کہا جبکہ ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا۔ کتاب الثقات، ۳۹۵/۵؛ تهذيب التهذيب، ۱۱۸/۱۰؛ نسائی، السنن، كيف الصلاة على النبیؐ، ۴۷/۳؛ ابن ماجه، السنن، كتاب اقامة الصلوة، باب الصلوٰة على النبیﷺ، ۲۹۳/۱

۴- کعب بن عجرہ الانصاری المدنی، ابومحمد مشہور صحابی ہیں۔ ۹۰ سے اوپر عمر میں پچاس ہجری کے بعد وفات پائی۔ كتاب الثقات، ۳۵۱/۳؛ تهذيب التهذيب، ۱۳۵/۳

۵- بخاری، الجامع، كتاب الانبياء، ۱۱۸/۴؛ مسلم، الجامع، كتاب الصلوٰة، باب الصلوٰة على النبی بعد التشهد ۱۶/۲؛ نسائی السنن، كتاب الصلوٰة باب كيف الصلاة على النبیﷺ، ۴۷/۲؛ ابن ماجة، السنن، كتاب اقامة الصلوة، باب الصلاة على النبیﷺ، ۲۹۳/۱

بن سالم الهمدانی، قال الجیانی، واراه وهماً، قال احمد بن حنبل: ابوفروة الهمدانی اسمه عروة و ابو فروة النهدی اسمه مسلم بن سالم، قال: و کان ابن مهدی لا یفصل بین هذین . و هذا اللفظ فی الجملة وقع فی البخاری علی الوهم و لیس بهمدانی علی الرجهین معاً؛ وقد ذکر ابن ابی خیثمة حدیث البخاری هذا فقال فیه ابوفروة الجهنی وهو الصواب. (۱)

پہلا میم کے سکون اور دال مہملہ کے ساتھ ہے اور یہ قبیلہ ہمدان کی طرف منسوب ہے اور یہی سب کچھ ہے جو موطا اور صحیحین میں وارد ہوا ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ ذال منقوطہ کے ساتھ کوئی نام صحیحین میں نہیں ہے۔ صاحب المشارق کہتے ہیں کہ اس میں ایسے اسماء ہیں جو بلاد جبل کے شہر ہمدان کے رہنے والے ہیں لیکن ان کتابوں میں کسی طرح کی نسبت کے بغیر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بخاری میں مسلم بن سالم الھمدانی وارد ہوا ہے۔ الاصیلی نے اسے میم ساکن میں ضبط کیا ہے جو صحیح ہے۔ نسفی کے بعض نسخوں میں میم کے فتحہ اور ذال معجمہ سے منضبط کیا ہے اور یہ وہم ہے، فی الحقیقت اس کی نسبت نہدی ہے اور الجہنی کے طور پر معروف ہے کیونکہ ان کے ہاں مقیم تھا۔ یہ نام بخاری کے ہاں کتاب الانبیاء میں ابراہیمؑ کے ذکر میں کعب بن عجرہ کی حدیث الا اهدی لك میں واقع ہوا ہے اور اس میں ہے: **حدثنا ابو فروة مسلم بن سالم الهمدانی**۔ الجیانی کہتے ہیں کہ میں اسے وہم سمجھتا ہوں۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں: **ابو فروة الهمدانی اسمه عروة و ابو فروه النهدی اسمه مسلم بن سالم** فرماتے ہیں کہ ابن مہدی ان دونوں میں امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ اور بخاری میں یہ لفظ وہم کی بنا پر آیا ہے اور دونوں وجوہ پر معاً استعمال نہیں ہوا ہے۔ ابن ابی خیثمہ نے بخاری کی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں ابوفروہ الجہنی ہے اور یہی صحیح ہے۔

حافظ عراقی الھمذانی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میم کے فتحہ اور ذال معجمہ کے ساتھ الھمذانی ہے۔ ابوعلی الجیانی کہتے ہیں کہ ''ان میں ابواحمد المرار بن حمویہ الھمذانی (۲) ہے۔'' فرماتے ہیں کہ بخاری نے ابی غسان کے طریق سے ان سے کتاب الشروط میں روایت

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۲۱۶-۲۱۷؛ تدریب، ۴۷۹

۲- ابواحمد المرار بن حمویہ الھمذانی (م ۲۵۴ھ)۔ اپنے وقت کے اجل اہل علم سے استفادہ کیا۔ وسیع العلم تھے۔ حافظ بہترین تھا، ثقہ اور متدین تھے۔ صاحب سنت تھے، فقہ پر دسترس حاصل تھی۔ الجرح، ۴/۱/۳۴۴؛ العبر، ۲/ ۷؛ شذرات، ۲/۱۲۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/ ۳۰۸

درج کی ہے۔حافظ عراقی کہتے ہیں کہ بخاری کے تمام نسخوں میں اس کی نسبت مذکور نہیں ہے۔اکثر روایات میں **حدثنا ابو احمد** آیا ہے اور کنیت پر کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ابوذر کی روایت میں سند کے یہ الفاظ آئے ہیں: **حدثنا ابو احمد مرار بن حمویه** اور اس کے المرار بن حمویہ ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ موسیٰ بن ہارون الجمال نے یہ حدیث بخاری کی روایت کی طرح مرار بن حمویہ عن ابی غسان محمد بن یحییٰ کے طریق سے روایت کی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ابواحمد المرار سے مختلف آدمی ہے۔(۱)

علامہ ذہبی **مشتبه النسبة** میں کہتے ہیں کہ اکثر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اس قبیلے کی طرف منسوب ہیں اور اکثر متاخرین اس شہر کی طرف منسوب ہیں۔مزید کہتے ہیں کہ ان کا اور ان کا استیعاب ممکن نہیں۔حافظ عراقی کہتے ہیں کہ میں نے ذہبی کے نوشتہ میں پڑھا ہے کہ شیر دیہ یعنی ابن شہردار الدیلمی نے تاریخ ہمدان میں وہم کی بنیاد ایک کثیر تعداد کو قبیلہ کی طرف منسوب کر کے شامل کر لیا ہے۔حافظ عراقی نے اس سلسلے میں کئی ناموں کی تخریج کی ہے۔(۲)

ابن الصلاحؒ، عراقیؒ، نوویؒ اور سیوطیؒ نے انہی ناموں پر اکتفا کیا ہے۔حافظ ابن الصلاح اس فصل کے اختتام پر لکھتے ہیں:

> **هذه جملةٌ لو رحل الطالب فيها لكانت رحلةً رابحةً ان شاء الله تعالىٰ، ويحق على الحديثي إيداعها في سويداء قلبه، و في بعضها من خوف الانتقاض ما تقدم في الأسماء المفردة، وأنا في بعضها مقلد كتاب القاضي عياض و معتصم بالله فيه و في جميع أمري.** (۳)
>
> یہ ایک مجموعہ ہے اگر طالب اسی راہ پہ چلے گا تو ان شاء اللہ یہ سودمند سفر ہوگا اور حدیث کے طالب پر لازم ہے کہ وہ اسے مقدم الذکر اسماء مفردہ میں بعض کے معدوم ہونے کے خوف سے انھیں اپنے دل کی گہرائی میں محفوظ رکھے۔میں بعض اسماء کے سلسلے میں قاضی عیاض کی کتاب کا مقلد ہوں اور اس معاملے میں اور تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔

اہم تصانیف

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر صاحب نظر محدثین نے کتابیں لکھی ہیں۔ان پر ایک مختصر مفید تبصرہ حافظ عراقی نے لکھا ہے اور قدرے جامع انداز میں حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے۔دونوں بیانات میں معلومات مشترک ہیں البتہ دونوں مصنفوں نے اپنی اپنی تالیفات کا تذکرہ کیا ہے۔ہم پہلے حافظ عراقی کا بیان نقل کرتے ہیں:

۱- فتح المغيث للعراقی، ۴ / ۲۱۷

۲- فتح المغيث للعراقی، ۴ / ۲۱۷ - ۲۱۸

۳- ابن الصلاح، ۳۵۷

وصنف فيه جماعة من الحفاظ كتبا مفيدة وأول من صنف فيه عبدالغني (١) بن سعيد ثم شيخه الدار قطني، و قد تقدم، ان اكمل ما صنف فيه الا كمال لابي نصربن بن ماكولا (٢) و ذيل عليه الحافظ ابوبكر بن نقطة (٣) بذيل مفيد. ثم ذيل على ابن نقطة بذيلين صغيرين احدهما للحافظ جمال الدين بن الصابوني والآخر للحافظ منصور بن سليم المعروف با بن العمادية، و قد ذيل عليهما الحافظ علاؤ الدين مغلطائي بذيل كبير لكن أكثره أسماء شعراء و في أنساب العرب، و جمع فيه الحافظ أبو عبدالله الذهبي مجلداً سماه مشتبه النسبة و لكنه اجحف في الاختصار و اعتمد على ضبط القلم فلا يعتمد على كثير من نسخه، وقد فات جميع ما صنف فيه الفاظ كثيرة علقت منها جملة و ان يسر الله تعالىٰ جمعتها مع ما تقدم في مجموع و احد ليكون أسهل لتناولها إن شاء الله تعالىٰ. (۴)

حفاظ کی ایک جماعت نے اس فن میں مفید کتابیں تصنیف کی ہیں۔ سب سے پہلے جس شخص نے اس علم میں تصنیف پیش کی وہ عبدالغنی بن سعید ہیں، ان کے بعد ان کے شیخ دار قطنی نے لکھا۔ اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اس میں سب سے زیادہ مکمل تصنیف ابونصر بن ماکولا کی ہے۔ اس پر ابوبکر بن نقطہ نے مفید ذیل لکھی۔ پھر ابن نقطہ کی ذیل پر دو مختصر اور ذیل لکھی گئیں۔ ان میں سے ایک جمال الدین ابن الصابونی کی ہے اور دوسری حافظ منصور بن سلیم المعروف بابن العمادیہ کی ہے۔ اس پر حافظ علاؤ الدین مغلطائی نے بڑی ذیل لکھی لیکن اس کا بڑا حصہ

۱- عبدالغنی بن سعید ابومحمد الازدی المصری (م ۴۰۹ھ)۔ اپنے وقت کے حدیث میں امام تھے۔ بہترین حافظہ کے مالک ثقہ، مامون اور متدین تھے۔ کئی کتب تالیف کیں۔ وفیات، ۳ / ۲۲۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳ / ۱۰۴۷؛ شذرات، ۸۸/۳؛ سیر اعلام، ۱۷/ ۲۶۸

۲- ابونصر بن ماکولا، علی بن ہبۃ اللہ (م ۴۷۵ھ)۔ فنون حدیث میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ بہترین ناقد و نسب کے ماہر تھے۔ کئی اہم کتب کے مؤلف تھے۔ علماء کے گھروں پر جا کر سماع کرتے۔ طلب علم کے لیے سفر بھی کیے۔ حدیث میں مہارت کے ساتھ ادب پر بھی دسترس حاصل تھی۔ وفیات، ۳ / ۳۰۵؛ شذرات الذهب، ۳ / ۳۸۱؛ سیر اعلام، ۱۸/ ۵۶۹

۳- ابوبکر بن نقطہ، محمد بن عبدالغنی البغدادی الحنبلی (م ۶۲۹ھ)۔ ثقہ اور متقن محدث تھے۔ عفت و دیانت کا پیکر تھے۔ کئی کتب تالیف کیں۔ وفیات الأعیان، ۴ / ۳۹۲؛ شذرات، ۵ / ۱۳۳؛ سیر اعلام، ۲۲/ ۳۴۷

۴- فتح المغیث، ۴ / ۳۹۱؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲۲۱/۴-۲۲۲

شعراء کے اسماء اور انساب العرب پر مشتمل ہے۔ حافظ ابو عبداللہ الذہبی نے اس موضوع پر ایک جلد لکھی جس کو مشتبہ النسبہ کا نام دیا لیکن وہ اختصار کی طرف مائل رہے اور قلم کے ضبط پر اعتماد کیا۔ لہٰذا اس کے زیادہ نسخوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اور جو لکھا گیا ان میں بہت سے ناموں کو چھوڑ دیا۔ ان میں سے کچھ پر میں نے تعلیق کی ہے اگر اللہ نے سہولت میسر کی تو میں نے ایک مجموعہ میں وہ سب کچھ جمع کر دیا ہے جو پہلے لکھا جا چکا ہے تا کہ اس کا حصول آسان ہو۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کے متعلق ابو احمد عسکری نے ایک کتاب لکھی لیکن اسے اپنی تصنیف التصحیف کے ساتھ ضم کر دیا۔ اس لیے عبدالغنی بن سعید نے ایک مستقل کتاب لکھی۔ اس کتاب کے انھوں نے دو حصے قرار دیے ایک حصہ میں مشتبہ الاسماء ذکر کیے اور دوسرے میں مشتبہ النسبہ۔ عبدالغنی کے شیخ دار قطنی نے بھی اس کے متعلق ایک جامع کتاب لکھی پھر خطیب نے اس کا تکملہ لکھا۔ پھر ان تمام کتب کو ابو نصر ماکولا نے اپنی کتاب کتاب الاکمال میں جمع کر دیا اور اس مستقل کتاب میں پچھلے مصنفین کے فروگذاشتہ امور کا ذکر کیا اور ان کے تمام اوہام کو بھی نہایت وضاحت سے بیان کیا۔ ابو نصر کی تالیف چونکہ تمام سابقہ کتابوں پر محیط تھی اس لیے ان کے بعد آنے والے محدثین کا اس پر اعتماد رہا۔ ابو نصر کی کتاب سے پہلے جو امور رہ گئے تھے یا ان کے بعد واقع ہوئے ان کی تلافی ابو بکر بن نقطہ نے ایک ضخیم جلد میں کر دی پھر منصور بن سلیم اور ابو حامد بن صابونی نے اس کا تکملہ لکھا۔ علامہ ذہبی نے بھی اس کے متعلق ایک نہایت مختصر کتاب لکھی مگر حرکات و سکنات اور نقاط کا ضبط صرف علامات سے کیا گیا تھا اس لیے اس میں بکثرت تصحیف اور غلطیاں ہو گئیں جو موضوع کتاب کے خلاف ہے۔ مگر میں نے بتوفیق باری تعالیٰ اپنی کتاب مسمی بتبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ میں اس کی توضیح کر دی اور عمدہ طریقے سے اسماء وغیرہ کو حروف سے منضبط کر دیا اور جو امور ذہبیؒ نے نظر انداز کیے یا جن پر ان کو اطلاع نہیں ہوئی ان کو بھی اس کے ساتھ ضم کر دیا۔ وللہ الحمد علی ذلک۔(۱)

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس فن کی تین اہم کتابیں طلبہ حدیث کے سامنے ہیں:

۱۔ الاکمال فی رفع عارض الارتیاب عن المؤتلف والمختلف فی الاسماء والکنی والانساب

یہ کتاب جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ابن ماکولا ابی نصر علی بن ہبۃ اللہ بن علی التمیمی البغدادی (م ۴۷۵ھ) کی ہے۔ انھوں نے خطیب بغدادی، دار قطنی اور عبدالغنی سعید الازدی کی تالیفات میں جو اشکالات اور کمی تھی اس کو دور کیا۔ وہ کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

۱۔ نزہۃ النظر، ۶۸

آثرت ان اعمل فی هذا الفن کتاباً جامعاً لما فی کتبهم وما شذ عنها وأسقط مالا یقع الإشکال فیه مما ذکروه، وأذکرما وهم فیه أحدهم علی الصحة. (۱)

میں نے پختہ ارادہ کیا کہ میں اس فن میں ایک ایسی کتاب لکھوں جو پہلی کتابوں میں موجود اور متروک کی جامع ہو اوران مذکورہ اسماء کو چھوڑ دوں جن میں اشکال نہیں ہے۔ نیز ان کو صحیح طور پر ذکر کروں جن کے بارے میں کسی ایک کو بھی وہم ہوا ہے۔

انھوں نے کتاب کو حروف معجم کے مطابق مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب ضبط اسماء کے ساتھ معجم رجال بھی ہے۔ اہل علم نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور تعریف کی۔ ابن خلکان کا کہنا ہے:

هو فی غایة الافادة فی رفع الإلتباس والضبط والتقیید وعلیه أعتماد المحدثین ... فانه لم یوضع مثله. (۲)

ابن العماد کہتے ہیں: مایحتاج الأمیر مع هذا الکتاب إلی فضیلة أخری. (۳)

ابن کثیر فرماتے ہیں:

خطیب نے دارقطنی کی المؤتلف والمختلف اور عبدالغنی ازدی کی مشتبه النسبة کو سامنے رکھ کر المؤتنف فی تکملة المؤتلف والمختلف تحریر کی (۴)۔ ابن ماکولا نے اس پر مفید اضافے کرکے الاکمال کے نام سے کتاب تحریر کی۔ اس فن پر اس طرح کی کتاب نہ پہلے لکھی گئی نہ بعد میں سوائے ابن نقطہ کے استدراک کے جو انھوں نے اس پر کیا ہے۔ (۵)

ذہبی کہتے ہیں: کتاب نفیس یدل علیٰ تبحر ابن ماکولا و امامته (۶)

الکتانی لکھتے ہیں:

یہ کتاب علامہ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی یمانی کی تحقیق سے حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ ابن ماکولا نے اپنی اس کتاب کی تکمیل تهذیب مستمر الأوهام علیٰ ذوی المعرفة و اولی الافهام لکھ کر کی۔ یہ بھی شائع ہو چکی ہے۔

۱- الاکمال، ۲/۱/۱

۲- وفیات الاعیان، ۳۴۲/۲؛ الرسالة، ۹۷

۳- شذرات، ۳۸۲-۳۸۱/۳؛ الرسالة، ۹۷

۴- سیر اعلام، ۲۹۱/۱۸، حاشیة، ۸؛ ۵۷۴/۱۸؛ الرسالة المستطرفة، ۹۷.

۵- البدایه والنهایه، ۵۹۶-۵۹۵/۱۲؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲۴۲-۲۴۱/۴

۶- تذکرة الحفاظ، ۱۲۰۲/۴

اہل علم نے اس کتاب کی مختلف پہلوؤں سے خدمت کی۔ابوبکر محمد بن نقطہ (م ۶۲۹ھ) ایک ذیل مشتبہ الأسماء والنسب اور تکملۃ الاکمال کے عنوان سے ذیل تحریر کیے۔اس میں ابن ماکولا کی کتاب پر بعض استدراکات ہیں۔(۱)

ابن النجار البغدادی (م ۶۴۳ھ) نے بھی ایک ذیل لکھا۔(۲)

وجیہ الدین ابوالمظفر منصور بن سلیم الاسکندرانی (م ۶۷۳ھ) نے ابن نقطہ کے ذیل پر ایک ذیل مرتب کیا۔(۳)

ابوحامد محمد علی الصابونی (م ۶۸۰ھ) نے بھی ابن نقطہ کی مذکورہ بالا کتاب پر تکملۃ إکمال الاکمال تالیف کیا جو تراجم ابن نقطہ سے رہ گئے تھے یا ان کی وفات کے بعد سامنے آئے انھوں نے اس ذیل میں شامل کیے (۴)۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں راویان حدیث کے علاوہ مختلف اصناف کے افراد مثلاً شعراء، اطباء، وزراء، امراء، وغیرہ کو بھی شامل کیا۔لیکن غالب تعداد رواۃ حدیث کی ہے۔تکملہ إکمال الاکمال کی ترتیب حروف معجم پر ہے۔

علاء الدین مغلطائی (م ۷۶۲ھ) نے ایک ضخیم ذیل مرتب کیا جو مذکورہ بالا ذیول کا جامع ہے۔اس میں زیادہ تر شعراء اور انساب کا ذکر ہے۔(۵) ابوعبداللہ محمد بن محمود البخاری، مستغفری، ابن الفرضی وغیرہ نے بھی ذیول مرتب کیے۔(۶)

۲۔المشتبہ فی الرجال: اسمائھم وأنسابھم

اس کتاب کے مولف ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م ۷۴۸ھ) ہیں۔اسماء الرجال پر ان کی متعدد تالیفات ہیں۔اس کتاب کو انھوں نے مشتبہ راویوں کے لیے مختص کیا ہے۔کتاب کو حروف معجم پر مرتب کیا۔انھوں نے اپنی اس کتاب میں اس فن پر لکھی گئی ماقبل کتب سے استفادہ کیا، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ ماقبل کتب کا خلاصہ ہے۔(۷) مولف خود لکھتے ہیں إنّ العمدۃ فی مختصری ھذا علی ضبط القلم... فاتقن - یا أخي - نسختك، واعتمد علی الشکل، والنقط، ولابد، وإلّا، لم تصنع شیئاً(۸)۔

مؤلف نے کتاب میں کچھ اضافے بھی کیے ہیں۔مشتبہ اسماء انساب میں حروف کی حرکات وسکنات اور نقاط کا

۱- سیر أعلام، ۳۴۸/۲۲، فتح المغیث للسخاوی، ۲۴۲/۴؛ شذرات، ۱۳۴/۵؛ الرسالۃ، ۹۷

۲- سیر اعلام النبلاء، ۳۳/۲۳

۳- ایضاً، ۵۶۹/۱۸، حاشیۃ، ۴؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲۴۲/۴

۴- فتح المغیث للسخاوی، ۲۴۲/۴؛ الرسالۃ، ۹۷

۵- ایضاً، ۲۴۲/۴؛ ایضاً، ۹۸

۶- ایضاً، ۲۴۲/۴؛ ایضاً، ۹۸

۷- الرسالۃ، ۹۹

۸- المشتبہ، مقدمۃ، ۲/۱

ضبط علامات سے کیا ہے۔ جس کی وجہ سے اسماء کا اشتباہ دور نہیں ہو سکا۔ علاوہ ازیں کتاب نہایت مختصر ہے، لہٰذا محقق کو مطلوبہ مشتبہ راوی کتاب میں ملتا ہی نہیں یا وہ اس سے بآسانی استفادہ نہیں کر سکتا۔(۱)

ان کمزوریوں کے باوجود اس کتاب نے بعد میں اس موضوع پر لکھنے والوں کے لیے راہ کھولی، انھوں نے مختصر کی تفسیر بیان کی، جو راوی رہ گئے تھے ان کا ذکر کیا اور اسماء کو منضبط کیا۔

کتاب کی افادیت کے پیش نظر بعض اہل علم نے اس کی ذیول لکھے۔ امام ذہبی کے شاگرد تقی الدین محمد بن رافع سلامی (م۷۷۴ھ) نے ایک مختصر رسالے میں اس پر استدراک کیا۔(۲)

ذہبی کی کتاب پر مفید تعلیقات لکھے گئے۔ محمد بن ناصر الدین الدمشقی (م۸۴۲ھ) نے اپنی کتاب توضیح المتشبه فی اسماء الرجال میں ذہبی کی فروگذاشتوں کی تلافی کی۔ وہ نام کو حروف کے ذریعے پوری احتیاط سے ضبط کرتے ہیں اور رواۃ کے بارے میں معلومات میں اضافہ بھی کرتے ہیں۔ وہ ذہبی کے اوہام کی بڑے سلیقے اور منطقی انداز میں دلائل کے ساتھ تصحیح کرتے ہیں۔ اپنے ماخذ ومصادر اور ذہبی کے مصادر اور جن لوگوں نے وہم میں ذہبی کی پیروی کی اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔(۳)

ذہبی نے تراجم میں نسبتوں کو مطلق بیان کیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ یہ نسبت کس جد، قبیلے، شہر، پیشہ کی طرف ہے۔ ابن ناصر الدین نے اس کی تلافی بھی کی ہے۔ یہ کتاب مطبوع ہے۔

ابن ناصر الدین ہی نے ایک اور کتاب الاعلام بما وقع فی مشتبه الذهبی من الأوهام لکھی۔(۴) یہ کتاب ان کی درج بالا ضخیم کتاب کا اختصار ہے تا کہ استفادہ میں سہولت ہو۔ اس اختصار کا ایک اور پہلو مؤلف کے سامنے یہ تھا کہ مشتبہ راویوں کے ناموں کی وضاحت حروف سے منضبط کر دی جائے اور جو اوہام ہیں ان کو مختصراً بیان کر دیا جائے۔

۳۔ تبصیر المنتبه بتوضیح المشتبه

اس کتاب کے مؤلف حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) ہیں۔ کتاب کے آغاز میں وجہ تالیف کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذہبی کی کتاب المشتبه اس کی تحریر کا باعث بنی۔ کیونکہ ذہبی کی کتاب کئی پہلوؤں سے کمزور ہے، مثلاً انھوں نے مشتبہ ناموں کو حروف کے بجائے حرکات وعلامات سے ضبط کیا جس کی وجہ سے ضبط میں خلل

۱۔ الرسالة المستطرفة، ۹۹: خلیفہ کہتے ہیں اعتمد فیه علی ضبط القلم فکثر فیه الغلط والتحریف کشف الظنون، ۲/۱۶۹۱

۲۔ تبصیر المنتبه، مقدمه، ۱/۱۱؛ الرسالة، ۹۹؛ صلاح الدین المنجد کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے شائع ہوا۔

۳۔ کشف الظنون، ۲/۱۶۹۱؛ الرسالة، ۹۹

۴۔ الرسالة المستطرفة، ۹۹: یہ کتاب مکتبة العلوم والحکم سے شائع ہو چکی ہے۔

پڑ گیا، نیز انھوں نے کتاب کو نہایت مختصر کر دیا۔ ہر باب میں چند ناموں کا ذکر کرنے کے بعد بے شمار ناموں کو چھوڑ دیا۔ رواۃ کے حالات جو ان کی دیگر کتب میں تھے وہ بھی اس میں شامل نہ کیے (۱)۔

ابن حجر نے اپنی اس کتاب میں ذہبی کی کمزوریوں کی تلافی کرنے کی کوشش کی ہے۔ مشکل اسماء اور کلمات کو حروف کے ذریعے ضبط کیا، مشتبہ ناموں کی تفصیل بیان کی اور کچھ نئے تراجم بھی اس میں شامل کیے۔ وہ اپنی کتاب میں بڑی عمدگی سے زمانہ جاہلیت کے شہسواروں اور شعراء وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بقول ان کے یہ نام عموماً کتب مغازی، سیرت، نسب اور تاریخ کی کتب میں وارد ہوئے ہیں، لہٰذا ان ناموں کو ضبط کیا ہے۔ ذہبی کی عبارت پر اضافے کو قاری پر واضح کرنے کے لیے ابتدا میں قلت اور آخر میں انتھی کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

یہ اس فن پر جامع کتاب ہے۔ مشتبہ ناموں کے بارے میں شرح صدر ہو جاتا ہے۔ علی محمد بجاوی کی تحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۔ تبصیر المنتبہ، مقدمۃ، ۱/۱-۲؛ الرسالۃ، ۹۹

المتشابہ

حافظ ابن حجرؒ نے المتشابہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وان اتفقت الأسماء خطاً و نطقاً واختلفت الآباء نطقا مع ائتلا فها خطاً كمحمد بن عقيل (۱) بفتح العين و محمد بن عقيل (۲) بضمها. الاول نيسابوری و الثانی فریابی وهما مشهوران و طبقتهما متقاربة أو بالعكس كأن تختلف الأسماء نطقاً و تأتلف خطاً، و تتفق الأباء خطا و نطقا كشريح ابن النعمان (۳) و سريج بن النعمان (۴) . الاول بالشين المعجمة والحاء المهملة وهو تابعی يروی عن علیؓ و الثانی بالسين المهملة والجيم و هو من شيوخ البخاری فهو النوع الذی يقال له المتشابه. و كذا ان وقع ذلك الاتفاق فی الاسم و اسم الأب و الاختلاف فی النسبة. (۵)

اگر راویوں کے نام خط اور تلفظ میں متفق ہوں مگر ان کے آباء کے نام بلحاظ تلفظ مختلف ہوں اور بلحاظ خط متفق ہوں جیسے محمد بن عَقیل عین کے فتحہ سے اور محمد بن عُقیل عین کے ضمہ سے، پہلے

۱- محمد بن عقیل النیسابوری ابو عبداللہ (م ۲۵۷ھ) حاکم نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ شرف و عزت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ نسائی اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ۳۰۰/۹

۲- میسر مصادر میں نہ مل سکا۔

۳- شریح ابن النعمان الصائدی الکوفی علیؓ سے روایت کی اور ان سے اس کے بیٹے سعید، سعید بن عمرو بن اشوع اور ابو اسحاق السبیعی نے روایت کی۔ وہ ایک بہت سچے انسان (صدوق) تھے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر الثقات میں کیا ہے ابو حاتم کہتے ہیں: ما اقرب حدیثه و لا یحتج به ابن سعد کے بقول قلیل الحدیث تھے۔ التاریخ الکبیر، ۲/ii/ ۲۲۹؛ تہذیب التہذیب، ۳۹۰/۴

۴- سریج بن النعمان بن مروان اللؤلؤی البغدادی ابو الحسین (م ۲۱۷ھ) انھیں ابو الحسن بھی کہا جاتا ہے۔ اصلاً خراسان سے تعلق تھا۔ فلیح بن سلیمان اور حمادین وغیرہ سے روایت کی اور ان سے بخاری وغیرہ نے۔ العجلی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ حنبل بن اسحاق کے بقول ۲۱۷ھ میں وفات پائی۔ التاریخ الکبیر، ۲/ii/ ۲۰۵؛ کتاب الثقات، ۳۰۶/۸؛ تاریخ بغداد، ۲۱۷/۹؛ سیر اعلام، ۲۱۹/۱۰؛ تہذیب التہذیب، ۳۹۷/۳

۵- نزهة النظر، ۶۹

نیساپوری ہیں اور دوسرے فریابی۔ دونوں مشہور ہیں اور دونوں کے طبقے قریب قریب ہیں یا برعکس ہو کہ راویوں کے نام بلحاظ تلفظ مختلف اور بلحاظ خط متفق ہوں اور ان کے آباء کے نام خط و تلفظ میں متفق ہوں۔ جیسے شریح بن النعمان اور سریج بن النعمان۔ اول شین معجمہ اور حاء مہملہ سے تابعی ہیں اور علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ دوم سین مہملہ اور جیم معجمہ سے بخاری کے شیخ ہیں۔ ایسے اسماء کو متشابہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر راویوں کے اور ان کے آباء کے ناموں میں تلفظ اور خط ایک جیسے ہوں مگر ان کی نسبتوں میں تلفظ کا اختلاف اور خط کا اتفاق ہو تو اسے بھی متشابہ کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح کے ہاں "نوع یترکب من النوعین اللذین قبلہ" کا عنوان ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وھو أن یوجد الاتفاق المذکور فی النوع الذی فرغنا منه آنفاً فی إسمی شخصین أو کنیتهما التی عرفا بها و یوجد فی نسبهما أو نسبتهما الاختلاف والائتلاف المذکوران فی النوع الذی قبله، أو علی العکس من هذا بأن یختلف و یأتلف اسماؤهما و یتفق نسبتهما أو نسبهما اسماً أو کنیةً. (۱)

اور وہ یہ ہے کہ وہ اتفاق جو اس نوع میں مذکور ہے جس سے ہم ابھی فارغ ہوئے ہیں، دو شخصوں کے نام یا ان کی معروف کنیتوں میں پایا جائے اور ان کے نسب یا نسبت میں وہ اختلاف وائتلاف پایا جائے جس کا ذکر اس سے پہلی نوع میں ہوا ہے۔ یا اس کے برعکس اس طرح ہو کہ ان کے ناموں میں اختلاف وائتلاف ہو لیکن نسبت اور نسب میں نام اور کنیت میں اتفاق ہو اور موتلف ومختلف سے وہ اسماء بھی ملحق ہیں جو متقارب اور مشابہ ہیں اگرچہ وہ خطی صورت میں بعض حروف میں مختلف ہوں۔

علامہ سیوطیؒ نے تقریب کی عبارت کو واضح کرتے ہوئے لکھا:

وھو أن یتفق أسماء هما أو نسبهما فی اللفظ و الخط و یفترقا فی الشخص، ویأتلف و یختلف ذلك فی اسماء ابویهما بأن یاتلفا خطا ویفترقا لفظاً أو عکسه بأن یأتلف أسماؤهما خطا و یختلفا لفظاً، یتفق أسماء أبو یهما لفظا وخطا، أو نحو ذلك بأن یتفق الاسمان او الکنیتان وما أشبه ذلك(۲)

متشابہ یہ ہے کہ ان کے نام اور نسب میں لفظاً اور خطاً اتفاق ہو لیکن شخصیتیں مختلف ہوں اور ان

۱- ابن الصلاح، ۳۶۵؛ الایضاح و التقیید، ۳۶۳؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۴۲۶

۲- تدریب الراوی، ۴۹۰

کے والدوں میں ائتلاف واختلاف ہو اس طرح کہ خط میں مؤتلف ہوں اور لفظ میں مفترق یا اس کے برعکس کہ ان کے نام خط کے لحاظ سے مؤتلف ہوں اور لفظ میں مختلف ہوں اور ان کے والدوں کے ناموں میں لفظاً اور خطاً اتفاق ہو۔ یا اس طرح کہ ان کے نام اور کنیتیں متفق ہوں اور اس سے مشابہ صورتیں۔

مثالیں

حافظ ابن حجرؒ نے جو مثالیں دی ہیں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ نے اور ان کے تتبع میں حافظ عراقیؒ، امام نوویؒ اور علامہ سیوطیؒ نے جو مثالیں دی ہیں انھیں ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاحؒ نے انھیں دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

قسم اول:

نام و کنیت میں اتفاق اور نسب و نسبت میں اختلاف وائتلاف۔

ا۔ نسب میں اختلاف وائتلاف

موسیٰ بن عَلی (۱) عین کے فتحہ سے اور موسیٰ بن عُلی بضم العین۔ (۲)

۱۔ ابن الصلاح، ۳۶۵، ۳۶۶: موسیٰ بن علی نام کے کئی لوگ ہیں۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں: فمن الاول جماعة منهم ابو عیسیٰ الختلی (بخاء مضمومة و مثناة ثقیلة مضمومة ایضاً المشتبه، ۱۳۶) امام نووی کثیرون کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ تقریب مع تدریب، ۴۹۰۔ حافظ عراقی کہتے ہیں: وهم جماعة متاخرون لیس فی الکتب الستة منهم احد الا فی تاریخ البخاری ولا فی کتاب ابن ابی حاتم الا الثانی فی الذی فیه الخلاف منهم موسیٰ بن علی ابو عیسیٰ الختلی۔ (فتح المغیث للعراقی ۴/۳۳۶) حافظ سیوطی نے التقیید سے حافظ عراقی کی مذکورہ کتب پر ابن ابی خیثمہ، حاکم، ابن یونس، ابونعیم، ثقات ابن حبان، طبقات ابن سعد، کامل ابن عدی کا اضافہ کیا ہے۔ (تدریب، ۴۹۰) حافظ عراقی نے موسیٰ بن علی نام کے سات افراد کا ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے: فهولاء المذکورون فی تواریخ الاسلام من الشرق والغرب الی زمن ابن الصلاح لم یبلغوا حد الکثرة. فوصف الشیخ محی الدین رحمه الله لهم بانهم کثیرون فیه تجوز والله اعلم. (التقیید والایضاح، ۴۱۸-۴۱۹)

۲۔ موسیٰ بن علی بن رباح اللخمی المصری ابوعبدالرحمٰن (م ۱۶۳ھ) "علی" اہل مصر عین کے فتحہ سے اور اہل عراق عین کے ضمہ سے پڑھتے ہیں، اپنے والد، زہری، ابن المنکدر اور دوسرے کئی لوگوں سے روایت کی اور ان سے اسامہ بن زید اللیثی (وہ ان سے عمر میں بڑے تھے) ابن لہیعہ، اللیث اور دوسرے کئی لوگوں نے روایت کی۔ احمد، ابن معین، العجلی اور نسائی نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں: کان رجلاً صالحاً یتقن حدیثه لا یزید ولا ینقص، صالح الحدیث و کان من ثقات المصریین. الساجی کہتے ہیں کہ وہ صدوق تھے چھ سال سے زیادہ مصر کے والی رہے۔ التاریخ الکبیر، ۴/۱/۲۸۹؛ تهذیب التهذیب، ۱۰/ ۳۲۳-۳۲۴؛ شذرات، ۱/ ۲۵۸

۲۔نسبت کا اختلاف

محمد بن عبداللہ المُخرمی (۱) بضم المیم الاولی و کسر الراء المشددة مشہور صاحب حدیث نسبت بغداد کے محلہ مُخرم کی طرف اور محمد بن عبداللہ المَخرمی (۲) بفتح المیم اسکان الخاء المعجمة غیر مشہور ہیں۔امام شافعی سے روایت کی (۳) اور ان سے عبدالعزیز بن محمد بن الحسن بن زبالہ نے روایت کی۔

۳۔کنیت میں اتفاق اور نسبت میں اختلاف و ائتلاف

ابوعمرو الشیبانی (۴) اور ابوعمرو السیبانی (۵) دونوں تابعی ہیں دونوں میں فرق شین اور سین کا ہے۔ پہلے کا نام سعد بن ایاس ہے اور ان کے ساتھ کنیت میں ابوعمرو الشیبانی اللغوی کو اشتراک حاصل ہے جن کا نام اسحٰق بن مرار ہے۔ دوسرے کا نام زرعہ ہے اور وہ یحیٰ بن ابی عمرو السیبانی الشامی کے والد ہیں۔تابعی مخضرم ہیں۔ بخاری نے ان کی عقبہ بن عامر پر موقوف حدیث نقل کی ہے۔امام اوزاعی کے چچا ہیں۔ (۶)

۴۔صورت کے اختلاف کے باوجود جہاں تقارب اور اشتباہ واقع ہوتا ہے۔

اس کی مثال ثور بن یزید الکلاعی الشامی (۷) اور ثور بن زید الدیلی (۸) المدنی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے امام مالک روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث صحیحین میں ہے اور اول الذکر کی حدیث مسلم میں ہے۔(۹)

۱- محمد بن عبداللہ ابن المبارک ابوجعفر القرشی البغدادی المخرمی الحافظ قاضی حلوان (م ۲۵۴ھ) ابومعاویہ الضریر، یحیٰ القطان اور ابن مہدی وغیرہم سے روایت کی۔ بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ابوحاتم وغیرہم نے ان سے روایت کی۔ابوحاتم نے نسائی اور دار قطنی نے ثقہ کہا۔تہذیب التہذیب، ۹ / ۲۲۳-۲۲۴؛ تاریخ بغداد، ۵ / ۴۲۲؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲ / ۵۱۹

۲- محمد بن عبداللہ المخرمی، ابن ماکولا کہتے ہیں کہ شاید وہ مخرمہ بن نوفل کی اولاد میں سے ہیں۔فتح المغیث للعراقی، ۴/۲۲۷

۳- ابن الصلاح، ۳۶۶

۴- ابوعمرو سعد بن ایاس الشیبانی الکوفی التابعی مخضرم (م ۹۸ھ) حضرت علی و ابن مسعود وغیرہ سے روایت کی۔ اور ان سے منصور اور اعمش وغیرہ نے روایت کیا۔مؤلفین کتب ستہ نے ان کی روایت کو لیا ہے۔یحیٰ بن معین نے ثقہ کہا۔التاریخ الکبیر، ۲/ii/ ۱۱۳؛ تہذیب التہذیب، ۳ / ۴۶۸؛ شذرات الذھب، ۱ / ۱۱۳؛ سیر اعلام، ۴ / ۱۷۳

۵- ابوعمرو السیبانی الشامی الفلسطینی کا نام زرعہ تھا۔امام اوزاعی کے چچا تھے۔ کبار صحابہ سے روایت کیا۔ان سے ان کے بیٹے یحیٰ اور عمر بن عبدالملک وغیرہ نے روایت کیا۔ان کا شمار ثقہ تابعین میں ہوتا ہے۔ بخاری، کتاب الکنی، ۵۴، تہذیب التہذیب، ۱۲، ۱۴۳

۶- ابن الصلاح، ۳۶۷

۷- ثور بن یزید الکلاعی ابویزید (م ۱۵۳ھ) اپنے وقت کے ممتاز محدثین سے روایت کیا۔ان سے روایت کرنے والوں میں سفیان ثوری، ابن المبارک ابوعاصم النبیل ایسے چوٹی کے محدثین ہیں۔کہا جاتا ہے کہ عقیدہ قدر کے قائل تھے بعد میں رجوع کرلیا تھا۔ثقہ محدث تھے فقہ پر دسترس تھی۔تاریخ خلیفة، ۴۲۷؛ التاریخ الکبیر ۱/i/ ۱۸۱؛ میزان الاعتدال، ۱/ ۳۷۴؛ سیر اعلام، ۶/۳۴۴

۸- ثور بن زید الدیلی مولاہم المدنی (م ۱۳۵ھ) عکرمہ، حسن بصری ایسے ممتاز اہل علم سے روایت کیا۔ احمد، ابوحاتم، ابن معین وغیرہم نے ثقہ قرار دیا۔ابن عباس سے مرسل روایات کیں۔التاریخ الکبیر، ۱/ ۱/ ۱۸۱؛ الجرح، ۱/ ۱ /۴۶۸؛ میزان الاعتدال، ۱/ ۳۷۳؛ تہذیب التہذیب، ۲ / ۳۹

۹- ابن الصلاح، ۳۶۶

حافظ عراقی، حافظ ابن الصلاحؒ کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صاحب الکمال اور اس کی متابعت میں المزی نے تہذیب الکمال میں لکھا ہے کہ امام مالک نے ان سے روایت کی ہے لیکن انھیں یہ روایت نہیں ملی۔ وہ لکھتے ہیں:

و لكن لم ار رواية مالك عنه لا فى الموطأ ولا فى شىء من الكتب الستة ولا فى غرائب مالك للدارقطنى ولا غير ذلك (۱)

اسی طرح ابن الصلاح کا یہ قول کہ ثور بن یزید کی روایت مسلم کے ہاں ہے درست نہیں یہ وہم ہے مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے کوئی شئے نقل نہیں کی البتہ بخاری نے ان کی روایت درج کی ہے۔ (۲)

۱. عن سفيان عن ثور عن خالد بن معدان عن ابى امامة قال: كان النبى ﷺ اذا رفع مائدته قال الحمد لله حمداً كثيراً طيبا مباركاً فيه. (۳)

خالد بن معدان ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دستر خوان اٹھاتے تو فرماتے، اللہ کے لیے بہت سی پاکیزہ اور برکت والی حمد ہے۔

۲. عن ثور عن خالد بن معدان عن المقدام عن النبى ﷺ قال: ما اكل احدٌ طعاماً قط خيراً من أن يا كل من عمل يده، وانّ نبى الله داؤد عليه السلام كان يا كل من عمل يده. (۴)

ثور خالد بن معدان سے اور وہ بذریعہ مقدام نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کسی شخص نے اپنے ہاتھ سے کمائے رزق سے بہتر کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

۳. عن ثور عن خالد بن معدان عن المقدام بن معد يكربؓ عن النبى ﷺ قال: كيلوا طعامكم يبارك لكم. (۵)

ثور خالد بن معدان سے اور وہ مقدام بن معدیکرب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے کھانے کی چیزوں کا وزن کرو اس میں تمہارے لیے برکت ہے۔

۱- التقييد و الإيضاح، ۴۲۰

۲- ایضاً، ۴۲۰

۳- بخاری، الجامع، كتاب الاطعمة، باب ما يقول اذا فرغ من طعامه، ۶/۲۱۴

۴- بخاری، الجامع، كتاب البيوع، باب كسب الرجل و عمله بيده، ۳/۹

۵- ایضاً، باب ما يستحب من الكيل، ۳/۲۲

۴۔ عن ثور بن يزيد عن خالد بن معدان أن عمير بن الأسود العنسی حدثه انه اتی عبادة بن الصامت وهو نازل فی ساحل حمص و هو فی بناءٍ له و معه ام حرام، قال عمير فحدثتنا أم حرام أنها سمعت النبیﷺ يقول: اول جيش من امتی يغزون البحر قد اوجبوا۔ قالت ام حرام: قلت: يا رسول الله انا فيهم؟ قال: انت فيهم۔ ثم قال النبیﷺ: اول جيش من امتی يغزون مدينة قيصر مغفور لهم، قلت: انا فيهم يا رسول اللهﷺ؟ قال: لا۔ (۱)

ثور، خالد بن صدان سے اور وہ عمیر سے کہ انھوں نے بیان کیا کہ وہ عبادہ بن الصامت کے پاس گئے جبکہ وہ ساحل سمندر پر اپنے گھر میں ام حرام (بیوی) کے ساتھ تھے۔ عمیر کہتے ہیں کہ ام حرام نے بتایا کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا "جو دستہ بحری غزوہ کا آغاز کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔ ام حرام نے یہ بھی بتایا کہ جب میں نے پوچھا کیا میں بھی اس دستہ میں ہوں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم بھی ان میں ہو گی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: فوج کا جو دستہ قیصر کے شہر کو فتح کرے گا اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا۔ ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا کیا میں ان میں شامل ہوں گی۔ آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا۔

کنیت میں اتفاق اور نسبت میں اختلاف کی توضیح کرتے ہوئے حافظ عراقیؒ لکھتے ہیں:

اقتصر المصنف علی ذكر اثنين بالشين المعجمة و ترك ثالثاً اولی بالذكر من ابی عمرو الشيبانی اللغوی لكونه اقدم منه و لكون حديثه فی السنن وليس لابی عمرو الشيبانی النحوی حديث فی شیء من الكتب الستة۔ انما له عند مسلم ان أحمد بن حنبل ساله عن اخنع اسم فقال اوضع (۲) واسم الذی لم يذكره المصنف هارون بن عنترة بن

۱۔ بخاری، الجامع، کتاب الجهاد، باب ما قيل فی قتال الروم، ۲۳۲/۳

۲۔ مسلم، الجامع، کتاب الاداب، باب تسمی بملك الاملاك، ۶ / ۱۷۴؛ بخاری، الجامع، کتاب الادب، باب أبغض الاسماء الی الله، ۷ / ۱۱۹؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی تفسير اسم القبيح، ۲۴۵/۵؛ ترمذی، السنن، کتاب الادب، باب مايكره من الاسماء، ۵ / ۱۳۴

عبدالرحمن الشيباني (۱) و المعروف أن كنيته أبو عمرو. هكذا كناه يحيى بن سعيد القطان وعلى بن المديني و البخاري في التأريخ و مسلم والنسائي و أبو احمد الحاكم في كتبهم في الكنى و الخطيب في كتاب تلخيص المتشابه. واما ما جزم المزى به في تهذيب الكمال من تكنيته بأبي عبدالرحمن فهو و هم. (۲)

مصنف نے شین معجمہ کے ساتھ دو شخصیتوں کے ذکر پر اقتصار کیا اور تیسرے کو چھوڑ دیا ہے حالانکہ وہ ابوعمرو الشیبانی سے اقدم ہیں اور ان کی حدیث سنن میں موجود ہے۔ ابوعمرو الشیبانی النحوی کی کوئی حدیث کتب ستہ میں نہیں۔ ہاں مسلم نے ذکر کیا ہے کہ احمد بن حنبل نے ان سے انجع کے معنی پوچھے تو انھوں نے کہا: اوضع۔ اور جس کا ذکر مصنف نے نہیں کیا اس کا نام ہارون بن عنترہ بن عبدالرحمٰن الشیبانی ہے۔ معروف یہ ہے کہ اس کی کنیت ابوعمرو ہے۔ اسی کنیت کا ذکر یحییٰ بن سعید القطان اور علی بن المدینی نے کیا ہے بخاری نے تاریخ میں مسلم، نسائی، ابواحمد الحاکم نے کنیت پر اپنی کتابوں میں یہ نقل کیا ہے اور خطیب نے تلخیص المتشابه میں بیان کیا ہے۔ جہاں تک المزی کا تعلق ہے تو انھوں نے تهذیب الکمال میں یقین کے ساتھ اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن لکھی ہے جو ان کا وہم ہے۔

قسم دوم

دوسری قسم پہلی کے برعکس ہے یعنی اسماء میں اختلاف و ائتلاف ہوگا اور نسبتوں یا نسبوں میں اتفاق ہوگا۔ حافظ ابن الصلاحؒ نے مندرجہ ذیل مثالیں دی ہیں اور ان ہی کا تتبع کیا ہے نوویؒ، حافظ عراقیؒ اور علامہ سیوطیؒ نے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ایک مثال عراقی سے لی ہے اور ابن الصلاح سے کوئی مثال نہیں لی۔

مثالیں

۱۔ عمرو بن زرارہ (بفتح العین) اور عمر بن زرارہ (بضم العین)

۱۔ ہارون بن عنترہ بن عبدالرحمٰن الشیبانی (م ۱۴۲ھ) انھوں نے اپنے والد، محارب بن دثار، عبدالرحمٰن بن الاسود اور کئی دوسرے لوگوں سے روایت کی ہے۔ امام احمد نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں: لاباس به مستقيم الحديث. دارقطنی کے مطابق: یحتج به۔ تهذيب التهذيب، ۱۱/ ۱۰

۲۔ التقیید / ۳۲۱؛ فتح المغيث للعراقي، ۴ / ۲۲۷-۲۲۸؛ حافظ سیوطی نے بھی اس انداز میں لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ماخذ یہی ہے۔ تدریب / ۴۹۲؛ حافظ ابن حجر نے المزی کے تتبع میں اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن لکھی ہے۔ تهذيب التهذيب، ۱۱/ ۱۰

پہلے نام کی ایک جماعت موجود ہے جن میں سے ابو محمد النیسابوری (۱) ہیں جن سے مسلم نے روایت کی ہے (۲) حافظ عراقی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے صرف مسلم کی روایت کا ذکر کیا ہے جو درست نہیں ہے کیونکہ بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ان سے بکثرت روایات نقل کی ہیں۔ یہ روایات اسماعیل بن علیہ ہشیم، عبدالعزیز بن ابی حازم، ابوعبیدہ الحداد، قاسم بن مالک المزنی اور زیاد بن عبداللہ البکائی سے مروی ہیں۔ امام مسلم نے صرف ابن علیہ، ہشیم اور عبدالوھاب بن عطاء الخفاف سے نقل کی ہیں۔ شاید ابن الصلاحؒ نے مسلمؒ پر اکتفا کرنے میں خطیب کا تتبع کیا ہے جنھوں نے تالی التلخیص میں کہا ہے کہ ان سے مسلم بن الحجاج اور محمد بن اسحاق السراج نے روایت کی ہے۔ (۳)

دوسرے الحدثی کے طور پر معروف ہیں۔ ہمیں دار قطنی سے یہ قول پہنچا ہے کہ سرحدی علاقے میں شہر ہے جسے الحدث کہتے ہیں ابواحمد الحاکم کی روایت ہے کہ وہ اھل الحدیثہ میں سے ہیں اور اسی کی طرف منسوب ہیں۔ (۴) ان سے البغوی المنیعی (۵) روایت کرتے ہیں۔ حافظ عراقیؒ ابن الصلاحؒ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خطیب نے تالی التلخیص میں ابوبکر البرقانی (۶) کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ البرقانی کو وہم ہوا ہے ابن منیع نے عمرو بن زرارہ سے کوئی روایت نہیں کی۔ ان کی روایت صرف عمر بن زرارہ سے ہے۔ (۷)

۲۔ عبیداللہ بن ابی عبداللہ اور عبداللہ بن ابی عبداللہ کی ہے۔

پہلے ابن الاغر سلمان ابی عبداللہ صاحب ابی ہریرہ ہیں۔ ان سے امام مالک نے روایت کی اور دوسرے نام کی

۱۔ ابو محمد النیساپوری المقری، عمرو بن زرارہ بن واقد (م ۲۳۸ھ) قراءت کا علم کسائی سے حاصل کیا۔ ہشیم، ابن عیینہ، ابن علیہ وغیرہم سے روایت کیا۔ ان سے روایت کرنے والوں میں نمایاں امام بخاری، مسلم اور نسائی ہیں۔ پست قد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اخلاق عمدہ نہ تھا۔ نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۳/ii/۳۳۲؛ شذرات، ۲/ ۹۰؛ سیر اعلام، ۱۱/ ۴۰۶

۲۔ ابن الصلاح، ۳۶۷

۳۔ التقیید، ۴۲۱–۴۲۲

۴۔ ابن الصلاح، ۳۶۷

۵۔ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد البغوی (م ۳۱۷ھ)۔ خراسان کے شہر بغشور کی طرف نسبت ہے۔ اہل علم خاندان سے تعلق تھا۔ ممتاز اہل علم سے اخذ کرنے کے بعد طلبہ کی ایک کثیر تعداد کو مستفید کیا۔ دار قطنی نے انہیں ثقۃ جبل کہا ہے۔ تاریخ بغداد، ۱۰/ ۱۱۱؛ سیر اعلام، ۱۴/ ۴۴۰؛ شذرات، ۲/ ۲۷۵

۶۔ ابوبکر البرقانی احمد بن محمد الخوارزمی (م ۴۲۵ھ) اپنے وقت کے ممتاز فقیہ اور محدث تھے۔ متعدد کتب کے مؤلف تھے۔ خطیب اور الباجی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ تاریخ بغداد، ۴/ ۳۷۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۳/ ۱۰۷۴؛ سیر اعلام، ۱۷/ ۴۶۴

۷۔ التقیید، ۴۲۲

ایک جماعت موجود ہے ان میں سے ایک عبداللہ بن ابی عبداللہ المقرئ الاصبہانی ہیں ان سے ابوالشیخ الاصبہانی (۱) نے روایت کی۔(۲)

۳۔حیان الاسدی (۳) بالیاء المشددۃ اور حنان الاسدی (۴) بالنون الخفیفۃ ہیں۔

پہلے حیان بن حصین التابعی ہیں جو عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں۔دوسرے حنان الاسدی بن اسد بن شریک بضم الشین وہ مسدد (۵) کے والد مسرہد کے چچا ہیں۔دارقطنی نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ابوعثمان النہدی (۶) سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اور ان سے حجاج الصواف نے روایت کی۔(۷)

۴۔حافظ عراقی نے ایک مثال بھی دی ہے اور وہ ہے: ابوالرجال الانصاری (۸) اور ابوالرحال الانصاری (۹)

۱- ابوالشیخ الاصبہانی۔عبداللہ بن محمد بن جعفر (م ۳۶۹ھ) چھوٹی عمر سے علم حدیث سے شغف تھا۔وقت کے اہم محدثین سے سفر و حضر میں سماع کیا۔صاحب تصنیف تھے۔متقن، صدوق، ثقہ، محدث تھے۔صاحب سنت اور عالم باعمل تھے۔تذکرۃ الحفاظ، ۳ / ۹۴۵؛ العبر، ۲ / ۳۵۱؛ شذرات، ۳ / ۶۹؛ سیر اعلام، ۱۶/ ۲۷۶

۲- ابن الصلاح، ۳۶۷-۳۶۸

۳- حیان بن حصین الاسدی الکوفی ابوالہیاج، علی اور عمار سے روایت کی اور ان سے ان کے بیٹوں جریر اور منصور اور ابووائل اور شعبی نے روایت کی۔ابن حبان نے الثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور العجلی کہتے ہیں: تابعی ثقۃ ابن عبدالبر کے مطابق وہ عمار کے کاتب تھے۔التاریخ الکبیر، ۲/ا/ ۵۳، کتاب الثقات، ۴/ ۱۷۰؛ تہذیب التہذیب، ۳ / ۵۹

۴- حنان الاسدی، بنو اسد سے تعلق تھا، بصری تھے۔ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے۔التاریخ الکبیر، ۲/۱/۱۱۲؛ تہذیب التہذیب، ۳ / ۵۰

۵- مسدد بن مسرہد بن مسربل ابوالحسن الاسدی البصری (م ۲۲۸ھ) بصرہ کے چوٹی کے محدثین میں سے تھے۔اپنے وقت کے ممتاز محدثین سے سماع کیا۔ان سے بخاری ابوداود، ابوزرعہ، ابوحاتم وغیرہ ایسے بلند پایہ محدثین نے سماع کیا۔صاحب تصنیف تھے۔ثقہ اور صدوق تھے۔التاریخ الکبیر، ۴/۱/ ۷۲؛ الجرح، ۴/ا/ ۴۳۸؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۴۲۱؛ شذرات الذہب، ۲/ ۶۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۰ / ۵۹۱: مسرہد۔میم کے ضمہ اور سین مہملہ کے فتحہ کے ساتھ بعد میں راء ساکنہ اور ہاء مفتوحہ۔فتح المغیث للعراقی، ۴/۴۲۹

۶- ابوعثمان النہدی، عبدالرحمٰن بن مل البصری (م ۹۵ھ)۔مخضرم اور معمرین میں سے تھے۔صحبت کا شرف حاصل نہ ہوا۔ثقہ تابعین میں شمار ہوتا ہے۔حضرت عمر کے عہد میں متعدد معرکوں میں حصہ لیا۔الجرح، ۲/ ii /۲۸۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۶۱؛ شذرات الذہب، ۱/۱۱۸؛ سیر اعلام، ۴/۱۷۵

۷- فتح المغیث للعراقی، ۴، ۴۲۸؛ التقیید، ۳۲۲؛ ابن الصلاح، ۳۶۸

۸- محمد بن عبدالرحمٰن ابوالرجال الانصاری النجاری۔ان کے دادا حارثہ اہل بدر میں سے تھے۔ابن سعد کے بقول: کثیر الحدیث، امام احمد اور ابوحاتم نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔تہذیب التہذیب، ۹ / ۲۹۳

۹- محمد بن خالد ابوالرحال انس سے روایت کرتے ہیں۔ان کا شمار ضعفاء میں ہوتا ہے۔ابوحاتم کہتے ہیں: "منکر الحدیث لیس بقوی". المغنی، ۲، ۵۷۴-۵۷۵

پہلے (بکسر الراء و تخفیف الجیم) ان کا نام محمد بن عبدالرحمٰن مدنی ہے۔ انھوں نے اپنی والدہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن وغیرھا سے روایت کی ان کی حدیث صحیحین میں ہے۔ دوسرے (بفتح الراء و تشدید الحاء المھملة) بصری ہیں۔ ان کا نام محمد بن خالد اور ایک قول کے مطابق خالد بن محمد ہے۔ ترمذی میں انسؓ سے ان کی ایک روایت ہے اور وہ ضعیف ہیں۔(۱)

مصادر المتشابہ

تلخیص المتشابہ

خطیب نے متشابہ کے موضوع پر عمدہ کتاب لکھی جس کا نام تلخیص المتشابہ رکھا(۲) ازاں بعد اس کا ذیل لکھا جس میں ان اسماء کو شامل کیا جو تلخیص میں شامل نہ ہو سکے تھے۔(۳) ابن الصلاح نے کہا: وھو من احسن کتبہ(۴)

خطیب نے اس پر ایک ذیل تالی التلخیص کے عنوان سے لکھا۔ کتاب کئی اجزا میں ہے اور بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔

علاؤ الدین بن الترکمانی (م ۷۵۰ھ) نے اس کا اختصار لکھا۔ سیوطیؒ نے ایک اختصار تحفة النابه فی تلخیص المتشابہ کے عنوان سے مرتب کیا۔(۵)

❀❀❀

۱- فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۲۸-۳۲۹

۲- نزھة النظر، ۳۹؛ ابن الصلاح، ۳۶۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۲۶؛ تدریب، ۴۹۰

۳- نزھة النظر، ۶۹

۴- ابن الصلاح، ۳۶۵؛ تدریب، ۴۹۰؛ فتح المغیث، ۴/ ۳۲۶

۵- کشف الظنون، ۱/ ۴۷۵

دیگر اقسام

حافظ ابن حجر نے المتشابہ کی بحث میں ابن الصلاح کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے لکھا ہے:

ویترکب منه و مما قبله أنواع (۱).

یعنی متفق وموتلف اور متشابہ سے اور اقسام بھی پیدا ہوتے ہیں۔

ان میں ایک قسم وہ ہے جس میں خطی اتفاق اور لفظی اختلاف ہوتا ہے۔ دوسری وہ جس میں تقدیم وتاخیر سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔

پہلی قسم

وہ لکھتے ہیں:

منها ان يحصل الاتفاق أو الاشتباه فى الاسم واسم الأب مثلاً الافى حرف أو حرفين فاكثر من احدهما أو منهما و هو على قسمين اما أن يكون الاختلاف بالتغيير مع ان عدد الحروف ثابت فى الجهتين، أو أن يكون الإختلاف بالتغيير مع نقصان بعض الأسماء عن بعض. (۲)

من جملہ ایک قسم یہ ہے کہ راویوں کے یا ان کے آباء کے یا دونوں کے ناموں میں جو اتفاق خطی اور اختلاف لفظی واقع ہوتا ہے وہ کبھی ایک حرف میں اور کبھی متعدد حروف میں ہوتا ہے۔ پھر جن میں یہ اتفاق واختلاف واقع ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ تغیر کا اختلاف ہے لیکن دونوں میں حروف کی تعداد ثابت ہے یہ برابر ہوگی۔ دوسرے یہ کہ تغیر کا اختلاف ہوگا لیکن کچھ اسماء میں حروف کی کمی ہوگی۔

پہلی قسم: حافظ ابن حجرؒ نے پہلی قسم یعنی اختلاف لفظی اور اتفاق خطی کی دو اقسام بیان کی ہیں اور ان کی مندرجہ ذیل مثالیں دی ہیں۔

الف: وہ اسماء جن میں لفظی اختلاف لیکن خطی اتفاق ہے ان کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱- نزهة النظر، ٦٩

۲- ایضاً، ٦٩

۱۔محمد بن سنان (۱) اور محمد بن سیار (۲)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ محمد بن سنان نام کی ایک جماعت موجود ہے، جن میں امام بخاری کے شیخ العوقی (۳) بھی ہیں اور محمد بن سیار نامی جماعت بھی موجود ہے جن میں یمامی شیخ عمر بن یونس (۴) شامل ہیں۔

سنان اور سیار میں اختلاف لفظی اور اتفاق خطی موجود ہے۔نون اول اور یا میں موافقت ہے اسی طرح نون ثانی اور را میں ہے۔

۲۔محمد بن حنین (۵) اور محمد بن جبیر (۶)

دونوں مشہور تابعی ہیں۔محمد بن حنین ابن عباس وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔محمد بن جبیر بن مطعم بھی مشہور تابعی ہیں۔حنین اور جبیر میں اختلاف لفظی اور اتفاق خطی موجود ہے۔حاء اور جیم میں، نون اول و باء میں اور نون ثانی اور راء میں خطی موافقت ہے۔

۳۔معرّف (۷) اور مطرّف

معرف بن واصل کوفی مشہور شخص ہیں اور مطرف بن واصل بھی معروف ہیں ان سے ابو حذیفہ نہدی روایت کرتے ہیں۔معرف و مطرف میں لفظی اختلاف اور خطی اتفاق موجود ہے اور یہ صرف عین اور طاء میں ہے۔

۴۔احمد بن الحسین اور احید بن الحسین

احمد بن الحسین ابراہیم بن سعد وغیرہ کے شاگرد ہیں اور احید بن حسین بخاری ہیں ان سے عبداللہ بن محمد بیکندی روایت کرتے ہیں۔احمد اور احید میں لفظی اتفاق ہے اور خطی اختلاف صرف میم اور یا میں ہے۔

۱۔ محمد بن سنان یہ العوقی ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں؛ دیکھیے صفحہ ہذا حوالہ ۳

۲۔ میسر مصادر میں نہ مل سکا۔

۳۔ العوقی، ابوبکر محمد بن سنان الباہلی البصری (م ۲۲۳ھ) ابراہیم بن طہمی، جریر بن حازم وغیرہما سے سماع کیا۔کتب ستہ کے اکثر مؤلفین نے براہ راست ان سے روایت کیا۔ثقہ و صدوق تھے۔التاریخ الکبیر، ۱/ii/ ۱۰۹؛ العبر، ۱ /۳۸۸؛ سیر أعلام، ۱۰/ ۳۸۵

۴۔ یمامی، شیخ عمر بن یونس ابو حفص (م بعد ۲۰۰ھ) ممتاز علماء سے احادیث روایت کیں۔شائقین کی ایک کثیر تعداد نے ان سے سماع کیا۔نسائی اور یحییٰ بن معین نے ثقہ تسلیم کیا ہے۔التاریخ الکبیر، ۳ /ii/ ۲۰۶؛ العبر، ۱/ ۳۴۱؛ تہذیب التہذیب، ۷/ ۵۰۶؛ سیر أعلام، ۹ / ۴۲۲

۵۔ محمد بن حنین، ابن عباس سے احادیث روایت کیں اور ان سے عمرو بن دینار نے۔غیر معروف رواۃ میں سے ہیں۔تہذیب، ۹/ 115

۶۔ محمد بن جبیر ابو سعید (م ۱۰۰ھ) اپنے وقت کے امام اور فقیہ تھے۔علم حدیث سے خصوصی شغف تھا۔مکتوب ذخیرہ احادیث رکھتے تھے۔ناقدین نے ثبت اور ثقہ تسلیم کیا۔التاریخ الکبیر، ۱/i/ ۵۲؛ تہذیب، ۹/ ۹۱؛ سیر اعلام، ۴ / ۵۴۳

۷۔ معرف بن واصل الکوفی ابو بدل۔ناقدین نے کہا ہے کہ ان سے احادیث لکھی جا سکتی ہیں۔تہذیب التہذیب، ۱۰/ ۲۰۷؛ التاریخ الکبیر، ۴/i/ ۳۰؛ الجرح و التعدیل، ۴/i/ ۴۱۰؛ الکامل، ۸/ ۲۲۱

ب۔ وہ اسماء جن کے حروف کی تعداد مساوی نہیں ان کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱. حفص بن ميسرة (۱) جعفر بن ميسرة (۲)

حفص بن میسرہ بخاری اور امام مالک کے طبقے میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جعفر بن میسرہ مشہور شیخ ہیں اور عبیداللہ بن موسیٰ کوفی کے استاد ہیں۔ حفص میں جعفر سے ایک حرف کم ہے۔

۲. عبدالله بن زيد (۳) اور عبدالله بن يزيد (۴) (ياء مفتوحه و الزاى مكسورة)

عبداللہ بن زید نام کی پوری جماعت موجود ہے۔ صاحب الاذان صحابی جن کے دادا کا نام عبدربہ ہے اور حدیث وضو کے راوی صحابی جن کے دادا کا نام عاصم ہے۔ یہی نام رکھتے ہیں۔ یہ دونوں انصاری ہیں عبداللہ بن یزید نام کی بھی ایک جماعت موجود ہے۔ صحابی ابوموسیٰ الخطمی جن کی حدیث صحیحین میں ہے یہی نام رکھتے ہیں۔ زید میں یزید سے ایک حرف کم ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں اسی نام کے ایک قاری ہیں جن کا ذکر حدیث عائشہ میں ہے۔ ان کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ الخطمی ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ (۵)

۳. عبدالله بن يحيىٰ (۶) اور عبدالله بن نجى (۷)

عبداللہ بن یحییٰ نام کی ایک جماعت موجود ہے اور عبداللہ بن نجی مشہور تابعی ہیں اور علیؑ سے روایت کرتے ہیں۔ نجی میں یحییٰ سے بلحاظ رسم الخط ایک حرف کم ہے۔

۱- حفص بن میسرہ ابوعمر الصنعانی العقیلی (م ۱۸۱ھ) ہشام بن عروہ اور زید بن اسلم سے روایت کیا۔ امام ثوری، ابن وہب، سوید بن سعید نے ان سے روایت کیا۔ عابد و زاہد تھے۔ احمد اور ابن معین نے توثیق کی ہے۔ الجرح و التعديل، ۱/ ۱۸۷/۱؛ تهذيب، ۲/ ۴۱۹؛ ميزان، ۱/ ۵۶۸

۲- میسر مصادر میں متعین نہ ہو سکا۔

۳- عبداللہ بن زید بن عبدربہ الانصاری الخزرجی ابومحمد المدنی (م ۳۲ھ) غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے خواب میں اذان کے الفاظ سکھائے گئے۔ سير اعلام، ۲/ ۳۷۵؛ تهذيب التهذيب، ۵/ ۲۰۰

۴- عبداللہ بن یزید بن زید ابوموسیٰ الانصاری الاوسی المدنی ثم الکوفی (م قبل ۷۰ھ) بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ حضرت علی کے ساتھ جنگ صفین اور نہروان میں تھے۔ ابن الزبیر کی طرف سے کوفہ کے والی بھی رہے۔ الجرح و التعديل، ۲/ ۱۹۷/۲؛ تهذيب التهذيب، ۶/ ۷۸؛ سير اعلام، ۳/ ۱۹۷

۵- نزهة النظر، ۷؛ القاری (بتشديد الياء) نسبت ہے قبیلہ قارہ کی طرف۔ شرح نخبة الفكر للقارى، ۲۲۹

۶- عبداللہ بن یحییٰ الثقفی۔ اپنے وقت کے ممتاز محدث تھے۔ ابن خلفون اور عجلی نے ثقہ راوی تسلیم کیا۔ تهذيب، ۶/ ۷۱

۷- عبداللہ بن نجی بن سلمہ الکوفی الحضرمی اپنے والد اور دیگر اہل علم سے روایت کیا۔ اہل علم کی ایک کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ التاريخ الكبير، ۳/۱/ ۲۱۳؛ تهذيب التهذيب، ۶/ ۵۱

دوسری قسم

دوسری قسم یہ ہے کہ دو اسموں میں یوں تو لفظاً و خطاً اتفاق ہو لیکن تقدیم و تاخیر سے دونوں میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تقدیم کبھی دو اسموں میں ہوتی ہے اور کبھی ایک ہی اسم میں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

أو يحصل الاتفاق فی الخط و النطق لكن يحصل الاختلاف أو الاشتباه بالتقديم و التأخير إما فی الإسمين جملة أو نحو ذلك، كان يقع التقديم و التأخير فی الإسم الواحد فی بعض حروفه بالنسبة إلى ما يشتبه به۔ (۱)

یا یہ کہ خط اور نطق میں اتفاق حاصل ہو لیکن تقدیم و تاخیر کی وجہ سے اختلاف و اشتباہ پیدا ہو۔ یہ اشتباہ دونوں اسموں میں پیدا ہو یا یہ تقدیم و تاخیر ایک اسم کے بعض حروف میں واقع ہو جس سے اشتباہ پیدا ہوا۔

حافظ ابن الصلاح نے اسے مستقل نوع قرار دیا ہے جس کا عنوان ہے:

معرفة الرواة المتشابهين فی الاسم والنسب المتمايزين بالتقديم والتأخير فی الابن و الأب (۲)

امام نووی نے عنوان میں تھوڑی سی تبدیلی کی ہے:

المتشابهون فی الاسم و النسب و المتمايزون بالتقديم و التأخير. (۳)

لیکن حافظ عراقی نے اسے المشتبہ المقلوب کے عنوان سے درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

هذا النوع مما يقع فيه الاشتباه فی الذهن لا فی صورة الخط و ذلك ان يكون اسم احد الراويين كاسم أب الآخر خطاً و لفظاً، و اسم الآخر كاسم أب الاول فينقلب على بعض اهل الحديث كما انقلب على البخاری ترجمة مسلم بن الوليد المدنی فجعله الوليد بن مسلم كالوليد بن مسلم الدمشقی المشهور و خطاه فی ذلك ابن ابی حاتم فی كتاب له فی خطأ البخاری فی تاريخه حكاية عن ابيه و هذه الترجمة ليست فی بعض نسخ التاريخ. (۴)

۱۔ نزهة النظر، ۷۶

۲۔ ابن الصلاح، ۳۶۸؛ التقييد، ۴۲۳

۳۔ التقريب مع تدريب، ۴۹۳

۴۔ فتح المغيث للعراقی، ۴/ ۳۲۹؛ نیز دیکھیے التاريخ الكبير، ۴/ii/ ۱۵۳ اور تعقیب کے لیے، كتاب خطأ البخاری، ۱۳۰؛ الجرح و التعديل، ۴/ i/ ۱۹۷

یہ وہ نوع ہے جس میں اشتباہ ذہن میں واقع ہوتا ہے صورت خطی میں نہیں۔ اور یہ اس طرح کہ ایک راوی کا نام دوسرے راوی کے والد کے نام سے خطاً اور لفظاً مشابہ ہو۔ اور دوسرے کا نام پہلے کے باپ کے نام سے مشابہ ہو اس طرح بعض اہل الحدیث کے ہاں یہ منقلب ہوتا ہے۔ جیسے امام بخاری کے ہاں مسلم بن ولید المدنی تبدیل ہوا ہے۔ انھوں نے اسے مشہور ولید بن مسلم الدمشقی کی طرح ولید بن مسلم لکھا ہے۔ یہ غلطی ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب "خطا البخاری فی تاریخہ" میں اپنے والد سے نقل کی ہے۔ یہ ترجمہ تاریخ بخاری کے بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے۔

مثالیں

حافظ ابن حجر نے جو مثالیں دی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱. اسود بن یزید (۱) اور یزید بن الاسود (۲)

پہلے اسود بن یزید النخعی التابعی الفاضل ہیں، ابراہیم النخعی کے ماموں ہیں۔ کبار تابعین میں سے ہیں۔ عالم ربانی مشہور تھے۔ ہر روز سات سو رکعت نفل ادا کرتے۔ کوفہ سے سفر کر کے ۸۰ حج اور عمرہ ادا کیے۔ دوسرے یزید بن الاسود الخزاعی صحابی ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ان کا شمار مکیوں میں ہوتا ہے اور المزی کے بقول وہ کوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح یزید بن الاسود الجرشی (۳) ہیں تابعی مخضرم کنیت ابوالاسود تھی۔ شام میں سکونت پذیر تھے اور اہل الصلاح میں شمار ہوتے۔ اہل دمشق کے لیے معاویہ نے نماز استسقا پڑھائی اور دعا میں کہا:

"اللھم انا نستشفع بك الیك الیوم بخیرنا و افضلنا"

اسی وقت بارش ہوئی کہ لوگوں کو گھروں تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔ (۴)

اگر غور کریں تو اسود، اسود کے ساتھ اور یزید، یزید کے ساتھ لفظاً اور خطاً متفق ہے مگر جب اسود بن یزید کو جو دو اسموں پر مشتمل ہے تقدیم و تاخیر کے ساتھ یزید بن اسود کہا جائے گا تو یہ یزید بن اسود کے مشتبہ ہوگا۔

۱- اسود بن یزید النخعی التابعی الکوفی (م ۷۵ھ) ممتاز محدثین سے سماع کیا ازاں بعد شائقین علم کی ایک بڑی تعداد نے ان سے روایت کیا۔ جلالت علمی اور ثقہ ہونے میں مسروق کے مانند تھے۔ بہت زیادہ روزے رکھنے والے، تہجد گزار اور کثرت سے حج کرنے والے تھے۔ التاریخ الکبیر، ۱/۱/۴۴۹؛ العبر ۱، /۸۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۴۸؛ سیر اعلام، ۴/ ۵۰

۲- یزید بن الاسود الخزاعی حلیف قریش، بعض نے انھیں العامری کہا ہے۔ کوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ سے نماز کے بارے میں حدیث روایت کی اور ان سے ان کے بیٹے جابر بن یزید ابن الاسود نے روایت کی ہے۔ تہذیب التہذیب، ۱۱/۳۱۶

۳- یزید بن الاسود الجرشی تابعی مخضرم شام میں سکونت پذیر تھے۔ متدین اور سراپا صلاح و خیر تھے۔ التاریخ الکبیر، ۴/۲/۳۱۸؛ کتاب المعرفۃ، ۲/ ۳۸۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۴/ ۱۳۶

۴- ابن الصلاح، ۳۶۸؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۳۰؛ تدریب، ۴۹۴

اسی طرح عبداللہ بن یزید اور یزید بن عبداللہ ہیں۔

۲۔ ولید بن مسلم (۱) و مسلم بن ولید (۲)

ولید بن مسلم البصری تابعی ہیں اور جندب بن عبداللہ البجلی سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح ولید بن مسلم الدمشقی (۳) امام اوزاعی کے شاگرد ہیں۔ احمد بن حنبل اور دوسرے لوگوں نے ان سے روایت کی۔ دوسرے مسلم بن ولید بن رباح المدنی ہیں اپنے والد وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبدالعزیز الدراوردی وغیرہ نے روایت کی۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کیا اور ان کے نام ونسب کو بدل دیا (الولید بن مسلم) اس پر ان کا مواخذہ ہوا۔ (۴)

حافظ ابن الصلاح نے دو مثالوں پر اور عراقی نے ایک مثال پر اکتفا کیا ہے جب کہ ابن حجر نے ایک مثال کا اضافہ کیا ہے اور یہ مثال ہے جب تقدیم وتاخیر ایک اسم میں ہو۔ ایوب بن سیار (۵) اور ایوب بن یسار۔

ایوب بن سیار مدنی مشہور ہیں مگر قوی نہیں اور ایوب بن یسار مجہول شخص ہیں (۶) سیار میں یاء اگر سین پر مقدم کی جائے گی تو یسار کے ساتھ مشتبہ ہوگا۔

مصادر المشتبہ

۱۔ رافع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والانساب

اس موضوع پر سب سے اچھی کتاب ہے۔ اس کے مصنف خطیب بغدادی ہیں۔ اس فن پر متعدد اہل علم نے تالیفات مرتب کیں جن میں حسن بن عبداللہ العسکری (م ۳۸۲ھ)، محمد بن احمد الابیوردی (م ۵۰۷ھ)، یحییٰ بن علی الحضرمی ابن الطحان (م ۴۱۶ھ)، ابن القیسرانی محمد بن طاہر بن علی المقدسی (م ۵۰۷ھ) وغیرہ ہیں۔ (۷)

۱۔ ولید بن مسلم البصری تابعی عالم حدیث تھے۔ ابن معین، ابوحاتم اور ابن حبان نے ان کی ثقاہت کا اعتراف کیا۔ التاریخ الکبیر، ۴/ i /۱۳۳؛ الجرح، ۴/ii/۱۶؛ تہذیب، ۱۱/ ۱۳۳

۲۔ مسلم بن ولید بن رباح المدنی تابعی مولیٰ آل ابی ذباب۔ الجرح ۴/ i /۱۹۷

۳۔ ولید بن مسلم ابوالعباس الدمشقی صاحب الاوزاعی (م ۱۹۵ھ) طلب حدیث کے لیے کثرت سے سفر کیے اور کئی مجموعہ ہائے حدیث تالیف کیے۔ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابوزرعہ الرازی انھیں مغازی کا ماہر تسلیم کرتے تھے۔ شام کے ممتاز محدث مانے جاتے۔ التاریخ الکبیر، ۴/ i /۱۵۳؛ الجرح، ۴/ ii /۱۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۳۰۲؛ سیر اعلام، ۹/ ۲۱۱

۴۔ ابن الصلاح، ۳۶۹

۵۔ ایوب بن سیار مدنی ابن معین کہتے ہیں کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ التاریخ الکبیر، ۱/ i /۳۸۶

۶۔ نزہۃ النظر، ۷۰

۷۔ کشف الظنون، ۲/ ۱۴۳۷

۲۔ مشتبہ النسبۃ

اس کتاب کے مولف محمد عبدالغنی بن سعید الازدی (م ۴۰۹ھ) ہیں۔(۱) کتاب مطبوع ہے۔

۳۔ ذیل مشتبہ النسبۃ

اس کے مولف محمد بن رافع سلامی (م ۷۷۴ھ) ہیں۔ یہ امام ذہبی کی کتاب مشتبة النسبة کا ذیل ہے۔ ڈاکٹر صلاح الدین منجد کی تحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔

محدثین نے جس محنت اور دقت نظر سے راویوں کا جائزہ لیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی، تلفظ، کتابت اور نطق میں اختلاف واشتباہ کا کھوج لگایا ہے اور باریک بینی سے تمام امکانات اور نتائج کو بیان کیا ہے۔ قاری جب المتفق والمفترق، الموتلف و المختلف اور متشابه اور متشابه المقلوب کو پڑھے گا تو اسے اندازہ ہوگا کہ محدثین نے کتنی محنت اور کیسی دقت نظر سے راویوں کا جائزہ لیا ہے۔ وجہ صرف ایک ہے کہ راوی حضور اکرم ﷺ کی حدیث کے بیان میں وارد ہوا ہے اور اس کی وجہ سے حدیث رسول کو نقصان نہ پہنچے۔

۱۔ کشف الظنون، ۲/۱۴۳۷

طبقات الرواۃ

حافظ ابن حجر کے پیش نظر چونکہ اختصار تھا اس لیے انھوں نے خاتمہ کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے اس کے تحت کئی موضوعات جمع کر دیے ہیں۔ ہم نے چونکہ کتاب میں ان ہی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے لہٰذا اس میں جملہ موضوعات اسی ترتیب کے ساتھ بیان کریں گے جو حافظ ابن حجر نے پیش نظر رکھی ہے۔ اس کا آغاز طبقات الرواۃ سے کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

و من المهم عند المحدثين معرفة طبقات الرواة. (۱)

محدثین کے نزدیک طبقات الرواۃ کی معرفت اہم امور میں سے ہے۔

طبقات کا مفہوم

طبقات طبقہ کی جمع ہے اور طبقہ کے لغوی معنی: القوم متشابهون (۲) ہے یعنی ایک جیسے لوگ حافظ ابن الصلاح کے مطابق: عبارة عن القوم المتشابهين (۳) بعض لوگوں نے کہا ہے:

الطبقة القوم المتشابهون في صفة من الصفات

طبقہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو صفات میں سے کسی ایک صفت میں ایک جیسے ہوں۔

محدثین کی اصطلاح میں حافظ ابن حجرؒ کے بقول:

والطبقة في اصطلاحهم: عبارة عن جماعة اشتركوا في السن و لقاء المشائخ. (۴)

اصطلاحاً طبقہ سے وہ جماعت مراد ہوتی ہے جس کے افراد ہم عصر ہوں اور معین مشائخ سے روایت کرنے میں شریک ہوں۔

حافظ عراقی نے اسے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے:

۱- نزهة النظر، ۷۰

۲- فتح المغيث للعراقي، ۴/۳۶۴

۳- ابن الصلاح، ۳۹۹؛ فتح المغيث للسخاوي، ۴/۳۷۳

۴- نزهة النظر، ۷۰

وأما فى الإصطلاح فالمراد التشابه فى الأسنان و الإسناد و ربما اكتفوا بالتشابه فى الإسناد. (۱)

جہاں تک اصطلاح کا تعلق ہے تو اس سے مراد عمر اور اسناد میں تشابہ ہے اور اکثر اسناد میں تشابہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

اہمیت

حافظ ابن حجر اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے علم سے دو متشبہ ناموں میں امتیاز ہو جاتا ہے، تدلیس کا علم حاصل ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسناد معنعن میں اتصال ہے کہ نہیں۔(۲) حافظ عراقی لکھتے ہیں:

وبسبب الجهل بمعرفة الطبقات غلط غير و احد من المصنفين فربما ظن راويا راويا آخر غيره و ربما أدخل راو يا فى غير طبقته (۳)

معرفت طبقات سے ناواقفیت کے باعث کئی مصنفین سے غلطی ہوئی ہے ایک راوی کو دوسرا راوی سمجھا اور بعض اوقات ایک راوی کسی اور طبقے میں شامل کر دیا۔

ابن الصلاح نے مختصر اور جامع تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

و ذلك من المهمات التى افتضح بسبب الجهل بها غير واحد من المصنفين وغيرهم. (۴)

اور یہ ان اہم معاملات میں سے ہے۔ جس سے ناواقفیت کی وجہ سے کئی مصنفین بدنام ہوئے ہیں۔

طبقات

یوں تو راوی کا تعلق ایک طبقہ سے ہوتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص مختلف حیثیتوں سے دو طبقوں میں شمار ہوتا ہے۔ انس بن مالک بایں حیثیت کہ ان کو آنحضرت ﷺ سے شرف صحبت حاصل ہے عشرہ مبشرہ کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں اور اس حیثیت سے کہ اس وقت وہ صغیر السن تھے بعد کے طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔(۵) حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

۱- فتح المغيث للعراقى، ۴/ ۳۶۴-۳۶۵؛ حافظ سخاوی نے بھی یہ تعریف کی ہے، فتح المغيث، ۴/ ۳۷۳

۲- نزهة النظر، ۷۰؛ فتح المغيث للسخاوى، ۴/ ۳۷۳

۳- فتح المغيث للعراقى، ۴/ ۳۶۵

۴- ابن الصلاح، ۳۹۸

۵- نزهة النظر، ۷۰

فرب شخصين يكونان من طبقة واحدة لتشابهما بالنسبة الى جهة، ومن طبقتين بالنسبة الى جهة اخرى لا يتشابهان فيها. فانس بن مالك الأنصارى وغيره من أصاغر الصحابة مع العشرة و غيرهم من أكابر الصحابة من طبقة واحدة اذا نظرنا الىٰ تشابههم فى اصل صفة الصحبة. (۱)

کبھی دو شخص ایک طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں بہ سبب نسبت کی ایک جہت کے اور نسبت کی دوسری جہت کے لحاظ سے دو طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ تشابہ نہیں پایا جاتا مثلاً انس بن مالک انصاری جیسے اصاغر صحابہ اکابر صحابہ کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں اگر ہم صفت صحبت میں تشابہ کو پیش نظر رکھیں۔

طبقات صحابہ کے سلسلے میں دو طریقے اختیار کیے گئے جس مصنف نے شرف صحبت کو بنیاد بنایا اس نے تمام صحابہ کو ایک طبقہ میں شمار کیا جیسے ابن حبان وغیرہ اور جس نے اسلام میں سبقت، غزوات میں شرکت اور ہجرت کا لحاظ رکھا اس نے صحابہ کے دس سے اوپر طبقات قرار دیے۔ اس لحاظ سے انس بن مالک وغیرہ جیسے اصاغر صحابہ کو بعد کے طبقات میں شمار کیا۔(۲) حافظ عراقیؒ نے بارہ طبقات بیان کیے ہیں۔(۳) اور بنیاد حاکم کو قرار دیا ہے۔(۴)

اسی طرح تابعین میں صحابہ سے صرف حدیث روایت کرنے کا جس نے لحاظ رکھا اس نے ان کا ایک ہی طبقہ قرار دیا۔ ابن حبان کی یہی رائے ہے اور جس نے اس کے ساتھ ملاقات کی قلت وکثرت کا لحاظ رکھا اس نے کئی طبقات قرار دیے جیسے محمد بن سعد بغدادی، اس نے متعدد طبقے قائم کیے۔(۵) مسلم نے کتاب الطبقات میں ان کے تین طبقات قرار دیے۔ ابن سعد نے بھی ایسا ہی کیا اور شاید چار طبقات قرار دیے۔ حاکم نے علوم الحدیث میں پندرہ طبقات بیان کیے اور آخری وہ لوگ ہیں جنھوں نے اہل بصرہ میں سے انس بن مالک، اہل کوفہ میں سے عبداللہ بن اوفیٰ اور اہل مدینہ میں سے سائب بن یزید سے ملاقات کی، اہل مصر میں عبداللہ بن الحارث الجزء سے اور اہل شام میں سے ابوامامہ الباہلی سے ملاقات کی۔(۶)

۱- ابن الصلاح، ۳۹۹

۲- نزهة النظر، ۷۰؛ ابن الصلاح، ۳۹۹؛ فتح المغيث للعراقى، ۴/ ۴۶۵؛ تدريب، ۵۳۰

۳- فتح المغيث للعراقى، ۴/۳۳۶

۴- معرفة علوم الحديث، ۲۲-۲۴

۵- نزهة النظر، ۷۰

۶- معرفة علوم الحديث، ۴۲؛ فتح المغيث للعراقى، ۴/ ۳۵۸

طبقات الرواۃ کے مصادر

طبقات الرواۃ کا موضوع بڑی اہمیت کا حامل ہے اور محدثین نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ علماء کی ایک کثیر تعداد نے رواۃ حدیث کے حالات طبقات کی بنیاد پر مرتب کیے ہیں۔ ان علماء میں قابل ذکر محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ)، ابن سعد (م ۲۳۰ھ)، خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ)، ابن المدینی (م ۲۳۴ھ)، امام مسلم (م ۲۶۳ھ)، امام نسائی (۳۰۳ھ)، مسلمہ بن القاسم اندلسی (م ۳۵۳ھ) وغیرہ ہیں۔ اس فن پر کئی اہم کتابیں ہیں۔ ہم ذیل میں دو اہم ترین تالیفات کا ذکر کریں گے۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ

محمد بن سعد کی تصنیف ہے اور اس موضوع پر سب سے اچھی اور جامع تصنیف ہے (۱)۔ ابن صلاح کہتے ہیں:

کتاب حفیل کثیر الفوائد، و هو ثقة غیر أنه کثیر الروایة فیه عن الضعفاء. (۲)

یہ ایک جامع اور بہت فائدہ مند کتاب ہے اور مصنف ثقہ ہیں الا یہ کہ ضعیف راویوں سے بہت روایت کی۔

حافظ عراقی نے قدرے مفصل تبصرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

و کتابه الکبیر جلیل کثیر الفائدة و ابن سعد ثقة فی نفسه و قد وثقه ابو حاتم وغیره. ولکنه کثیر الروایة فی الکتاب المذکور عن الضعفاء کمحمد بن عمر بن واقد الاسلمی الواقدی (۳) و یقتصر کثیراً علی اسمه واسم ابیه من غیر نسب، و کهشام بن محمد بن السائب الکلبی(۴) و نصر بن باب الخراسانی (۵) فی آخرین منهم علی ان

۱۔ نیز دیکھیے کتاب ہذا میں مصادر تابعین

۲۔ ابن الصلاح، ۳۹۸

۳۔ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی الواقدی، قاضی بغداد ابو عبداللہ (۲۰۷ھ) امام مالک اور اہل مدینہ سے روایت کی۔ انھیں جنگیں اور غزوات حفظ تھے۔ وہ ثقہ رواۃ سے مقلوب اور ثبت لوگوں سے معضل روایتیں نقل کرتے حتیٰ کہ یہ کہا گیا کہ وہ عمداً مقلوب روایت کیا کرتے تھے۔ احمد بن حنبل انھیں کذاب کہتے تھے۔ المجروحین، ۲/۲۹۰–۲۹۱

۴۔ ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ابو المنذر (م ۲۰۶ھ) اہل کوفہ میں سے تھے۔ اپنے والد اور معروف مولی سلیمان اور دیگر عراقیوں سے عجائب اور ایسی خبریں بیان کرتے جن کی کوئی اصل نہ ہوتی۔ شباب العصفری اور عبداللہ بن الضحاک الهدادی سے روایت کرتے۔ تشیع میں غلو رکھتے تھے۔ غلط اخبار بیان کرنے کی شہرت رکھتے تھے۔ المجروحین، ۳/ ۹۱

۵۔ نصر بن باب الخراسانی ابراہیم الصائغ اور داؤد بن ابی ہند سے روایت کی اور ان سے ان کے شہر کے لوگوں اور دیگر عراقیوں نے روایت کی۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو ثقات سے مقلوبات روایت کرتے اور ثبت لوگوں سے ایسی روایات بیان کرتے جو ثقات سے مشابہت نہیں رکھتی تھیں۔ جب ایسی روایت زیادہ ہوئیں تو اہل علم نے ان سے روایت لینی چھوڑ دی۔ المجروحین، ۳/۵۳

أكثر شيوخه ائمة ثقات كسفيان بن عيينة (۱) و ابن علیّة (۲) و يزيد بن هارون (۳) و معن بن عيسیٰ (۴) و هشيم (۵) و أبی الوليد الطيالسی (٦) و أبی أحمد الزبيری (۷) وانس بن

۱- سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ابو محمد الھلالی الکوفی (م ۱۹۸ھ) چھوٹی عمر سے علم حدیث کی طلب کا آغاز کیا۔ سند عالی کی تلاش میں مختلف علاقوں میں مقیم محدثین سے استفادے کے لیے سفر کیے۔ حجاز کے محدثین کے علم کے امین بنے، اساتذہ نے ان کی مجالس علمی میں شرکت کی اور ان سے روایت کیا۔ حدیث میں ثقہ، متقن تسلیم کیے جاتے ہیں۔ زہد و ورع اور خشیت الٰہی سے معمور تھے۔ التاريخ الكبير، ۲/ii/۹۴؛ وفيات الأعيان، ۲/ ۳۹۱؛ تاريخ بغداد، ۹/ ۱۷۴؛ تذكرة الحفاظ، ۱/۲۶۲؛ سير أعلام النبلاء، ۸/ ۴۵۴

۲- ابن علیہ، اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم ابو بشر الاسدی کوفی الاصل (م ۱۹۴ھ) اپنی والدہ کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ اپنے وقت کے چوٹی کے محدثین سے سماع کیا۔ احمد بن حنبل، علی بن المدینی، شعبہ ایسے بلند پایہ محدثین نے ان سے روایت کیا۔ حفاظ حدیث میں سے تھے۔ فقہ پر دسترس تھی فتوے دیا کرتے تھے۔ ائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ ثقہ و متقن تھے۔ التاريخ الكبير، ۱/ i/ ۳۴۲؛ تاريخ خليفة، ۴۶۹؛ تذكرة الحفاظ، ۱/ ۳۲۲؛ ميزان ۱/ ۲۱۶؛ تهذيب التهذيب، ۱/۲۷۵؛ سير اعلام النبلاء، ۹/ ۱۰۷

۳- یزید بن ہارون بن زاذی/ زاذان ابو خالد السلمی مولاہم الواسطی (م ۲۰۶ھ) ممتاز محدثین سے سماع کیا۔ بقیہ بن الولید، علی بن المدینی، احمد بن حنبل ایسے نابغہ روزگار محدثین نے ان سے روایت کیا۔ بہترین حافظہ کے مالک تھے۔ جب بغداد گئے تو طالبان حدیث کے ایک جم غفیر نے ان کی مجلس میں شرکت کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے والوں میں سے تھے۔ التاريخ الكبير، ۴/ii/۳۶۸؛ العبر ۱/ ۳۵۰؛ تاريخ بغداد، ۱۴/ ۳۳۷؛ سير اعلام، ۹/ ۳۵۸

۴- معن بن عیسیٰ بن یحییٰ بن دینار ابو یحییٰ المدنی مولی اشجع القزاز (م ۱۹۸ھ) چوٹی کے ہمعصر محدثین سے روایت کیا۔ علی بن المدینی، ابن معین، ابو خیثمہ وغیرھم نے ان سے روایت کیا۔ مالک بن انس کے نہایت قابل اعتماد شاگردوں میں سے تھے۔ امام مالک سے ان کی الموطا سنی، عباسی خلیفہ رشید اور اس کے صاحبزادوں کو بھی موطا سنائی۔ ثقہ کثیر الحدیث، ثبت اور مامون تھے۔ التاريخ الكبير، ۴/i/ ۳۹۰؛ الجرح، ۴/ i/ ۲۷۷؛ شذرات، ۱/ ۳۵۵؛ تذكرة الحفاظ، ۱/ ۳۳۲؛ سير أعلام النبلاء، ۹/ ۳۰۴

۵- ہشیم بن بشیر بن ابی خازم ابو معاویہ السلمی الواسطی (م ۱۸۳ھ) مجلس علمی باوقار ہوتی۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں ہشیم کی صحبت میں چار سال سے زیادہ رہا۔ اور ان کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے دو بار سے زیادہ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ آخری عمر تک حافظہ بہترین رہا۔ ثقہ اور متدین تھے۔ التاريخ الكبير، ۴/ ii/ ۲۴۲؛ تاريخ بغداد، ۱۴/ ۸۵؛ ميزان، ۲/۲۵۷؛ تذكرة الحفاظ، ۱/ ۲۴۸؛ سير اعلام، ۸/ ۲۸۷

٦- ابو الولید الطیالسی ھشام بن عبد الملک الباھلی البصری (م ۲۲۷ھ) اپنے علم و فضل کی وجہ سے وقت کے شیخ الاسلام تسلیم کیے گئے۔ حافظہ بہترین تھا اس لیے احادیث کی کتابت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے اساتذہ میں خواتین محدثات بھی شامل تھیں۔ بصرہ کے مجتہد فقیہ، ثقہ و حافظ محدث تھے۔ التاريخ الكبير، ۴/ii/۱۹۵؛ تذكرة الحفاظ، ۱/۳۸۲؛ شذرات الذهب، ۲/ ۶۲؛ سير أعلام، ۱۰/ ۳۴۱

۷- ابو احمد الزبیری محمد بن عبد اللہ بن الزبیر الکوفی مولی بنی اسد (م ۲۰۳ھ) کوفہ کے ثقہ محدث تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سفیان سے مروی احادیث میں غلطی کر جاتے۔ ابن حنبل، ابن معین، عجلی وغیرہ نے ثقہ محدثین میں شمار کیا۔ عجلی کہتے ہیں کہ وہ شیعیت کی طرف مائل تھے۔ التاريخ الكبير، ۱/i/۱۳۳؛ العبر ۱/ ۳۴۱؛ تهذيب، ۹/ ۲۵۴؛ سير أعلام، ۹/ ۵۲۹

عیاض (۱) وغیرهم ولکنه اکثر الروایة فی الکتاب عن شیخیه الأولین.(۲)

ان کی بڑی کتاب شاندار اور بہت فائدہ مند ہے۔ابن سعد ثقہ ہیں۔ابو حاتم وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے لیکن وہ اس کتاب میں ضعیف راویوں سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔ان میں محمد بن عمر بن واقد الاسلمی الواقدی ہیں اور زیادہ تر راویوں کے نام اور ان کے آباء کے نام بغیر نسب کے ذکر کرتے ہیں، اور دوسرے لوگوں میں ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور نصر بن باب الخراسانی شامل ہیں۔تاہم ان کے اکثر شیوخ ائمہ ثقات ہیں جیسے سفیان بن عینیہ، ابن علیہ یزید بن ہارون معن بن عیسیٰ، ہشیم، ابو الولید الطیالسی، ابو احمد الزبیری اور انس بن عیاض وغیرہم لیکن کتاب کی اکثر روایات پہلے دو شیوخ سے ہیں۔

یہ کتاب کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔سب سے پہلے لائیڈن سے چھپی ازاں بعد اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

تذکرۃ الحفاظ

تذکرۃ الحفاظ کے مؤلف شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م ۷۴۸ھ) ہیں۔آغاز میں صرافی کا پیشہ اختیار کیا اس لیے الذہبی کے نام سے مشہور ہوئے۔مختلف علاقوں میں مقیم اجل اہل علم سے استفادہ کیا۔ان کے شیوخ کی تعداد کثیر ہے جن میں سے کچھ کا ذکر اپنی اس کتاب کے آخر میں کیا۔اہل علم نے ان کی جلالت علمی کا اعتراف کیا ہے۔علامہ سبکی انہیں محدث العصر کہتے ہیں (۳) ابن حجر العسقلانی نے ان کے علمی تفوق کا ذکر کرتے ہوئے تالیفات کی کثرت اور اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔

کان اکثر اهل عصره تصنیفا ... ورغب الناس فی توالیفه ورحلوا الیه بسببها... (۴)

امام ذہبی نے اس کتاب میں حفاظ راویان حدیث کے ذکر کا اہتمام کیا ہے۔کتاب کو طبقات پر تقسیم کیا ہے اور حفاظ رواۃ کے اکیس طبقات مقرر کیے ہیں۔پہلے طبقہ میں صحابہ کرامؓ کا ذکر ہے۔اس طبقہ کے آخر میں چند صحابیاتؓ کا ذکر ہے۔دیگر طبقات میں خواتین رواۃ کا ذکر نہیں ملتا (۵) کتاب کے آخر میں اپنے شیوخ کا ذکر کیا

۱- انس بن عیاض ابو ضمرۃ اللیثی المدنی (م ۲۰۰ھ) ہشام بن عروہ اور ربیعۃ الرائی سے روایت کیا۔ابو زرعہ اور نسائی نے کہا کہ ان سے احادیث روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔التاریخ الکبیر، ۱/ ii/۳۳؛ العبر، ۱/ ۳۳۲؛ شذرات الذهب، ۱/۳۵۸؛ سیر أعلام النبلاء، ۹/ ۸۶

۲- فتح المغیث للعراقی، ۴، ۳۶۵

۳- سبکی، الطبقات، ۷/ ۱۵۴

۴- الدرر الکامنة، ۳/ ۳۳۷

۵- دوسرے طبقے میں صرف ام الدرداء کا ذکر ہے۔۱/ ۵۳

ہے۔کتاب کا آغاز حمد وثنا اور اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر درود وسلام سے کیا ہے۔منہج کتاب کے بارے میں صرف اتنا ہی کہتے ہیں:

هذه تذكرة معدلي حملة العلم النبوي ومن يرجع الى اجتهادهم في التوثيق والتضعيف والتصحيح والتزييف .(۱)

ذہبی نے اس کتاب میں گیارہ سو چھہتر (۱۱۷۶) منتخب اہل علم کے تراجم کا احاطہ کیا ہے۔کتاب کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ تراجم میں راوی کا نام ونسب، شیوخ اور تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔راوی کے علمی مرتبہ ومقام اور اگر اس کی کوئی تالیف وتصنیف ہو تو اس کا ذکر اور تاریخ ولادت ووفات بھی بیان کرتے ہیں۔عموماً ترجمہ کے آخر میں اس سال کے وفات پانے والے محدثین کرام کے نام اور بعض وقت جائے تدفین بھی بتاتے ہیں۔راوی سے متعلق کوئی اہم واقعہ یا اس نے کوئی اہم خدمت سرانجام دی ہو تو اس کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

راوی سے مروی بعض احادیث بیان کرتے ہیں اور بعض صورتوں میں راوی مبہم ہو تو اس کا تعین بھی کرتے ہیں۔بعض رواۃ کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔بعض وقت وہ اسلامی مملکت میں مقیم دوسرے اہل علم کا ذکر کرتے ہیں۔بعض مواقع پر راوی نے جن علاقوں کے شیوخ سے سماع کیا ہو اس کی تفصیل بھی دیتے ہیں۔عموماً ہر طبقہ کے آخر میں اس وقت کی عالم اسلام کے سیاسی وعلمی حالات کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں۔(۲) اہل علم نے کتاب کی مختلف پہلوؤں سے خدمت کی۔

حافظ ذہبی کے شاگرد ابوالمحاسن محمد بن علی حسینی دمشقی (م ۷۶۵ھ) نے ۷۴۲ھ تا ۷۶۵ھ کے رواۃ پر ایک ذیل لکھا۔تقی الدین ابوالفضل محمد بن محمد بن فہد المکی (م ۸۷۱ھ) نے **لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ** لکھا جس میں ذہبی اور ابوالمحاسن سے جو چیزیں رہ گئی تھیں ان کو شامل کیا۔

جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) نے **التذكرة بذیل طبقات الحفاظ** تالیف کیا۔انہوں نے اس میں ماقبل ذیل میں جو کمی تھی اس کو پورا کیا اور دسویں صدی ہجری کے اوائل تک کے حفاظ کو شامل کیا۔یہ تمام ذیول شائع ہو چکے ہیں۔
سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ کی تلخیص بھی لکھی۔(۳) ذہبی کے بعض ناموں کو حذف کیا جبکہ بعض کا اضافہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱

۲۔ چوتھے طبقے کے آخر میں بصرہ میں ظاہر ہونے والے فتنہ اعتزال، قدریہ کے ظہور اور خراسان میں جہم بن صفوان وغیرہ کے فتنوں کا ذکر کرتے ہیں۔(تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۵۹-۱۶۰)؛ پانچویں طبقے کے آخر میں اس دور کے خلفاء ابوجعفر بن منصور، ہارون الرشید وغیرہ کے عقل وعلم اور خدمات دین کا ذکر کرتے ہیں۔اسی طرح بعض صالحین امت کا ذکر کرتے ہیں۔مامون کے دور میں روافض اور معتزلہ کو قوت وشوکت حاصل ہونے، عقیدہ خلق قرآن، علماء کی تعذیب اور بعض علوم جدیدہ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔(تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۴۳)

۳۔ ذیل طبقات الحفاظ، ۳۴۷

کیا۔ یہ کتاب چوبیس طبقات پر مشتمل ہے۔ اکیسویں طبقہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

هذا آخر ما أورده الحافظ الذهبي وأنا أذيل عليه لمن جاء بعده (۱)

اس کے بعد حافظ ذہبی اور ان کے بعد دیگر علماء کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں ابن حجر کا ذکر ہے۔ پہلا طبقہ صحابہ کرامؓ کا ہے۔ تراجم میں اختصار سے کام لیا ہے۔

احمد رافع الحسینی القاسمی الطہطاوی نے مذکورہ تینوں ذیول کو سامنے رکھا۔ بقول ان کے انھوں نے اس میں کچھ اضافے کیے اور کچھ اغلاط کی اصلاح کی اور اس کا نام التنبیہ والإیقاظ لما فی ذیول طبقات الحفاظ رکھا۔(۲)
کتاب متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ ہمارے سامنے مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن کا ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء کا ایڈیشن ہے۔ دار الکتب العلمیہ بیروت سے زکریا عمیرات کے حواشی کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور نے اردو ترجمہ بھی شائع کیا ہے۔

۱- ذیل طبقات الحفاظ، ۳۴۷

۲- التنبیہ والایقاظ، ۲

معرفۃ موالید ووفیات الرواۃ

راویوں کی معرفت کے سلسلے کا ایک اہم پہلو ان کی ولادت اور وفات کا جاننا ہے۔ حافظ ابن حجر نے موالید و وفیات کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے لکھا ہے:

و من المهم ایضاً معرفة موالیدهم و وفیاتهم. لأن بمعرفتهما یحصل الأمن من دعوی المدعي للقاء بعضهم و هو في نفس الأمر لیس کذلك. (۱)

راویوں کی پیدائش اور وفات کا زمانہ جاننا بہت اہم ہے کیونکہ اس کی معرفت سے انسان مدعی کے دعوئ ملاقات سے محفوظ ہو جاتا ہے جب کہ حقیقت میں اس کی ملاقات نہیں ہوئی۔

حافظ ابن حجر نے ایجاز و اختصار کے ساتھ جو بات کہی اس پر علوم الحدیث کے مصنفین نے مفصل گفتگو کی ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے **معرفة تواریخ الرواة** کا عنوان دیا ہے۔(۲) عراقی نے **تواریخ الرواة والوفیات** لکھا ہے(۳) امام نووی اور سیوطی نے ابن الصلاح کے تتبع میں **التواریخ والوفیات** لکھا ہے۔(۴) اس باب میں انھوں نے بعض رواۃ کی موالید و وفیات کا تذکرہ کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و فیها معرفة وفیات الصحابة و المحدثین و العلماء و موالیدهم ومقادیر أعمارهم و نحو ذلك. (۵)

اس میں صحابہ، محدثین اور علماء کی وفات، پیدائش اور عمروں کا اندازہ وغیرہ کی معرفت ہے

حافظ ابن کثیر نے ابن الصلاح کی توضیح سے عنوان قائم کیا ہے:

معرفة وفیات الرواة و موالیدهم و مقدار اعمارهم. (٦)

راویوں کی وفات، پیدائش اور مقدار عمر کی معرفت۔

۱- نزھة النظر، ۷۱

۲- ابن الصلاح، ۳۸۰

۳- فتح المغیث، ۴/ ۳۳۸

۴- تدریب، ۵۰۴

۵- ابن الصلاح، ۳۸۰

٦- الباعث الحثیث، ۲۲۴

علوم الحدیث کے عام مصنفین نے اسے تواریخ (۱) کا عنوان دیا ہے۔ حافظ سخاوی تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وحقیقة التأریخ: التعریف بالوقت الذی تضبط به الاحوال فی الموالید والوفیات و یلتحق به مایتفق من الحوادث و الوقائع التی ینشأ عنها معان حسنة مع تعدیل و تجریح و نحو ذلك و حینئذ فالعطف بالوفیات من عطف الأخص علی الأعم. یقال: تأریخ و توریخ، وارخت الکتاب وورخته بمعنی. وقال الصولی: تاریخ کل شیء غایته، وو قته الذی ینتهی إلیه زمنه، و منه قیل لفلان: تاریخ قومه، ای إلیه المنتهیٰ فی شرف قومه، کما قاله المطرزی، اولکو نه ذاکراً للإخبار، وما شاکلها. و ممن لقب بذلك ابوالبرکات محمد بن سعد بن سعید البغدادی العسال المقری الحنبلی المتوفی سنة تسع و خمسمائة. واول من امر به عمر بن الخطاب، و ذلك فی سنة ست عشرة من الهجرة النبویة من مکة الی المدینة واختیر لابتدائه اول سنیها بعد ان جمع المهاجرین والأنصار و استشارهم فیه؛ لأنها فیما قیل غیر مختلف فیها، بخلاف وقت کل من البعثة و الولادة. وأما وقت الوفاة فهو وإن لم یختلف فیه فالابتداء به و جعله أصلا غیر مستحسن عقلا لتهییجه للحزن والأسف، وأیضاً: فوقت الهجرة مما یتبرك به، لکونه وقت استقامة ملة الاسلام، وتوالی الفتوح، وترادف الوفود و استیلاء المسلمین.

ثم اختیر أن تکون السنة مفتتحة من شهورها بالمحرم؛ لکونه شهر الله، وفیه یکسی البیت و یضرب الورق، و فیه یوم تاب فیه قوم

۱۔ علم طبقات الرواۃ اور علم التواریخ کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ راویوں کی نسبت سے دونوں میں اجتماع ہے اور تاریخ واقعات کی وجہ سے منفرد ہو جاتی ہے: حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ بعض متاخرین نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے کہ تاریخ اصلاً پیدائش اور وفات کو دیکھتی ہے اور بالتبع احوال سے بحث کرتی ہے جب کہ طبقات میں اصلاً احوال پر توجہ دیتے ہیں اور بالعرض پیدائش وفات پر۔ فتح المغیث، ۴ / ۳۰۴

فتيب عليهم۔و كان السبب فيه كما رواه ابن جرير من طريق الشعبي ان أبا موسى الأشعري كتب إلى عمر انه تأتينا منك كتب ليس فيها تأريخ فأرخ . بل روى ايضاً من طريق ابن شهاب ان النبيﷺ لما قدم المدينة، وقد مها في شهر ربيع الأول امر بالتأريخ. و من طريق عمرو بن دينار :أول من ارخ يعلى بن أمية، وهو باليمن و لكن المعتمد الأول. (۱)

تاریخ سے مراد اس وقت کا بیان ہے جس سے پیدائش اور وفات کے احوال منضبط ہوتے ہیں اور اس سے وہ حوادث وواقعات ملحق ہوتے ہیں جن سے تعدیل وتجریح وغیرہ جیسے اچھے معانی ظاہر ہوتے ہیں اور اس وقت وفیات کا عطف خاص کا عام پر عطف ہوگا۔ کہا جاتا ہے: تاریخ اور توریخ اور میں نے خط پر تاریخ ڈالی اور میں نے اس کی تاریخ متعین کی ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ الصولی کہتے ہیں: ہر شیء کی تاریخ اس کی غایت ہے اور اس کا وہ وقت ہے جس پر اس کا زمانہ ختم ہوتا ہے۔ اور اس سے وہ قول جو کسی سے کہا جاتا ہے اس قوم کی تاریخ یعنی اس پر اس قوم کے شرف کی انتہا ہے۔ جیسا کہ المطرزی نے یہ کہا ہے یا اس قوم کے لیے اخبار اور ان کی تشکیل کی یاد دہانی ہے اور جس کو مؤرخ کا لقب دیا گیا وہ ابوالبرکات محمد بن سعد بن سعید العسال المقری الحنبلی المتوفی ۵۰۹ ھ ہے۔ اس سلسلے میں پہلا فیصلہ عمر بن الخطاب نے کیا اور یہ ۱۶ ہجری میں کیا گیا۔ اسی موقعہ پر سال کے آغاز کا فیصلہ ہوا۔ مہاجرین اور انصار کے اجتماع اور ان کی مشاورت سے ہوا اور جیسا کہ کہا گیا یہ فیصلہ بغیر کسی اختلاف کے ہوا بخلاف بعثت اور ولادت کو اختیار کرنے کے۔ جہاں تک وفات کو بنیاد بنانے کا تعلق ہے۔ اگرچہ اس میں اختلاف نہ تھا تاہم اسے بنیاد بنانے کا فیصلہ عقلاً غیر مستحسن تھا کیونکہ یہ حزن اور افسوس برانگیختہ کرنے کا باعث ہے۔ اور یہ فیصلہ اس لیے بھی اچھا تھا کہ ہجرت کا وقت بابرکت ہے کیونکہ یہ ملت اسلامیہ کی استقامت، پے در پے فتوحات اور یکے بعد دیگرے وفود کی آمد اور مسلمانوں کے غلبے کا وقت تھا۔ پھر سال کا آغاز کے لیے محرم کو اختیار کیا گیا کیونکہ یہ اللہ کا مہینہ ہے، اس میں بیت اللہ کو غلاف پہنایا جاتا ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں ایک قوم نے توبہ کی اور اس کی توبہ قبول کی گئی ہے۔

۱- فتح المغیث، ۴ / ۳۰۴-۳۰۵

اس کا سبب جیسا کہ ابن جریر نے شعبی کے طریق سے روایت کی ہے کہ ابو موسیٰ الاشعریؓ نے عمرؓ کو لکھا کہ آپ کی طرف سے بغیر تاریخ کے خطوط آتے ہیں لہٰذا آپ تاریخ لکھا کریں۔ بلکہ ابن شہاب کے طریق سے روایت کی گئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لائے اور یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا تو آپ نے تاریخ کا حکم دیا۔ عمرو بن دینار کے طریق سے یہ روایت کہ جس شخص نے تاریخ کا تعین کیا وہ یمن میں یعلی بن امیہ تھے لیکن قابل اعتماد پہلی روایت ہے۔

تاریخ کی اہمیت

محدثین کے ہاں تاریخ کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سند کے اتصال اور انقطاع کا تعین ہوتا ہے اور اس سے راویوں کے احوال کا پتہ چلتا ہے اور کذابوں کی افترا پردازیاں مبرہن ہوتی ہیں۔ سفیان ثوریؒ نے کہا:

لما استعمل الرواة الكذب استعملنا لهم التاريخ. (۱)

جب راویوں نے جھوٹ گھڑنا شروع کیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ کو استعمال کیا۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ ہم تک حفص غیاث کی روایت پہنچی جس میں انھوں نے کہا:

"اذا اتهمتم الشيخ فحاسبوه بالسنين" يعنى احسبوا سنه وسن من كتب عنه. (۲)

جب تم کسی شیخ کو متہم کرو تو برسوں سے اس کا محاسبہ کرو یعنی اس کی عمر اور جس سے اس نے لکھا ہے اس کی عمر کا حساب لگاؤ۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں:

وهو فن عظيم الوقع من الدين، قديم النفع به للمسلمين، لا يستغنى عنه ولا يعتنى بأعم منه، خصوصاً ما هو القصد الاعظم منه؟ وهو البحث عن الرواة و الفحص عن أحوالهم فى ابتداء هم ، و حالهم واستقبالهم؛ لأن الأحكام الاعتقادية، والمسائل الفقهية مأخوذة من

۱- ابن الصلاح، ۳۸۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۳۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۳۰۷؛ تدریب، ۵۰۵؛ الباعث الحثیث، ۲۲۲؛ المنهل الروی، ۱۴۱

۲- ابن الصلاح، ۳۸۰؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۳۳۹ عراقی نے حفص بن عتاب القاضی کی طرف منسوب کیا ہے؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/ ۳۰۷؛ تدریب، ۵۰۵؛ الباعث الحثیث، ۲۲۲

كـلام الهادى من الضلالة، والمبصر من العمى و الجهالةﷺ و النقلة لـذلك هـم الوسائط بيننا و بينه، والروابط فى تحقيق ما اوجبه و سنه، فكان التعريف بهم من الواجبات والتشريف بتراجمهم من المهمات، ولـذاقام بـه فـى الـقـديم و الحديث اهل الحديث، بل نجوم الهدى و رجـوم الـعدى، ووضعوا التأريخ المشتمل على ماذكرناه مع ضمهم له الضبط لوقت كل من السماع و قدوم المحدث البلد الفلانى فى رحلة الطالب وما اشبهه. (۱)

یہ فن دین کے نقطہ نظر سے عظیم المرتبہ اور مسلمانوں کے لیے قدیم سے نفع رکھتا ہے۔اس سے استغناء ممکن نہیں اور اس سے زیادہ وسعت پذیر سے اعتناء ممکن نہیں۔ خاص طور اس سے سب سے بڑے مقصد کا حصول یہ ہے کہ راویوں کی جستجو ہوتی ہے اور ان کی ابتداء، حال اور مستقبل کے احوال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اس لیے کہ اعتقادی احکام اور فقہی مسائل گمراہی سے ہدایت دینے والے اور اندھے پن اور جہالت سے روشنی دینے والے صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے ماخوذ ہیں لہٰذا یہ راوی ہمارے اور ان کے درمیان واسطے اور رابطے ہیں اس تحقیق کے ضمن میں جو انھوں نے واجب اور مسنون قرار دیے۔اس لیے قدیم و جدید اہل الحدیث جو ہدایت کے ستارے اور دشمن کے لیے تعاقب کرنے والے شعلے ہیں، اس کا اہتمام کیا ہے اور تاریخ کو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، متعین کیا ہے ہر سماع کے وقت کو منضبط کرنے اور رحلہ علمیہ میں فلاں شہر کے محدث کی آمد سے اسے مربوط/منضبط کیا ہے۔

حسان بن یزید کہتے ہیں:

لـم نستعن على الكذابين بمثل التأريخ، نقول للشيخ: سنة كم و لدت؟ فاذا اقر بمولده عرفنا صدقه من كذبه. (۲)

ہم نے کذابوں کے خلاف تاریخ سے زیادہ کسی چیز سے مدد نہیں لی۔ ہم شیخ سے کہتے ہیں! آپ کس سال پیدا ہوئے اگر وہ اپنی ولادت کے سال کا تعین کرتا ہے۔تو ہمیں اس کے سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱- فتح المغيث للسخاوى، ۴/ ۳۰۵

۲- تدريب، ۵۰۵؛ فتح المغيث للسخاوى، ۴/ ۳۰۷؛ فتح المغيث للعراقى، ۴/ ۴۳۹

ابوعبداللہ الحمیدی الاندلسی (۱) کہتے ہیں کہ متہم کرنے سے پہلے تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے: العلل، المؤتلف والمختلف اور وفیات الشیوخ ۔العلل کے موضوع پر دار قطنی کی کتاب اچھی ہے، نیز المؤتلف والمختلف پر سب سے عمدہ کتاب ابن ماکولا کی ہے اور وفیات الشیوخ لیکن اس پر کوئی کتاب نہیں ہے (۲)۔ حافظ عراقی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاید ان کے پیش نظر تحقیق تھی ورنہ موضوع پر کتابیں تو موجود ہیں۔ جیسے ابن زبر کی وفیات اور ابن قانع کی وفیات اور ابن زبر کی تالیف پر کئی ذیول لکھی گئی ہیں اور یہ سلسلہ ہمارے زمانے تک جاری ہے۔ حافظ ابو محمد عبدالعزیز بن احمد الکنانی نے ذیل لکھی اور پھر اس پر ابو محمد ھبۃ اللہ بن احمد الاکفانی نے ذیل لکھی۔ الاکفانی پر حافظ ابوالحسن علی بن المفضل نے ذیل لکھی اور ابن المفضل پر ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری نے بڑی مفید ذیل لکھی اور منذری پر شریف عز الدین احمد بن محمد الحسینی نے اور شریف کی ذیل پر محدث شہاب الدین احمد بن ایبک الدمیاطی نے طاعون کے سال سات سو انچاس ہجری میں لکھی اور ایبک پر میں نے ذیل لکھی۔ (۳)

یہی وجہ ہے کہ علماء نے حدیث کے طالب کے لیے تاریخ کا جاننا ضروری قرار دیا ہے اور اس اہتمام کے ساتھ شیوخ کی وفیات کی معرفت ضروری قرار دی کیونکہ یہ اہم علوم حدیث ہیں۔ خاص طور پر جن تاریخوں کا تعلق حضور اکرم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین سے ہے۔ لہٰذا ان سے غفلت جائز نہیں بالخصوص طالب علم کے لیے۔ جن لوگوں نے اللہ کے دین کے لیے جدوجہد کی ان کے ساتھ قلبی ارتباط دین کا تقاضا ہے۔

مثالیں

حافظ ابن ابن الصلاح کہتے ہیں:

۱. وهذا كنحو ما رويناه عن إسماعيل بن عياش قال: كنت بالعراق فأتاني أهل الحديث و قالوا: هاهنا رجل يحدث عن خالد بن معدان فأتيته فقلت: اى سنة كتبت عن خالد بن معدان قال: سنة ثلاث عشرة يعني و مائة. فقلت: انت تزعم انك سمعت من خالد بن معدان بعد موته بسبع سنين؟ قال: اسماعيل: مات خالد سنة ست و مائة. (۴)

۱- ابوعبداللہ، محمد بن ابی نصر الازدی، الحمیدی الاندلسی (م ۴۸۸ھ) اپنے وقت کے پائے کے فقیہ تھے۔ ابن حزم کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ ۴۴۸ھ میں طلب علم کے لیے سفر کا آغاز کیا۔ صاحب تصانیف تھے۔ العبر، ۳ / ۳۲۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۴ / ۱۲۱؛ نفح الطيب، ۲ / ۱۱۲؛ سير أعلام، ۱۹/ ۴۰

۲- تدریب، ۵۰۵؛ ابن الصلاح، ۳۸۱؛ فتح المغيث للعراقی، ۴/ ۴۴۰

۳- فتح المغيث، ۴/ ۴۴۰؛ تدریب، ۵۰۵

۴- ابن الصلاح، ۳۸۰؛ فتح المغيث للعراقی، ۴/ ۴۳۹؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴ / ۳۰۵؛ تدریب، ۵۰۵؛ الباعث الحثيث، ۲۲۳؛ الكفاية، ۱۱۹

اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو ہم تک اسماعیل بن عیاش سے پہنچا ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں عراق میں تھا کہ میرے پاس اہل الحدیث آئے اور کہا کہ یہاں ایک شخص ہے جو خالد بن معدان سے حدیث بیان کرتا ہے میں اس کے پاس گیا اور کہا: آپ نے خالد بن معدان سے کس سال حدیث لکھی؟ اس نے کہا: ۱۱۳ ہجری میں، یعنی ایک سو تیرہ میں۔ میں نے کہا: تمھارا خیال ہے کہ تم نے خالد بن معدان سے ان کی موت کے سات سال بعد سماع کیا ہے۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ خالد ۱۰۶ ہجری میں وفات پا گئے تھے۔

۲. قال عفير بن معدان الكلاعي: قدم علينا عمر بن موسىٰ حمص، فاجتمعنا اليه في المسجد، فجعل يقول: حدثنا شيخكم الصالح، فلما اكثر قلت له: من شيخنا هذا الصالح؟ سمه لنا نعرفه. قال: فقال: خالد بن معدان. قلت له: في اى سنة لقيته؟ قال: لقيته سنة ثمان ومائة. قلت فاين لقيته؟ قال: لقيته في غزاة ارمينيه، قال فقلت: اتق الله يا شيخ ولا تكذب! مات خالد بن معدان سنة اربع و مائة، وانت تزعم انك لقيته بعد موته باربع سنين (۱)

عفیر بن معدان الکلاعی کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں حمص میں عمر بن موسیٰ آئے۔ ہم لوگ ان کے پاس مسجد میں جمع ہوئے تو انھوں نے کہنا شروع کیا: تمہارے صالح شیخ نے ہم سے حدیث بیان کی۔ جب اس نے بہت دفعہ کہا تو میں نے کہا: یہ ہمارے صالح شیخ کون ہیں؟ اس کا نام بتایئے تا کہ ہمیں پتہ چلے تو انھوں نے کہا: خالد بن معدان۔ میں نے کہا کہ آپ کس سال ان سے ملے؟ کہنے لگے میں اسے ایک سو آٹھ ہجری میں ملا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یا شیخ اللہ سے ڈرو اور جھوٹ نہ بولو۔ خالد بن معدان ایک سو چار ہجری میں فوت ہوئے اور تمھارا خیال ہے کہ تم انھیں وفات کے چار سال بعد ملے ہو۔

۳۔ ابو عبداللہ حاکم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

لما قدم علينا ابو جعفر بن حاتم الكشي (۲) وحدث عن عبد بن حميد سالته عن مولده فذكر انه ولد سنة ستين و مائتين. فقلت اصحابنا: سمع هذا الشيخ من عبد بن حميد بعد موته بثلاث عشر سنة. (۳)

۱۔ الكفاية، ۱۱۹؛ ابن الصلاح، ۳۸۰–۳۸۱؛ فتح المغيث للعراقي، ۴/ ۴۳۹؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴/ ۳۰۶

۲۔ الکشی، کش کی طرف نسبت ہے جو جرجان کے قریب ایک بستی ہے (الباعث الحثيث، حاشية ۲۲۳) عبدالوہاب عبداللطیف کے بقول یہ الکسی ہے اور كس بكسر الكاف و تشديد السين، کس کی طرف نسبت ہے جو ماوراء النہر کا ایک شہر ہے اور نخشب کے قریب ہے لیکن عموماً کاف کے فتحہ اور شین منقوطہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ تدریب، ۵۰۵

۳۔ ابن الصلاح، ۳۸۱؛ فتح المغيث للعراقي، ۴/ ۴۳۹–۴۴۰؛ فتح المغيث للسخاوی، ۴/ ۳۰۶؛ تدريب، ۵۰۵؛ الباعث الحثيث، ۲۲۲؛ الوسيط، ۶۵۲–۶۵۳

جب ہمارے ہاں ابوجعفر محمد بن حاتم الکشی آئے اور عبد بن حمید سے احادیث روایت کرنے لگے تو میں نے ان سے تاریخ پیدائش کا پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ دوسو ساٹھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: شیخ نے عبد بن حمید سے ان کی وفات سے تیرہ سال بعد سماع کیا ہے۔

اس باب میں حافظ ابن الصلاح نے اور ان کے تتبع میں عراقی، سخاوی اور سیوطی نے بعض موالید ووفیات کا ذکر کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ، خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ کی وفیات کو بیان کیا ہے۔ دوسرے درجے پر دو شخصوں کا تذکرہ جو ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ اسلام میں زندہ رہے۔ حکیم بن حزام اور حسان بن ثابت۔ تیسرے درجے پر اصحاب مذاہب الخمسہ المتبوعہ۔ ابن الصلاح نے سب سے پہلے سفیان بن سعید الثوری کا ذکر کیا ہے بعد میں مالک، ابوحنیفہ، الشافعی اور احمد بن حنبل ہیں۔

چوتھے درجے میں اصحاب کتب الحدیث الخمسة المعتمدة۔ بخاری سے نسائی تک۔ حافظ ابن کثیر نے ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی صاحب السنن کا اضافہ کیا ہے جن سے صحاح ستہ مکمل ہوتی ہیں۔(۱)

پانچویں درجے پہ سات حفاظ جنھوں نے شاندار تصانیف چھوڑیں جن سے عظیم فوائد حاصل ہوئے ان میں سے دار قطنی، حاکم نیسابوری، ابومحمد عبدالغنی بن سعید الازدی حافظ مصر، ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی الحافظ کے موالید ووفیات کو بیان کیا ہے۔ اور دوسرے طبقہ کے تحت ابوعمر بن عبدالبر، ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی اور ابوبکر احمد ابن علی الخطیب البغدادی کا تذکرہ ہے۔(۲)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مناسب ہوتا اگر ان چند اہل علم کو بھی شامل کیا جاتا جن کی تصانیف سے اہل الحدیث کو بہت نفع پہنچا ہے۔ انھوں نے طبرانی، (م ۳۶۰ھ)، حافظ ابویعلی الموصلی (م ۳۰۷ھ)، حافظ ابوبکر البزار (م ۲۹۲ھ)، امام الائمہ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) اور ابوحاتم محمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ) کے نام لکھے ہیں (۳)۔

مصادر موالید الرواۃ ووفیاتھم

راویان حدیث کے تراجم پر مختصر وطویل تالیفات کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہو چکا تھا۔ مولفین بالعموم ہجرت کے سال سے آغاز کرتے اور اپنی وفات سے قبل تک کے رواۃ کے حالات سنین وار بیان کرتے۔ ان کتب میں متعلقہ سال میں پیش آمدہ حالات، رواۃ کا تذکرہ، ان پر جرح وتعدیل کا حکم اور وفات کا تذکرہ ہوتا یا حروف تہجی کے اعتبار سے اہلِ علم کے ضروری حالات وواقعات اور ان کے سال وفات کا ذکر کرتے۔ ان کتب کو بالعموم

۱- الباعث الحثیث، ۲۲۵

۲- تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن الصلاح، ۳۸۰-۳۸۱؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/ ۲۳۹-۲۴۴؛ تدریب/۵۰۶-۵۱۹

۳- الباعث الحثیث، ۲۲۷

کتب التواریخ کا نام دیا گیا مثلاً اللیث بن سعد مصری (م ۱۷۵ھ)، عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)، یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) کی التاریخ و العلل، علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) کی التاریخ، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، بخاری (م ۲۵۶ھ) کی التاریخ الکبیر، ابن حزم اندلسی (م ۴۵۰ھ) وغیرہم کی کتب بطور مثال پیش کی جاسکتی ہیں۔(۱) ایک عرصے تک اسی منہج پر تالیفات مرتب ہوتی رہیں۔ غالباً چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں الوفیات کے عنوان سے بھی تالیفات منظر عام پر آتی ہیں۔ الوفیات کے مؤلفین نے ہجرت سے لے کر اپنے زمانے تک کے اہل علم کے حالات وواقعات اور وفات کا تذکرہ سنین وار مرتب کیا۔ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز (م ۳۱۷ھ) نے تاریخ وفاۃ الشیوخ اور قاضی ابوالحسین عبدالباقی بن قانع (م ۳۵۱ھ) وغیرہ نے الوفیات کے عنوان سے کتب مرتب کیں۔ آخرالذکر کتاب ہجرت سے لے کر ۳۴۶ ہجری تک کے رواۃ کے حالات ووفیات پر مشتمل ہے۔

ا۔ التاریخ الکبیر

سید المحدثین امام بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ (م ۲۵۶ھ) نے امت مسلمہ کو مستند اور صحیح احادیث پر مشتمل ایک عظیم تحفہ الجامع الصحیح کی صورت میں دیا تو انھوں نے اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا کہ حدیث کی صحت کو پرکھنے کا ایک اہم پیمانہ/میزان، احادیث کے بیان کرنے والوں کے حالات کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ امت ضعیف اور کمزور راویوں کو ثقہ راویوں سے متمیز کر سکے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھوں نے رواۃ حدیث پر تین کتب التاریخ الکبیر، التاریخ الأوسط اور التاریخ الصغیر تالیف کیں۔ رواۃ کے حالات پر بے شمار کتب مدون ہوئیں لیکن بقول خطیب: یربی علی هذه الكتب كلها (۲) یہ کتاب اس موضوع پر پہلی جامع کتاب مانی جاتی ہے۔

ابواحمد حاکم کا قول ہے:

کتاب لم یسبق إلیه و من ألف بعده من التاریخ ... لم یستغن عنه (۳)

ابوالعباس بن سعید بن عقدہ کا قول ہے:

لو أن رجلاً كتب ثلاثين ألف حديث لما استغنى عن تاريخ البخارى (۴)

جب اس کتاب کی خبر اہل علم تک پہنچی تو انھوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کتاب کی صحت کا اندازہ امام بخاری کے اس بیان سے ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اس کتاب کا تین بار اعادہ کیا۔(۵)

۱۔ سیر اعلام، ۱۳۶/۸؛ ۳۷۸/۸؛ ۴۳۲/۱۱؛ ۳۷۰/۱۱ وغیرہ

۲۔ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۳۲۲

۳۔ سبکی، طبقات، ۲/۲۲۵-۲۲۶

۴۔ الجامع لاخلاق الراوی، ۲/۱۸۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۳/۳۲۲

۵۔ التاریخ الکبیر (مقدمة)، ۱/أ/۶؛ تاریخ بغداد، ۲/۷؛ سیر اعلام، ۴۰۳/۱۲؛ سبکی، طبقات، ۲/۲۲۱

ان کے ہمعصر محدث دفقیہ اور استاد ابن راھویہ (م ۲۳۸ھ) نے جب التاریخ الکبیر کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اسے سحر سے تعبیر کیا۔ابن راھویہ نے علم دوست حاکم وقت عبداللہ بن طاہر کی خدمت میں کتاب پیش کی تو وہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔(۱)

امام بخاری کی جلالت علمی کا اعتراف اہل علم نے کھلے دل سے کیا ہے۔وہ حافظ حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث کے علل پر خوب دسترس رکھتے تھے۔امام ترمذی کا قول ہے:

لم أر بالعراق ولا بخراسان فی معنی العلل و التاریخ و معرفة الأسانید أعلم من محمد بن اسماعیل (۲)

امام مسلم نے طبیب الحدیث فی علله کا خطاب دیا۔(۳)

امام بخاری نے اپنی کتاب میں صحابہ کرامؓ سے لے کر اپنے عہد تک کے راویان حدیث کے تراجم بیان کیے ہیں۔اس میں ثقہ اور ضعیف دونوں قسم کے رواۃ کو بیان کیا گیا ہے۔امام بخاری نے یہ کتاب روضہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب چاندنی راتوں میں ترتیب دی (۴)۔امام بخاری نے طوالت کے خوف سے رواۃ کے حالات میں اختصار سے کام لیا ہے(۵)۔

رواۃ کے تراجم حروف معجم کی ترتیب پر مرتب کیے ہیں۔آغاز محمد ﷺ کے مختصر حالات سے کیا ہے۔اس کے بعد دیگر محمد نامی رواۃ کے تراجم بیان کیے ہیں۔مقدمہ کتاب میں کہتے ہیں:

هذه الأسامی وضعت علی ب، ت، ث وانما بدئ بمحمد من بین حروف ا، ب، ت، ث لحال النبی صلی الله علیه وسلم لأن اسمه محمد صلی الله علیه وسلم (۶)

محمد نامی رواۃ کے بعد دیگر رواۃ حروف معجم کی ترتیب سے بیان کیے ہیں مثلاً سب سے پہلے ان رواۃ کا ذکر ہے جو الف سے شروع ہوتے ہیں۔پھر ان ناموں کو والد کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔یعنی باب ابراہیم میں ان راویوں کا نام پہلے بیان کیا ہے جن کے والد کا نام حرف "الف" سے شروع ہوتا ہے۔اس کے اگلے باب میں وہ راوی ہیں جن کے والد کا نام حرف "ب" سے شروع ہوتا ہے۔یہی طریقہ آخری حرف معجم تک اختیار کیا ہے۔داخلی ترتیب

۱- التاریخ الکبیر، ۱/أ/۷؛ تاریخ بغداد، ۲/۷؛ سیر اعلام، ۱۲/۴۰۳؛ سبکی، طبقات، ۲/۲۲۱

۲- سیر اعلام، ۱۲/۴۳۲؛ تاریخ بغداد، ۲/۲۷؛ سبکی، طبقات، ۲/۲۲۰

۳- سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۴۳۲؛ سبکی، طبقات، ۲/۲۲۳

۴- التاریخ الکبیر (مقدمة)، ۱/أ/۶؛ تاریخ بغداد، ۲/۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۴۰۰؛ تذکرة الحفاظ، ۱/۵۵۵

۵- التاریخ الکبیر (مقدمة)، ۱/أ/۶؛ تاریخ بغداد، ۲/۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۴۰۰

۶- التاریخ الکبیر (مقدمة)، ۱/أ/۱۱

سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نام جو کثیر رواۃ کا ہے ان کو مقدم کیا ہے۔ اگر کسی حرف سے صحابی کا نام ہے تو اسے ابتدا میں لائے ہیں اور حرف کی ترتیب کا خیال نہیں رکھا۔ ایسا راوی جس کے نام کا کوئی اور راوی نہیں بلکہ وہ تنہا ہے تو حرف کے آخر میں مفردات کے تحت درج کرتے ہیں اور مبہم راویوں کا بیان من افناء الناس کے تحت کیا ہے۔

امام بخاری کا عموماً یہ طریقہ ہے کہ جب وہ کسی راوی کا ترجمہ بیان کرتے ہیں تو ان کے والد، دادا، کنیت، علاقے اور قبیلے کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں۔ بعض صورتوں میں رواۃ کی غزوات میں شرکت یا کوئی اہم ذمہ داری جو اس نے ادا کی ہو تو اس کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ بعض رواۃ کے شیوخ اور تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض رواۃ سے مروی احادیث کا ذکر کرنے کے بعد اس بات کا تعین بھی کرتے ہیں کہ راوی نے روایت کب اور کہاں سنی۔ کہیں کہیں رواۃ کے سنین وفات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ تراجم بالعموم مختصر ہیں بلکہ بعض اوقات کوئی خاص معلومات مہیا نہیں کی گئی ہیں۔

امام بخاری رواۃ کی توثیق وتضعیف کے لیے جرح وتعدیل کے لیے بعض مختص الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن وہ ان الفاظ کے استعمال میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ جرح کے لیے عموماً نرم اور معتدل الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً فلان فیه نظر، فلان سکتواعنه وغیرہ، شدید ترین الفاظ "لایصح حدیثه؛ فی حدیثه نظر؛ منکر الحدیث؛ یتکلم فیه استعمال کیے ہیں۔(۱) لفظ کذاب یا وضاع بہت کم استعمال کیا ہے۔(۲)

ثقہ یا مستند رواۃ کے لیے لفظ ثقة؛ حسن الحدیث جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں (۳)۔ معتد بہ تعداد ان رواۃ کی بھی ہے جن کے بارے میں امام بخاری نے سکوت اختیار کیا ہے۔

ایک باب ان رواۃ پر مشتمل ہے جو اپنے آباء کی نسبت سے معروف ہیں۔ کتاب کے آخر میں باب الکنی (۴) یعنی ان رواۃ کا ذکر ہے جو کنیتوں سے معروف ہیں۔ آخر میں ان چند خواتین کا ذکر ہے جو کنیتوں سے معروف ہیں۔

کتاب میں بارہ ہزار سے زیادہ رواۃ کا تذکرہ موجود ہے۔ کتاب الکنی میں مذکور رواۃ شامل کیے جائیں تو تعداد تیرہ ہزار سے اوپر پہنچ جاتی ہے۔

اس فن پر بعد میں لکھنے والوں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کو بنیاد بناتے ہوئے کچھ اضافے کیے۔

دارقطنی نے اس پر ایک ذیل مرتب کیا۔(۵)

۱- التاریخ الکبیر، ۱/ ii /۱۳۰، ۱۸۹؛ ۲/ i /۱۹۲، ۲۷۷، ۳۴۳، ۳۷۰؛ ۳/ ii /۱۹۷، ۲۰۷، ۲۱۳: ایسی مثالیں دیگر مقامات پر بھی دیکھی جاسکتی ہیں: سیر اعلام، ۱۲/۴۳۹؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۱۳۱؛ سبکی، طبقات، ۲/۲۲۴-۲۲۵

۲- سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۴۳۹-۴۴۱؛ فتح المغیث للسخاوی، ۲/۱۳۱؛ سبکی، طبقات، ۲/۲۲۴

۳- التاریخ الکبیر، ۲/ ii /۱۰۹، ۱۷۷، ۳۶۴؛ ۳/ i /۳۰۸؛ ۳/ ii /۷۹

۴- التاریخ الکبیر کے اختتام پر موجود ہے۔ کتاب الکنیٰ کے نام سے علیحدہ بھی متعدد بار چھپ چکی ہے۔ پہلی بار حیدرآباد سے ۱۳۶۰ھ میں چھپی۔

۵- لسان المیزان، ۵/۳۶

بعض ائمہ جرح وتعدیل نے التاریخ الکبیر پر نقد کیا ہے، جن میں ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی اور خطیب بغدادی ہیں (۱)۔ بعض اہل علم نے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے (۲)۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اتنی ضخیم کتاب میں اگر سو (۱۰۰) اغلاط بھی ہوں تو یہ تعداد بہت معمولی ہے۔ اگر ہم تیسری صدی ہجری کے وسائل سفر اور دیگر سہولتوں یعنی طباعت اور میڈیا وغیرہ کو مدنظر رکھیں تو تعجب اغلاط کی کمی کو دیکھ کر ہوتا ہے۔

یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ پہلی بار حیدر آباد دکن سے ۱۳۱۸-۱۳۶۰ھ تک شائع ہوتی رہی۔ اس وقت ہمارے سامنے اس کے بعد شائع ہونے والے دو ایڈیشن ہیں۔ ایک بیروت سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ یہ چھ مخطوطات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں مفید حواشی بھی ہیں۔

دوسرا ایڈیشن مصطفیٰ عبدالقادر عطا کی تحقیق سے دار الکتب العلمیہ بیروت ہی سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔ آغاز میں محقق کا مقدمہ ہے۔ اس میں انھوں نے علم جرح وتعدیل کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے اس فن کی اہمیت اور امام بخاری کے مختصر حالات زندگی بیان کیے ہیں اور کتاب کے منہج پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۔ کتاب الجرح والتعدیل

کتاب الجرح والتعدیل کے مؤلف عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) ہیں۔ اہل علم نے ان کے علم وفضل اور ثقاہت کو سراہا ہے۔ ابویعلیٰ الخلیلی کا قول ہے:

اخذ علم ابیه و ابی زرعة، کان بحراً فی العلوم و معرفة الرجال (۳)

مؤلف نے اپنی اس کتاب میں صحابہ کرامؓ سے لے کر اپنے زمانے تک کے رواۃ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تالیف کا اصل محرک امام بخاری کی التاریخ الکبیر ہی جس میں رواۃ پر نقد وجرح بالعموم موجود نہیں۔ ابوحاتم الرازی (والد عبدالرحمٰن) اور ان کے ہمعصر ماہر حدیث اور ممتاز ناقد ابوزرعہ الرازی نے ارادہ کیا کہ وہ امام بخاری کی کتاب کی اس کمی کو پورا کریں گے یعنی رواۃ کے حالات کے ساتھ ساتھ وہ ان کے مستند یا غیر مستند ہونے کے بارے میں مشہور ائمہ نقد کی آراء بھی بیان کریں گے۔

ان دو ائمہ حدیث کے منصوبے کو ابن ابی حاتم نے عملی جامہ پہنایا۔ ابن ابی حاتم متقدمین ناقدین حدیث

۱۔ ناقدین نے ان اغلاط کی نشاندہی کی ہے اور ابن ابی حاتم نے ان اغلاط کو بیان خطاء ابی عبدالله بخاری فی تاریخه میں ذکر کیا ہے۔ یہ التاریخ الکبیر کے آخر میں شائع ہوئی ہے۔ خطیب بغدادی نے الموضح لأوهام الجمع والتفریق میں نقد کیا ہے۔

۲۔ اہل علم میں نمایاں شخصیت شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی کی ہے۔ انھوں نے خطیب کی مندرجہ بالا کتاب کے مقدمہ میں امام بخاری کا دفاع کیا ہے۔

۳۔ تذکرة الحفاظ، ۳/۸۳۰؛ شذرات، ۲/۳۰۸؛ سبکی، طبقات، ۳/۳۲۵

کے اقوال کے پہلو بہ پہلو وہ اپنے والد کے علم و تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ڈاکٹر نور الدین عتر کہتے ہیں:

وهو كتاب جليل في هذا الشأن، اعتمد فيه مصنفه على ائمة العلم لاسيما الامام الكبير والده. (۱)

کتاب کا سرسری جائزہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ وہ بالعموم رواۃ کی جرح و تعدیل میں ابو حاتم اور ابو زرعہ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ گویا کہ یہ کتاب امام بخاری اور ابو حاتم اور ابو زرعہ کے علم و تجربے کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ (۲) ڈاکٹر اکرم العمری کہتے ہیں:

وهو من اجمع كتب الجرح والتعديل تابع فيه التأريخ الكبير للبخاري الا أنه اكثر من إيراد الفاظ الجرح والتعديل واستوعب الكثير من اقوال ائمة الجرح والتعديل في الرجال فصار خلاصة لجهود السابقين العارفين بهذا الفن (۳).

ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ وہ رے میں تھے کہ انہوں نے ابن عبدویہ الوراق سے کہا کہ تم ابو زرعہ اور ابو حاتم کو کتاب التاریخ سناتے ہو جسے تم نے ان دونوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ وہ بولے کہ جب ان دونوں کے پاس کتاب التاریخ پہنچی تو دونوں نے کہا:

هذا علم لايستغنى عنه ولا يحسن بنا ان تذكره عن غيرنا فاقعدا ابن ابى حاتم فصار يسألهما عن رجل بعد رجل و هما يجيبانه وزادا فيه ونقصا (۴)

غالباً یہی حقیقت ہے کہ جس کی وجہ سے جرح و تعدیل پر لکھی گئی کتب میں اس کتاب کو نمایاں مقام ملا اور بعد میں آنے والوں کے لیے مستند مآخذ کے طور پر استعمال ہوئی۔

آٹھ جلدوں پر مشتمل کتاب اور مقدمہ علیحدہ مستقل جلد میں موجود ہے۔ یہ مقدمہ جرح و نقد کے اصول اور مشہور ناقدین فن کے تراجم، سنت اس کی اہمیت و ضرورت اور دیگر اہم مباحث پر مشتمل ہے۔

جلد اول میں بھی اڑتیس (۳۸) صفحات کا مفید مقدمہ ہے جس میں سنت کی اہمیت، اس کی حفاظت اور

۱۔ منهج النقد، ۱۳۱

۲۔ تذكرة الحفاظ، ۹۷۸/۳

۳۔ بحوث في تاريخ السنة المشرفة، ۱۵۱

۴۔ تذكرة الحفاظ، ۹۷۸/۳

جرح وتعدیل کی ضرورت وغیرہ کا ذکر ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی اس کتاب میں صحابہ سے لے کر اپنے زمانے تک کے رواۃ کا ذکر کیا ہے۔ راوی کے حالات کے ضمن میں عموماً وہ اس کے نام، نسب، نسبت اور کنیت کا ذکر کرتے ہیں۔ ترجمہ میں راوی کے شیوخ واساتذہ کے ذکر کے علاوہ اس کے علمی اسفار، زہد وتقویٰ اور اگر کسی راوی سے متعلق کوئی اور نمایاں وصف ہو تو اس کو بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد اس کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ رواۃ کے سنین وفات کا کم کم ذکر کرتے ہیں۔ بعض رواۃ کے حالات نہایت مختصر ہیں، کئی مقامات پر کوئی خاص معلومات نہیں جبکہ بعض تراجم میں صرف نام روی عن اور روی عنہ پر اکتفا کیا گیا ہے(۱)۔ کتاب میں ایک معتدبہ تعداد ان رواۃ کی بھی ہے جن کی ثقاہت یا ضعف کے بارے میں کوئی حکم موجود نہیں۔ مؤلف نے خود اس طرف قاری کو توجہ دلائی ہے، وہ کہتے ہیں:

انا قد ذكرنا اسامی كثيرة مهملة من الجرح والتعديل كتبناها ليشتمل الكتاب على كل من روى عنه العلم رجاء وجود الجرح والتعديل فيهم فنحن ملحقوها بهم من بعد ان شاء الله تعالىٰ (۲).

مؤلف نے تراجم حروف معجم کے مطابق ترتیب دیے ہیں۔ ایسے رواۃ جو کسی حرف سے کثیر تعداد میں ہیں، قاری کی سہولت کے لیے ان کو آباء کے ناموں پر حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ مثلاً اسماعیل نامی رواۃ کی تعداد کثیر ہے۔ ان میں سب سے پہلے وہ اسماعیل مذکور ہیں جن کے والد کا نام حرف ''الف'' سے شروع ہوتا ہے۔ پھر وہ رواۃ جن کے والد کا نام ''ب'' سے شروع ہوتا ہے اور اسی طرح آخر حرف تک۔

نقد وجرح کے بارے میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و قصدنا بحكايتنا الجرح والتعديل فی كتابنا هنا الى العارفين به العالمين له متاخراً بعد متقدم إلى ان انتهت بنا الحكاية إلى أبى و ابى زرعة رحمهما الله ولم نحك عن قوم قد تكلموا فى ذلك لقلة معرفتهم به، و نسبنا كل حكاية إلى حاكيها والجواب إلى صاحبه، ونظرنا فى اختلاف اقوال الائمة فى المسئولين عنهم فحذفنا تناقض قول كل واحد منهم والحقنا بكل مسئول عنه ما لاق به واشبهه من

۱- قاری کو اس کی مثالیں جلد اول ہی سے مل سکتی ہیں دیکھیے: الجرح والتعدیل، ۱/ا/۴۰، ۱۵۰، ۱۵۱، ۴۴۳، ۴۹۹، ۵۴۰، ۵۵۲ وغیرہ۔

۲- کتاب الجرح والتعدیل، ۱/ا/۳۸

جوابهم. (۱)

نقل اقوال میں دیانت داری سے کام لیا ہے۔ اگر کسی راوی کے بارے میں ابوزرعہ سے کسی دوسرے شخص نے دریافت کیا ہے تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور دونوں میں فرق سألت اور سُئل سے کرتے ہیں، کہتے ہیں:

كلما أقول سئل ابو زرعة فإني قد سمعته منه إلا أنه سأله غيري بحضرتي فلذلك لا أقول سألته، وأنا فلا ادلس بوجه ولا سبب. (۲)

ابن ابی حاتم نے ائمہ کے اقوال جمع کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض مواقع پر اپنی رائے کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں۔ جرح وتعدیل کے متعارض اقوال کی صورت میں تدبر اور باریک بینی سے کام لیتے ہوئے صحیح حکم مستنبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تراجم کا آغاز احمد نامی رواۃ سے کیا ہے۔ باب الف میں سب سے پہلے احمد کا ذکر ہے اور باب م میں سب سے پہلے محمد نامی رواۃ کے حالات کا ذکر کیا ہے۔ اگر کسی نام کا ایک ہی راوی ہو یا غیر منسوب ہو تو ایسے راوی کو ہر حرف کے آخر میں باب الافراد کے تحت لائے ہیں۔ تراجم کے بیان میں حرف معجم کے اعتبار کے ساتھ ساتھ اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ اگر اس حرف سے کسی صحابی کا نام ہے تو اس کا ذکر آغاز میں کرتے ہیں۔ کتاب کے آخری جز کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب ان رواۃ پر مشتمل ہے جو اپنے والد کی نسبت سے معروف ہیں۔

دوسرا باب ان راویان حدیث کے لیے مختص ہے جو اخو فلان کی نسبت سے مشہور ہیں۔

تیسرا باب مبہم رواۃ کے لیے ہے۔

چوتھا باب ان راویوں کے لیے ہے جو نام کے بجائے کنیت سے معروف ہیں۔

پانچواں باب ان خواتین رواۃ کے لیے مختص ہے جو کنیت سے مشہور ہیں۔

کتاب میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ راویان حدیث کے تراجم ہیں۔ یہ کتاب بعد میں آنے والوں کے لیے اہم مرجع بنی۔ ہر جلد کے آغاز میں یا اختتام پر تراجم کی فہرست موجود ہے۔

ابن ابی حاتم نے بخاری کے بعض اوہام کا ذکر بھی کیا بلکہ ایک مستقل رسالہ میں امام بخاری کا تعاقب کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بخاری نے بعض رواۃ کو ضعیف کہا حالانکہ حقیقت میں وہ ثقہ ہیں (۳)۔

۱- کتاب الجرح والتعدیل، ۱/۱/۳۸

۲- ایضاً، ۲/۱/۵۰۱

۳- امام بخاری کے اوہام سے متعلق ابن ابی حاتم کا یہ رسالہ امام بخاری کی التاریخ الکبیر کے ساتھ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہمارے سامنے اس کتاب کے دو ایڈیشن ہیں۔ پہلا حیدر آباد دکن سے مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ کا جو ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن جو پہلے کا عکس ہے اسے دار احیاء التراث العربی، بیروت نے شائع کیا۔ اس پر سن طباعت موجود نہیں۔ مختلف مخطوطات کے تقابل کے بعد یہ ایڈیشن تیار کیا گیا ہے۔ کتاب چار جلدوں اور ہر جلد دو اجزاء پر مشتمل ہے جب کہ مقدمہ تقدمة الجرح علیحدہ مستقل جلد میں ہے۔ ناشرین نے ہر جز کو علیحدہ علیحدہ نمبر دیا لہذا بشمول مقدمہ یہ کتاب نو جلدوں پر مشتمل ہے۔

۳۔ کتاب الوفیات

ابن زَبَر الربعی، محمد بن عبداللہ الدمشقی (م ۳۷۹ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ اس کتاب میں ہجرت سے لے کر ۳۳۸ھ تک وفات پانے والے اہل علم کے حالات سنین وفات کے مطابق مرتب کیے گئے ہیں۔ اہل علم نے اس کتاب کی خدمت کی اور متعدد ذیول لکھے گئے۔

ابو محمد عبدالعزیز بن احمد الکتانی (م ۴۶۶ھ) نے ایک ذیل ۳۳۸ھ تا ۴۶۵ھ لکھا۔ کتانی کے ذیل پر ان کے ایک شاگرد الأ کفانی، ابو محمد ھبۃ اللہ (م ۵۲۴ھ) نے ایک ذیل لکھا۔ ازاں بعد حافظ ابوالحسن علی بن المفضل المقدسی (م ۶۱۱ھ) نے ایک ذیل ۵۸۱ھ تک وفات پانے والے راویوں کے حالات پر مرتب کیا۔

عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (م ۶۵۶ھ) نے ایک تفصیلی ذیل بعنوان التکملة لوفیات النقلة مرتب کیا۔ انہوں نے اپنے اس ذیل میں ماقبل ذیول سے جو رواۃ رہ گئے تھے ان کو بھی شامل کیا۔

ابن ایبک الدمیاطی (م ۷۴۹ھ) نے ذیل لکھا جو ۷۴۹ تک وفات پانے والے رواۃ پر مشتمل تھا۔ اس ذیل پر زین الدین عراقی (م ۸۰۵ھ) صاحب فتح المغیث اور ابوزرعہ عراقی (م ۸۲۶ھ) نے اپنے زمانے تک کی شخصیات کو شامل کیا۔ یہ تمام ذیول رواۃ کے سنین وفات کے مطابق ہیں اور اصل کتاب کی نسبت زیادہ مفصل ہیں (۱)۔

❀❀❀

اور علیحدہ بھی مطبوع ہے۔ ابن رجب بھی کہتے ہیں کہ امام بخاری شامی رواۃ کے سلسلے میں وہم کا شکار ہوئے ہیں۔ جامع العلوم والحکم، ۲۲۴؛ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے بخاری کا دفاع کیا ہے۔ دیکھیے بحوث فی تاریخ السنة، ۱۴۰

۱۔ ان معلومات کو کشف الظنون (۲/۲۰۱۹-۲۰۲۰) اور الرسالة المستطرفة (۱۷۱-۱۷۳) سے اخذ کیا گیا ہے۔

معرفۃ بلدان الرواۃ واوطانہم

ہم نے یہ عنوان ابن حجر کی ترتیب کے مطابق لکھا ہے(۱)۔ حافظ ابن الصلاح کے ہاں یہ معرفة اوطان الرواة و بلد انهم ہے(۲)۔ چونکہ مدعا ایک ہے اور مقصود میں فرق نہیں ہے اس لیے الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حافظ ابن حجرؒ نے حسب معمول ایجاز سے کام لیتے ہوئے صرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ومن المهم أيضاً معرفة بلد انهم و أوطانهم. (۳)

اور ان (رواۃ) کے وطن اور شہروں کی معرفت بھی اہم ہے۔

اہمیت

راویوں کے ناموں، کنیتوں اور نسبتوں اور نسبوں کی اہمیت مسلم ہے۔ محدثین نے اس سے اعتنا کیا ہے اور اس سلسلے میں اہم تفصیلات مہیا کی ہیں۔ ان ہی کی طرح راویوں کے وطن اور شہروں کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفائدته الامن من تداخل الإسمين إذا اتفقا نطقاً لكن افترقا بالنسبة(۴).

اس کے جاننے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دو ہم نام راویوں کے متداخل ہونے سے حفاظت ہو اور متفرق نسبتیں واضح ہو جائیں۔

گویا راویوں کو اپنے شہر سے منسوب کرنے سے ہم نام راوی ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ شہروں اور علاقوں کی نسبت سے نہ صرف امتیازات قائم ہوتے ہیں بلکہ انفرادی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ محدثین نے اس لحاظ سے باریک بینی کا مظاہرہ کیا ہے اور نہایت احتیاط سے ان نسبتوں کو واضح کیا اور محفوظ بنایا ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱- نزهة النظر، ۷۱

۲- ابن الصلاح، ۴۰۴؛ ابن الصلاح کے ہاں یہ آخری باب ہے اور اسی پر کتاب ختم ہوتی ہے۔

۳- نزهة النظر، ۷۱

۴- ایضاً، ۷۱

و ذلك مما يفتقر حفاظ الحديث الى معرفته في كثير من تصرفاتهم، و من مظان ذكره "الطبقات" لا بن سعد. و قد كانت العرب انما تنتسب الى قبائلها ، فلما جاء الاسلام و غلب عليهم سكنى القرى والمدائن حدث فيما بينهم الانتساب إلى الأوطان ، كما كانت العجم تنتسب، وأضاع كثير منهم أنسابهم؛ فلم يبق لهم غير الانتساب الى أوطانهم(۱).

اور یہ اس لیے ہے کہ حافظان حدیث اپنے بہت سے معاملات میں اس کی معرفت کے محتاج ہیں اور اس کے مآخذ و مصادر میں طبقات ابن سعد ہے۔ عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ صرف قبائل کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ جب اسلام آیا اور ان پر بستیوں اور شہروں کی رہائش غالب آئی تو ان کے درمیان اوطان کی طرف انتساب شروع ہوا جیسا کہ عجمیوں کے ہاں انتساب ہوتا تھا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے انساب ضائع کر دیے۔ اب ان کے لیے اوطان کی طرف انتساب کے سوا کچھ نہ بچا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ علماء حدیث کی اکثریت نے اس سے اعتنا کیا ہے اور اس کے کئی فوائد ہیں ان میں سے ایک راوی کے شیخ کی معرفت ہے جو شاید اس کے بغیر مشتبہ ہو۔ جب اس کے شہر کا پتہ چل جائے تو اس کی شہریت کا تعین ہو سکتا ہے اور یہ بہت اہم ہے۔(۲) حافظ ابن الصلاح کی بات کو انھوں نے اپنے انداز میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

و قد كانت العرب انما ينسبون الى القبائل و العمائر و العشائر والبيوت والعجم الى شعوبها و رساتيقها و بلدانها، و بنو اسرائيل الى اسباطها، فلما جاء الإسلام وانتشر الناس في الاقاليم، نسبُوا اليها والى مدنها وقراها. (۳)

اور جہاں تک عربوں کا تعلق ہے تو قبائل، ان کی شاخوں، آل اولاد اور خاندانوں کی طرف منسوب ہوتے تھے اور عجمی اپنے گروہوں، دیہاتوں اور شہروں کی طرف منسوب ہوتے جب کہ بنو اسرائیل اپنے اسباط (قبائل) کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ جب اسلام آیا اور لوگ مختلف علاقوں میں پھیل گئے تو ان کی نسبتیں بھی انہی علاقوں، شہروں اور بستیوں کی طرف ہو گئیں۔

۱- ابن الصلاح، ۴۰۴؛ فتح المغیث للعراقی، ۴ / ۳۶۷؛ تدریب، ۵۳۲

۲- الباعث الحثیث، ۲۳۲

۳- ایضاً، ۲۳۲

راوی کے شیخ کی معرفت کے ساتھ خود راوی کے بارے میں اس طرح کی معلومات مفید ہیں کیونکہ مشابہ الاسم راوی کو اس کی نسبت سے متمیز کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مہمل کا تعین ہو سکتا ہے مدلس راوی ظاہر ہو سکتا ہے اور راویوں کی ملاقات کے سلسلے میں وضاحت ہو سکتی ہے اس سے راوی کی حدیث ضعیف کا پتہ چل سکتا ہے جیسے یعقوب ابن شیبہ نے امام معمر بن راشد کے بارے کہا:

سماع أهل البصرة من معمر حين قدم عليهم فيه اضطراب لأن كتبه لم تكن معه.(۱)

اہل بصرہ کے ہاں جب معمر آئے تو ان سے ان کا سماع میں اضطراب ہے کیونکہ معمر کے پاس ان کی کتابیں نہ تھیں۔

حافظ عراقی نے سب پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے جامع بیان نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

مما يحتاج إليه أهل الحديث معرفة أوطان الرواة و بلدانهم، فان ذلك ربما ميز بين الإسمين المتفقين في اللفظ فينظر في شيخه و تلميذه الذي روى عنه فربما كان أو أحدهما من بلد أحد المتفقين في الاسم فيغلب على الظن أن بلديهما هو المذكور في السند لا سيما إذا لم يعرف له سماع بغير بلده، وايضاً ربما استدل بذكر وطن الشيخ أو ذكر مكان السماع على الإرسال بين الراويين اذا لم يعرف لهما اجتماع عند من لا يكتفي بالمعاصرة، و سمعت شيخنا الحافظ ابا محمد عبدالله بن ابي بكر القرشي يقول غير مرة: كنت اسمع قراءة الحافظ ابي الحجاج المزي في كتاب عمل اليوم والليلة للحسن بن علي ابن شبيب المعمري فمر حديث من رواية يونس بن محمد المؤذن عن الليث بن سعد فقلت للمزي في أين سمع يونس من الليث؟ فقال لعله سمع منه في الحج، ثم استمر في القراءة ثم قال: إلا الليث ذهب في الوسيلة إلى بغداد فسمع منه هناك. (۲)

اہل الحدیث کو جن چیزوں کی احتیاج ہے ان میں راویوں کے وطن اور شہروں کی معرفت بھی

۱- شرح العلل، ۲/۶۰۲

۲- فتح المغیث للعراقی، ۳/۳۶۷

ہے، کیونکہ یہ دو متفق اللفظ اسماء کے درمیان ایک امتیاز ہے لہٰذا اس کے شیخ اور اس سے روایت کرنے والے شاگرد کو دیکھا جائے گا۔ ممکن ہے دو یا ایک متفق اللفظ ناموں میں سے کسی ایک کے شہری ہوں اس طرح غالب گمان ہے کہ ان دونوں کے شہر وہی ہوں جو سند میں مذکور ہیں خاص طور پر جب اپنے شہر کے سوا ان کا سماع ثابت نہ ہو اور کبھی شیخ کے وطن اور سماع کی جگہ کے ذکر سے دو راویوں کے درمیان ارسال پر استدلال کیا جائے، بالخصوص ان کے نزدیک جو معاصرت کو کافی نہیں سمجھتے، ان کا اجتماع معروف نہ ہو۔

میں نے اپنے شیخ حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن ابو بکر القرشی کو کئی مرتبہ کہتے سنا: میں نے حافظ ابوالحجاج المزی کو حسن بن علی بن شبیب المعمری کی کتاب عمل الیوم واللیلة کی قراءت کو سنا۔ وہ یونس بن محمد المؤذن کی لیث بن سعد سے روایت کردہ حدیث سے گزرے تو میں نے المزی سے کہا: یونسؒ نے لیث سے کہاں سنا؟ تو انھوں نے کہا: شاید اس نے حج کے موقعہ پر سنا ہو۔ پھر انھوں نے قراءت جاری رکھی پھر کہا: مگر لیث بغداد گئے اور اس نے وہاں سنا ہو گا۔

راوی جس شہر یا بستی میں قیام کرتا اسی سے منسوب ہوتا لیکن بعض اوقات ایک سے زائد جگہوں پر قیام کرتا تو ان سب کا تذکرہ ضروری ہوتا۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

و من كان من الناقلة من بلد إلى بلد وأراد الجمع بينهما في الانتساب فليبدأ بالأول ثم بالثاني المنتقل إليه، و حسن ان يدخل على الثاني كلمة "ثم" فيقال في الناقلة من مصر إلى دمشق مثلاً: فلان المصري ثم الدمشقي، و مَن كان من أهل قريةٍ من قُرى بلدةٍ فجائز أن ينتسب إلى القرية وإلى البلدة أيضاً وإلى الناحية التي منها تلك البلدة. (۱)

اور جو شخص ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہونے والا ہو اور اس کے انتساب میں دونوں جمع کرنا ہو تو پہلے سے شروع کرے پھر دوسرے کا ذکر کرے اور مستحسن یہ ہے کہ دوسرے سے پہلے لفظ "ثم" کا اضافہ کرے مثلاً مصر سے دمشق منتقل ہونے والے کے لیے کہا جائے گا: "فلان المصري ثم الدمشقي" اور جو کسی شہر سے متعلق بستی کا رہنے والا ہے تو اس بستی اور شہر کا ذکر درست ہے اور اس علاقہ کا ذکر جس سے اس شہر کا تعلق ہے۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کسی شہر کی نسبت کے لیے ضروری ہے کہ وہاں چالیس سال

۱۔ ابن الصلاح، ۴۰۵؛ فتح المغیث للعراقی، ۴/۳۶۷؛ فتح المغیث للسخاوی، ۴/۳۸۳؛ تدریب، ۵۳۲؛ امام نووی نے الناحیة پر اقلیم کا اضافہ کیا ہے۔

قیام کیا جائے لیکن یہ بات محل نظر ہے۔(۱)

حافظ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اگر نسبتیں ایک سے زیادہ ہوں تو سب کی طرف نسبت ہو سکتی ہے اور ایک کی طرف بھی اور عام سے شروع کر کے خاص کی طرف جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

فیقول: فیمن هو من "حرستا" مثلاً، وهي قرية من قرى الغوطة التي هي كورة من كور دمشق "الحرستائی" او "الغوطی" او "الدمشقی" او "الشامی" وله الجمع فيها، فيبدأ بالأعم وهو الاقليم، ثم الناحية، ثم البلد، ثم القرية فيقال: الشامی، الدمشقی الغوطی الحرستائی و كذافی النسب إلى القبائل، يبدأ بالعام قبل الخاص ليحصل بالثانی فائدة لم تكن لازمة في الاول. (۲)

مثلاً جو شخص حرستا سے ہے اور حرستا الغوطہ کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے اور الغوطہ دمشق کا ایک ضلع ہے اسے کہا جائے گا الحرستائی، یا الغوطی، یا الدمشقی یا الشامی۔ ان کو جمع بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور جو سب سے عام ہے اس سے شروع کیا جائے گا اور وہ اقلیم ہے، پھر ناحیہ ہے، پھر بلد اور پھر قریہ۔ لہٰذا کہا جائے گا: الشامی، الدمشقی، الغوطی الحرستائی اسی طرح قبائل کی طرف نسبتوں کا معاملہ ہے۔ خاص سے پہلے عام سے شروع کیا جائے گا۔

مثالیں

حافظ ابن الصلاح نے مثالیں دینے سے پہلے کہا ہے کہ ہم حافظ ابوعبداللہ حاکم کی اقتداء میں احادیث مع اسناد روایت کریں گے اور رواۃ کے شہروں سے آگاہ کریں گے۔ حافظ کے لیے مستحسن ہے کہ وہ حدیث کو سند کے ساتھ روایت کرے پھر ایک ایک کر کے راویوں کے وطن اور دیگر احوال کا تذکرہ کرے۔(۳)

۱. أخبرني الشيخ المسند المعمر أبو حفص عمر بن محمد بن المعمر، رحمه الله بقراء تي عليه ببغداد، قال: أخبرنا أبوبكر محمد بن عبدالباقي بن محمد الانصاري، قال: أخبرنا أبو اسحاق إبراهيم بن أيوب ماسي، قال حدثنا أبو مسلم إبراهيم بن عبدالله الكجّي قال:

۱- الباعث الحثيث، ۲۳۳

۲- تدريب، ۵۳۲؛ فتح المغيث للسخاوی، ۳۸۳/۴

۳- ابن الصلاح، ۴۰۵

حدثنا محمد بن عبدالله الأنصاری قال:حدثنا سلیمان التیمی عن انس قال:قال رسول اللهﷺ:لا ھجرۃ بین المسلمین فوق ثلاثة ایام "او قال":ثلاث لیال. (۱)

سلیمان التیمی انس سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

مسلمانوں کے درمیان تین دنوں سے زیادہ قطع تعلق درست نہیں یا آپﷺ نے فرمایا: "تین راتیں۔"

۲. أخبرنی الشیخ المسند أبو الحسن المؤید بن محمد بن علیٰ المقرئیؒ بقراء تی علیه بنیسابور عوداً علی بدءٍ من ذلك مرۃ علی رأس قبر مسلم بن الحجاج ، قال:اخبرنا فقیه الحرم أبو عبدالله. محمد بن الفضل الفراوی، عند قبر مسلم ایضاً و أخبرتنی أم المؤید زینب بنت أبی القاسم عبد الرحمن بن الحسن الشعری بقراء تی علیها بنیسابور مرۃ و بقراء ۃ غیری مرۃ أخری رحمها الله قلت: أخبرك اسماعیل بن ابی القاسم بن ابی بکر القاری قراء ۃً علیه قالا: اخبرنا أبو حفص عمر بن احمد بن مسرور، قال:أخبرنا أبو عمرو اسماعیل بن نجید السلمی، قال:أخبرنا أبو مسلم إبراهیم بن عبدالله الكجّی، قال :حدثنا محمد بن عبدالله الأنصاری قال:حدثنی حمید الطویل، عن أنس بن مالك قال:قال رسول اللهﷺ:انصر اخاك ظالماً أو مظلوماً، قلت:یا رسول اللهﷺ، انصره مظلوماً فكیف انصره ظالماً؟ قال:تمنعه من الظلم، فذلك نصرك إیاه. (۲)

......انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:"اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم" انس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہﷺ، "مظلوم کی مدد تو کروں،

۱- ابن الصلاح، ۳۰۵-۳۰۶؛ بخاری، الجامع، کتاب الادب، باب الھجرۃ ... ، ۷ / ۹۰، ۹۱؛ مسلم الجامع، کتاب البر، باب تحریم الھجر فوق ثلاث، ۸ / ۹، ۱۰

۲- ابن الصلاح / ۳۰۶؛ بخاری ، الجامع، کتاب الاکراہ (۹۰)، باب یمین الرجل لصاحبه انه اخوہ، ۸ /۵۸؛ مسند احمد ، ۳ / ۹۹- ۲۰۱

ظالم کی کیسے مدد کروں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: اسے ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد ہے۔

حافظ ابن الصلاح ان دونوں حدیثوں کی سند میں نسبتوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں سماع میں عالی مرتبہ رکھتی ہیں مزید یہ سند لطیف اور متن صحیح ہے۔ پہلی حدیث میں انس سے ابو مسلم تک بصری ہیں اور اس کے بعد ابو مسلم سے ہمارے شیخ تک اس میں بغدادی ہیں دوسری حدیث میں انس سے نیچے ابو مسلم تک بصری ہیں اور اس کے بعد ابو نجید سے ہمارے شیخ تک نیسابوری ہیں۔

۳۔ أخبرني الشيخ الزكي أبو الفتح منصور بن عبدالمنعم بن أبي البركات ابن الامام أبي عبدالله محمد بن الفضل الفراوي بقراء تي عليه بنيسابور رحمه الله، قال: أخبرنا جدي أبو عبدالله محمد بن الفضل، قال: أخبرنا أبو عثمان سعيد بن محمد البحيري قال: أخبرنا أبو سعيد محمد بن عبدالله بن حمدون، قال: أخبرنا أبو حاتم مكي بن عبدان، قال: أخبرنا عبدالرحمن بن بشر، قال: أخبرنا عبدالرزاق، قال: أخبرنا ابن جريج، قال: أخبرني عبدة بن ابي لبابة ان ورادًا مولى المغيرة بن شعبة اخبره، ان المغيرة بن شعبة كتب الى معاوية، كتب ذلك الكتاب له ورادًا، إني سمعت رسول الله ﷺ يقول حين يسلم: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد.(۱)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اس کا ہے، تعریف اسی کو زیبا ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اے اللہ اسے کوئی روکنے والا نہیں جو تو عطا کرے اور اسے کوئی دینے والا نہیں جسے تو روک دے۔ اور کسی کوشش کرنے والے کی کوشش تیرے سامنے نفع نہیں دیتی۔

حافظ ابن الصلاح کے مطابق اس حدیث کی سند میں، مغیرہ بن شعبہ، وراد اور عبدہ کوفی ہیں، ابن جریج مکی، عبدالرزاق صنعانی یمنی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن بشر سے ہمارے شیخ تک سب نیسابوری ہیں۔

مصادر بلدان الرواۃ

مواطن الرواۃ و بلدانهم کے عنوان سے لکھی گئی کتب بالعموم کسی خاص شہر یا علاقے کے بارے میں

۱۔ ابن الصلاح، ۴۰۷؛ بخاری، الجامع، كتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوٰة، ۷/ ۱۵۱

معلومات وواقعات کے ساتھ ساتھ وہاں کے رہائشی رجال حدیث اور رواۃ کی معرفت کے بیان پر مشتمل ہوتی ہیں۔(۱) اس نوع کی کتابیں راویان حدیث کی پہچان اور ان سے بیان کردہ روایات کی صحت وعدم صحت متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس منہج پر لکھی گئی قدیم ترین کتاب غالباً بحشل (م۲۹۲ھ) کی تاریخ واسط ہے جو مولف نے ۲۸۸ھ میں تالیف کی۔ امام حاکم (م۴۰۵ھ) کی تاریخ نیسابور چند ابتدائی کتب میں سے ہے۔(۲) کتاب المحدثین باصبهان والواردین علیها جس کے مؤلف ابوالشیخ الانصاری (م۳۶۹ھ) ہیں۔ یہ کتاب اصفہان میں مقیم اور وہاں تشریف لانے والے صحابہ کرام، تابعین اور دیگر بعد میں آنے والے محدثین کے حالات پر مشتمل ہے۔(۳) ایک اور اہم کتاب ابونعیم الاصفہانی (۴۳۰ھ) کی کتاب ذکر اخبار اصبهان ہے(۴)۔ ان مقامی تواریخ میں اس شہر اور اس کے مضافات میں مقیم محدثین کرام کے حالات بڑے اہتمام اور صحت کے ساتھ محفوظ کیے گئے ہیں۔ یہاں ہم اس نوع کی ایک اہم کتاب تاریخ بغداد پر اختصار سے گفتگو کریں گے۔

تاریخ بغداد

اس کتاب کے مؤلف علوم حدیث پر مہارت تامہ رکھنے والے ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی (م۴۶۳ھ) ہیں۔(۵) خطیب بغدادی اپنے علم اور فضل کی وجہ سے متقدمین اور متاخرین میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ابن ماکولا کہتے ہیں:

كان أحد الأعيان ممن شاهدناه معرفة و حفظا و اثباتا و ضبطا لحديث رسول الله ﷺ و تفننا في علله واسانيده و علماً بصحيحه و غريبه(۶)

ابن السمعانی کہتے ہیں:

كان مهيبا وقورا ثقة متحريا حجة حسن الخط كثير الضبط فصيحا

۱- کتب مواطن الرواۃ و بلدانهم کے لیے دیکھیے: بحوث فی تاریخ السنة، ۲۶۰-۲۶۵؛ المدخل إلى دراسة، ۳۴۳-۳۴۷

۲- اصل کتاب مفقود ہے۔ اس کا اختصار موجود ہے جو طہران سے شائع ہوا۔

۳- یہ کتاب شائع ہو چکی ہے، پہلے سید کسروی کے تحقیق کے ساتھ ۱۹۸۹ء میں بیروت سے چھپی۔ اسی کتاب کو عبدالغفور عبدالحق نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ مؤسسة الرسالة بیروت سے ۱۹۹۲ء میں مفید مقدمہ وحواشی کے ساتھ شائع ہوئی۔

۴- یہ کتاب بھی سید کسروی حسن کی تحقیق کے ساتھ، دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۵- مؤلف کے حالات کے لیے دیکھیے: سیر أعلام، ۱۸/۲۷۰؛ وفیات، ۱/۷۶-۷۷؛ سبکی، طبقات، ۴/۲۹

۶- شذرات الذهب، ۳/۳۱۲؛ تذکرة الحفاظ، ۳/۱۱۳۷؛ سبکی، طبقات، ۴/۳۱

ختم به الحفاظ (۱)

خطیب بغدادی نے علوم حدیث کی بیشتر انواع پر مفید تالیفات مرتب کیں۔ تاریخ بغداد اپنی جامعیت اور صحت کے اعتبار سے مفید اور مشہور کتاب ہے۔ اہل علم نے اس کی گوناگوں خوبیوں کو سراہا ہے۔

حافظ سخاوی کہتے ہیں: و التاریخ للخطیب سماه تاریخ بغداد و هو تاریخ العالم (۲)۔

ابن العماد حنبلی فرماتے ہیں: و له تاریخ بغداد الذی لم یصنف مثله (۳).

حاجی خلیفہ کہتے ہیں:

كتب على طريقة المحدثين جمع فيها رجالها ومن ورد بها وضمّ إليه فوائد جمة (۴)

ابن خلکان کہتے ہیں:

لو لم یکن له سوی التاریخ لکفاه۔ (۵)

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب میں بغداد کی تعمیر سے لے کر اپنی وفات تک کے اہل علم محدثین، فقہاء، مفسرین، متکلمین، خلفاء وامراء، ملوک، ماہرین نحو وصرف کے حالات بیان کیے ہیں۔ (۶) عروس البلاد ''بغداد'' جو اس وقت علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا مرکز تھا اہل علم کی توجہ کا مرکز بنا۔ مؤلف نے اپنی کتاب میں بغداد کے علماء، محدثین کے علاوہ ان محدثین وفقہاء کا ذکر بھی کیا ہے جو اپنے علمی اسفار کے دوران یہاں وارد ہوئے اور یہاں کے محدثین کی مجالس علمی میں شریک ہوئے یا بغداد کے محدثین نے استفادے کے لیے اہل علم کو دوسرے علاقوں سے بغداد بلایا۔ اس کتاب میں بغداد کے علاوہ قرب وجوار کے معروف علاقوں اور مقامات پر رہنے والے صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد کے محدثین کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب میں تراجم کی غالب تعداد علوم دینیہ بالخصوص علماء حدیث کی ہے۔ یہ کتاب رواۃ حدیث اوران کے بارے میں آئمہ نقد کی آراء کی معرفت کے لیے قابل اعتماد ماخذ ہے۔

کتاب کے آغاز میں تفصیلی مقدمہ ہے جو تقریباً ایک سو ستائیس صفحات پر مشتمل ہے اس مقدمہ میں بغداد کے محل وقوع، اس کی آب وہوا، اہم مقامات، شاہراہوں، سیرگاہوں، مساجد اور شہر کی خوبصورتی سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ مقدمے کے بعد مدائن، اس کی فتح اور یہاں آنے والے صحابہ کرامؓ کا تذکرہ ہے جو صفحہ ایک سو ستائیس سے دو سو بارہ تک محیط ہے۔ آغاز کتاب میں بغداد میں رہائش اختیار کرنے اور تشریف لانے والے صحابہ کرامؓ کا ذکر

۱- شذرات الذهب، ۳/۳۱۲
۲- الإعلان بالتوبيخ، ۱۵۱
۳- شذرات الذهب، ۵/۲۶۳
۴- کشف الظنون، ۱/۲۸۸
۵- وفيات الأعيان، ۱/۷۶
۶- تاريخ بغداد، ۱/۴-۱۳۲

ہے۔ بعدازاں بغداد اور اس کے مضافات کے محدثین کے حالات حروف معجم پر مرتب کیے گئے ہیں۔ محمد نامی حضرات کو پہلے لائے ہیں اور اس کی وجہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک ہے۔ ایسے اسماء کے حامل رواۃ جو کثیر ہیں، ان کی ترتیب آباء واجداد کا لحاظ کرتے ہوئے حروف معجم کے مطابق کی ہے۔

خطیب بغدادی، معرفت حدیث اور نقد میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ لہٰذا رواۃ کی صحت وعدم صحت کے بارے میں ان کا قول بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس فن پر بعد میں لکھی جانے والی کتب میں ان کے اقوال کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ محدثین کے ترجمہ میں راوی کا نام ونسب، نسبت، کنیت، شیوخ وتلامذہ اور بعض ممتاز عادات وخصائل اور مناصب کا ذکر کرتے ہیں۔ رواۃ کے بارے میں علمائے نقد کے اقوال بھی درج کرتے ہیں اور بعض وقت وہ اپنی ذاتی رائے بھی بیان کرتے ہیں۔

جرح وتعدیل میں خطیب کے منہج کے بارے میں ابو محمد ابن الابنوسی کہتے ہیں:

كل من ذكرت فيه أقاويل الناس من جرح و تعديل فالتعويل على ماأخرت (۱)

راویان حدیث سے مروی بعض احادیث کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ کتاب میں سات ہزار آٹھ سو اکتیس (۷۸۳۱) تراجم کا ذکر کیا ہے۔

اہل علم نے کتاب کی افادیت کے پیش نظر مختلف پہلوؤں سے خدمت کی ہے۔ صاحب کتاب الانساب، سمعانی (م ۵۶۲ھ) نے اس پر ایک ذیل لکھا (۲)۔ عماد الدین ابو عبداللہ محمد بن محمد الکاتب (م ۵۹۷ھ) نے بھی ایک ذیل بعنوان السیل علی الذیل تالیف کیا۔ انھوں نے سمعانی سے جو چیزیں رہ گئی تھیں ان کو بھی اس میں شامل کیا (۳)۔

اس ذیل پر ابو عبداللہ محمد بن سعید المعروف بابن الدبیثی (م ۶۳۷ھ) نے بھی ایک ذیل لکھا۔ ابن الدبیثی کے ذیل پر ابن القطیعی نے ذیل لکھا۔ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے ابن الدبیثی کے ذیل کا خلاصہ/اختصار لکھا۔

ابن النجار البغدادی (م ۶۴۳ھ) نے ایک ضخیم ذیل لکھا جس کے بارے میں حاجی خلیفہ کہتے ہیں جمع فیه و أوعی۔ ابن النجار کے ذیل پر تقی الدین محمد بن رافع (م ۷۷۴ھ) نے ایک ذیل تالیف کیا۔ بقول حاجی خلیفہ وهو فی غاية الاتقان

محمد بن رافع کے ذیل پر ابو بکر المارستانی کا اور مارستانی کے ذیل پر تاج الدین علی بن انجب الساعاتی کا ذیل

۱- تذکرة الحفاظ، ۱۱۳۹/۳

۲- کشف الظنون، ۲۸۸/۱، ۸۳۴؛ سیر أعلام النبلاء، ۲۸۹/۱۸ حاشية، ۳

۳- ایضاً، ۲۸۸/۱

ہے۔ دمیاطی (م ۷۴۹ھ) نے بھی ایک ذیل لکھا ہے۔ ابی الیمن مسعود بن محمد البخاری (م ۴۶۱ھ) نے تاریخ بغداد کا ایک اختصار مرتب کیا۔

ابن النجار (م ۶۴۲ھ) نے ذیل کے علاوہ ایک اختصار بھی تالیف کیا۔ دمیاطی (م ۷۴۹ھ) نے ایک تلخیص بعنوان المستفاد من ذیل تاریخ بغداد لکھی (۱)

عصر حاضر میں بھی کتاب اور مؤلفِ کتاب دونوں کی قدر دانی ہوئی۔ علم حدیث میں رسوخ رکھنے والے د/ العمری نے موارد الخطیب اور استاذ یوسف العش وغیرہ نے خطیب بغدادی مورخ بغداد و محدثها کے عنوانات سے متعلق مفید تحقیقات کیں۔ ایک جامع فہرست بھی شائع ہوئی ہے۔ (۲) یہ فھارس، اعلام، مصادر، قبائل، آیات، احادیث وآثار وغیرہ پر مشتمل ہے۔

ہمارے سامنے اس وقت تاریخ بغداد کے دو ایڈیشن ہیں۔ پہلا ایڈیشن دار الکتاب العربی، بیروت سے چودہ جلدوں میں شائع ہوا۔ ہر جلد کے آخر میں فہرست تراجم دی گئی ہے۔

دوسرا ایڈیشن بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت سے ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ میں استاذ مصطفیٰ عبدالقادر عطا کی تحقیق وحواشی کے ساتھ شائع ہوا۔ اصل کتاب چودہ جلدوں میں ہی ہے۔ محقق نے مفید حواشی تحریر کیے ہیں۔ تراجم کی دیگر مصادر میں تخریج وتحدید کی گئی ہے۔ احادیث کی تخریج کے ساتھ کتاب میں مذکور بعض واقعات کی تحدید وتعیین بھی دوسرے مصادر سے کی گئی ہے۔ سرخیوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تراجم کی تعداد سات ہزار آٹھ سو بتیس ہے۔ اس ایڈیشن کی پندرھویں جلد ابن الدبیثی کے ذیل اور امام ذہبی کے اختصار پر مشتمل ہے۔ جلد سولہ تا بیس (۱۶-۲۰) میں ابن النجار کا ذیل ہے۔ اس طرح یہ چھ جلدیں تاریخ بغداد کے دو ذیول اور ایک اختصار پر مشتمل ہے اور اصل کتاب چودہ جلدوں میں ہے۔

❁❁❁

۱- ان تمام معلومات کا ماٰخذ کشف الظنون، ۲۸۸/۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۲۸۹/۱۸، حاشیہ ۳، تاریخ ادب العربی (براکلمن کی کتاب کا عربی ترجمہ)، ۵۶/۶ ہے۔

۲- اس فہرست تک رسائی نہ ہو سکی۔

الجرح والتعدیل

جرح وتعدیل اصول حدیث کا ایک اہم موضوع ہے اصول حدیث کے ہر مصنف نے اس پر اظہار خیال کیا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ہم اس اہم موضوع کا آغاز تعریف سے کرتے ہیں یعنی جرح تعدیل کے لغوی واصطلاحی مفہوم کے بیان سے شروع کرتے ہیں۔یہ دو اصطلاحوں کا مجموعہ ہے اور دونوں مل کر ہی صورت گری کرتی ہیں۔جرح کا اپنا مفہوم اور تعدیل کا اپنا۔

الجرح☆ کے لغوی معنی

جرح کا مادہ ج،ر،ح ہے۔لغت میں اس کے معنی بیان کرتے ہوئے ابن منظور نے کہا:

الجرح . بالفتح. التأثیر فی الجسم بالسلاح. (۱)

فتحہ کے ساتھ الجرح کسی کو ہتھیار کے ساتھ جسمانی طور پر متاثر کرنا۔

بعض فقہاء لغت کے نزدیک ضمہ کے ساتھ الجرح جسمانی زخم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(۲) اور الجرح فتحہ کے ساتھ معنوی زخم کے لیے مستعمل ہے۔جیسے زبان سے سب وشتم کرنا یا کسی عزت وآبرو پر طعن کرنا(۳) کہا جاتا ہے:

جرح فلانا بلسانه اذا سبه و شتمه. (۴)

اس نے فلاں شخص کو اپنی زبان سے مجروح کیا جب اس نے اسے گالی دی۔

اس کے علاوہ یہ لفظ گواہ کی حیثیت کو مجروح قرار دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔جیسے کہا جائے:

جرح الحاکم الشاهد اذا اعثر منه علی ما تسقط به عدالته من کذب وغیره. (۵)

☆ ایک معاصر مؤلف عبداللہ الجدیع نے جرح،اسباب جرح اور اصول جرح پر تفصیلی بحث کی ہے۔دیکھیے تحریر علوم الحدیث،۱/۳۵۵-۴۷۸

۱- لسان العرب، ۲/ ۴۲۲؛ مادہ "جرح"؛ تاج العروس، ۲/ ۱۳۰؛ القاموس المحیط، ۱/ ۲۵۵

۲- تاج اللغة و صحاح العربیة، ۱/ ۳۵۸؛ معجم اللغة، ۱/ ۱۸۶، مادة "جرح"

۳- تاج العروس، ۲/ ۱۳۰، مادة جرح

۴- ایضاً،۲/۱۳۰؛ القاموس، ۱/ ۲۱۸

۵- ایضاً،۲/۱۳۰؛ لسان العرب، ۲/ ۴۲۲

حاکم نے گواہ پر جرح کی جب حاکم کو گواہ کے متعلق کوئی ایسی شکایت ہو جس سے اس کی عدالت ساقط ہو جائے جیسے کذب وغیرہ۔

ابن منظور اور زبیدی نے لکھا ہے:

وهو الطعن علی الرجل ورد شهادته. (۱)

اس کا مطلب کسی شخص پر طعن اور اس کی شہادت کا رد ہونا ہے۔

علامہ زمخشری نے اس لفظ کو فساد کے معنی میں بھی بیان کیا ہے اور استدلال میں عبدالملک بن مروان کے خطبہ میں اس کے استعمال کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ عبدالملک نے کہا:

وقد وعظتکم فلم تزدادوا علی الموعظة الا استجراحاً ای فساداً. (۲)

میں نے تمہیں نصیحت کی لیکن تم نے نصیحت پر صرف فساد میں اضافہ کیا۔

زمخشری نے تابعی ابن عون کا یہ قول نقل کیا ہے:

کثرت هذه الأحادیث و استجرحت أی فسدت وقل صحاحها. (۳)

احادیث زیادہ ہو گئیں اور ان میں خرابی پیدا ہو گئی یعنی صحیح حدیثوں کی کمی ہو گئی۔

ابن منظور نے اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا:

اراد أن الاحادیث کثرت حتی احوجت اهل العلم بها الی جرح بعض رواتها ورد روایته. (۴)

ان کی مراد یہ ہے کہ احادیث زیادہ ہوئیں حتیٰ کہ اہل علم کو بعض راویوں پر جرح اور ان کی روایت کو رد کرنے کی احتیاج ہوئی۔

اہل لغت کی وضاحت سے ظاہر ہوا کہ جرح کا لفظ اہل عرب کے ہاں منفی معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اس کا استعمال جب بھی ہو گا کسی عیب کی نشاندہی کے لیے ہی ہو گا اس استعمال کے مطابق مجروح شخص ناقابل اعتماد ٹھہرے گا اور اس کی بات کو قبول کرنے میں تردد ہو گا۔

اصطلاحی معنی

محدثین نے جرح کے لغوی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے اصطلاحی تعریف وضع کی ہے۔ ابن الاثیر نے جرح کی

۱۔ لسان العرب، ۲/۴۲۳؛ تاج العروس، ۲/ ۱۳۰؛ القاموس المحیط، ۱/ ۲۲۵

۲۔ الفائق، ۱/ ۲۰۸، ابن منظور، لسان العرب، ۲/ ۴۲۳

۳۔ الفائق، ۱/ ۲۰۸؛ اساس البلاغة / ۸۸؛ لسان العرب، ۲/۴۲۳

۴۔ لسان العرب، ۲/ ۴۲۳

تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

الجرح وصف متى التحق بالراوی و الشاهد سقط الاعتبار بقوله وبطل العمل به. (۱)

جرح ایک ایسا وصف ہے جو کسی راوی اور گواہ میں پایا جائے تو اس کی بات کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور اس پر عمل کرنا باطل ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر نور الدین عتر نے جرح کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

هو الطعن فی راوی الحدیث بما یسلب اویخل بعد الته او ضبطه. (۲)

حدیث کے راوی پر ایسا طعن جس سے اس کی عدالت اور ضبط سلب ہوتی ہے۔

ایک اور معاصر مصنف ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی جرح کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو بیان لعیوب رواة الحدیث التی لأجلها تسقط عدالتهم، ویکون حدیثهم فی عداد الضعاف. (۳)

جرح راویوں کے ان عیوب کے بیان کرنے کو کہتے ہیں جن سے ان کی عدالت ساقط ہو جائے اور ان کی حدیث کا شمار ضعیف میں ہو۔

عبدالوہاب عبداللطیف نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

الجرح فهو رد الحافظ المتقن روایة الراوی لعلة قادحة فیه أو فی روایته من فسق أوتدلیس أو کذب أوشذوذ نحوه. (۴)

کسی حافظ و متقن کا کسی راوی کی روایت کو علت قادحہ، فسق، تدلیس، کذب بیانی یا شذوذ وغیرہ کے باعث رد کرنے کو جرح کہتے ہیں۔

ان تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کچھ اخلاقی و علمی عیوب ہیں جن کی موجودگی کسی راوی کو ساقط الاعتبار کر دیتی ہے۔ عام طور پر جن کا ذکر کیا جاتا ہے وہ عدالت، ثقاہت اور حفظ وضبط ہیں ان کی کمی یا کمزوری جرح کا سبب بنے گی۔ راوی کا اخلاق، اس کا حفظ وضبط اور کردار بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ راوی جس میں کوئی ایسا

۱- جامع الاصول، ۱/۱۲۶

۲- منهج النقد فی علوم الحدیث، ۹۲؛ تقریباً یہی تعریف د/عجاج الخطیب نے بیان کی ہے۔ اصول الحدیث، ۲۶۰

۳- دراسات فی الجرح و التعدیل، ۵۶

۴- المختصر فی علم الرجال و الاثر، ۳۵

عیب ہو جس کی وجہ سے اس کا بیان یا اس کی گواہی قابل قبول نہ ہو اسے مجروح راوی کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی نے کہا ہے:

وإذ كان الأغلب المعصية فهو المجرح (۱)

جب معصیت غالب ہو تو وہ مجروح ہوگا۔

التعدیل☆

تعدیل کے معنی کسی کو عادل قرار دینا ہے۔ تعدیل میں موثر صفت عدل ہے۔ عدل کا مصدر عدالت ہے جسے اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ عدل کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کریں گے۔

عدل کے لغوی معنی

عربوں کے ہاں عدل کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً عدل کا معنی تیر کو سیدھا کرنا ہے۔(۲) ظلم کی ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے اہل لغت نے کہا:

ما قام في النفوس انه مستقيم و هو ضد الجور. (۳)

وہ بات جو دل میں قرار پائے وہ مستقیم ہے اور عدل ظلم کی ضد ہے۔

اس کے معنی صحیح فیصلہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔

عدل الحاكم في الحكم و حكم بالحق. (۴)

حاکم نے فیصلے میں عدل کیا اور حق کے ساتھ فیصلہ کیا۔

باہلی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

رجل عدل و عادل جائز الشهادة. (۵)

آدمی انصاف کرنے والا اور گواہی کے قابل ہے۔

رجل عدل و رضا و مقنع في الشهادة. (۶)

انصاف کرنے والا پسندیدہ آدمی اور گواہی کے لیے معتبر ہے۔

۱- الكفاية، ۷۹

☆ تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: عبداللہ بن یوسف الجدیع، تحریر علوم الحدیث، ۱/۲۴۳-۳۴۹

۲- لسان العرب، ۱۱/ ۴۳۰

۳- ایضاً؛ ۱۱/۴۳۰؛ تاج العروس، ۸/ ۹؛ القاموس المحيط، ۴/ ۱۳

۴- لسان العرب، ۱۱/ ۴۳۱

۵- ایضاً؛ ۱۱/ ۴۳۰؛ تاج العروس، ۸/ ۹

۶- تاج العروس، ۸/ ۹

حضرت عمر بن الخطابؓ نے آیت کریمہ "ذوی عدل منکم" میں وارد "ذوی عدل" سے مراد وہ شخص لیا ہے جو لوگوں کے نزدیک منصف اور پسندیدہ ہو۔ امانت اور دیانت والے ہوں۔(۱)

مشہور تابعی محدث سعید بن المسیب نے عدل کے معنی عقل و دانش کے بیان کئے ہیں۔ انہوں نے آیت قرآنی "واشھدوا ذوی عدل منکم" کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

ذوی عدل أی ذوی عقل. (۲)

ابن ابی حاتم شرائط عدالت اور رواۃ کی چھان بین کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حق علینا معرفتهم و وجب الفحص عن الناقلة و البحث عن أحوالهم واثبات الذین عرفناهم بشرائط العدالة والثبت فی الروایة مما یقتضیه حکم العدالة فی نقل الحدیث و روایته بان یکونوا امناء فی انفسهم، علماء بدینهم، اهل ورع و تقویٰ و حفظ الحدیث و اتقان به و تثبت فیه، و ان یکونوا اهل تمییز و تحصیل، لا یشوبهم کثیر من الغفلات، ولا تغلب علیهم الأوهام فیما قد حفظوه و وعوه ولا یشبه علیهم بالاغلوطات.(۳)

عدل کے اصطلاحی معنی

محدثین کے ہاں عدل اور عدالت دونوں الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اور تعدیل کے معنی کسی کی عدالت کی توثیق کرنا یا کسی کو عدل یا عادل قرار دینا ہے۔ ابراہیم مروزی نے بیان کیا ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ بن مبارک سے عدل کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا:

من کان فیه خمس خصال: یشهد الجماعة ولا یشرب هذا الشراب ولا تکون فی دینه خربة ولا یکذب ولا یکون فی عقله شیء. (۴)

جس شخص میں پانچ اوصاف ہوں وہ عادل ہے، جماعت سے نماز پڑھتا ہو، شراب نہ پیتا ہو، اس کے دین میں کوئی خرابی نہ ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو اور اس کی عقل میں خلل نہ ہو۔

امام حاکم نے اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا:

۱- الطلاق/ ۲؛ تفسیر الطبری، ۲۸/ ۱۵۳

۲- لسان العرب، ۱۱/ ۴۳۱

۳- تقدمة الجرح، ۵

۴- الکفایة، ۷۹

وأصل عدالة المحدث أن يكون مسلماً لا يدعو إلى بدعة ولا يعلن من أنواع المعاصي ما تسقط به عدالته. فان كان مع ذلك حافظاً لحديثه فهو أرفع درجات المحدثين. (۱)

اور محدث کی عدالت کی اصل یہ ہے، کہ وہ مسلمان ہو، کسی بدعت کا داعی نہ ہو اور ایسے معاصی کا اعلانیہ مرتکب نہ ہو جن سے اس کی عدالت ساقط ہو جائے۔ اگر اس کے ساتھ اپنی حدیثوں کا حافظ بھی ہو تو اس کا تعلق محدثین کے اعلیٰ درجات سے ہے۔

خطیب کے ایک اور قول کے مطابق عادل وہ ہے:

العدل بين المسلمين من لم يظهر فيه ريبة. (۲)

مسلمانوں کے ہاں عادل وہ شخص ہے جس کے بارے میں کوئی شک واقع نہ ہو۔

امام زہریؒ نے جب سعید بن المسیب سے عدالت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا:

ليس من شريف ولا عالم ولا ذی سلطان، الا و فيه عيب لابد، ولكن من الناس من لا تذكر عيوبه؛ من كان فضله اكثر من نقصه وهب نقصه لفضله. (۳)

ایسا کوئی عالم اور شریف حکمران نہیں جس میں قطعاً کوئی عیب نہ ہو لیکن بہتر انسان وہ ہے جس کے عیوب کا تذکرہ نہ کیا جائے اور اس کے فضائل نقائص پر غالب ہوں۔

خطیب ہی نے اہل عراق کی تعریف نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

زعم أهل العراق أن العدالة هي إظهار الإسلام، و سلامة المسلم من فسق ظاهر و متى كانت هذه حاله وجب ان يكون عدلاً. (۴)

اہل عراق کا خیال ہے کہ عدالت عبارت ہے، اظہار اسلام اور مسلمان کا ظاہری فسق سے محفوظ ہونے سے۔ جب اس کی یہ حالت ہو تو لازم ہے کہ وہ عادل ہو۔

امام شافعی نے عدل کی تعریف کرتے ہوئے وسعت اختیار کی۔ ان کا قول ہے:

لو كان العدل من لا ذنب له لم نجد عدلاً ولو كان كل مذنب عدلاً لم نجد مجروحاً و لكن العدل من اجتنب الكبائر و كانت محاسنه اكثر

۱- معرفة علوم الحديث، ۵۳

۲- الكفاية، ۷۸

۳- ايضاً، ۷۹

۴- ايضاً، ۸۲

من مساوئه.(۱)

محدثین کی اصطلاح میں تعدیل کے معنی ہیں راویوں کے بارے میں عادل وضابط ہونے کے فیصلے کے اور جس شخص میں عدالت کی صفات پائی جائیں وہ عادل ہے۔ خطیب عدالت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان العدل هو من عرف باداء فرائضه و لزوم ما أمربه و توقى ما نهى عنه و تجنب الفواحش المسقطة و تحرى الحق و الواجب فى افعاله و معاملته و التوقى فى لفظه مما يثلم الدين و المروء ة . فمن كانت هذه حالته فى افعاله فهو الموصوف بأنه عدل فى دينه و معروف بالصدق. (۲)

عادل وہ ہے جو فرائض کی ادائیگی، اوامر کے التزام، منہیات سے بچاؤ، عدالت ساقط کرنے والے فواحش سے اجتناب، اپنے افعال و معاملات میں حق کی جستجو اور ایسے اظہار سے اجتناب جو دین وانسانیت کو نقصان پہنچائے، کے لیے معروف ہو۔ جس شخص کا اپنے افعال میں یہ حال ہو وہ اپنے دین میں صفت عدل سے متصف اور صداقت کے لیے معروف ہے۔

ابن حبان نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

العدالة فى الانسان أن يكون أكثر أحواله طاعة الله لأن امتى لم نجعل العدل الا من لم يوجد منه معصية بحال، ادّانا ذلك إلى أن ليس فى الدنيا عدل اذا الناس لا تخلوا أحوالهم من ورود خلل الشيطان فيها بل العدل من كان ظاهر أحواله طاعة الله والذى يخالف العدل من كان أكثر أحواله معصية الله. (۳)

انسان کی عدالت یہ ہے کہ اس کے اکثر احوال اللہ کی اطاعت پر مبنی ہوں اس لیے کہ جب ہم عادل اسے قرار دیں جس نے کسی حال میں معصیت نہ کی ہو تو یہ چیز ہمیں اس طرف لے جائے گی کہ دنیا میں کوئی عادل نہیں کیونکہ لوگوں کے احوال شیطان کا خلل واقع ہونے سے خالی نہیں ہیں۔ بلکہ عادل وہ ہے جس کے ظاہری احوال اللہ کی اطاعت پر قائم ہیں اور جو عدل کے مخالف ہے وہ ایسا شخص ہے جس کے اکثر احوال اللہ کی معصیت پر مبنی ہیں۔

۱- الروض الباسم، ۲۷؛ الكفاية، ۷۹ پر اسی مفہوم کی روایت ہے۔

۲- الكفاية، ۸۰

۳- الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان، ۱/ ۱۵۱: یہ وہی حقیقت ہے جس کی طرف امام شافعی نے اشارہ کیا۔

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

اجمع جماهير ائمة الحديث والفقه على انه يشترط فيمن يحتج بروايته ان يكون عدلاً، ضابطاً لما يرويه، وتفصيله ان يكون مسلماً بالغاً، عاقلاً، سالماً من اسباب الفسق و خوارم المروءة متيقظاً غير مغفل حافظا ان حدث من حفظه ضابطاً لكتابه ان حدث من كتابه و ان كان يحدث بالمعنى اشترط فيه مع ذلك ان يكون عالماً بما يحيل المعانی. (۱)

حدیث وفقہ کے ائمہ کی بہت بڑی اکثریت کا اجماع ہے کہ کسی راوی کی روایت کو حجت گردانے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ عادل، اپنی روایت کا ضابط ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو بالغ و عاقل ہو، فسق کے اسباب اور انسانیت کو نقصان پہنچانے والے اعمال سے پاک ہو۔ ہوشیار ہو، لاپرواہ اور بے خبر نہ ہو۔ اگر حافظے سے حدیث بیان کرے تو حافظ ہو اور اگر کتاب سے بیان کرے اور اپنی کتاب کا ضابط ہو۔ اگر بالمعنی بیان کرے تو اس میں شرط ہے کہ معانی کے تبدیل ہونے کا عالم ہو۔

عبدالوھاب عبداللطیف کے بقول:

وصف الراوی بما يقتضی قبول روايته. (۲)

راوی کی ان صفات سے توصیف جو اس کی روایت کو قبول کرنے کا تقاضا کرتی ہیں۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

والمراد بالعدل: من له ملكة تحمله على ملازمة التقوىٰ والمروءة والمراد بالتقوى اجتناب الاعمال السيئة من شرك أو فسق أو بدعة. (۳)

عادل وہ شخص ہے جس میں ایسی راسخ قوت ہو جو تقویٰ اور مروت پر مجبور کرتی ہو شرک، فسق اور بدعت وغیرہ اعمال بد سے اجتناب کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔

المروءۃ کی وضاحت کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

المروءة بضم الميم و الراء بعدها او ساكنة ثم همزة و قد تبدل ويدغم. وهو كمال الانسان من صدق اللسان و احتمال عثرات

۱- ابن الصلاح، ۱۰۴-۱۰۵

۲- المختصر فی علم رجال الاثر، ۴۵

۳- نزھۃ النظر، ۲۹

الاخوان، وبذل الاحسان الى اهل الزمان و كف الاذى عن الجيران وقيل :المروء ة التخلق با خلاق أمثاله و أقرانه فى لبسه و مشيه وحركاته و سكناته و سائر صفاته و فى المفاتح خوارم المروء ة كالدباغة والحجامة و الحياكة ممن لا يليق به من غير ضرورة وكالبول فى طريق و صحبة الاراذل و اللعب بالحمام و امثال ذلك ومجملها الاحتراز عمايذم عرفا. (۱)

مروء ة میم اوراس کے بعد راء کے ضمہ واؤ ساکنہ بعد میں ہمزہ کے ساتھ جو تبدیل بھی ہوتا اور مدغم بھی۔ اس سے مراد ایک انسان کا زبان کی صداقت، بھائیوں کی لغزشوں کی برداشت، اپنے ہم زمانہ لوگوں سے احسان کا سلوک اور ہمسایوں کو اذیت سے گریز کرنے میں کمال حاصل کرنا ہے۔ایک قول ہے کہ المروء ة اپنے جیسے اور ہم پلہ لوگوں کے لباس، ان کی چال ڈھال، حرکات وسکنات اور ساری صفات میں ان کے مشابہ ہونا اور ان کے اخلاق سے متصف ہونا ہے۔اور المفاتح میں ہے کہ مروت کو نقصان پہنچانے والی چیزوں میں، رنگریزی، حجام کا پیشہ اور جلاہے وغیرہ کا پیشہ ہے جو بغیر ضرورت کے اختیار کرنا مناسب نہیں ہے اسی طرح رستے میں پیشاب کرنا گھٹیا لوگوں کی صحبت میں رہنا، کبوتروں سے کھیلنا اور اسی طرح کے دوسرے مشاغل المختصران چیزوں سے احتراز جو عرف عام میں مذموم ہیں۔

ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب العدل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العدل اصطلاحاً:هو من لم يظهر فى أمر دينه و مروء ته ما يخل بهما فيقبل لذلك خبره و شهادته إذا تو فرت فيه بقية الشرائط التى ذكرناها فى أهلية الأداء . (۲)

اصطلاحی معنوں میں عدل سے مراد وہ شخص ہے جس کے دین و مروت میں کوئی ایسی شئے ظاہر نہ ہو جو ان دونوں میں مخل ہو۔اس لیے اس کی خبر اور شہادت قبول کی جائے گی جب کہ اس میں باقی شرائط پوری ہوں جس کا ذکر ہم نے اهلية الاداء (۳) میں کیا ہے۔

وہ تعدیل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱- شرح نخبة الفكر، ۵۳

۲- اصول الحديث علومه و مصطلحه، ۲۹۰؛ تقدمة الكتاب الجرح و التعديل لابن ابى حاتم، ۶،۵

۳- یہ تقریباً وہی شرائط ہیں جو ابن الصلاح نے قبول روایت کے لیے بیان کی ہیں۔ابن الصلاح، ۱۰۴-۱۰۵؛ اصول الحديث علومه و مصطلحه، ۲۲۹-۲۳۲

والتعدیل وصف الراوی بصفات تزکیه فتظهر عدالته و یقبل خبره.(۱)

تعدیل کا مطلب راوی کا ایسی صفات سے متصف ہونا جو اسے عادل قرار دے اس طرح اس کی عدالت واضح ہو اور اس کی خبر قبول کی جائے۔

اکرم ضیاء العمری علم الجرح والتعدیل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو علم یتعلق ببیان مرتبة الرواة من حیث تضعیف أو توثیقهم بتعابیر فنیة متعارف علیها عند العلماء.(۲)

فقہاء اور محدثین کے ہاں کے عدل کی تعریف مختلف طریقوں سے کی گئی ہے تاہم اس میں بنیادی عنصر لغوی مفہوم کا ہے۔امیر الصنعانی عدل کی تعریفات کے سلسلے میں علامہ آمدی کا قول نقل کرتے ہیں:

قال المحقق الآمدی فی کتابه "الإحکام فی اصول الأحکام" ما نصه "العدل فی اللغة عبارة عن المتوسط فی الأمور من غیر افراط فی طرفی الزیادة و النقصان ، منه قوله تعالیٰ:و کذلك جعلنا کم امةً وسطا(۳). ای عدلاً، فالوسط و العدل بمعنی عدل و قد یطلق و یرادبه المصدر المقابل للجور، و هو انصاف الغیر بفعل ما یجب له و ترك ما لایجب، و الجور فی مقابلته، وقد یطلق و یرادبه ما کان من الافعال الحسنة یتعدی الفاعل الی غیره، و منه یقال للملك المحسن الی رعیته:عادل واما فی لسان المتشرعة و قد یطلق و یرادبه قبول الشهادة والروایة عن النبی صلی الله علیه وسلم و قال الغزالی فی معنی هذه الاهلیة :انها عبارة عن استقامة السیرة والدین، و حاصلها یرجع الی هیئة راسخة فی النفس تحمل علی ملازمة التقوی والمروءة جمیعاً ، حتی تحصل ثقة النفوس بصدقه. وذلك انما یتحقق با جتناب الکبائر و بعض الصغائر و بعض المباحات، فقد روی ابن عمر عن أبیه عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال:(الکبائر تسع:"الشرك بالله

۱- اصول الحدیث علومه و مصطلحه، ۲۶۰، ۲۶۱؛ موضوع پر مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:المدخل الی دراسة علوم الحدیث، ۳۰۵-۳۱۵

۲- بحوث فی تاریخ السنة، ۹۱

۳- البقرہ/۱۴۳

تعالی، وقتل النفس المؤمنة، و قذف المحصنة، و الزنا، وا لفرار من الزحف، والسحر، و أكل مال اليتيم وعقوق الوالدين المسلمين والالحاد بالبيت الحرام(۱) وروى أبو هريرة مع ذلك؛ أكل الربا، والأنقلاب الى الأعراب بعد هجرة. وروى عن على عليه السلام انه أضاف الى ذلك: السرقة، و شرب الخمر وأما بعض الصغائر فما يدل على فعله على نقص الدين و عدم الترفع عن الكذب و ذلك كسرقة لقمة، و التطفيف بحبة و اشتراط اخذ الأجرة على إسماع الحديث و نحوه. و أما بعض المباحات فما يدل على نقص المروءة و دناءة الهمة كالأكل فى السوق والبول فى الشوارع وصحبة الاراذل، و الافراط فى المزح، و نحوذلك ممايدل على سرعة الاقدام على الكذب و عدم الاكتراث به. ولا خلاف فى اعتبار اجتناب هذه الامور فى العدالة المعتبرة في قبول الشهادة. والرواية عن النبى صلى الله عليه وسلم: لأن من لا يجتنب هذه الامور احرى ان لا يجتنب الكذب، فلا يكون موثوقاً بقوله، ولا خلاف ايضاً فى اشتراط هذه الامور الاربعة فى الشهادة و تختص الشهادة بشروط آخر، كالحرية والذكورة و العدد و البصر و عدم القرابة و العداوة.(۲)

محقق الآمدی نے اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں تصریح کرتے ہوئے کہا ہے: لغت میں عدل سے مراد زیادتی اور نقصان کے پہلوؤں میں افراط کے بغیر امور میں متوسط ہوتا ہے۔ اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اس طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے" یعنی "عدل"۔ سو وسط اور عدل بمعنی عدل۔ کبھی غیر مشروط استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد جور کے مقابلے میں بطور مصدر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب دوسرے کے لیے ایسے عمل کے ذریعہ انصاف ہے، جس کا کرنا واجب اور نہ کرنا غیر واجب ہے اور اس کے مقابل مستعمل ہے۔ کبھی مطلق استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ اچھے اعمال ہوتے ہیں جنہیں انجام

۱- اس مضمون کو کتب حدیث میں مختلف صحابہ سے الفاظ کے ردو بدل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ بخاری، ترمذی، نسائی، ابو داؤد، دارمی اور مسند احمد، ۱/ ۲، ۲۱۴؛ ۳/ ۴۹۵ میں کبائر کی فہرست مروی ہے۔ دیکھیے، مسلم، الجامع، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر، ۱/ ۶۳، ۶۴، ۶۵؛ تیسیر الوصول، ۴/ ۱۳۵

۲- توضیح الافکار، ۲/ ۱۱۷–۱۱۸

دینے والا دوسروں کے لیے ادا کرتا ہے۔ اس سے وہ قول ہے جب رعیت کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے بادشاہ کو عادل کہا جاتا ہے۔ جہاں تک اہل شریعت کی زبان کا تعلق ہے تو ان کے ہاں بعض اوقات غیر مشروط استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد شہادت اور نبی کریم ﷺ سے روایت کو قبول کرنا ہوتا ہے۔ غزالیؒ نے اہلیت کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا مطلب سیرت اور دین کی استقامت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ باطن میں ایک ہیئت راسخہ کی صورت اختیار کرتا ہے جو تقویٰ اور مروءت کے التزام کا حامل بناتی ہے یہاں تک اس کے صدق کی وجہ سے نفوس کو ثقاہت حاصل ہوتی ہے اور ایسا اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کبائر سے اجتناب اور بعض صغائر اور بعض مباحات کو ترک کیا جاتا ہے۔ ابن عمرؓ نے اپنے والد کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: کبیرہ گناہ سات ہیں: اللہ کے ساتھ شرک، مومن جان کا قتل، پاک دامن عورت پر تہمت، زنا، میدان جہاد سے فرار، جادوگری، یتیم کا مال کھانا، مسلمان والدین کی نافرمانی اور بیت الحرام کی بے حرمتی ہے۔ ابو ہریرہؓ نے اس کے ساتھ سود خوری اور ہجرت کے بعد بادیہ نشینوں کی طرف لوٹنے کا اضافہ کیا ہے۔ اور علی علیہ السلام سے مروی کہ انہوں نے چوری اور شراب خوری کا اضافہ کیا ہے۔ جہاں تک بعض صغیرہ گناہوں کا تعلق ہے تو ان سے مراد وہ اعمال ہیں جن کا کرنا دین کے نقصان اور جھوٹ سے بلند نہ ہو سکنے پر دلالت کرے جیسے لقمہ کی چوری ایک دانے کے برابر تول میں کمی بیشی اور حدیث سنانے پر اجرت کی شرط رکھنا اور اسی قبیل کے دوسرے اعمال اور بعض مباحات کا معاملہ ہے تو وہ اعمال جن سے انسانیت کی کمی اور ہمت کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے جیسے بازار میں کھانا، راستوں میں پیشاب کرنا، گھٹیا لوگوں کی صحبت اختیار کرنا اور مزاح میں افراط سے کام لینا اور اس طرح اقدام کذب میں جلدی کرنا اور اس بارے میں لاپرواہی برتنا۔ ایسی عدالت کے لیے جو قبول شہادت اور نبی اکرم ﷺ سے روایت کے لیے معتبر ہو ان امور سے اجتناب کرنے کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ جو شخص ان امور سے مجتنب نہیں وہ اس بات کا زیادہ سزاوار ہے کہ جھوٹ سے نہ بچے لہٰذا وہ اپنی بات میں ثقہ نہیں ہوگا۔ اور شہادت کے سلسلے میں ان چار امور کے شرط ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ شہادت اور شرائط کے ساتھ بھی مختص ہے جیسے آزادی، مرد ہونا، تعداد، بینا ہونا، غیر قرابت دار ہونا اور دشمنی نہ رکھنا۔

علم جرح وتعدیل

جرح وتعدیل علوم حدیث میں سے ایک اہم علم ہے۔ بلکہ حدیث کی حقیقت کو متعین کرنے کے لیے جرح وتعدیل کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔امام حاکمؒ کہتے ہیں:

معرفة الجرح و التعديل وهما فى الأصل نوعان كل نوع منها علم برأسه و هو ثمرة هذا العلم و المرقاة الكبيرة منه. (۱)

ابن ابی حاتم سے جرح وتعدیل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا:

اظهر أحوال أهل العلم من كان ثقة أو غير ثقة.(۲)

اس حیثیت سے اہل علم کے احوال کا ظہور کہ یہ معلوم ہو کون ثقہ یا غیر ثقہ ہے۔

حاجی خلیفہ علم جرح وتعدیل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو علم يبحث فيه عن جرح الرواة و تعديلهم بالفاظ مخصوصة و عن مراتب تلك الألفاظ. (۳)

اس سے مراد وہ علم ہے جس میں مخصوص الفاظ کے ساتھ راویوں کی جرح وتعدیل کے لیے بحث کی جاتی ہے اور ان الفاظ کے مراتب کے متعلق بھی۔

نواب صدیق حسن خان علم جرح وتعدیل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و هو علم يعرف به موضوع الحديث من ثابته و يعرف حال الواضع من حيث صدقه و كذبه و الغرض منه تحصيل ملكة التمييز بين الصدق والكذب والصادق و الكاذب و غايته التحرز عن روايته الا معروفا ببيان و ضعه. (۴)

یہ وہ علم جس کے ذریعہ موضوع حدیث کی ثابت سے پہچان ہوتی ہے اور وضع کرنے والے کے صدق وکذب کے احوال کا پتہ چلتا ہے۔اس کا مقصود ایسے ملکہ کا حصول ہے جو صدق وکذب اور صادق وکاذب کے درمیان تمیز ہو سکے،اور اس کی غایت اس کی روایت سے بچنا ہے الا یہ کہ اس کے وضع کرنے کا بیان معروف ہو۔

۱- معرفة علوم الحديث ، ۵۲

۲- الكفاية ، ۳۸

۳- كشف الظنون،۱/ ۵۸۲

۴- الحطة، ۱۱۵؛ ابجد العلوم، ۲ / ۲۱۱

ڈاکٹر عجاج الخطیب کے الفاظ ہیں:

فعلم الجرح والتعدیل: هو العلم الذی یبحث فی أحوال الرواة من حیث قبول روایاتهم أو ردها. (۱)

جرح وتعدیل کا علم وہ علم ہے جو راویوں کے احوال سے اس حیثیت سے بحث کرتا ہے کہ ان کی روایات کو قبول کیا جائے یا رد کیا جائے۔

گویا جرح وتعدیل کا علم راویوں کے احوال کا آئینہ ہے۔ یہی وہ علم ہے جس کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ روایت کرنے والا صادق ہے یا کاذب، حافظ وضابط ہے یا مختلط؟ اس کے اساتذہ وشیوخ کس پایے کے ہیں؟ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال کرنے والا ہے یا نہیں؟ عبادات میں کیسا اور معاملات میں کس طرح کا رویہ رکھنے والا ہے؟ اخلاقی وعلمی، تقویٰ ودین کی پاسداری وغیرہ وہ سب امور ہیں جن کو جاننے کے لیے محدثین نے جانفشانی سے کام لیا۔

ڈاکٹر نورالدین کے بیان کے مطابق:

ولولا ما بذله الائمة النقاد فی هذا الشأن من الجهود فی البحث عن عدالة الرواة و اختبار حفظهم وتیقظهم حتی رحلوا فی سبیل ذلك، وتکبدوا المشاق، ثم قاموا فی الناس بالتحذیر من الکذابین و الضعفاء المختلطین، لا شتبه أمر الإسلام، واستولت الزنادقة و یخرج الدجالون. (۲)

اگر نقاد ائمہ نے راویوں کی عدالت کی چھان بین، اور ان کے حفظ اور بیدار مغزی کے جائزے میں کاوشیں نہ کی ہوتیں، اس راہ میں سفر نہ کیے ہوتے اور مشقتیں نہ اٹھائی ہوتیں اور پھر لوگوں میں کھڑے ہو کر کذاب ضعفاء مختلطین سے لوگوں کو خبردار نہ کیا ہوتا تو اسلام کا معاملہ مشتبہ ہو جاتا، زنادقہ غالب آجاتے اور دجال خروج کرتے۔

علم جرح وتعدیل منہج النقد کا ایک اہم پہلو ہے۔ علوم الحدیث سے معمولی واقفیت رکھنے والا انسان بھی کہے گا کہ محدثین نے احادیث رسول کی منقح کرنے کے لیے کس باریک بینی سے کام لیا ہے۔ دنیا کے مذہبی ادب میں روایات کی جانچ پڑتال اور راویوں کے احوال وکوائف سے اس طرح بحث کہیں نہیں ملتی۔ تنقید کے جو اسالیب مغرب کی علمی راویت میں مشہور ہیں ان میں ظن وتخمین اور داخلی رجحانات کا خصوصی دخل ہے۔ جس غیر جانبداری (Objectivity) کا

۱۔ اصول الحدیث، ۲۶۱

۲۔ منهج النقد فی علوم الحدیث، ۹۳

دعویٰ کیا جاتا ہے وہ معروضی سے زیادہ داخلی پیمانوں پر مبنی ہے جرح وتعدیل پر آئندہ آنے والی بحثوں سے اندازہ ہوگا کہ محدثین نے مسئلے کے کتنے جوانب کا احاطہ کیا ہے۔ اس میں علمی دیانت تحقیقی گہرائی اور تنقیدی معیار کی اعلیٰ سطح کھل کر سامنے آئے گی۔

حافظ ابن حجر نے تعدیل وتجریح کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

و من المهم ایضاً معرفة احوالهم تعدیلاً و تجریحاً و جهالة لأن الراوی اما ان تعرف عدالته أو یعرف فسقه أو لا یُعرف فیه شیء (۱)

راویوں کے حالات ان معنوں میں جاننا بہت اہم ہے کہ وہ عادل ہیں، مجروح ہیں یا مجہول اس لیے کہ یا تو راوی کی عدالت معروف ہو یا اس کا فسق معروف ہوگا یا اس کے بارے کوئی چیز بھی معروف نہ ہوگی۔

گویا حدیث کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں اس وقت تک کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا جب تک راوی کی عدالت، فسق یا جہالت کی وضاحت نہ ہو جائے اس اعتبار سے علم جرح وتعدیل بے حد اہمیت کا حامل ہے۔

جرح وتعدیل کی دینی اساس

رسول اکرم ﷺ نے جس معاشرے کی تشکیل کی اسے صدق وامانت کے اصولوں پر منظم کیا لہٰذا معاشرے کے دینی تشخص کو محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے جھوٹ اور خیانت سے پاک رکھا جائے۔ اسلامی اجتماعیت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ معاشرے میں جھوٹی خبریں اور خیانت کے اعمال جاری رہیں۔ خود قرآن مجید نے خبر کی چھان پھٹک کو ضروری قرار دیا۔ ارشاد باری ہے:

یا ایها الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبإٍ فتبیّنُوا ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم ندمین. (۲)

اے ایمان والو اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو اور پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

یأمر تعالیٰ بالتثبت فی خبر الفاسق لیحتاط له، وقد نهی الله عزوجل عن اتباع سبیل المفسدین، و من هاهنا امتنع طوائف من العلماء من

۱- نزهة النظر، ۷۱

۲- الحجرات/۶

قبول رواية مجهول الحال، لا حتمال فسقه فى نفس الأمر و قبلها آخرون. (۱)

اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر کی تحقیق کا حکم دیا ہے تا کہ احتیاط رہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مفسدوں کے طریقہ کی اتباع سے منع کیا اور اس سے علماء کے بعض گروہوں نے مجہول الحال کی روایت کو قبول کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں فسق کا احتمال ہے جب کہ بعض دوسرے علماء نے اسے قبول کیا ہے۔

ابوبکر الجصاص نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

آیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ فاسق کی دی ہوئی خبر کی چھان بین کرنا واجب ہے اور تحقیق و تفتیش کے بغیر نیز اس کے مدلول کی صحت کا علم حاصل کیے بغیر اس خبر کو قبول کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ممانعت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت میں دو قراءات ہیں ایک فتبتوا ہے، اور تبت کے معنی ہیں چھان بین کرنا، دوسری قراءت فتبینوا ہے جس کے معنی چھان پھٹک کرنا ہے۔ دونوں الفاظ خبر کی صحت کا علم حاصل کیے بغیر اسے قبول کرنے کی ممانعت کرتے ہیں جب کہ پہلی قراءت کے لحاظ سے تبت کا حکم دیا گیا ہے یعنی چھان بین کرلی جائے تا کہ نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ (۲)

اسی طرح سورۃ النساء میں خبر کی تصدیق و تحقیق کا حکم دیا گیا ہے:

وإذا جاء هم أمر من الأمن أو الخوف اذاعوا به ولو ردوه إلى الرسول وإلى أولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم. (۳)

جہاں انہیں کوئی خبر امن یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول اکرم ﷺ اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ بلا تصدیق و تحقیق خبریں پھیلانا اچھا نہیں بلکہ انہیں اہل علم و معاملہ اور صاحبان بصیرت تک پہنچانا چاہیے تا کہ وہ ان کا تجزیہ کرسکیں۔ گویا یہ ایک اصولی ہدایت ہے کہ خبر پر کوئی بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے خبر اور اس کے بیان کرنے والے کا جائزہ لے لیا جائے۔ بالخصوص اگر کوئی شخص فاسق ہے تو اس کی خبر کی ہر صورت میں

۱- مختصر ابن کثیر، ۳/ ۳۶۰

۲- احکام القرآن (اردو ترجمہ)، ۶/ ۴۲۹

۳- النساء/ ۸۳

تحقیق کرنی چاہئے۔ اگرچہ یہ ہدایت بنیادی طور پر مسلمان معاشرے کے استحکام سے متعلق ہے کہ غیر ذمہ دارانہ افواہیں پھیلانے سے معاشرے کو کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے، جو لوگ بے سبب افواہیں پھیلاتے اور سنی سنائی باتوں کی تشہیر کرتے ہیں ان کو تنبیہ کی ہے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ لیکن اس حکم کی روح، خبر اور اس کے بیان کرنے والے سے متعلق ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

انکار علی من یبادر إلی الامور قبل تحقیقها فیخبر بها و یفشیها وینشرها و قد لا یکون لها صحة و قد قال مسلم فی مقدمة صحیحه عن أبی هریرة عن النبی ﷺ قال: کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع. (۱)

اس شخص پر اظہار ناپسندیدگی ہے، جو تحقیق سے پہلے امور کی طرف جلدی کرتا ہے، انہیں بیان کرتا ہے، افشا کرتا ہے اور انہیں پھیلاتا ہے۔

خبر کی تفتیش و تحقیق کے متعلق قرآن مجید کی ان ہدایات پر محدثین نے جرح و تعدیل کی بنیاد رکھی ہے۔ ہر راوی کے حالات کی چھان بین کرنا تاکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال صحیح طور پر منتقل ہو سکیں۔ جرح و تعدیل میں خبر کے ساتھ خبر دینے والے کے بارے میں رائے کا اظہار ہوتا ہے اور اکثر اوقات اس کے بعض عیوب کا ذکر ہوتا ہے تو کیا یہ مناسب ہے؟ محدثین نے اس پہلو کی طرف بھی توجہ کی ہے اور اس کی دینی بنیادیں متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے بعض ارشادات سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً:

۱۔ امام ترمذی نے فاطمہ بنت قیس کا واقعہ نقل کیا ہے، جس میں آپ ﷺ نے بعض اشخاص کی شخصیتوں پر تبصرہ فرمایا ہے۔ چونکہ ان سے مشورہ طلب کیا تھا لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی رائے کا بلا کم و کاست اظہار کیا ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کو بتایا گیا کہ اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی ہے اور اس کے لیے رہائش کا انتظام نہیں کیا۔ وہ رسول اللہ کے پاس آئیں اور واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ام شریک کے گھر مدت گذارو پھر فرمایا:

ان بیت أم شریك بیت یغشاه المهاجرون و لکن اعتدی فی بیت ام مکتوم، فعسیٰ ان تلقی ثیابك فلا یراك. فاذا نقضت عدتك فجاء احدٌ یخطبك فائتینی. فلما انقضت عدتی، خطبنی أبو جهم و معاویة. قالت فاتیت رسول الله ﷺ. فذکرت ذلك له، فقال: أما معاویة فرجل لا مال له، وأما أبو جهم فرجل شدید علی النساء، قالت فخطبنی أسامة

۱۔ مختصر ابن کثیر، ۱/ ۴۱۶ — ۴۱۷: مسلم، الجامع، مقدمة، باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع، ۱/ ۸

ابن زيد، فتزوجني، فبارك الله لي في أسامة. (۱)

ام شریک کے گھر میں مہاجرین کا ہجوم رہتا ہے تم ام مکتوم کے گھر عدت گزارو کہ اگر تم کبھی کپڑے اتارو تو وہ نہیں دیکھے گا۔ جب تمہاری عدت پوری ہو اور کوئی تمہیں نکاح کا پیغام دینے آئے تو میرے پاس آنا۔ جب میری عدت پوری ہوئی تو ابوجہم اور معاویہ نے پیغام نکاح بھیجا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور ان سے معاملہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک معاویہ کا تعلق ہے تو وہ ایسا شخص ہے جس کے پاس مال نہیں اور ابوجہم ایسا آدمی ہے جو عورتوں کے لیے سخت گیر ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اسامہ بن زید نے مجھے پیغام نکاح بھیجا اور پھر شادی کر لی۔ اللہ نے اسامہ میں میرے لیے برکت رکھی۔

۲۔ بخاری نے عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں اپنی رائے دی۔

عن عائشةؓ: إن رجلا استأذن على النبي ﷺ، فلما رآه قال: بئس أخو العشيرة، و بئس ابن العشيرة فلما جلس تطلق النبي ﷺ في وجهه وانبسط إليه، فلما انطلق الرجل قالت له عائشةؓ: يا رسول الله! حين رأيت الرجل قلت له كذا وكذا ثم تطلقت، في وجهه وانبسطت إليه، فقال رسول الله ﷺ: متى عهدتني فاحشاً؟ إن شر الناس عند الله منزلة يوم القيامة من تركه الناس اتقاء شره (۲)

عائشہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے کنبے کا برا بھائی یا برا بیٹا ہے، اسے آنے دو۔ جب وہ بیٹھا تو آپ ﷺ خندہ پیشانی سے پیش آئے اور مسرت کا اظہار کیا جب وہ شخص چلا گیا تو عائشہؓ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ، جب آپ ﷺ نے اس آدمی کو دیکھا تو آپ ﷺ نے ایسا ویسا کہا پھر آپ ﷺ نے خندہ پیشانی اور بے تکلفی سے معاملہ کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ تم نے مجھے بدگو کب پایا۔ اللہ کے نزدیک قیامت کے روز وہ شخص برا ہوگا جس کو لوگ اس کی برائی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

۳۔ امام بخاری نے سہل بن سعد الساعدیؓ سے روایت نقل کی ہے جس میں دو اشخاص کے بارے میں رائے کا

۱۔ ترمذی، السنن، ابواب النكاح، باب ماجاء لا يخطب الرجل على خطبة أخيه، ۴۴۱/۳ - ۴۴۲

۲۔ بخاری، الجامع، کتاب الادب، باب لم يكن النبي فاحشاً ولا متفاحشاً، ۸۱/۷؛ مسلم الجامع، كتاب البر والصلة، باب مداراة من يتقى فحشه، ۲۱/۸؛ مسلم کے ہاں الان له القول اور النت له القول کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح ترکه کے ساتھ ودعه کا لفظ بھی ہے ۲۱/۸

اظہار کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کی رائے بھی سنی اور اپنی رائے بھی دی:

عن سهل بن سعد الساعدی أنّه قال: مرّ رجل علی رسول الله ﷺ فقال لرجل عنده جالس: ما رأیك في هذا؟ فقال: رجل من أشراف الناس، هذا والله حریّ ان خطب أن یُنکح، و إن شفع أن یُشفع، قال: فسکت رسول الله ﷺ، ثم مرّ رجل فقال له رسول الله ﷺ: ما رأیك في هذا؟ فقال: یا رسول الله ﷺ، هذا رجل من فقراء المسلمین، هذا حریّ ان خطب ان لا یُنکح، وان شفع ان لا یُشفع، وان قال ان لا یُسمع لقوله. فقال رسول الله ﷺ: "هذا خیر من ملء الارض من مثل هذا". (۱)

سہل بن سعد الساعدیؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے سامنے سے گزرا۔ آپ ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے شخص کو کہا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس شخص نے کہا: یہ آدمی اعلیٰ سطح کے لوگوں میں سے ہے۔ خدا کی قسم یہ شخص اس لائق ہے کہ اگر یہ پیغام نکاح دے تو قبول کیا جائے گا اور اگر کسی کی سفارش کرے تو وہ مانی جائے گی۔ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے۔ پھر ایک اور شخص گزرا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ یہ شخص غریب مسلمانوں میں سے ہے۔ اگر کہیں نکاح کا پیغام بھیجے تو رد کیا جائے گا اور اگر سفارش کرے تو قبول نہ ہوگی اور اگر بات کرے تو اسے سنا نہ جائے گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! یہ آدمی اس طرح کے زمین بھر کے لوگوں سے بہتر ہے۔

ان احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی شخص کے کردار کے بارے میں اظہار کرنے اور رائے کے سننے میں باک نہیں محسوس کرتے تھے۔ جھوٹ اور فسق شخصیت کے ایسے پہلو ہیں جو اس کو قابل اعتبار بنانے کی راہ میں رکاوٹ ہیں اس لیے آپ ﷺ نے خائن اور جھوٹے آدمی کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سلیمان بن موسیٰ سے روایت ہے:

ان رسول الله ﷺ رد شهادة الخائن و الخائنة وذی الغمر علی أخیه.(۲)

رسول اللہ ﷺ نے خائن شخص اور خائن عورت اور اپنے بھائی کے لیے کینہ رکھنے والے کی شہادت رد کر دی۔

۱- بخاری، الجامع، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، ۷/ ۱۷۸؛ کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، ۶/ ۱۲۳

۲- ابو داؤد، السنن، کتاب القضاء، باب من ترد شهادته، ۴/ ۲۴؛ (حدیث: ۳۶۰۰)

سلیمان بن موسیٰ کی ایک اور روایت کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

قال رسول الله ﷺ: لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا زان ولا زانية ولا ذي غمر على أخيه. (۱)

رسول اللہؐ نے فرمایا: خائن مرد، خائن عورت، زانی مرد اور زانیہ عورت اور اپنے بھائی سے کینہ رکھنے والے کی شہادت قابل قبول نہیں۔

عبدالرزاق نے معمر سے اور معمر نے موسیٰ الجندی سے روایت کی ہے:

ردّ رسول الله ﷺ شهادة رجل في كذبة كذبها. (۲)

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کی اس کے جھوٹ کی وجہ سے شہادت کو رد کر دیا۔

معمر کہتے ہیں کہ میں نہیں کہتا کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کے رسول پر یا لوگوں میں سے کسی پر۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے موقع بہ موقع لوگوں کی تعریف کی جو تعدیل کے ضمن میں آتی ہے۔ صحابہ کے فضائل کے ابواب میں کتب حدیث نے حضور اکرم ﷺ کے ارشادات نقل کئے ہیں۔ ایک دفعہ نجران سے کچھ لوگ آئے اور حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے پاس تعلیم کے لیے کسی شخص کو بھیجیں تو آپ ﷺ نے ابو عبیدہؓ سے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ! جب وہ کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هذا أمين هذه الأمة. (۳) و في رواية: لكل امة أمين وأمين هذه الأمة أبو عبيدة بن الجراح.

یہ امت کے امین ہیں۔ ایک روایت میں ہے: ہر امت کا ایک امین ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں۔

ام المومنین حفصہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں فرمایا:

ان عبدالله رجل صالح. (۴)

بلاشبہ عبداللہ ایک صالح مرد ہیں۔

ایک روایت میں ہے: **نعم الرجل عبدالله لو كان يصلي من الليل. (۵)**

۱- ابو داؤد، السنن، كتاب القضاء، باب من ترد شهادته، ۴/ ۲۵-۲۶؛ عبدالرزاق، المصنف، كتاب الشهادات، ۸/ ۳۲۰

۲- التمهيد، ۱/ ۶۸

۳- بخاری، الجامع، كتاب المغازی، باب قصة اهل نجران، ۵/ ۱۲۰؛ كتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب ابو عبيدة بن الجراح، ۴/۲۱۹

۴- بخاری، الجامع، كتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عبدالله بن عمر، ۴/ ۲۱۵

۵- ايضاً، ۴/ ۲۱۵

صحابہ کرامؓ کے بارے میں انفرادی طور پر جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کتب حدیث کے ابواب المناقب میں موجود ہے۔ مجموعی طور پر عہد صحابہ وتابعین کی فضیلت بیان فرمائی:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم. (۱)

تمام انسانوں سے بہتر میرا زمانہ پھر جو لوگ ان کے بعد ہیں اور پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہیں۔

عمران بن حصین کے روایت میں خیر کم قرنی کے الفاظ ہیں۔(۲)

خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کے بارے میں انفرادی طور پر فضائل اور کلمات خیر کا تذکرہ کتب حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ابوبکرؓ کو بھائی (۳) کہا، عمرؓ کے بارے میں کہا کہ شیطان ان سے ڈرتا اور بھاگتا ہے(۴) بیعت الرضوان میں عثمانؓ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔(۵) خلفائے ثلاثہ کے بارے میں بخاری نے نقل کیا ہے:

عن انس بن مالكؓ قال: صعد النبی احد و معه أبو بكر و عمر و عثمان فرجت بهم، فضربه برجله و قال: اثبت احدا فما عليك الا نبی أو صديق أو شهيدان. (۶)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمانؓ تھے۔ پہاڑ لرزا تو آپ ﷺ نے اپنا پاؤں مارا اور فرمایا: ٹھہر جاؤ تم پر صرف نبی یا صدیق یا دو شہید ہی تو ہیں۔

علیؓ کے متعلق فرمایا:

اما ترضى أن تكون منی بمنزلة هارون بموسى. (۷)

۱- بخاری، الجامع، کتاب الانبیاء، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ، ۴/۱۸۸؛ مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم، ۷/ ۱۸۴، ۱۸۵

۲- ایضاً، کتاب الشهادات، باب لا یشهد علی شهادة جور، ۳/ ۱۵۱؛ مسلم، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة، ۷/ ۱۸۶؛ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل من رای النبی ﷺ و صحبه، ۵/۶۹۵؛ ابن ماجة، السنن، کتاب الأحكام، باب كراهية الشهادة لمن لم يستشهد، ۲/ ۷۹۱

۳- بخاری، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب لو کنت متخذاً......۴/ ۱۹۱

۴- ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب عمر، ۵/ ۶۲۰-۶۲۲

۵- ابن هشام، السیرة، ۳/ ۳۳۰؛ ابن سعد، ۱/ ۳۴۴؛ البدایة، ۴/ ۱۶۸

۶- بخاری، الجامع، فضائل الصحابة، باب مناقب عمر، ۴/ ۱۹۹-۲۰۰؛ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان، ۵/ ۶۲۴

۷- بخاری، الجامع، کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب علی، ۴/ ۲۰۸؛ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب علی، ۵/ ۶۴۱

کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تمہاری حیثیت ایسے ہو جیسے ہارون کی موسیٰ کے ساتھ۔

ان علیاً منی وأنا منه، و هو ولی کل مومن بعدی. (۱)

بلاشبہ علی مجھ سے ہیں اور میں اس سے ہوں اور میرے بعد وہ ہر مومن کے ولی ہیں۔

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ لوگوں کی صفات اور ان کے فضائل بیان کرتے اور ضرورت کے تحت ان کے عیوب بھی ظاہر کرتے اور لوگوں کی رائے سنتے اور بعض اوقات اس کی تصحیح بھی فرماتے۔ حضور اکرمؐ کے اس طرز عمل کو محدثین نے بنیاد بنایا ہے کہ کسی شخص کی صفات اور اس کے عیوب کو دینی و معاشرتی ضرورت کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جرح و تعدیل کے جو اصول محدثین نے بیان کیے ان کی بنیاد راویوں کے وہ خصوصی حالات تھے جن میں دین صدق اور امانت کا وہ معیار نہیں تھا جو صحابہ کرامؓ میں موجود تھا اس لیے صحابہ سب عدول تھے ان کو مجروح نہیں قرار دیا جاسکتا۔

کسی صحابی کے بارے میں تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی جھوٹی بات کہے۔ یہ لوگ صدق و امانت کی روشن مثالیں تھیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کی وعید موجود تھی جس کے ہوتے ہوئے کوئی شخص یہ جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار. (۲)

جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

حضور اکرم ﷺ کے طرز عمل نے وہ بنیاد فراہم کی جس پر صحابہ کرام، تابعین عظام اور محدثین کرام نے اپنے رویوں کو مستحکم کیا۔ صحابہ کرامؓ احادیث کے بیان اور قبولیت میں احتیاط کے تمام تقاضے پورے کرتے۔ قبیصہ بن ذؤیب کی روایت کے مطابق ابوبکر صدیقؓ نے وراثت میں دادی کے حصے کا اس وقت تک فیصلہ نہیں کیا جب تک مغیرہ بن شعبہ نے حضور اکرم ﷺ کے فیصلے کا ذکر نہ کیا اور محمد بن مسلمہ نے اس کی تائید نہیں کی اس حکم کے مطابق آپ ﷺ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا۔ (۳) علامہ ذہبی نے اسے تثبت فی الروایة اور تحری فی الروایة کی روش قرار دیا ہے۔ (۴)

امام ترمذی نے ابوسعید خدری کی روایت نقل کی ہے جس سے عمرؓ کی محتاط روش کا پتہ چلتا ہے:

۱- ترمذی، السنن، ابواب المناقب، ۵/۶۳۲، ۶۳۳

۲- مسلم، الجامع، کتاب العلم، باب فی التحذیر من الکذب، ۱/۷، ۸؛ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب علی، ۵/۶۳۴

۳- ابو داؤد، السنن، کتاب الفرائض، باب فی الجدة، ۳/۳۱۶-۳۱۷

۴- تذکرة الحفاظ، ۱/۳

عن ابی سعید قال: استأذن أبو موسیٰ علی عمرؓ، فقال: السلام علیکم أ أدخل؟ فقال عمر: واحدة، ثم سکت ساعة، ثم قال: السلام علیکم أأدخل؟ فقال عمر: ثنتان، ثم سکت ساعة، فقال: السلام علیکم أأدخل؟ فقال عمر: ثلاث، ثم رجع، فقال عمر للبواب: ما صنع؟ قال: رجع، قال: عليّ به. فلما جاءه، قال: ما هذا الذی صنعت؟ قال: السنة. قال: السنة؟ والله لتأتینی علی هذا ببرهان أو ببینة أو لأفعلن بك، قال: فأتانا و نحن رفقة من الأنصار، فقال: یا معشر الأنصار! ألستم أعلم الناس بحدیث رسول اللهﷺ؟ الم یقل رسول اللهﷺ: الاستئذان ثلاث، فان أذن لك وإلا فارجع؟ فجعل القوم یمازحونه. قال أبو سعید: ثم رفعت رأسی إلیه فقلت: ما أصابك فی هذا من العقوبة فأنا شریکك، قال: فأتی عمر فأخبره بذلك، فقال عمر: ما کنتُ علمت بهذا. (۱)

ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ ابوموسیٰ نے عمرؓ سے اذن طلب کیا اور کہا: السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟ عمرؓ نے کہا: ایک، ابوموسیٰ ایک لحہ خاموش رہے پھر کہا: السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟ تو عمرؓ نے کہا: دو، ابوموسیٰ کچھ دیر خاموش رہے پھر کہا: السلام علیکم، میں داخل ہو جاؤں؟ عمرؓ نے کہا: تین، پھر وہ لوٹ گئے۔ اس پر عمرؓ نے دربان سے کہا: اس نے کیا کیا؟ دربان نے کہا کہ وہ لوٹ گئے۔ عمرؓ نے کہا: اسے میرے پاس لائیے۔ جب ابوموسیٰ ان کے پاس آئے تو عمر نے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا ہے؟ ابوموسیٰ نے کہا: سنت پر عمل کیا۔ عمرؓ نے کہا: اس پر دلیل لائیے یا گواہ ورنہ میں اس پر تم سے کچھ معاملہ کروں گا (یعنی سزا دوں گا) ابوسعید کہتے ہیں کہ ابوموسیٰ ہمارے پاس آئے اور ہم کچھ انصاری ساتھی تھے اور کہنے لگے۔ اے گروہ انصار! کیا تم رسول اللہؐ کی حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والے نہیں؟ کیا رسول اللہؐ نے فرمایا نہیں تھا: ''اذن طلبی تین مرتبہ ہے۔ اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ لوٹ جاؤ۔'' لوگ ان سے مزاح کرنے لگے۔ ابوسعید کہتے ہیں: پھر میں نے سر اٹھایا اور کہا: اس سلسلے میں آپ کو جو سزا ہوگی میں اس میں آپ کے ساتھ شریک ہوں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوسعید آئے اور عمرؓ کو اس سے آگاہ کیا۔ تو عمرؓ نے کہا: مجھے اس کا علم نہ تھا۔

۱- ترمذی، السنن، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی الاستئذان ثلاث، ۵/ ۵۳-۵۴؛ مسند احمد، ۳/ ۳۹۴

علامہ ذہبی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عمرؓ کے پیش نظر اس خبر کی تحقیق وتصدیق تھی کہ دیگر لوگ بھی اس کی تصدیق کریں کیونکہ اس کا امکان تھا کہ ابو موسیٰ اشعری بھول گئے ہوں یا وہم کا شکار ہوئے ہوں۔ جب دو ثقہ شخص ایک بات پر قائم ہوں تو وہم دور ہو جاتا ہے۔(۱)

علیؓ قرابت اور قرب نبوی کی وجہ سے خصوصی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ علوم نبوت کے امین اور ارشادات و احکام نبوی سے واقف تھے لیکن حدیث سننے اور سنانے میں احتیاط برتتے تھے۔ کسی روایت پر اگر انہیں تردد ہوتا تو سنانے والے سے قسم لیتے تھے۔ علماء حدیث نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے، جس سے ان کے رویے کا پتہ چلتا ہے:

کنت اذ اسمعت عن رسول اللہ ﷺ حدیثا نفعنی اللہ بما شاء منه و إذا حدثنی محدث استحلفته فان حلف لی صدقته. (۲)

میں نے جب کبھی نبی ﷺ سے کوئی حدیث سنی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے نفع ہی دیا اور جب بھی کسی نے مجھ سے حدیث بیان کی تو میں نے اس سے قسم لی اگر وہ قسم اٹھالیتا تو میں نے اس حدیث کو قبول کیا۔

علامہ ذہبی نے ان کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

کان اماماً عالماً متحریا فی الأخذ بحیث انه یستحلف من یحدث بالحدیث. (۳)

صحابہ کرامؓ کا عمومی رویہ احتیاط اور تحقیق کا تھا حتیٰ کہ مکثرین صحابہ بھی ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھتے کہ وہ ایک بھاری ذمہ داری اٹھا رہے ہیں لہٰذا آنجناب ﷺ سے حدیث بیان کرتے ہوئے خشیت الٰہی کی کیفیت میں ہوتے۔ یہ اسی گروہ کی توجہ اور محنت کا نتیجہ ہے کہ سنت رسول کو ہر قسم کی آلائش سے محفوظ رکھنے کے لیے صداقت و دیانت کو اپنایا اور اسے بے کم و کاست لوگوں تک پہنچایا۔ سو اللہ نے وعدہ فرمایا کہ وہ قیامت کے دن ان کو رسوا نہ کرے گا۔ سو جماعت صحابہ کرامؓ کے بارے میں اجماع امت ہے کہ وہ عادل اور جھوٹ و کذب سے دور ہیں۔

کیا جرح وتعدیل کا عمل غیبت کے تحت آتا ہے؟

تعدیل تو قابل قبول ہوتی ہے کیونکہ اس میں کسی شخص کی عدالت اور ثقاہت کو بیان کیا جاتا ہے لیکن جرح میں شخصی عیوب اور علمی واخلاقی کمزوریوں کا تذکرہ ہوتا ہے کیا یہ عیب جوئی نہیں؟ اور کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کے عیوب بیان کرنا غیبت کے زمرے میں نہیں آتا؟ اگر یہ غیبت کے زمرے میں آتا ہے تو یہ بالکل جائز نہیں کیونکہ قرآن وسنت میں غیبت کی سخت مذمت آئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

۱- تذکرۃ الحفاظ، ۶/۱

۲- ایضاً، ۱/ ۱۰؛ الکفایۃ، ۸۳

۳- ایضاً، ۱/ ۱۰

يـا ايهـا الـذيـن آمـنـوا اجتـنبـوا كثيراً من الظن، ان بعض الظن اثم ولا تـجسـسـوا ولا يغتب بعضكم بعضا أيحب أحدكم أن يا كل لحم أخيه ميتاً فكرهتموه واتقوا الله ان الله تواب رحيم. (۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے، جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس میں پائے جانے والے عیب کا ذکر کیا جائے تو یہ غیبت ہوگی اور اگر عیب نہ پایا جائے تو یہ بہتان ہوگا:۔

عن أبي هريرة، قيل لرسول الله ﷺ ما الغيبة؟ قال ذكرك أخاك بما يكره. (قيل)، أفرأيت إن كان فيه ما يقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته و إن لم يكن فيه ما تقول فقد بهته. (۲)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے عرض کیا گیا کہ غیبت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرے جسے وہ ناپسند کرے۔ عرض کیا گیا کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ جو کچھ کہا گیا وہ اس میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو وہ کچھ کہتا ہے جو اس میں پایا جاتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر جو کچھ تو کہتا ہے اس میں نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جرح میں کسی کے عیوب و مفاسد ہی کا ذکر کیا جاتا ہے بلکہ نقادان حدیث نے تو راویوں کے عیوب پر مبنی اور ان کے حالات کے تجزیہ پر کتابیں لکھی ہیں اس لیے یہ غیبت تو بنتی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اصول جرح و تعدیل غیبت کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں؟ اگر آتے ہیں تو دینی طور پر کیا اس کا جواز موجود ہے۔ محدثین کے سامنے یہ مسئلہ تھا اس لیے انہوں نے اس پر اظہار رائے کیا ہے۔ ذیل میں ہم کچھ پہلوؤں کا ذکر کریں گے اور محدثین کی آراء پیش کریں گے:

قاضی عیاض نقل کرتے ہیں:

قال بعض الصوفية لابن المبارك۔ و سمعه يضعف بعض الرواة۔ يا أبا

۱- الحجرات/ ۱۲

۲- مسلم، الجامع، کتاب البر والصلة، باب تحريم الغيبة، ۸ / ۲۱: حديث ۳۵۸۹؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب في الغيبة، ۵ / ۱۹۱-۱۹۲. حديث: ۴۸۷۴؛ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب في الغيبة، ۴/۳۲۹؛ حديث: ۱۹۳۴

عبدالرحمن تغتاب ؟ قال: اسكت، اذا لم نبين، فمن أين يعرف الحق من الباطل. (۱)

کسی صوفی نے عبداللہ بن المبارک سے کہا: اور وہ بعض راویوں کی تضعیف کر رہے تھے، ابوعبدالرحمٰن غیبت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: خاموش رہو، اگر ہم وضاحت نہ کریں تو باطل سے حق کیسے پہچانا جائے گا۔

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ ابوتراب النخشبی الصوفی (۲) احمد بن حنبلؒ کے پاس آئے:

فجعل أبی یقول: فلان ضعیف، فلان ثقة، فقال أبو تراب: یا شیخ لا تغتب العلماء؛ فالتفت أبی إلیه وقال له: و یحك! هذا نصیحة، لیس بغیبة. (۳)

میرے والد کہہ رہے تھے: فلاں شخص ضعیف ہے اور فلاں ثقہ ہے۔ اس پر ابوتراب نے کہا: یا شیخ! غیبت نہ کرو۔ میرے والد اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: یہ تو خیر خواہی ہے، غیبت نہیں۔

ابن علیہ سے جرح کے بارے میں مندرجہ ذیل قول منقول ہے:

ان هذه أمانة لیس بغیبة. (۴)

یہ امانت ہے غیبت نہیں ہے۔

ان ہی کے سامنے ایک شخص کی حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے کہا:

لا تحدث عن هذا، فانه لیس بثبت.

تو اس سے روایت نہ کر کیونکہ وہ ثبت نہیں۔

تو انہیں کہا گیا کہ آپ نے غیبت کی ہے تو اسماعیل بن علیہ نے کہا:

مااغتابه و لكنه حكم علیه انه لیس بثبت. (۵)

غیبت نہیں کی بلکہ اس کے بارے میں یہ کہا کہ وہ ثبت نہیں ہے۔

۱- ترتیب المدارك، ۳ / ۵۱؛ شرح علل الترمذی، ۱/۴۶؛ الکفایة، ۴۵

۲- النخشبی، ابوتراب عسکر بن الحصین (م ۲۴۵ھ) نخشب کا شہر بلخ کے نواح میں سے ہے۔ اسے نسف بھی کہا جاتا ہے۔ صوفی محدث تھے۔ حج کی ادائیگی کے لیے جاتے ہوئے راستے میں فوت ہوئے۔ حلیة الاولیاء، ۱ / ۴۵؛ تاریخ بغداد، ۱۲/۳۱۵؛ العبر، ۱ / ۴۴۵؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۵۴۵

۳- طبقات الحنابلة، ۱ / ۲۳۸، ۲۳۹؛ الکفایة، ۴۵

۴- شرح علل الترمذی، ۱ / ۴۶؛ الضعفاء الکبیر، ۱/۱۱-۱۲

۵- الجرح و التعدیل، ۱/أ /۲۳؛ التعدیل و التجریح، ۱ / ۲۸۸؛ الکفایة، ۴۳؛ المحدث الفاصل، ۵۹۴

عبدالرحمٰن بن مھدی کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ، ابن المبارک، سفیان الثوری اور مالک بن انس سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا جو متھم بالکذب تھا تو انہوں نے کہا: انشرہ فانہ دین اسے بیان کرو کیونکہ یہ دین ہے۔(۱)

شعبہ سے جب سوال کیا گیا:

ھذا الذی تکلم فی الناس الیس ھو غیبۃ؟ فقال یا احمق ھذا دین. (۲)

یہ جو لوگوں کے بارے میں بات کرتے ہو یہ غیبت نہیں؟ تو شعبہ نے کہا: احمق آدمی، یہ دین ہے۔

نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ کو کہتے سنا!

تعالوا حتی نغتاب فی دین اللہ. (۳)

آؤ اللہ کے دین کے لیے غیبت کریں۔

امام شافعیؒ کا قول ہے:

لو لا شعبۃ ما عرف الحدیث بالعراق. (۴)

اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کی معرفت نہ ہوتی۔

ابن عدی نے نقل کیا ہے کہ لوگ شعبہ کی مجلس میں جانے سے احتراز کرنے لگے تھے:

عن اسود بن سالم یقول: سمعت ھشیماً یقول: کنا ندع مجالس شعبۃ، لانہ کان یدخلنا فی الغیبۃ. (۵)

اسود بن سالم کہتے ہیں کہ ہشیم کو کہتے سنا: ہم شعبہ کی مجالس ترک کرتے کیونکہ وہ ہمیں غیبت میں شامل کرتے۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و یظھر ان بعض الناس ترکوا الجلوس مع شعبۃ، لانہ کان یتکلم فی الرجال، ظناً منھم بأن ذلک من الغیبۃ المحرمۃ شرعاً. (٦)

۱- مقدمۃ الکامل، ۱/ ۱۴۹- ۱۵۰؛ مقدمۃ التمھید، ۴۷؛ الضعفاء للعقیلی، ۱/ ۳- ٦

۲- الاسرار المرفوعۃ، ۸۰؛ الکفایۃ، ۴۵؛ مقدمۃ الکامل ۱/ ۱۵۰

۳- الکفایۃ، ۴۵؛ مقدمۃ الکامل، ۱/ ۱۵۲؛ الضعفاء الکبیر، ۱/ ۱۱، ۱۵؛ کتاب المجروحین، ۱/ ۱۹؛ اس اہم دینی خدمت کی ادائیگی کی وجہ سے وکیع نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شعبہ کے درجات بلند کرے گا۔

۴- الجامع لاخلاق الراوی والسامع، ۲/ ۱۷۰؛ سیر أعلام النبلاء، ۷/ ۲۰٦

۵- مقدمۃ الکامل ۱/ ۱۵۲

٦- دراسات فی الجرح والتعدیل، ۲۵۰

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے شعبہ کے ساتھ بیٹھنا ترک کر دیا اس لیے کہ وہ رجال کے بارے میں بات کرتے جب کہ ان کا خیال تھا کہ یہ غیبت ہے جو شرعاً حرام ہے۔

عبداللہ بن المبارک نے سفیان الثوری سے پوچھا:

ابن عباد بن کثیر یغلط فی الحدیث فاذکرہ للناس؟ قال نعم اذکرہ.(۱)

قال ابوبکر خلاد: قلت لیحییٰ بن سعید: اما تخشی أن یکون ھو لاء الذین ترکت حدیثھم خصماء لك عند اللہ یوم القیامة؟ فقال: لأن یکون ھو لاء خصمائی أحب الی من أن یکون خصمی رسول اللہ ﷺ، یقول: لم حدثت حدیثا عنی أنه کذب. (۲)

ابوبکر خلاد کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے کہا: کیا تمہیں ڈر نہیں ہے کہ یہ لوگ جن کی حدیث تم ترک کرتے ہو قیامت کے دن اللہ کے ہاں تمہارے خلاف کھڑے ہوں گے؟ انہوں نے کہا: ان لوگوں کا میرے مخالف کھڑے ہونا مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے رسول اکرم ﷺ میرے خلاف کھڑے ہوں اور یہ فرمائیں: تم نے وہ حدیث کیوں بیان کی جسے تم جھوٹ سمجھتے تھے۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری، شعبہ، سفیان بن عیینہ اور مالک بن انس سے ایک واھی الحدیث شخص کے بارے میں پوچھا کہ اس کے بارے میں بات کروں تو سب نے جواب دیا کہ یہ میں کہوں: **لیس ھو ثبتاً و ان ابین امرہ** (۳) وہ ثبت نہیں ہے اور میں اس کے معاملے کو واضح کروں۔

ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی نے اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

وعلی ھذا اجماع المسلمین. (۴)

اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

دارقطنی کہتے ہیں:

۱- المحدث الفاصل، ۵۹۴؛ الجرح و التعدیل ،۱/۱/۲۳؛ مقدمة الکامل ،۱/ ۱۱۳؛ شرح علل الترمذی،۱/۴۵

۲- المدخل ،۱۱۱؛ التعدیل و التجریح، ۱/ ۲۸۲؛ الکفایة ، ۴۴

۳- المحدث الفاصل ، ۵۹۴؛ الجرح و التعدیل ، ۱/۱/۲۳؛ الکفایة ، ۴۳؛ مقدمة الکامل ،۱/ ۱۱۳

۴- التعدیل و التجریح، ۱/ ۲۸۲

ان هذا واجب ديانة و نصيحة للدين و المسلمين. (۱)

رواۃ کا تنقیدی جائزہ واجب ہے دیانت کے لحاظ سے اور دین اور مسلمانوں کے لیے نصیحت کے طور پر بھی۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے حسن بن علی الاسکافی کے سوال اور احمد بن حنبل کا جواب نقل کیا ہے:

قال :سألت أحمد بن حنبل عن معنى الغيبة فقال :اذا لم ترد عيب الرجل قلت :فالرجل يقول :فلان لم يسمع ، و فلان يخطئ. قال : لوترك الناس هذا لم يعرف الصحيح من غيره. (۲)

کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے غیبت کے معنی پوچھے تو انہوں نے کہا: جب تمہارا ارادہ عیب لگانے کا نہ ہو۔ میں نے کہا: ایک شخص کہتا ہے: فلاں نے نہیں سنا اور فلاں غلطی کرتا ہے۔ فرمایا: اگر لوگ اسے چھوڑ دیں تو صحیح اور غیر صحیح کا پتہ نہیں چلے گا۔

ابن رجب حنبلی کہتے ہیں:

ان الكلام فى الجرح و التعديل جائز. (۳)

جرح و تعدیل کے سلسلے میں رواۃ پر کلام کرنا جائز ہے۔

عن محمد بن بندار السباك الجرجاني قال :قلت لاحمد بن حنبل يا أبا عبدالله انه يشتد على أن اقول :فلان كذاب، فلان ضعيف ، فقال لى :إذا سكت أنت و سكتُّ أنا، فمتى يعرف الجاهل الصحيح من السقيم. (۴)

محمد بن بندار السباک الجرجانی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے کہا: ابوعبداللہ مجھ پر گراں گذرتا ہے جب میں کہتا ہوں: فلاں کذاب ہے اور فلاں ضعیف ہے۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا: اگر تم خاموش ہوئے اور میں بھی خاموش ہو گیا تو جاہل صحیح اور سقیم کے فرق کو کب جانے گا۔

امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

وانما الزموا انفسهم الكشف عن معاييب رواة الحديث و ناقلى

۱- الاسرار المرفوعة ، ۴۷۸؛ شرح علل الترمذی، ۱/۳۴۸

۲- الرفع و التكميل، ۵۴ حاشية، ۱

۳- شرح علل الترمذی، ۱/ ۳۴۸

۴- الكفاية، ۴۶

الأخبار و افتوا بذلك حين سئلوا لما فيه من عظيم الخطر؛ اذ الاخبار في امر الدين انما تأتي بتحليل او تحريم او أمر او نهي ، أو ترغيب أو ترهيب. اذا كان الراوي لها ليس بمعدن للصدق و الأمانة ثم اقدم على الرواية عنه من قد عرفه ولم يبين ما فيه لغيره ممن جهل معرفته ، كان آثماً بفعله ذلك، غاشاً لعوام المسلمين؛ اذلا يومن على بعض من سمع تلك الاخبار ان يستعملها او يستعمل بعضها، ولعلها او اكثرها اكاذيب لا اصل لها، مع ان الاخبار الصحاح من رواية الثقات و اهل القناعة، اكثر من ان يضطر الى نقل من ليس بثقة، ولا مقنع. (۱)

ان لوگوں نے اپنے اوپر لازم کیا تھا کہ حدیث کے راویوں اور اخبار کے نقل کرنے والوں کے عیوب کھول کر بیان کئے جائیں اور جب ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس میں بڑی بھلائی ہونے کا فتویٰ دیا۔ اس کے لیے کہ اخبار ایک دینی معاملے میں حلت وحرمت، امر ونہی اور ترغیب وترہیب کے بیان کی جاتی ہیں۔ اگر راوی صدق وامانت کا منبع نہ ہو اور اس سے روایت وہ شخص لے جو اسے جانتا ہو لیکن دوسرے کے لیے جو اس سے واقف نہیں اس کے اندر موجود کمی کو واضح نہ کرے تو وہ اپنے فعل میں گنہ گار ہوگا اور عامۃ المسلمین کے دھوکہ دینے والا ہوگا۔ اس لیے کہ جس شخص نے ان اخبار کو سنا وہ اس کو مکمل طور پر یا کچھ حصہ کو استعمال کرنے سے مامون نہیں ہوگا۔ شاید وہ خبر یا اس کا اکثر حصہ جھوٹ ہو جس کی کوئی اصل نہ ہو۔ اس کے باوجود کہ ثقہ اور محتاط راویوں کے روایت کردہ صحیح اخبار اس سے زیادہ ہیں کہ کوئی شخص کسی غیر ثقہ وغیر محتاط راوی کی روایت نقل کرنے پر مجبور ہو۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ، سفیان الثوری، ابن عیینہ اور مالک بن انس سے اس شخص کے بارے میں استفسار کیا جس کا حافظہ اچھا نہیں یا اس پر احادیث کے بارے میں ابہام ہے۔

فقالوا جميعا: بيّن أمره (۲)

اس سے ملتی جلتی بات امام ترمذی نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وانما حملهم على ذلك ـ عندنا ـ والله اعلم: النصيحة للمسلمين، لا يظن بهم أنهم ارادوا الطعن على الناس أو الغيبة، انما أرادوا عندنا ان

۱۔ مسلم، الجامع، مقدمہ، ۱/ ۲۱-۲۲

۲۔ الجامع لاخلاق الراوی، ۱۹/۲؛ الجرح والتعدیل، ۱/۱/ ۲۳

يبينوا ضعف هؤلاء لكي يعرفوا لان بعضهم من الذين ضعفوا كان صاحب بدعة و بعضهم كان متهماً في الحديث و بعضهم كانوا اصحاب غفلة و كثرة خطا فاراد هؤلاء والائمة ان يبينوا احوالهم شفقة على الدين و تثبيتاً لأن الشهادة في الدين احق ان يتثبت فيها من الشهادة في الحقوق و الأموال. (۱)

ہمارے نزدیک ان نقاد حدیث کو مسلمانوں کے لیے نصیحت نے اس بات پر آمادہ کیا کہ ان رواۃ کے ضعف کو واضح کریں تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے اس لیے کہ جن کو ضعیف گردانا گیا ہے ان میں کوئی صاحب بدعت ہو، کوئی متھم فی الحدیث ہو اور ان میں سے بعض اصحاب غفلت اور زیادہ غلطی کرنے والے ہوں۔ ان ائمہ نے یہ چاہا کہ دین پر شفقت کے لیے اور تحقیق کے لیے ان کے احوال کو واضح کریں اس لیے کہ دین کے لیے شہادت کا تحقق حقوق و اموال میں شہادت سے زیادہ ضروری ہے۔

عاصم احول کہتے ہیں کہ میں قتادہ کے پاس بیٹھا تھا تو انہوں نے عمرو بن عبید کا ذکر کیا اور اس پر تنقید کی تو میں نے ان سے کہا:

لا أرى العلماء يقع بعضهم في بعض، فقال: يا احول ألا تدري أن الرجل اذا ابتدع فينبغي أن يذكر حتى يحذر. (۲)

مجھے اچھا نہیں لگا کہ علماء ایک دوسرے کے خلاف بات کہیں تو انہوں نے کہا: احول کیا تم نہیں جانتے کہ ایک شخص جب بدعت کا مرتکب ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے تاکہ اس سے بچا جا سکے۔

ابن عدی نے نقل کیا ہے کہ ابو مسہرؒ سے متھم بالکذب اور فاحش غلطی کے مرتکب راوی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا:

بين أمره. (۳) اس کا حال بیان کرو۔

ائمہ حدیث نے تمام امور کا گہرا جائزہ لیا اور اس کے بعد رواۃ حدیث پر نقد و جرح کا اہتمام کیا اصل مقصد حضور اکرم ﷺ کی طرف غلط بات کو منسوب ہونے سے روکنا تھا اس لیے محدثین نے اس کا اہتمام کیا کہ کسی راوی کا علم و حفظ، تقویٰ و دیانت اور ضبط و اتقان تنقیدی جائزہ سے نہ بچ سکے۔

۱- ترمذی، کتاب العلل، ۵ / ۷۳۹، کتاب السنن، (مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت) کے آخر میں موجود ہے۔

۲- میزان الاعتدال، ۳ / ۲۷۳

۳- مقدمة الكامل، ۱ / ۱۱۴

حفاظت حدیث کے لیے ضروری ہے کہ راوی کے عیوب اور اس کی علمی وعملی کمزوریاں واضح کی جائیں جہاں تک غیبت کا تعلق ہے تو دینی معاملات میں اس کے جواز پر اہل علم نے اتفاق کیا ہے مولانا عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں:

ذکر النووی فی ریاض الصالحین (۱) والغزالی فی احیاء علوم الدین (۲) و غیرھما فی غیرھما؛ ان غیبة الرجل حیا و میتاً تباح لغرض شرعی لا یمکن الوصول الیه الا بھا.

نووی نے ریاض الصالحین میں اور غزالی نے احیاء علوم الدین اور دوسرے لوگوں نے ان کے علاوہ اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ زندہ و مردہ شخص کی غیبت ایسے شرعی مقصد، کہ جس کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں، کے تحت مباح ہے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے امام قرافی کی الفروق (۳) کا حوالہ بھی دیا ہے (۴) ہم انہیں الرفع و التکمیل کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ مولانا لکھنوی کہتے ہیں کہ یہ چھ ہیں: (۵)

۱۔ **التظلم**: کسی بھی مظلوم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ سلطان یا قاضی وغیرہ کے سامنے جو صاحب اختیار ہو اور ظالم سے انصاف حاصل کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اپنا مسئلہ پیش کر سکتا ہے اور ظلم کو بیان کر سکتا ہے۔

۲۔ **الاستعانة**: منکر کو روکنے اور برائی کے مرتکب فرد کو راہ راست پر لانے کے لیے کسی دوسرے سے مدد حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس سے ازالہ مطلوب ہے اسے بتا سکتا ہے کہ فلاں شخص یہ کرتا ہے اسے تنبیہ کرو یا روکو۔

۳۔ **الاستفتاء**: مفتی سے یہ کہے کہ فلاں شخص نے مجھ پر اس طرح ظلم کیا ہے اس سے نجات کی کیا صورت ہے۔ اگر اس میں وہ نام لے کر پوچھتا ہے تو اسے غیبت نہیں کہا جائے گا۔

۴۔ **تحذیر المسلمین من الشر و نصیحتھم**: مسلمانوں کو کسی شر سے بچانے کے لیے اور ان کی خیر خواہی کے لیے غیبت کی جا سکتی ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً:

الف۔ شادی و نکاح کی صورت میں فریقین کے بارے میں صحیح حالات بیان کرنا۔

ب۔ کاروبار کی شراکت میں جانبین کے حقائق بیان کرنا۔

۱۔ ریاض الصالحین، باب ما یباح من الغیبة، ۳۵۰

۲۔ احیاء علوم الدین، کتاب فی آفات اللسان، بیان الأعذار المرخصة فی الغیبة، ۳ / ۳۰۲-۳۰۳

۳۔ الفروق، ۴ / ۲۰۵-۲۰۶

۴۔ الرفع و التکمیل، ۵۳

۵۔ ایضاً، ۵۳۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی نے بھی اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ دراسات فی الجرح و التعدیل، ۶۳

ج۔ امانت رکھنے کے لیے حقیقت حال کا جاننا اور بیان کرنا۔ جس کے پاس امانت رکھی جارہی ہے وہ صاحب امانت و دیانت ہے یا نہیں۔

د۔ تحصیل علم کے لیے شیخ کے پاس جانے سے پہلے معلوم کرنا کہ وہ کیسا ہے، یہ درست ہے۔ اگر وہ اہل بدعت میں سے ہے یا کسی نوع کے فسق میں مبتلا ہے تو اس کے بارے میں اظہار غیبت کے زمرے میں نہیں آئے گا بشرطیکہ اس میں حسد اور احتقار شامل نہ ہو۔

ہ۔ قاضی کے سامنے گواہوں پر جرح اور ان کے عیوب کا بیان درست ہے۔

و۔ راویان حدیث پر جرح اور ان کے عیوب کا بیان غیبت کے تحت نہیں آئے گا۔

۵۔ أن یکون مجاهراً بفسقه او بدعته

جو شخص اعلانیہ اور کھلم کھلا فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہو اور اظہار بھی کرتا ہو۔ اس بدعت کا مرتکب بھی ہو اور اس کا پرچار بھی کرے ایسے فاسق و فاجر اور بدعتی کی غیبت جائز ہے۔ لوگوں کو اس سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔

ظلم، فسق اور بدعت ایسے عیوب ہیں جن کے ظاہر کرنے سے کسی کی توہین نہیں ہوتی۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

لیس لهم حرمة صاحب الهوی، الفاسق المعلن و الامام الجائر. (۱)

اہل بدعت، کھلا فاسق اور ظالم حکمران کے لیے کوئی احترام نہیں ہے۔

ابوبکر جصاص کہتے مقدوف اگر فاسق اور عیبی ہو تو اس کے برے اعمال کا تذکرہ ممنوع نہیں ہے۔ (۲)

۶۔ التعریف

کوئی شخص کسی عیب کی وجہ سے معروف ہو جائے۔ وہ اس لقب یا نام سے معروف ہو جائے تو اس نام سے پکارنا غیبت کے زمرے میں نہیں آتا۔ جیسے! الاعمش، الاعرج، الاصم، الاعور، الاحول وغیرہ۔

امام لکھنوی لکھتے ہیں:

فهذه ستة اسباب و یلحق بها غیرها مما یناظرها و یشابهها، فی کتب الحدیث مشهورة و فی کتب الفن مسطورة. (۳)

یہ چھ اسباب ہیں اور ان کے ساتھ مشابہہ دیگر اسباب ملحق کئے جاسکتے ہیں اور کتب حدیث میں ان کے دلائل مشہور ہیں۔ اور کتب فن میں مسطور ہیں۔

۱۔ الجامع لاحکام القرآن، ۲۲۱/۱۶

۲۔ احکام القرآن، ۳۶۰/۱

۳۔ الرفع والتکمیل، ۵۳۔۵۶

امام نوویؒ اور امام غزالیؒ نے ان اسباب کی بنا پر غیبت کے جائز ہونے پر دلائل دیئے ہیں۔(۱) یہ بات واضح ہے کہ مسلمان معاشرہ خیر پر مبنی ہے اس میں فساد پھیلانے والے، بدعتوں کو متعارف کرانے والے اور فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے قابل عزت نہیں ہو سکتے۔ اس طرح علم حاصل کرنے والے اور خصوصاً حدیث کا علم حاصل کرنے والے یہ حق رکھتے ہیں کہ جن سے وہ معلومات حاصل کر رہے ہیں ان کے بارے میں یہ جانیں کہ وہ ثقاہت و تقویٰ کے کس معیار پر فائز ہیں۔ محدثین نے انتہائی باریک بینی سے تمام امور کا جائزہ لیا ہے اس کے بعد اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس سے اعلیٰ دینی مقاصد کا حصول ممکن ہے۔ محدثین کے سامنے قرآنی حکم کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں ہونے والے واقعات، صحابہ کرامؓ کا طرز عمل اور اسلاف کی تعبیرات بھی تھیں۔ اس لیے امر واقع کو بیان کرنے کی اجازت دی ہے البتہ اس میں خواہشات نفسانی یا ذاتی عناد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہم اسے ختم کرنے سے پہلے عہد نبوی کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جسے بخاری نے نقل کیا ہے:

عن عائشةؓ قالت: جاءت هند بنت عتبة فقالت: يا رسول الله، ان ابا سفيان رجل مسيك فهل عليّ حرج ان اطعم من الذى له عيالنا؟ قال: لا، الا بالمعروف. (۲)

عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ حضور اکرمؐ کے پاس آئی اور کہا: یارسول اللہ! ابوسفیان جزرس (بخیل) آدمی ہیں۔ کیا میرے لیے ناروا ہوگا اگر میں اس کے مال میں سے لے کر اپنے بچوں کو کھلاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، مگر معروف طریقے سے۔

ہند نے ابوسفیان کی ایک صفت بیان کی اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر تنبیہ نہیں کی۔ اس سے اور اس طرح اور واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ نیک نیتی سے امر واقع کو بیان کرنا غیبت میں نہیں آتا۔ امام نوویؒ، امام غزالیؒ اور امام قرافیؒ نے جو اسباب بیان کئے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ انہیں مدنظر رکھا جائے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جرح و تعدیل میں مشتغل کو شریعت نے ایک مقصد کے تحت اجازت دی ہے لہٰذا اسے حدود و قیود کے اندر ہی اس پر عمل کرنا چاہیے۔ خواہش نفسانی یا مذہبی تعصب اسے اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ وہ حق سے انحراف کرے۔ مسلمانوں کی اعراض محترم ہیں ان سے کھیلنا کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

إن دماء كم و أموالكم و اعراضكم بينكم حرام. (۳)

۱- الرفع والتكميل، ۵۲، حاشية، ۲

۲- بخاری، الجامع، کتاب النفقات، باب نفقة المرأة اذا غاب عنها زوجها، ۶ / ۱۹۲؛ کتاب البيوع، باب من اجرى امر الانصار... میں رجل مسيك کی جگہ رجل شحيح کے الفاظ ہیں اور حضور کے جواب میں: خذى انت و بنوك ما يكفيك بالمعروف کے الفاظ ہیں۔ ۳ / ۳۶

۳- مسلم، الجامع، کتاب الحج، باب حجة النبیؐ، ۴ / ۴۱؛ کتاب البر و الصلة، باب تحريم ظلم المسلم، ۸ / ۱۱

تمھارے خون، تمھارے اموال اور تمھاری عزتیں تمھارے درمیان محترم ہیں۔

عز بن عبدالسلام کا قول ہے:

انہ لا یجوز للشاهد أن یجرح بذنبین، مهما أمکن الإکتفاء بأحدهما، فان القدح للضرورة فلیقدر بقدرها. (۱)

گواہ کے لیے دو گناہوں پر مجروح کرنا جائز نہیں جتنا ممکن ہو ایک پر اکتفا کیا جائے چونکہ عیب جوئی ضرورت کے لیے ہے اس لیے اندازے کے مطابق کی جائے۔

ابن دقیق العید کہتے ہیں:

اعراض المسلمین حفرة من حفر النار وقف علی شفیرها طائفتان من المسلمین، المحدثون و الحکام. (۲)

مسلمانوں کی عزتیں آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اس کے کنارے مسلمانوں کے دو گروہ کھڑے ہیں۔ ایک محدثین اور دوسرے حکام۔

مصادر جرح وتعدیل

علم الجرح والتعدیل جسے **علم اسماء الرجال** اور **علم میزان الرجال** کا نام بھی دیا جاتا ہے نہایت اہم اور دقیع علم ہے۔

علمائے حدیث نے آپ ﷺ کے ارشادات واعمال کو کسی بھی نوع کے سقم، ضعف اور آلائشوں سے محفوظ اور پاک رکھنے کے لیے ہمہ جہت اور حیرت انگیز مساعی کیں۔ اخلاص ومحبت پر مبنی ان کاوشوں کی ایک جھلک ان بے شمار اور ان گنت تالیفات وتصانیف میں دیکھی جاسکتی ہے جو ان صاحبان علم وفضل نے راویان حدیث کے حالات جمع کرنے اور ان کی جانچ پرکھ کے لیے مختلف بلاد وامصار کے طویل اور پُر مشقت سفر اختیار کیے اور ان کی ثقاہت، ضعف اور کردار کی دوسری بشری کمزوریوں کا کھوج لگایا۔ حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں ان رواۃ کے قابل اعتماد ہونے یا نہ ہونے کا واشگاف الفاظ میں بیان کرنا اپنی دینی، شرعی اور اخلاقی ذمہ داری سمجھا۔

ان کاوشوں کا آغاز آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں ہو گیا تھا گو ایک مدون اور مرتب فن کی شکل اختیار کرنے میں کچھ وقت لگا۔ اس فن پر متعدد عنوانات اور ناموں سے کتب لکھی گئیں۔ ذیل میں ان کاوشوں کا ایک سرسری اور مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔

۱- فتح المغیث للسخاوی بحوالہ اصول الحدیث علومه و مصطلحه، ۲۶۸

۲- قاعدة فی الجرح و التعدیل للسبکی، ۳۰، ۵۲.

بعض اہل علم نے اپنی تالیف میں ثقہ راویوں کے ذکر کا ارادہ کیا(۱)۔جبکہ بعض دوسروں نے ضعیف رواۃ کے حالات کو جمع کرنا اپنا مقصود ٹھہرایا(۲)۔

کچھ ایسی تالیفات بھی مرتب ہوئیں جن کے مؤلفین نے ثقہ اور ضعیف دونوں قسم کے رواۃ کے حالات محفوظ کیے(۳)۔بعض اہل علم نے احادیث کے مشہور و مستند مجموعوں کے رجال پر تفصیلات جمع کیں۔بخاری کی الجامع اور امام مسلم کی الجامع کے رواۃ پر الگ الگ کتب مرتب ہوئیں۔جبکہ بعض نے دونوں کے رواۃ پر معلومات جمع کیں(۴)۔

علاوہ ازیں کتب سنن، مسانید، موطأ اور دیگر اہم مجموعہ ہائے حدیث کے رواۃ پر بھی کتب تالیف ہوئیں(۵)۔ جرح و تعدیل پر ایسی کتب بھی ہمارے علمی سرمایے میں موجود ہیں جو السؤالات کے عنوان سے مرتب ہوئیں۔اس موضوع پر تالیفات کا یہ اچھوتا طریقہ تھا۔بعض طلبہ نے اپنے شیخ سے رواۃ حدیث کے مرتبے اور درجے کے بارے میں سوالات کیے اور شیوخ نے جوابات دیے۔یہ کتب ان سوالات و جوابات پر مشتمل ہیں(۶)۔

مبہم اسماء نیز القابات، کنیتوں اور نسبتوں سے معروف راویان حدیث پر علیحدہ علیحدہ کتب تالیف ہوئیں۔(۷)

۱- ثقہ راویوں کے بارے میں ثقات اور دیگر عنوانات سے کتب تالیف ہوئیں مثلاً العجلی (م ۲۶۱ھ)، ابن حبان (م ۳۵۴ھ) کی کتب ثقات، ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ وغیرہ۔

۲- ضعیف رواۃ پر بھی متعدد اور متنوع عنوانات سے کتب منصہ شہود پر آئیں مثلاً امام بخاری کی الضعفاء الکبیر، عقیلی (م ۳۲۲ھ) کی کتاب الضعفاء، ابن حبان (م ۳۵۴ھ) کی کتاب المجروحین، ابن عدی (م ۳۶۵ھ) کی الضعفاء والمتروکین وغیرہ۔

۳- ابن سعد (م ۲۳۰ھ) کی الطبقات الکبری، یعقوب بن یوسف الفسوی (م ۲۷۷ھ) کی المعرفۃ والتاریخ، یحیٰی بن معین (م ۲۳۳ھ) کی التاریخ والعلل، ابن حنبل (م ۲۴۱ھ) کی العلل و معرفۃ الرجال، بخاری (م ۲۵۶ھ) کی التاریخ الکبیر، ابن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) کی الجرح والتعدیل وغیرہ۔

۴- ابن عدی الجرجانی (م ۳۶۵ھ) کی اسامی من روی عنهم محمد بن اسماعیل بخاری، الباجی (م ۴۷۴ھ) کی التعدیل والتجریح، ابن منجویہ (م ۴۲۸ھ) کی رجال صحیح مسلم؛ مقدسی کی الکمال، مزی کی تہذیب الکمال وغیرہ

۵- ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کی کتب سنن کے رواۃ پر رجال السنن الأربعة، کتب ستہ کے رواۃ پر عبدالغنی الجماعیلی (م ۶۰۰ھ) کی الکمال فی اسماء الرجال، مزی (م ۷۴۲ھ) کی تهذيب الكمال، ابن حجر کی تهذيب التهذيب وغیرہ۔السیوطی (م ۹۱۱ھ) کی موطأ کے رجال پر اسعاف المبطأ؛ ابوالمحاسن محمد بن علی الحسینی (م ۷۶۵ھ) نے مسند احمد بن حنبل کے رواۃ پر الإکمال مرتب کی۔

۶- مثلاً: سؤالات الآجری أباداؤد السجستانی؛ سؤالات الدارمی لا بن معین؛ سؤالات بابی بکر الاثرم أبا عبدالله احمد بن حنبل وغیرہ۔

۷- مثلاً: امام بخاری اور مسلم کی کتب الکنٰی، دولابی (م ۳۱۰ھ) کی الکنی والأسماء؛ ابن عبدالبر قرطبی (م ۴۶۳ھ) کی الاستغناء فی معرفة الکنٰی؛ ابن حجر کی نزهة الألباب فی الألقاب؛ امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کشف النقاب عن الألقاب؛ ابوالفرج اصفہانی کی جمهرة الأنساب، سمعانی (م ۵۶۲ھ) کی کتاب الانساب وغیرہ۔

راوی کی شخصیت میں کسی بھی وجہ سے ابہام واشتباہ کا امکان ہو تو اس صورت میں راوی کو صحیح طور پر متعین کرنے کے لیے متفق و مفترق ، مؤتلف و المختلف، متشابہ وغیرہ کے عنادین سے بے شمار کتب تالیف ہوئیں۔(۱)

بعض علاقوں میں رہائش پذیر اہل علم نے اپنے اپنے علاقوں سے تعلق رکھنے والے راویان حدیث پر تالیفات مرتب کیں (۲)۔اس نوع کی تالیفات کے مؤلفین کے لیے رواۃ کے بارے میں صحیح معلومات کا حاصل کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے، سوانہوں نے مقدور بھر کوشش کی کہ راوی کے بارے میں صحیح معلومات مل جائیں۔

قاری کو موقع ومحل کی مناسبت سے ان میں سے بعض کتب کے بارے میں مختصر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ کتاب کی جلد دوم کی آخری بحث چونکہ تمام مباحث کا نتیجہ اور تتمہ ہے لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں بھی چند اہم کتب کا اختصار سے جائزہ لیا جائے۔

ا۔میزان الاعتدال

میزان الاعتدال کے مؤلف علامہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م ۷۴۸ ھ) ہیں۔علوم حدیث بالخصوص اسماء الرجال پر ان کی متعدد مفید کتب ہیں۔میزان الاعتدال ان میں سے ایک اہم اور مفید کتاب ہے جو ضعیف اور مجروح راویوں کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔اہل علم نے ان کی جلالت علمی، ثقاہت اور عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ابن حجر کہتے ہیں:

کان علامة زمانه فی الرجال و أحوالهم، حدیدالفهم، ثاقب الذهن و شهرته تغنی عن الاطناب فیه (۳)

اہل علم نے اس کتاب کو موضوع پر بہترین اور کامل کتاب قرار دیا ہے۔

ابن حجر کا قول ہے:

وله المیزان فی نقد الرجال و أجاد فیه (۴)

ابن حجرؒ العسقلانی نے جب کمزور رواۃ پر ایک تالیف مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو ان کی نظر انتخاب بھی اسی کتاب پر پڑی اور اس کا اختصار مع اضافوں اور بعض تصحیحات کے ساتھ لسان المیزان کی شکل میں پیش کیا۔(۵)

۱- مثلاً ابن ماکولا کی الاکمال، ذہبی کی المشتبه، عبدالغنی الازدی کی مشتبه النسبة، خطیب بغدادی کی تلخیص المتشابه، ابن حجر کی تبصیر المنتبه وغیرہ

۲- بحشل (م ۲۹۲ ھ) کی تاریخ واسط، محمد بن احمد التمیر وانی (م ۳۳۳ھ) کی مختصر طبقات العلماء افریقیة و تونس، ابوالشیخ اصفہانی کی طبقات المحدثین باصبهان والواردین علیها، خطیب بغدادی (م ۴۶۳ ھ) کی تاریخ بغداد وغیرہ۔ قاری کو معلوم ہوگا کہ عصر حاضر میں اس فن پر بے شمار کتب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور استفادے کے مواقع میسر ہیں۔

۳- الدرر الکامنة، ۳/۳۳۸

۴- ایضاً، ۳/۳۳۷

۵- لسان المیزان، ۱/۲

علامہ سبکی اس کو اجل الکتب (۱) قرار دیتے ہیں۔

سخاویؒ فرماتے ہیں: وعوّل علیه من جاء بعده (۲)

ایک اور جگہ وہ فرماتے ہیں کہ ذہبی کے بعد سے آج تک اس موضوع پر لکھنے والے اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

ان کے ایک شاگرد حافظ حسینی نے میزان کو تمام کتابوں سے زیادہ ممتاز اور جلیل القدر قرار دیا ہے۔(۳)

امام ذہبی نے اپنی اس کتاب کو ابن عدی کی الکامل اور اس کی ذیل الحافل فی تکملة الکامل مؤلفہ ابن الرومی (م ۶۰۷ھ) کو بنیاد بنایا۔(۴) کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں کذابین، وضاعین اور وہ لوگ جو جھوٹ اور وضع حدیث سے متہم ہیں اور جن کے حافظے کی خرابی کی وجہ سے اوہام اور اغلاط کا صدور ہوا، کا ذکر کیا ہے۔(۵)

میزان الاعتدال کا موضوع کمزور رواۃ ہیں لیکن انھوں نے ابن عدی کی طرح بعض ثقہ راویوں کا بھی ذکر کیا ہے۔(۶)

کتاب کا آغاز مقدمة سے کیا ہے۔ مؤلف نے اس میں فن اسماء الرجال، اس فن پر متقدمین ومتاخرین کی کتب اور ان کے منہج کا ذکر کیا ہے۔ جرح وتعدیل کے کلمات اور ان کے مراتب (درجے) بیان کیے ہیں۔ مؤلف کہتے ہیں کہ اپنی اس کتاب میں ان ثقہ رواۃ کو بھی شامل کیا ہے جو کسی نہ کسی معمولی درجے کی بدعت کے مرتکب تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ بخاری اور ابن عدی وغیرہ نے ان کا ذکر اپنی کتب میں کیا ہے۔ بقول مؤلف ان رواۃ کے ذکر کا مقصد ان کے ساتھ انصاف کرنا اور ان کا دفاع کرنا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر معمولی بات پر ہم نے ہر ایک کو مجروح قرار دینا شروع کر دیا تو صحابہ کرام، تابعین اور دیگر ائمہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں گے۔(۷)

مؤلف نے کتاب کو آٹھ اقسام میں تقسیم کیا ہے:

قسم اوّل میں حروف تہجی کی ترتیب پر مرد وخواتین رواۃ کے تراجم بیان کیے ہیں۔

۱- طبقات الشافعية الكبرىٰ، ۹/۱۰۴

۲- الإعلان بالتوبيخ، ۵۸۷

۳- ذيل تذكرة الحفاظ، ۳۵

۴- ميزان الاعتدال، ۱/۱

۵- ايضاً، ۱/۳

۶- ميزان الاعتدال، ۱/۲؛ الرسالة المستطرفة، ۳۰

۷- ميزان الاعتدال، ۱/۲، ۳؛ ۴/۶۱۶؛ سبكى، طبقات الكبرىٰ، ۹/۱۱۱

قسم دوم: ان راویوں کے تذکروں پر مشتمل ہے جو کنیتوں سے معروف ہیں۔
قسم سوم میں ان رواۃ کا تذکرہ ہے جو اپنے والد کی نسبت سے مشہور ہیں۔ اسی باب کی ایک فصل میں ان رواۃ کا تذکرہ ہے جو اپنے چچا (عم) کی نسبت سے معروف ہیں۔
چوتھی قسم ان رواۃ کے بارے میں ہے جو نسبتوں سے معروف ہیں۔
پانچویں اور چھٹی قسم مجہول مرد وخواتین رواۃ کے بارے میں ہے۔
ساتویں قسم میں ان خواتین کا ذکر ہے جو کنیتوں سے جانی جاتی ہیں۔
آٹھویں قسم یعنی آخر میں ان خواتین کا ذکر ہے جن کا اپنا نام غیر معروف ہے اور وہ اپنے بیٹوں کی نسبت سے پہچانی جاتی ہیں۔

رواۃ کے حالات لکھتے وقت وہ صاحب ترجمہ کا نام، نسب، کنیت اور لقب وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ازاں بعد صاحب ترجمہ کے بارے میں ائمہ نقد کی آراء کا ذکر کرتے ہیں۔ نقد میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی سے اختلاف ہو تو تحقیق کے بعد اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ صاحب ترجمہ کے شیوخ وتلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے سنین وفات بھی بیان کرتے ہیں (لیکن عموماً اس کا التزام نہیں کیا)۔ رواۃ کی بیان کردہ بعض احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔ کتب ستۃ کے رجال اگر آئے ہیں تو ان کے لیے رموز استعمال کرتے ہیں۔ مؤلف کہتے ہیں کہ جب وہ کسی راوی کے بارے میں کہتے ہیں: **هو مجهول او فيه جهالة أو نكرة** اور اگر یہ کسی ائمہ فن کی طرف منسوب نہ ہو تو یہ ان کی اپنی (امام ذہبی) رائے ہوتی ہے اور اگر قائل کا ذکر ہو مثلاً ابن المدینی، ابن معین وغیرہ تو معاملہ واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح جب صدوق، صالح وغیرہ تعدیل کے الفاظ کسی امام فن کی طرف منسوب نہ ہوں تو وہ بھی مؤلف کی تحقیق کے مطابق ان کا اپنا قول ہوتا ہے۔(۱)

بعض وقت وہ ائمہ جرح کی رائے کو تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً ابان بن یزید کے ترجمہ میں ابن الجوزی کی رائے کے بارے میں کہتے ہیں:

أورده أيضاً العلامة ابن الجوزی فی الضعفاء ولم يذكر فيه أقوال من وثقه. و هذا من عيوب كتابه يسرد الجرح ويسكت عن التوثيق (۲)

أبان بن تغلب کے ترجمہ میں کہتے ہیں کہ وہ شیعی جلد ہے۔ **لكنه صدوق فلنا صدقه وعليه بدعته**۔(۳)

۱۔ میزان الاعتدال، ۱/۶؛ مولف نے اسی صفحہ پر الفاظ جرح وتعدیل اور ان کے درجات کا بھی ذکر کیا ہے

۲۔ میزان، ۱/۱۶؛ ۳/۱۵۲

۳۔ میزان، ۱/۵، ۳: ان رواۃ کی تعدیل کی ہے جو مرد وہ اور حافظہ میں تو اعلیٰ مقام پر ہیں لیکن عدالت کے اعتبار سے نرم ہیں۔ راوی اگر آخری عمر میں اغلاط واوہام کا شکار ہوا تو اس کی روایت کردہ وہ حدیث جن کا شاہد اور تابع مل جائے تو وہ قبول کرتے ہیں بشرطیکہ وہ روایت اصول دین یا حلال وحرام کے بارے میں نہ ہو (میزان، ۱/۳) وہ ثقہ راوی جو کسی بدعت کے مرتکب ہوئے یا جمہور نے ان کے بارے میں سخت رویہ اختیار کیا تو ان کا بھی ذکر کیا۔ کہتے ہیں: کہ انبیاء کے علاوہ اجتہاد میں غلطی اور سہو کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ (میزان، ۱/۳)

بعض وقت وہ ابن عدی(۱)، عقیلی(۲)، ابوحاتم(۳) اور ابن حبان پر بھی نقد کرتے ہیں۔(۴)

امام بخاری پر نقد کرتے ہیں کہ انھوں نے ایوب بن صالح بن عائذ کو عقیدہ ارجا کی وجہ سے ضعیف کہا، لیکن خود امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے ان سے روایت لی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

والعجب من البخاری یغمزہ وقد احتج بہ، لکن لہ عندہ حدیث، وعند مسلم لہ حدیث آخر (۵)

امام ذہبی بلاشبہ فن اسماء الرجال میں امامت کے درجے پر فائز ہیں لیکن انسان ہیں لہٰذا اپنی کتاب میں ان سے کچھ غلطیوں کا ارتکاب ہوا اور کچھ سہو بھی ہوئے، اہل علم نے ان اغلاط کا تعاقب کیا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے مقدمہ کتاب میں کہا کہ وہ اپنی اس کتاب میں صحابہ کرامؓ (ان کے مقام اور عظمت کے پیش نظر) نیز ائمہ متبوعین کا ذکر نہیں کریں گے۔(۶) لیکن انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا(۷)۔ ان کی کتاب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وقت وہ صحابہ کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت مداج بن عمرو سلمی کے بارے میں کہتے ہیں: لا یدری من ھو؟ (۸) حالانکہ انہوں نے اپنی بعض دوسری تصانیف میں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔(۹)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ حافظ ذہبی بعض اوقات ابن جوزی سے بغیر تحقیق نقل کر دیتے ہیں، مثلاً اسحاق بن ناصح اور اسحاق بن نجیح دونوں کے ترجمہ میں احمد بن حنبل کا قول: کان من اکذب الناس درج کرتے ہیں، حالانکہ اس قول کا اطلاق اسحاق بن نجیح پر ہوتا ہے۔ ابن ناصح پر نہیں(۱۰)۔

ابوحاتم، اسماعیل بن زریق کو کذاب کہتے ہیں اور وہ اسماعیل سے مراد ابن زریق نہیں بلکہ اسماعیل بن رزین سمجھتے ہیں جن کا ذکر ابن زریق سے قبل ہے۔ ابن حجر تصحیح فرماتے ہیں کہ یہ ابن رزین نہیں بلکہ ابن زریق ہیں جس کی

۱- میزان، ۲/۶۲۸-۶۲۹: ترجمہ عبدالعزیز بن ابی رواد؛ ترجمہ جعفر بن ایاس: میزان، ۱/۴۰۲

۲- علی بن عبداللہ المدینی کے ترجمہ میں کہتے ہیں: ذکرہ العقیلی فی الضعفاء فبئس ماصنع: میزان، ۳/۱۳۸، ۱۴۰

۳- میزان الاعتدال، ۱/۷: ترجمہ ابان بن سفیان

۴- میزان الاعتدال، ۱/۲۸۷، ایوب بن سوید کو ائمہ جرح نے ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔

۵- میزان الاعتدال، ۱/۲۸۹؛ ذہبی کی کوشش ہوتی ہے کہ معمولی تقصیر، غلط فہمی یا عبارت کی غلط تعبیر کی وجہ سے کسی عالم پر لگائے گئے الزامات اور تہمتوں کو دور کریں۔ دیکھیے: میزان الاعتدال، ۳/۵۰۷

۶- میزان، ۱/۲

۷- لسان المیزان، ۳/۳۳۲، ۳۳۳

۸- میزان الاعتدال، ۴/۸۶؛ ۲/۳۳۶؛ موازنہ کیجیے لسان المیزان، ۳/۱۵۱؛ ۶/۱۵

۹- تجرید اسماء الصحابۃ، ۲/۶۶

۱۰- لسان المیزان، ۱/۳۱۸-۳۱۹؛ مقابلہ کیجیے: میزان، ۱/۲۰۰؛ الجرح، ۱/i/۲۳۵

وضاحت خود ابن ابی حاتم نے بھی کر دی ہے(۱)۔

امام ذہبی کو بعض رواۃ کے بارے میں وہم ہوا ہے۔ ابن حجر اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ انہوں نے یعقوب بن ابراہیم الجوزجانی کو ابراہیم الجرجانی لکھا ہے جو غلط ہے۔(۲)

اسی طرح ذہبی الأغر الغفاری کو تابعی کہتے ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ وہ صحابی ہیں، امام بغوی، طبرانی اور ابن مندہ وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا، کہتے ہیں:

لو تدبر سياق حديثه لجزم بانه صحابی وقد اشترط انه لا يذكر الصحابة فذهل فی ذكر هذا (۳).

حافظ ذہبی بعض اوقات ایک شخصیت کے وجود کا انکار کرتے ہیں لیکن دوسرے مقام پر اس کا تذکرہ بھی کر دیتے ہیں۔(۴)

احمد بن علی بن حمزہ کے بارے میں ذہبی کہتے ہیں: **لا اعرفه** ۔ ابن حجر شخصیت کا تعین کرتے ہیں اور کہتے ہیں: **هذا آفة الاحجاف. (۵)**

کتاب کی اہمیت کی وجہ سے اہل علم نے اس کو تحقیق کا موضوع بنایا۔ بعض نے اس پر نقد کیا۔ تعلیقات، استدراکات اور تلخیصات بھی تیار ہوئیں۔

حافظ حسینی (م ۷۶۵ھ) نے ایک تعلیق لکھی جس میں انھوں نے حافظ ذہبی کے اوہام پر متنبہ کیا اور بعض ناموں (رواۃ) کا اضافہ کیا۔(۶) زین الدین العراقی (م ۸۰۴ھ) نے ایک ذیل لکھا۔(۷)

سبط ابن العجمی، ابراہیم بن محمد الحلبی (م ۸۴۱ھ) نے ایک ذیل بعنوان **نقد النقصان فی معیار المیزان** لکھا۔(۸) علامہ جلال الدین السیوطی (م ۹۰۲ھ) **زوائد اللسان علی المیزان** (۹) مرتب کی۔

عبدالرحمن بن ابی العلاء ادریس بن محمد العراقی الحسینی (م ۱۲۳۴ھ) نے ایک اختصار لکھا۔(۱۰)

۱- تجرید اسماء الصحابۃ، ۱/۴۵۲: مقابلہ کیجیے، میزان، ۱/۲۲۸، حاشیۃ ۴؛ الجرح، ۱/۱/۱۷۱

۲- لسان، ۶/۲۶۹: مقابلہ کیجیے: میزان الاعتدال، ۴/۴۴۸

۳- لسان المیزان، ۱/۵۱۸؛ مقابلہ کیجیے: میزان، ۱/۲۷۳

۴- میزان الاعتدال، ۱/۲۱۳، ۱/۲۴۷؛ نیز دیکھیے لسان، ۱/۳۳۴

۵- لسان المیزان، ۱/۲۵۱؛ مقابلہ کیجیے: میزان، ۱/۱۲۳

۶- الدرر الکامنۃ، ۴/۱۸۰؛ الاکمال، ۱/۳۱

۷- لسان المیزان، ۱/۱۳؛ کشف الظنون، ۲/۱۹۱۸؛ الأعلام، ۳/۳۴۴؛ الرسالۃ، ۱۲۰

۸- کشف الظنون، ۲/۱۹۱۷؛ الأعلام، ۱/۶۵؛ الرسالۃ، ۱۲۰ پر اس کا نام نثل الهميان فی معيار الميزان ہے۔

۹- ایضاً، ۲/۱۹۱۸

۱۰- الرسالۃ، ۱۲۰

اس وقت ہمارے سامنے میزان الاعتدال کے تین ایڈیشن ہیں۔ پہلا ایڈیشن داراحیاء الکتب العربیہ نے مطبعہ عیسیٰ البابی الحلبی سے ۱۹۶۳ء میں محمد البجاوی کی تحقیق سے شائع کیا۔ آغاز میں محقق کا ایک مقدمہ ہے جس میں کتاب اور صاحب کتاب کا مختصر تعارف ہے۔ دو مخطوطات کی روشنی میں اس کو مرتب کیا گیا ہے۔ مفید تعلیقات اور بعض اَعلام کی تحقیق اور غوامض کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ (ہم نے اسی ایڈیشن کو استعمال کیا ہے)

دوسرا ایڈیشن شیخ علی محمد معوذ اور شیخ عادل احمد عبدالموجود کی تحقیق سے ا/د/عبدالفتاح ابوسنہ کی قیادت میں درالکتب العلمیۃ بیروت سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا، یہ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس ایڈیشن کے آغاز میں ایک مفید مفصل مقدمہ ہے جس میں مصطلحات حدیث، جرح وتعدیل کے اصول بیان کیے گئے ہیں نیز حافظ ذہبی اور ان کی کتاب کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ رواۃ کے حالات کی تخریج دیگر کتب اسماء الرجال میں کی گئی ہے۔ احادیث کی تخریج کی گئی ہے، غریب اور غامض الفاظ کی تشریح بھی کرتے ہیں۔ صاحبانِ تراجم اور کتاب میں مذکور احادیث میں اعراب لگانے کا بھی اہتمام کیا ہے۔

تیسرا ایڈیشن مطبع السعادۃ نے شائع کیا، اس میں کسی بھی نوع کے تحقیقی حواشی نہیں۔

۲۔ لسان المیزان

لسان المیزان کے مؤلف نویں صدی ہجری کے ممتاز عالم، محدث اور فن اسماء الرجال کے امام، ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) ہیں، تعلق سرزمین مصر سے تھا۔ حافظ زین الدین عراقی (م۸۰۶ھ)، شارح الفیۃ الحدیث، کے ممتاز اور ہونہار شاگردوں میں سے تھے۔ شیخ کو اپنے شاگرد پر بڑا فخر تھا اور ان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ شاگرد رشید نے اپنے شیخ کی آرزوؤں کو پورا کیا، علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث کے حصول اور ازاں بعد اس کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کردی۔ ابن العماد کہتے ہیں:

> انتهى اليه معرفة الرجال وا ستحضارهم و معرفة العالي و النازل و علل الاحاديث و غيرذلك وصار هو المعول عليه في هذا الشأن في سائر الاقطار(۱)

مفید کتب تالیف کیں، جن میں سے اکثر علم حدیث سے متعلق علوم وفنون پر ہیں۔ یہاں ہم ان کی کتاب لسان المیزان پر مختصراً گفتگو کریں گے۔

اسماء الرجال پر کثیر تعداد میں کتب تالیف ہوئیں۔ لسان المیزان اس فن پر مفید اور نمایاں مقام کی حامل

۱۔ شذرات الذهب، ۲۷۱/۷

کتاب ہے۔ مؤلف نے متعدد بار کتاب کا اعادہ کیا لہٰذا تکمیل میں تقریباً نصف صدی لگی۔ ان کا سال وفات ہی کتاب کی تکمیل کا سال ہے(۱)۔

اہل علم نے اس کتاب کو مفید اور نافع قرار دیا ہے(۲)۔

لسان المیزان، حافظ ذہبی کی **میزان الاعتدال** کا اختصار ہے۔ مؤلف نے ضعیف رواۃ پر کتاب مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو موضوع پر موجود کتب میں سے انہوں نے ذہبی کی **میزان** کا انتخاب کیا۔ آغاز میں بعینہ میزان کے طرز پر تالیف کا ارادہ تھا لیکن ابن حجر نے طوالت کے خوف سے اپنے ارادے کو بدل دیا۔ استخارہ کے بعد میزان کے ان رواۃ کو شامل کیا جو حافظ مزی کی **تہذیب الکمال** سے رہ گئے تھے۔ وہ کہتے ہیں:

> **وقد كنت أردت نسخة على وجهه، فطال على، فرأيت أن أحذف منه أسماء من أخرج له الأئمة الستة فى كتبهم أو بعضهم، فلما ظهرلى ذلك، استخرت الله تعالى، و كتبت منه ماليس فى تهذيب الكمال وكان لى من ذلك فائدتان: الاقتصار والإختصار...والأخرى أن رجال التهذيب ...و قد جمعت اسمائهم اعنى من ذكر منهم فى الميزان... فمازدته اليه من التراجم المستقلة جعلت قبالته او فوقه (ز)... فعلمت على ما ذكره شيخنا فى الذيل صورة (ذ) (۳)**

تہذیب الکمال سے جو راوی رہ گئے تھے ان کو اصل کتاب کے درجے پر رکھا۔ حافظ عراقیؒ نے **میزان** پر اپنی **ذیل** میں ان رواۃ کو شامل کیا جو حافظ ذہبی سے رہ گئے تھے۔ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب میں ان تراجم کو بھی شامل کیا۔ ان تراجم کو ذہبی کے تراجم سے ممیز کرنے کے لیے علامت ''ذ'' استعمال کی ہے۔ اس کے علاوہ ابن حجر نے ان رواۃ کو بھی **لسان** میں شامل کیا جو شیخ عراقی سے رہ گئے تھے۔ ایسے تراجم کے لیے وہ حرف ''ز'' استعمال کرتے ہیں۔ جب وہ کسی ترجمہ میں ذہبی پر اضافہ کرتے ہیں تو اپنا اضافہ شروع کرنے سے پہلے **انتھی** لکھتے ہیں (۴)۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ جن ناموں کے اوپر صح اس کا مطلب ہے کہ ان پر بغیر دلیل کے کلام کیا گیا ہے اور وہ غیر مؤثر ہے۔ جن رواۃ پر صخ کا رمز استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے کہ راوی کی ثقاہت کے بارے میں اختلاف ہے لیکن ثقاہت غالب ہے۔(۵)

۱- **لسان المیزان، ۷/۱۷۲، تجرید** کا اضافہ بعد میں کیا
۲- **الجواہر والدرر، ۳۳۳، ۴۳۹**
۳- **لسان المیزان، مقدمۃ المؤلف، ۱/۳-۱۳**
۴- **لسان المیزان (مقدمۃ)، ۱/۱۳**
۵- **لسان المیزان، ۷/۱۷۳**

حافظ ابن حجر کتاب کا آغاز مختصر مقدمے سے کرتے ہیں جس میں منہج تالیف کا ذکر کرنے کے بعد میزان الاعتدال کے مقدمہ بیان کرتے ہیں اور کچھ ایسے قواعد کی نشاندہی کرتے ہیں جو ان کی رائے میں ذہبی کو مقدمہ میں بیان کرنا چاہیے تھا(۱)۔ اس کے بعد انھوں نے دس فصول ذکر کیں جن میں جرح و تعدیل سے متعلق بعض ائمہ فن کی آراء واقوال اور قواعد کا ذکر کیا ہے(۲)۔

الف سے یاء تک رواۃ کے تراجم حروف تہجی کی ترتیب پر ہیں۔ یہ ترتیب راویان حدیث کے آباء میں بھی مدنظر رکھی گئی ہے۔ عام رواۃ کے ذکر کے بعد باب الکنٰی میں ان راویوں کا ذکر کیا ہے جو کنیتوں سے معروف ہیں۔ ازاں بعد باب المبہمات ہے جس میں ابن حجرؒ نے ذہبیؒ کی فروگزاشتوں کی تلافی کی کوشش کی ہے(۳) اور اس باب میں رواۃ کی معتدبہ تعداد کا اضافہ کیا ہے۔ اور انہوں نے اس باب کو تین فصول میں تقسیم کیا ہے۔ آخری فصل میں خواتین کو مردوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کے بعد تجرید (۴) کے نام سے فصل قائم کی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس فصل کے اضافے کے دو فائدے ہیں: اول یہ کہ میزان الاعتدال میں مذکور تمام تراجم کا احاطہ ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اگر کوئی محقق کسی راوی کے بارے میں معلومات چاہتا ہے تو اصل لسان المیزان میں دیکھے۔ وہاں نہ ملے تو اس فصل یعنی تجرید کی طرف رجوع کرے(۵)۔

لسان المیزان کی تمام فصول میں حروف تہجی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تراجم کے بیان میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ راوی کے والد اور دادا کا نام، لقب، کنیت اور راوی کے شیوخ و اساتذہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ راوی کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کی آراء بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی راوی کے بارے میں مثبت رائے ملتی ہو تو تحقیق کے بعد اس کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ ثقہ اور ضعیف راویوں کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ صاحب ترجمہ کا سال وفات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

راوی کے بارے میں جرح و تعدیل کرتے ہوئے شدت اور سہل انگاری دونوں سے احتراز کرتے ہیں۔

۱- لسان المیزان، ۱/۱۹-۲۲

۲- ایضاً، ۱/۲۳-۳۰

۳- ابن حجر کہتے ہیں: قد اجحف المصنف بهذا الباب، اكثر مما اجحف بالكنى مع الاحتياج إلى استيعابها ...... وجعلته ثلاث فصول: الأول: المنسوب. الثاني: من اشتهر بقبيلة، او صنعة، والثالث من ذكر بالإضافة (لسان المیزان، ۷/۱۲۷)

۴- لسان، ۷/۱۷۳-۵۴۴

۵- لسان المیزان، ۷/۵۴۳

راوی کا مسلک یا مذہب یا علمی مرتبہ و مقام صحیح بات کہنے میں مانع نہیں بنتا (۱)۔

لسان المیزان کا موضوع اگرچہ ضعیف رواۃ ہیں لیکن بعض وقت وہ ثقہ اور ثبت رواۃ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ایسے رواۃ کے ذکر کا مقصد ثقہ راویوں پر بعض ناقدین کے نقد کا جواب اور ان کا دفاع ہوتا ہے (۲)۔

حافظ ابن حجر نے امام ذہبی کے بعض تسامحات اور اوہام کا بھی ذکر کیا ہے۔ ذہبی بعض وقت جرح و تعدیل کے الفاظ کے قائل کا ذکر نہیں کرتے، ابن حجر قائل کا نام متعین کرتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے کسی راوی کے بارے میں لا اعرفہ کہا ہے تو ابن حجر ائمہ جرح کے اقوال کی روشنی میں اس کی تعیین اور وضاحت کر دیتے ہیں۔ (۳)

لسان المیزان کی اہمیت کے پیش نظر اہل علم نے مختلف پہلوؤں سے اس کی خدمت کی ہے۔ خود حافظ ابن حجر نے دو تلخیص بعنوان تقویم اللسان اور تقریب اللسان مرتب کیں۔ انہوں نے ایک ذیل تحریر المیزان بھی مرتب کی (۴)۔ جس میں ابن حجر نے لسان المیزان سے جو تراجم رہ گئے تھے یا جن کے بارے میں ان کو شک یا وہم تھا ان کو درست کیا اور کچھ اضافے بھی کیے۔

علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے زوائد اللسان علی المیزان تالیف کی (۵)۔ عبدالرؤف بن علی المناوی نے لسان المیزان میں مذکور موضوع، منکر، متروک وغیرہ روایات کو المنتقیٰ من لسان المیزان میں جمع کیا (۶)۔ عبدالرحمٰن بن ادریس بن محمد عراقی نے بھی اختصار اللسان کے عنوان سے ایک تلخیص مرتب کی جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔ برہان الدین الحلبی نے بھی ایک تلخیص مرتب کی۔ (۷)

سخاوی نے بھی کچھ اضافے کیے (۸)۔

لسان المیزان متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے دار الفکر سے شائع کردہ ۱۹۸۷ء-۱۹۸۸ء کا ایڈیشن ہے، یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ آخری (یعنی آٹھویں) جلد مفید فہارس پر مشتمل ہے۔

۱- شمس الائمہ حلوانی جو مذہب حنفی کے ستون ہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ روایت حدیث میں تساہل سے کام لیتے تھے۔ (لسان، ۳۰/۴)؛ امام رازی مشہور مفسر کے بارے میں بعض شکوک کا اظہار کیا ہے (۴۹۹/۴)؛ عبدالعزیز بن حارث حنبلی کے بارے میں کہتے ہیں: آذی نفسه و وضع حديثا او حديثين في مسند الامام احمد (۳۲/۴)۔ ابن حجر کی ایسی بعض آراء کی تردید بھی کی گئی ہے۔ لسان المیزان، ۴۹۹/۴، حاشیۃ ۱، وغیرہ

۲- دیکھیے، لسان، ۳۷۵/۲، ۴۰۵، ۶۰۲؛ ۵۲۶/۳ وغیرہ۔

۳- قد كرر الذهبي في هذا الكتاب، إيراد ترجمة الرجل من كلام بعض من تقدم، فتارة يورده كما هو، وتارة يتصرف فيه و في الحالين لا ينسبه لقائله، فيوهم انه من تصرفه، و ليس ذلك بجيد منه، فان النفس منه إلى كلام المتقدمين أميل واشد ركوناً (لسان، ۴۵۷/۲)

۴- کشف الظنون، ۱۹۱۷/۲؛ شذرات، ۲۷۲/۷

۵- ایضاً، ۱۹۱۸/۲

۶- خلاصۃ الاثر، ۴۱۴/۲

۷- الرسالۃ، ۱۳۰

۸- الاعلان بالتوبیخ، ۵۸۷

دوسرا ایڈیشن محمد عبدالرحمٰن المرعشلی کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے ۱۹۹۵ء میں داراحیاء التراث العربی سے شائع ہوا۔ یہ نو جلدوں پر مشتمل ہے۔ محقق نے مختلف مخطوطات کی روشنی میں اسے آخری شکل دی ہے۔ آغاز میں مفید مقدمہ ہے۔ مشکل الفاظ واسماء کو ضبط کیا ہے۔ تراجم بیان کرتے ہوئے حاشیے میں دوسری کتب رجال میں اس راوی کا تعین کیا گیا ہے جو ایک محقق کے لیے اہم اور مفید ہے۔

تیسرا ایڈیشن دارالکتب العلمیۃ بیروت سے ۱۹۹۶ء میں سات جلدوں میں شائع ہوا، جو الشیخ عادل احمد عبدالوجود، الشیخ علی محمد معوض اور ڈاکٹر عبدالفتاح ابوسنہ کی تحقیقات وتعلیقات سے مزین ہے، محنت سے تیار کیا گیا ہے۔ میزان الاعتدال اور لسان المیزان دونوں کے تراجم کے نمبر لگائے گئے ہیں۔ امتیاز کرنے کے لیے میزان کے تراجم بریکٹ میں لائے گئے ہیں۔ آغاز ایک مفید اور طویل مقدمہ سے کیا ہے، اسماء والفاظ کو ضبط کیا گیا ہے۔

دوسری کتب رجال میں مذکور تراجم کی تعیین وتحدید کی گئی ہے۔ کتاب کے دستیاب خطی نسخوں کے ساتھ تقابل بھی کیا گیا ہے۔

❀❀❀

مراتب الجرح والتعدیل

سب رواۃ حدیث ایک مقام ومرتبہ کے نہ تھے۔حفظ،علم اور ضبط کے حوالے سے ان میں فرق تھا۔ان میں سے کچھ لوگ حافظ ومتقن تھے ان کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جا سکتی۔کچھ دوسرے حفظ وضبط کے اعتبار سے کم درجہ کے لوگ تھے اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو حفظ وضبط میں کم تر سطح پر قائم تھے اور عدالت وامانت کے باوجود ان سے خطا وسہو سرزد ہوا۔اسی طرح بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے فریب کاری سے روایت حدیث کو اپنایا اور جھوٹی احادیث کو شامل کیا۔محدثین میں جو لوگ نقد حدیث میں گہری بصیرت رکھتے تھے انہوں نے ان کا پردہ چاک کیا۔چونکہ راویان حدیث مختلف سطح کے تھے اس لیے جرح وتعدیل کے ائمہ نے ایسی عبارات وضع کیں جن کے استعمال سے راوی کا مرتبہ اور اس کی ثقاہت کا پتہ چل جاتا تھا۔اگر یہ احکام ومراتب وضع نہ کیے جاتے تو کسی راوی کی حیثیت کا پتہ نہ چل سکتا۔ان مراتب کے لیے جو الفاظ استعمال کیے گئے وہ کسی ایک آدمی کی تصنیف نہیں ہیں اور نہ ہی ابتداء میں انہیں خالص فنی طور پر مرتب کیا گیا بلکہ روایت حدیث کے طویل سلسلے میں مختلف اہل علم راویوں کے بارے میں کسی روایت ہی کے سلسلے میں تبصرہ کیا جو آگے چل کر بنیاد بن گیا۔کچھ الفاظ تو عہد صحابہ میں استعمال ہونے لگے تھے اور زیادہ وضاحت کے ساتھ تابعین کے دور میں مستعمل ہوئے۔البتہ ان الفاظ کے مفاہیم اور مدلولات عہد تبع تابعین میں زیادہ منقح ہوئے۔نقد وجرح کے کئی احکام تو ہمیں بخاری اور نسائی کی کتابوں میں ملتے ہیں جیسے امام بخاری کی کتاب الضعفاء اور امام نسائی کی الضعفاء لیکن جس شخصیت نے سب سے پہلے جرح وتعدیل کے الفاظ کو مرتب کیا وہ ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) ہیں۔ان کے بعد آنے والے تمام علماء محدثین نے جن کا میدان تصنیف علوم الحدیث تھا اپنے اپنے انداز میں مفصل یا مجمل طور پر بیان کیا۔ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ انہیں بیان کریں گے۔

علوم الحدیث پر لکھنے والے تمام محدثین نے مراتب جرح وتعدیل پر بات کی ہے۔ہم چونکہ حافظ ابن حجر کے تتبع میں لکھ رہے ہیں اس لیے سب سے پہلے ان کے بیان کو نقل کریں گے۔اس کے بعد دیگر ائمہ حدیث کے بیانات کو درج کریں گے۔

حافظ ابن حجر مراتب الجرح والتعدیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و من أهم ذلك بعد الاطلاع معرفة مراتب الجرح و التعديل لأنهم قد

يجر حون الشخص بما لا يستلزم رد حديثه كله و قد بينا اسباب ذلك فيما مضى و حصرنا ها فى عشرة و تقدم شرحها مفصلاً. والغرض هنا ذكر الالفاظ الدالة فى اصطلاحهم على تلك المراتب.(۱)

اوراس میں سب سے اہم جرح وتعدیل کی معرفت ہے۔محدثین کبھی کسی شخص پرایسی جرح کرتے ہیں جس سے اس کی تمام حدیثوں کا رد کرنا لازم نہیں آتا ہم نے ان اسباب کو پہلے بیان کیا ہے اور انہیں دس میں منحصر کیا ہے جس کی شرح وتفصیل گزر چکی ہے۔(۲) یہاں صرف ان الفاظ کا ذکر مطلوب ہے جوان کی اصطلاح کے مطابق ان مراتب پر دلالت کرتے ہیں۔

مراتب الفاظ جرح

حافظ ابن حجرؒ(۳) کے نزدیک مراتب جرح تین ہیں۔اشد، اضعف اور اوسط. جرح کے جس لفظ میں مبالغہ ہوتا ہے وہ اشد پر دلالت کرتا ہے، جس میں وہ کم ہو اضعف اور جو مبالغہ کے بغیر ہو وہ اوسط میں شمار ہوگا۔

أشد یا أسوأ

اس کے تحت مبالغہ کے الفاظ آئیں گے جیسے:

أكذب الناس، إليه المنتهى فى الكذب، هو ركن الكذب يا هو منبع الكذب.

سب انسانوں سے زیادہ جھوٹا، اس پر جھوٹ کی انتہا ہوتی ہے۔وہ جھوٹ کا رکن یا جھوٹ کا منبع ہے۔

أضعف

جس میں کم مبالغہ ہو وہ اضعف کے تحت آئیں گے جیسے:

دجال، وضاع یا كذاب وغیرہ اسی طرح محدثین کے الفاظ:

فلان لين الحفظ، یاسيئي الحفظ، یا فيه أدنى مقال، اضعف پر دلالت کرتے ہیں۔

۱- نزهة النظر ۷۰

۲- ایضاً ۴۵

۳- ایضاً ۷۰؛ تقريب التهذيب، ۲/ ۴، ۵

أسهل

وہ الفاظ جن میں مبالغہ نہیں ہوتا اوسط کے تحت آتے ہیں جیسے محدثین کا قول:

فلان متروك، ساقط، فاحش الغلط يا منكر الحديث وغیرہ۔ اسی طرح **فلان ضعيف يا ليس بالقوى يا فيه مقال** جیسے الفاظ اوسط کے تحت آئیں گے۔

حافظ ابن حجر انہیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وبين اسوأ الجرح و أسهله مراتب لا تخفى. (۱)

جیسا کہ مخفی نہیں ہے اسوأ اور اسھل کے درمیان بھی مراتب ہیں۔

مراتب الفاظ تعدیل

اسی طرح مراتب تعدیل کی معرفت بھی اہم ہے۔ اور اس میں سب سے اونچا وہ ہے جس میں مبالغہ ہے اور پھر اس سے کم۔ تعدیل کے بھی تین مراتب ہیں، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ۔

اعلیٰ یا أرفع

تعدیل کا سب سے اعلیٰ درجہ وہ ہے جس میں مبالغہ ہے جیسے محدثین کا قول:

أوثق الناس، أثبت الناس يا اليه المنتهى فى التثبت.

یہ الفاظ تعدیل کے اعلیٰ مرتبے پر دلالت کرتے ہیں۔

أوسط

اس کے لیے جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ مبالغہ کا صیغہ نہیں ہوتے بلکہ اس کے لیے تاکید کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے کبھی ایک ہی صفت کو دوبارہ ذکر کر کے مؤکد بنایا جائے جیسے: **ثقة ثقة يا ثبت ثبت**، کبھی دو صفتوں کو جمع کر کے مؤکد بنایا جائے جیسے: **ثقة حافظ، عدل حافظ** وغیرہ۔

ادنیٰ

ادنیٰ درجہ وہ ہے جس میں نرم الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جیسے:

شيخ يروى حديثه و يعتبر به وغیرہ۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان کے درمیان بھی مراتب ہیں۔ (۲)

حافظ ابن حجر سے پہلے رجال حدیث اور علوم الحدیث پر لکھنے والوں نے مراتب جرح و تعدیل اور ان کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ پر لکھا ہے۔ ذیل میں چند اہم مصنفین کے بیانات کو نقل کریں گے۔

۱- نزهة النظر، ۷۱

۲- ایضاً، ۷۲

ناقدین فن اور مراتب جرح

مراتب جرح میں حافظ ابن حجرؒ نے تین مراتب کا لکھا جب کہ متقدمین ومتوسطین کے ہاں تین سے زیادہ درجے پائے جاتے ہیں:

یحیی بن معین (م۲۳۳ھ)

۱۔ لیس بشیء، لیس بثقة۔ وہ کچھ نہیں ہے۔ وہ ثقہ نہیں ہے۔

۲۔ لا یساوی شیئاً۔ وہ کسی شی کے برابر نہیں۔

۳۔ لیس بثقة ولا مامون۔ وہ ثقہ و مامون نہیں۔

۴۔ لا یکتب عنه، متروك الحدیث۔ (۱) اس سے حدیث نہیں لکھی جاتی۔ اس کی حدیث متروک ہے۔

ابن ابی حاتم الرازی (م۳۲۷ھ)

۱۔ لین الحدیث۔ نرم حدیث والا

۲۔ لیس بقوی۔ قوی نہیں

۳۔ ضعیف الحدیث۔ کمزور حدیث والا

۴۔ متروك الحدیث، ذاهب الحدیث، کذاب۔ (۲) اس کی حدیث ترک کردی جاتی ہے، وہ حدیث کا ضائع کرنے والا ہے، وہ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔

☆ ابن ابی حاتم کے نزدیک اگر کسی راوی کے بارے میں کہا جائے لین الحدیثؒ تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

☆ اور جب محدثین لیس بقوی کہتے ہیں تو پہلے مرتبہ ہی میں ہیں البتہ اس سے ذرا کم تر درجہ ہے۔

☆ اور جب کہا جائے ضعیف الحدیث تو یہ دوسرے مرتبہ سے کم تر ہے لیکن اس کی حدیث رد نہیں کی جاتی بلکہ اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

☆ اور جب محدثین متروك الحدیث ،ذاهب الحدیث یا کذاب جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو وہ شخص ساقط الحدیث شمار ہوتا ہے اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ (۳)

ابن الصلاحؒ اور نوویؒ وغیرہ نے اسی تقسیم کا تتبع کیا ہے۔ کچھ دیگر حضرات نے اس تقسیم اور اس کے احکام کو اجمالاً تسلیم کیا ہے اور اس میں بعض تفاصیل کا اضافہ کیا ہے۔ ان میں مشہور الذہبیؒ، العراقیؒ، ابن حجرؒ اور السخاویؒ ہیں۔

۱۔ التاریخ ۱/ ۹۲؛ معرفة الرجال ۱/ ۳۰

۲۔ الجرح و التعدیل ۱/ ۱/ ۳۷

۳۔ ابن الصلاح، ۱۲۶

خطیب بغدادی (م۴۶۳ھ)

۱- لین الحدیث۔ نرم حدیث والا/ حدیث کے بارے میں نرم رویہ رکھنے والا۔

۲- لیس بقوی۔ قوی نہیں ہے۔

۳- مضطرب۔ غیر مستقل مزاج

۴- کذاب(۱)۔ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا

ابن الصلاح (م۶۴۳ھ)

۱- لین الحدیث، یکتب حدیثه؛ ینظر فیه؛ با لیس بذاك القوی؛ فیه ضعف؛ فی حدیثه ضعف۔

نرم حدیث والا، اس کی حدیث لکھی جاتی ہے، اِس پر غور کیا جاتا ہے، اتنا قوی نہیں، اس میں کمزوری ہے، اس کی حدیث میں ضعف ہے۔

۲- لیس بقوی یکتب حدیثه للإعتبار۔

قوی نہیں ہے۔ اعتبار کے لیے اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔

۳- ضعیف الحدیث؛ مضطرب الحدیث؛لا یحتج به؛ مجهول؛ لا شي.

صاحب کمزور حدیث ہیں؛ ان کی حدیث مضطرب ہے؛ قابل حجت نہیں؛ مجہول ہیں؛ کوئی شے بھی نہیں۔

۴- متروك الحدیث؛ واهی الحدیث؛ کذاب۔ (۲)

ان کی حدیث ترک کی جاتی ہے، بے بنیاد حدیث والا؛ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا۔

ابن الصلاح نے ابن ابی حاتم ہی کا تتبع کیا ہے۔ تاہم ابن الصلاح لکھتے ہیں:

ومما لم یشرحه ابن ابی حاتم وغیره من الالفاظ المستعملة فی هذا الباب قولهم: فلان قدروی الناس عنه؛ فلان وسط؛ فلان مقارب الحدیث (۳)؛ فلان مضطرب الحدیث؛ فلان لا یحتج به، فلان مجهول؛ فلان لا شیء؛ فلان لیس بذاك. و ربما قیل: لیس بذاك القوی؛

۱- الکفایة، ۲۳

۲- ابن الصلاح، ۱۲۶

۳- یعنی اس کی حدیث دوسرے ثقات کی حدیث سے قریب ہے۔ مقارب فتح اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے مفہوم وہی ہے کہ اس کی حدیث دوسرے ثقات کی حدیث سے قریب ہے۔ (ابن الصلاح، ۱۲۷)

فلان فيه أوفى حديثه ضعف "وهو في الجرح أقل من قولهم: فلان ضعيف الحديث؛ فلان ما أعلم به بأساً" وهو في التعديل دون قولهم: لا بأس به وما من لفظة ومن أشباهها الا ولها نظير شرحناه أوأصل أصلناه يتنبه إن شاء الله به عليها. والله أعلم۔ (۱)

اور جن مستعمل الفاظ کی تشریح ابن ابی حاتم نے نہیں کی وہ یہ ہیں: فلاں شخص ہے جس سے لوگوں نے روایت کی؛ فلاں شخص درمیانے درجہ کا ہے؛ فلاں شخص کی حدیث دوسرے کے قریب ہے؛ فلاں شخص کی حدیث مضطرب ہے؛ فلاں شخص سے حجت نہیں پکڑی جاتی؛ فلاں شخص مجہول ہے؛ فلاں شخص کوئی شی نہیں؛ فلاں ایسا نہیں ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے؛ فلاں شخص کمزور حدیث والا ہے؛ فلاں شخص کے بارے میں مجھے کوئی ڈر نہیں۔ اور ایسا کہنا تعدیل میں ان کے اس قول: "اس میں کوئی خطرہ نہیں" سے کم درجہ پر ہے۔ ان میں سے کوئی لفظ یا اس کے مشابہ لفظ ایسا نہیں جس کی نظیر نہ ہو اور ہم نے اس کی تشریح کی ہے یا اس کی کوئی اصل ہو جو ہم نے متعین نہ کی ہو۔ اس امر پہ متنبہ ہونا چاہیے۔

امام نووی (م ۶۷۷ھ)

امام نووی نے ابن الصلاح کا خلاصہ کیا ہے اس لیے اس میں کوئی نئی بات نہیں۔

۱۔ لين الحديث۔ نرم حدیث والا

۲۔ ضعيف الحديث؛ مضطرب۔ کمزور حدیث والا، غیر مستقل

۳۔ متروك الحديث؛ واهى الحديث؛ كذاب (۲) جس کی حدیث ترک کی جاتی ہے؛ حدیث ضائع کرنے والا؛ بہت جھوٹا۔

علامہ طیبی (م ۷۴۳ھ)

لين الحديث؛ مضطرب الحديث؛ لا يحتج به؛ مجهول ليس بقوى؛ ليس بذاك ضعيف الحديث، متروك الحديث ذاهب الحديث، كذاب (۳)

۱۔ ابن الصلاح، ۱۲۷

۲۔ التقریب، ۱۵

۳۔ الخلاصة، ۹۲

نرم حدیث والا؛ حدیث میں اضطراب ہے؛ اس سے دلیل نہیں دی جا سکتی، مجہول ہے، قوی نہیں ہے، کوئی حیثیت نہیں۔ کمزور حدیث والا، متروک الحدیث، حدیث کو ضائع کرنے والا ہے، بہت زیادہ جھوٹا ہے۔

الذہبی (م ۷۴۸ھ)

۱. **یضعف؛ ضعیف؛ لیس بالقوی؛ لیس بحجة؛ لیس بذاك؛ یعرف وینکر؛ فیه مقال؛ تکلم فیه؛ لین؛ سیٔ الحفظ؛ لا یحتج به؛ اختلف فیه؛ مبتدع۔**

اسے کمزور کہا جاتا ہے؛ کمزور ہے؛ قوی نہیں؛ قابل استناد نہیں؛ ایسا نہیں ہے، معروف بھی ہے اور منکر بھی؛ اس کے بارے میں بات ہے اس میں کلام ہے۔ کمزور؛ برے حافظے والا، وہ قابل حجت نہیں، اس کے بارے میں اختلاف ہے؛ بدعتی ہے۔

۲. **واہ؛ لیس بشیٔ؛ ضعیف جدا؛ ضعفوہ؛ منکر الحدیث۔**

گرا ہوا؛ کوئی شے نہیں؛ بہت ضعیف ہے؛ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے؛ منکر الحدیث ہے۔

۳۔ **لیس بثقة؛ سکتوا عنه؛ ذاهب الحدیث**

ثقہ نہیں ہے؛ اس کے بارے میں محدثین نے خاموشی اختیار کی ہے؛ حدیث ضائع کرنے والا۔

۴۔ **متهم بالکذب۔** اس پر جھوٹ کی تہمت ہے۔

۵۔ **یضع الحدیث؛ وضاع؛ کذاب؛ دجال۔** (۱)

حدیث گھڑتا ہے؛ وضع کرنے والا ہے؛ بہت جھوٹا ہے، بڑا فریبی ہے۔

زین الدین العراقی (م ۸۰۶)

حافظ عراقی نے مرتب انداز میں ان مراتب کو بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

مراتب الفاظ التجریح علی خمس مراتب و جعلها ابن ابی حاتم وتبعه ابن الصلاح اربع مراتب۔ (۲)

جرح کے پانچ مراتب ہیں۔ ابن ابی حاتم نے چار بیان کیے ہیں اور ابن الصلاح نے اس کا تتبع کیا ہے۔

۱- میزان الاعتدال، ۱/ ۴

۲- فتح المغیث للعراقی، ۲/ ۱۸۲

۱- كذاب ؛ يضع؛ يكذب؛ وضاع؛ دجال۔

بہت زیادہ جھوٹا، حدیث وضع کرتا ہے؛ جھوٹ بولتا ہے؛ حدیثیں وضع کرنے والا؛ بہت زیادہ فریبی۔

۲- ليس بثقة؛ ذاهب؛ متروك؛ فيه نظر؛ لا يعتبر؛ سكتوا عنه؛ متهم بالكذب ساقط؛ هالك۔

ثقہ نہیں ہے؛ ضائع کرنے والا؛ اس کی حدیث ترک کی جاتی ہے؛ اس کے بارے میں غور وخوض کی ضرورت ہے؛ اس کا اعتبار نہیں؛ اس کے بارے میں محدثین نے خاموشی اختیار کی ہے؛ اس پر جھوٹ کی تہمت ہے گراہوا ہے؛ خطرناک ہے۔

۳- مردود الحديث؛ ضعيف جداً؛ واه؛ مطروح؛ ليس بشي؛ لايساوى شيئاً۔

اس کی حدیث مردود ہے؛ بہت ضعیف؛ گراہوا؛ پھینکا ہوا؛ کوئی شی نہیں؛ کسی شے کے برابر بھی نہیں۔

۴- منكر الحديث؛ مضطرب ؛ ضعفوه؛ لا يحتج به۔

منکر حدیث والا؛ غیر مستحکم؛ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا؛ قابل حجت نہیں۔

۵- فيه مقال؛ ضعف؛ فيه ضعف؛ ليس بذاك المتين؛ ليس بذاك حجة ، ليس بذاك عمدة؛ مطعون؛ ليس بذاك مرضى؛ سئ الحفظ؛ لين ، تكلموا فيه (۱)

اس کے بارے میں گفتگو (اعتراض) ہے؛ ضعیف ہے؛ اس میں ضعف ہے؛ ایسا پختہ نہیں؛ ایسا قابل استناد نہیں ایسا عمدہ نہیں؛ اس کے بارے میں طعن کیا گیا ہے؛ ایسا پسندیدہ نہیں؛ برے حافظے والا، کمزور؛ اس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

حافظ عراقی لکھتے ہیں کہ میں نے ابن الصلاح کے نقل کردہ الفاظ جرح پر جو اضافہ کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

فلان وضاعٌ؛ و يضع؛ ووضع، و دجال و متهم بالكذب و هالك ، و فيه نظر، و سكتوا عنه ولا يعتبر به؛ و ليس بالثقه، و رُدّ حديثه، و ضعيف

۱- فتح المغيث للعراقي، ۲ / ۱۸۲-۱۸۳

جداً، وواه بمرة و طرحوا حديثه، وارم به، و مطرح، ولا يساوی شيئاً، و منكر الحديث وواه ، و ضعفوه، وفيه مقال، و ضعف، و تعرف و تنكر، وليس بالمتين و ليس بعمدة و ليس بالمرضی، وللضعيف ماهو ، وفيه خلف، وطعنوا فيه وسیٔ الحفظ و تكلموا فيه۔(۱)

مندرجہ بالا الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فهذه الالفاظ لم يذكرها ابن ابی حاتم ولا ابن الصلاح وهی موجودة فی كلام ائمة هذا الشان (۲)۔

یہ الفاظ ہیں جنہیں ابن ابی حاتم اور ابن الصلاح نے بیان نہیں کیا حالانکہ اس مرتبہ کے ائمہ کے کلام میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر کے بعد آنے والوں میں سخاویؒ اور سیوطیؒ قابل ذکر مصنفین ہیں۔سخاوی نے الفیہ للعراقی کی شرح لکھی ہے اور سیوطیؒ نے امام نووی کی التقریب کی شرح لکھی ہے۔دونوں مفصل کتابیں ہیں اور علوم الحدیث کے موضوع پر ماخذ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔خطیب، ابن ابی حاتم اور ابن الصلاح کے ہاں چار درجے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تین مراتب بیان کئے ہیں اگر چہ یہ بھی کہا ہے کہ ان کے درمیان اور مراتب بھی ہیں۔ذہبیؒ اور عراقیؒ نے پانچ درجہ الفاظ بیان کئے ہیں جب کہ سخاویؒ اور سیوطیؒ نے چھ کر دیئے ہیں۔ذیل میں ہم سخاوی اور سیوطی کے بیان کردہ مراتب کو بالترتیب درج کریں گے۔لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ تقریباً وہی مفاہیم بیان کئے گئے ہیں جو ذہبی اور عراقی نے اور اس سے پہلے ابن الصلاح وغیرہ نے استعمال کئے ہیں اس لیے ہم نے ان کا ترجمہ نہیں دیا ہے۔

شمس الدین سخاوی (م۹۰۲ھ)

۱- **فيه مقال؛ فيه ادنی مقال؛ ضعيف؛ فيه ضعف؛ فی حديثه ضعف؛ ليس بذاك القوی ؛ ليس بالقوی؛ ليس بالمتين؛ ليس بحجة؛ ليس بعمدة؛ ليس بمأمون؛ ليس بالمرضی؛ ليس يحمدونه؛ ليس بالحافظ؛ غيره اوثق منه؛ تعرف و تنكر؛ فی حديثه شیء؛ فيه لين؛ لين الحديث؛ مجهول؛ فيه جهالة؛ لا ادری ماهو ؛ للضعف ماهو ؛**

۱- فتح المغيث للعراقی، ۲ / ۱۸۳

۲- ایضاً، ۲ / ۱۸۳

طعنوا فيه؛ تركوه؛ مطعون فيه؛ سيء الحفظ؛ تكلموا فيه؛ ليس من اهل القاب؛ ليس من جمال المحامل؛ سكتوا عنه؛ فيه نظر۔

۲- ضعيف؛ منكر الحديث؛ حديثه منكر؛ له منا كير؛ له ما ينكر؛ مضطرب الحديث؛ واه؛ ضعفوه ؛ لا يحتج به۔

۳- رد حديثه؛ ردوا حديثه؛ مردود الحديث؛ ضعيف جداً؛ واه بمرة؛ تألف؛ طرحوا حديثه؛ ارم به؛ مطرح؛ مطرح الحديث؛ لا يكتب حديثه؛ لا تحل كتابة حديثه؛ لا تحل الرواية عنه؛ ليس بشيء؛ لا شيء؛ لا يساوى فلساً؛ لا يساوى شيئاً۔

۴- يسرق الحديث؛ متهم بالكذب؛ متهم بالوضع؛ ساقط؛ هالك؛ ذاهب؛ ذاهب الحديث؛ متروك؛ متروك الحديث؛ تركوه؛ مجمع على تركه؛ هو على يدى عدل ؛ لا يعتربه؛ لا يعتبر بحديثه؛ ليس بالثقة؛ ليس بثقة؛ غير ثقة؛ ولا مامون؛ سكتوا عنه؛ فيه نظر۔

۵- كذاب؛ يكذب؛ يضع الحديث؛ و ضاع؛ وضع الحديث؛ دجال۔

۶- اكذب الناس؛ ركن الكذب؛ اليه المنتهى فى الوضع (۱)

حافظ سخاوی نے اس ترتیب کو پسند کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ عراقی نے اعلیٰ مرتبہ سے ادنی کی ترتیب اختیار کی ہے حالانکہ ابن ابی حاتم اور ابن الصلاح نے اس کے برعکس ترتیب کو اختیار کیا ہے جو زیادہ مناسب ہے۔(۲)

جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

۱- فيه مقال؛ ليس بالقوى؛ ليس بالمتين؛ ليس بحجة۔

۲- واه ضعفوه؛ مضطرب الحديث؛ ضعيف؛ منكر الحديث۔

۳- مردود الحديث؛ ضعيف جداً؛ واه بمرة؛ ليس بشي، مطرح الحديث۔

۴- متهم بالكذب؛ متروك؛ ذاهب الحديث، متروك الحديث ، متهم بالوضع ۔

۵- دجال؛ كذاب ؛ وضّاع۔

۱- فتح المغیث، ۲/ ۱۳۷-۱۴۲

۲- ایضاً، ۲/ ۱۳۷

٦- اکذب الناس؛ رکن المکذب۔ (۱)

امام بیہقی (۲)، الطیبی (۳)، العجلی (۴) اور السمعانی (۵) وغیرہ نے بھی اسی طرح کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

ناقدین فن اور مراتب تعدیل

حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک تعدیل کے بھی تین مراتب ہیں، اعلیٰ ادنیٰ اور اوسط۔ وہ لکھتے ہیں:

ومن المهم ايضاً معرفة مراتب التعديل و ارفعها الوصف ايضاً بما دل على المبالغة فيه و اصرح ذلك التعبير بأفعل كأوثق الناس أو أثبت الناس او إليه المنتهى فى التثبت، ثم ما تأكد بصفة من الصفات الدالة على التعديل أو صفتين كثقة ثقة أو ثبت ثبت أو ثقة حافظ، أو عدل ضابط او نحو ذلك. وأدناها ما اشعر بالقرب من اسهل التجريح كشيخ و يروى حديثه و يعتبر به و نحو ذلك. و بين ذلك مراتب لا تخفى۔ (٦)

تعدیل کے مراتب کی معرفت بھی اہم امور میں سے ہے۔ ان میں اعلیٰ وہ ہے جو وصف کے مبالغہ پر دلالت کرے۔ اس کی تعبیر افعل کے وزن سے ہو جیسے اوثق الناس سب لوگوں سے زیادہ قابل اعتماد یا اثبت الناس، سب لوگوں سے زیادہ ثبت یا الیہ المنتهی فی الثبت اس میں تثبت کی انتہا ہے۔ اس کے بعد اوسط ہے جس میں تعدیل پر دلالت کرنے والی صفات میں سے کسی صفت کو مؤکد بیان کیا جاتا ہے یا دو صفتوں سے تاکید کی جائے ایک مؤکد صفت جیسے ثقة ثقة یا ثبت ثبت اور دو وصف جیسے ثقة حافظ یا عدل ضابط یا اسی طرح کی اور صفات اور تیسرے درجہ پر وہ تعدیل ہے جو تجریح کے اسهل درجہ کے قریب ہے۔ اس کے لیے نرم الفاظ ہیں جیسے شیخ یروی حدیثه اس کی حدیث روایت کی جاتی ہے و یعتبر به اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور ان کے درمیان مراتب ہیں جو پوشیدہ نہیں۔

۱- التدریب، ۲۳۳-۲۳۴

۲- معجم الجرح و التعدیل، ۶۱

۳- الخلاصة، ۹۲

۴- معرفة الثقات، ۱/ ۱۰۲

۵- توضیح الافکار، ۲/ ۲۶۸

٦- نزهة النظر، ۷۲

گویا حافظ ابن حجر نے اعلیٰ اوسط اور ادنی مراتب کا تعین کیا ہے لیکن ان کے درمیان اور مراتب کے وجود کو بھی تسلیم کیا ہے۔ ہم ذیل میں ابن حجر سے پہلے اور ان کے بعد آنے والے محدثین کے بیان مراتب کا تذکرہ کریں گے۔

یحیٰ بن معین (م ۲۳۳ھ)

۱- ثبت؛ ثقة۔

۲- ثقة؛ مامون ثقة؛ لم يذكره الا بخير۔

۳- ليس به بأس؛ صدوق؛ مأمون خير؛ ليس به بأس ثقة۔

۴- صالح الحديث؛ شيخ صدوق؛ ثقة؛ يحدث بمناكير؛ صدوق ليس بحجة (۱)

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)

۱- ثقة؛ متقن۔

۲- صدوق؛ محله الصدق؛ لا بأس به؛ فهو ممن يكتب حديثه۔

۳- شيخ۔

۴- صالح الحديث؛ لين الحديث؛ ليس بقوى؛ ضعيف الحديث؛ متروك الحديث؛ ذاهب الحديث أو كذاب (۲)

العجلی (م ۲۶۱ھ)

۱- ثقة؛ ثبت في الحديث؛ حسن الحديث؛ ثقة ثبت مأمون؛ ثقة مأمون؛ ثقة ثقة؛ ثقة رفيع؛ ثقة رجل صدق؛ ثقة من خيار الناس؛ ثبت في الحديث؛ ثقة لا بأس به؛ ثقة حسن الحديث۔

۲- صدوق؛ صدوق ثقة؛ صدوق جائز الحديث؛ حسن الحديث؛ لا بأس به؛ جائز الحديث؛ شيخ صدوق۔

۳- جائز الحديث وليس بالقوى في عداد الشيوخ؛ جائز الحديث لا بأس به؛ يكتب حديثه؛ صويلح لا بأس به؛ لا بأس به يكتب حديثه؛ ثقة كان لا يتهم بالكذب؛ لا بأس به يكتب حديثه؛ و ليس بالقوى (۳)

۱- التاريخ، ۱۰/ ۹۱؛ معرفة الرجال، ۱/ ۴۳

۲- الكفاية، ۴۳

۳- معرفة الثقات، ۱/ ۱۰۲

ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ)

۱- ثقة، متقن؛ حجة ضابط؛ عادل حافظ۔

۲- صدوق؛ محله الصدق۔

۳- شیخ۔

۴- صالح الحدیث (۱)

ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ)

۱- ثقة؛ متقن؛ ثبت؛ حجة؛ عدل حافظ؛ عدل؛ ضابط۔

۲- صدوق؛ محله الصدق؛ لا بأس به۔

۳- شیخ۔

۴- صالح الحدیث (۲)

النووی (م ۶۷۷ھ)

۱- ثبت؛ متقن؛ ثقة؛ حجة؛ عدل؛ حافظ؛ ضابط۔

۲- صدوق؛ محله الصدق؛ لا بأس به۔

۳- شیخ فیکتب و ینظر۔

۴- یکتب للإعتبار؛ صالح الحدیث (۳)

طیبی (م ۷۴۳ھ)

۱- ثقة؛ متقن؛ ثبت؛ حجة؛ یقال فی العدل؛ حافظ؛ ضابط۔

۲- صدوق؛ محله الصدق؛ لا بأس به۔

۳- شیخ روی عنه الناس۔

۴- صالح الحدیث (۴)

۱- ابن الصلاح، ۱۲۳؛ الجرح والتعدیل، ۱/ ا/ ۳۷۔

۲- ایضاً، ۱۲۳-۱۲۵

۳- التقریب، ۱۴-۱۵

۴- الخلاصة فی اصول الحدیث، ۹۱، ۹۲

الذہبی (م۷۴۸ھ)

۱- ثبت حجة؛ ثبت حافظ؛ ثقة متقن؛ ثقه ثقة۔

۲- ثقة صدوق۔

۳- صدوق؛ لابأس به؛ ليس به بأس۔

۴- محله الصدق؛ جيد الحديث؛ شيخ و سط؛ شيخ حسن الحديث؛ صدوق ان شاء الله؛ صالح الحديث؛ صويلح (۱)

العراقی (م۸۰۶ھ)

۱- ثقة؛ ثبت؛ ثقة ثقة۔

۲- ثقة اوثبت؛ ثقة او متقن؛ حجة؛ حافظ؛ ضابط۔

۳- ليس به باس؛ صدوق۔

۴- مامون؛ خيار۔

۵- محله الصدق؛ شيخ وسط؛ صالح الحديث؛ مقارب الحديث؛ جيد الحديث؛ حسن الحديث؛ صويلح، صدوق ان شاء الله؛ وارجو أنه لا بأس به (۲)

حافظ ابن حجر کے بعد آنے والوں میں دو نام اہمیت کے حامل ہیں ایک حافظ سخاوی جنہوں نے الفیہ للعراقی کی شرح لکھی اور دوسرے علامہ سیوطی جنہوں نے امام نووی کی التقریب کی شرح لکھی۔ دونوں کتابیں اہل علم کے ہاں متداول ہیں۔ دونوں نے تقریباً انہی الفاظ کو دہرایا ہے جنہیں حافظ ابن حجر تک علوم الحدیث کے مصنفین نے اپنے ہاں استعمال کیا ہے۔ ان کے بعد آنے والوں میں امیر الصنعانی قابل ذکر ہیں اور ان کے بعد دور جدید کے مصنفین نے علوم الحدیث پرنئی ترتیب پر تصانیف مرتب کی ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی سابقہ توضیحات سے انحراف نہیں کیا۔ ان سب کا بیان تو مناسب نہیں ہے البتہ حافظ سخاوی اور علامہ سیوطی کے بیانات کو درج کیا جاتا ہے جو اصل میں عراقی

۱- ميزان الاعتدال، ۱/ ۴

۲- فتح المغيث للعراقی، ۲/ ۱۷۸- ۱۸۰

۳- فتح المغيث للسخاوی، ۲/ ۱۲۸

اور نووی ہی کے بیانات کو اپنے الفاظ میں واضح کیا ہے۔ حافظ سخاوی علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر اور دیگر محدثین کے حوالوں سے وضاحت کرتے ہیں (۴) انہوں نے چھ مراتب بیان کئے ہیں گو پانچواں اور چھٹا مختلط ہو گیا ہے کیونکہ عراقی کے ہاں پانچ مراتب ہیں۔

حافظ سخاوی (م۹۰۲ھ)

۱- **اوثق الناس؛ اثبت الناس؛ اصدق من ادرکت من البشر؛ الیه المنتهی فی التثبت لا اعرف له نظیر فی الدنیا۔**

۲- **لایسئل عن مثله۔**

۳- **ثقه ثبت؛ ثبت حجة؛ ثقة ثقة۔**

۴- **ثقة؛ ثبت؛ حجة؛ متقن؛ حافظ؛ ضابط؛ کانه مصحف۔**

۵- **صدوق؛ لاباس به؛ لیس به باس؛ مامون؛ خیار۔**

۶- **محله الصدق؛ رووا عنه؛ روی الناس عنه؛ یروی عنه؛ الی الصدق ماهو؛ شیخ وسط؛ وسط، شیخ، مقارب الحدیث؛ صالح الحدیث؛ یعتبر به؛ یکتب حدیثه؛ جید الحدیث ما اقرب حدیثه؛ صویلح؛ حسن الحدیث؛ صدوق ان شاء الله؛ ارجو أن لیس به بأس؛ حسن الحدیث (۱)**

حافظ سخاوی نے ان الفاظ پر بحث کرتے ہوئے ائمہ نقاد کی آراء نقل کی ہیں جو قابل مطالعہ ہیں۔ (۲)

جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ)

امام نووی نے التقریب میں چار مراتب کا ذکر کیا ہے جب کہ سیوطی اس کی تشریح میں دو کا اضافہ کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے نزدیک چھ مراتب بن جاتے ہیں:

۱- **اثبت الناس؛ لا احد اثبت منه**

۲- **ثقة ثقة؛ ثقة ثبت؛ فلان لا یسئل عنه**

۳- **ثقة؛ حجة؛ متقن؛ عدل؛ ضابط؛ حافظ**

۱- فتح المغیث للسخاوی، ۲/ ۱۲۸- ۱۳۳

۲- ایضاً، ۲/ ۱۳۴- ۱۳۷

۴- صدوق؛ محله الصدق؛ مامون؛ حافظ، لا بأس به

۵- شیخ

٦- صالح الحدیث، یکتب حدیثه للإعتبار (۱)

ان الفاظ پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ سخاوی اور سیوطی نے انہی الفاظ کو نقل کیا ہے جو عراقی اور نووی نے اپنے متون میں دیے ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ پانچ مراتب کے بجائے چھ کر دیے ہیں۔

❀❀❀

۱- تدریب، ۲۳۰ — ۲۳۲

فہرس اعلام

فہرس الاعلام

صرف ان صفحات کے نمبر دیے گئے ہیں جن پر ان شخصیات کے مختصر حالاتِ زندگی مذکور ہیں۔

کنیتوں سے معروف شخصیات

مصادر و مراجع

مصادر ومراجع

القرآن الحکیم

☆ أبناسی، ابراہیم بن موسیٰ الشافعی (م ۸۰۲ھ) الشذ الفیاح، تحقیق: محمد علی سمک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء/۱۴۱۸ھ

☆ ابن الاثیر، علی بن محمد بن عبدالکریم، الشیبانی، الجزری، ابوالحسن (م ۶۳۰ھ) اسد الغابة فی معرفة الصحابة، قاہرہ، ۱۹۷۰ء

☆ ایضاً، اسد الغابة فی معرفة الصحابة، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۸ء/۱۴۲۹ھ

☆ ابن الاثیر، مبارک بن محمد، الشیبانی الجزری (۶۰۶ھ) جامع الأصول من أحادیث الرسول، تحقیق: محمد حامد الفقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت

☆ احمد محمد شاکر، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، تحقیق: ڈاکٹر بدیع السید اللحام، مکتبہ دار السلام، الریاض، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

☆ اشرف بن عبدالرحیم (محقق) الثلاثیات فی الحدیث النبوی ﷺ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

☆ اقبال احمد محمد اسحٰق، ڈاکٹر، جرح و تعدیل، مکتبہ قاسم العلوم، ۲۰۱۱ء

☆ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری، بحوث فی تاریخ السنة المشرفة، مدینہ منورہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء

☆ بخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ) الجامع الصحیح، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

☆ ایضاً، الأدب المفرد، قاہرہ، ۱۳۷۹ھ

☆ ایضاً، التاریخ الکبیر، مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف، حیدرآباد، دکن، ۱۹۶۲ء

☆ الترمذی، محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) الجامع/السنن، تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت

☆ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم (م ۷۲۸ھ) منهاج السنة النبوية، تحقیق ڈاکٹر محمد رشاد سالم، مکتبہ خیاط، بیروت

☆ ایضاً، العلل مع السنن، تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت

☆ جزائری، طاہر بن صالح (۱۳۳۸ھ)، توجیه النظر إلى أصول الأثر، دار المعرفہ، بیروت

☆ الجصاص، ابوبکر احمد بن علی (م ۳۷۰ھ)، احکام القرآن، (اردو ترجمہ)، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

☆ ابن جماعہ، محمد بن ابراہیم (م ۷۳۳ھ)، المنهل الروی فی مختصر علوم الحديث النبویؐ، تحقیق: محی الدین عبدالرحمان رمضان، دارالفکر، دمشق، ۱۹۸۶ء

☆ ابن ابی حاتم، عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (م ۳۲۷ھ)، الجرح و التعديل، حیدرآباد

☆ ایضاً، تقدمة الجرح و التعديل، حیدرآباد

☆ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ (م ۱۰۶۷ھ)، کشف الظنون عن أسامی الكتب و الفنون، مطبع البهیة، ۱۹۴۳ء/۱۳۶۲ھ

☆ حاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ (م ۴۰۵ھ)، کتاب معرفة علوم الحديث، داراحیاء العلوم، بیروت، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء

☆ ابن حبان البستی (م ۳۵۴ھ) کتاب الثقات، دارالکتب العربیة، بیروت، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء

☆ ایضاً، کتاب المجروحین، تحقیق محمود ابراہیم زاید، حلب، ۱۳۹۶ھ

☆ ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی (م ۸۵۲ھ)؛ الاصابة فی تمییز الصحابة، قاہرہ

☆ ایضاً، الاصابة بهامشه الاستيعاب، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۲۸ھ

☆ ایضاً، الاصابة فی تمییز الصحابة و معه الاستيعاب، مطبع مصطفیٰ محمد، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

☆ ایضاً، الاصابة فی تمییز الصحابة، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء

☆ ایضاً، تبصير المنتبه بتحرير المشتبه، تحقیق: علی محمد البجادی، المکتبة العلمیة، بیروت، لبنان

☆ ایضاً، تقريب التهذيب، تحقیق: عبدالوہاب، عبداللطیف، قاہرہ، ۱۳۸۰ھ، نیز دارالمعرفة، بیروت

☆ ایضاً، تهذيب التهذيب، دائرۃ المعارف حیدرآباد، دکن

☆ ایضاً، تهذيب التهذيب، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء

☆ ایضاً، نزهة النظر فی توضیح نخبة الفكر، تحقیق: ڈاکٹر نورالدین عتر، مطبعۃ الصباح، دمشق، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

☆ ایضاً، الدرر الكامنة فی اعيان المائة الثامنة، داراحیاء التراث العربی، بیروت، س ـ ن

☆ ابن حزم محمد علی بن احمد (م ۴۵۶ھ)، جوامع السيرة، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، حدیث اکادمی، ۱۹۸۱ء، فیصل آباد، پاکستان

☆ الحسینی، محمد بن علی ابوالمحاسن، الشافعی الدمشقی (م ۷۶۵ھ)، الإكمال فی ذكر من له رواية فی مسند احمد سوی من ذكر فی تهذيب الكمال، دراسة و تحقیق: عبداللہ سرور ابن فتح محمد، داراللواء، الریاض، ۱۹۹۲ء

☆ ایضاً، ذیل تذکرۃ الحفاظ، داراحیاء التراث العربی

☆ خالد علوی، ڈاکٹر، علوم الحدیث، مصطلحات و علوم، جلد اول، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ۱۹۹۸ء

☆ ایضاً، حفاظتِ حدیث، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۸ء

☆ خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)، الکفایۃ فی علم الروایۃ، حیدر آباد، ۱۳۵۷ھ

☆ ایضاً، الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، تحقیق: ڈاکٹر محمود الطحان، مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۹۸۳ء

☆ ایضاً، تاریخ بغداد، دار الکتاب العربی، بیروت

☆ ابن خلکان، احمد بن محمد (م ۶۸۱ھ)، وفیات الأعیان و انباء أبناء الزمان، بیروت ۱۹۷۸ء

☆ ایضاً، وفیات الأعیان و انباء أبناء الزمان، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ، القاہرہ، ۱۹۴۸ء

☆ خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ)، کتاب التاریخ، تحقیق: ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری، دمشق، بیروت، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

☆ ایضاً، کتاب الطبقات، تحقیق: ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری، دار طیبۃ، الریاض، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

☆ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی (م ۲۷۵ھ)، کتاب السنن، تحقیق: عزت مجید الدعاس، دار الحدیث، حمص، ۱۹۱۳ء/۱۳۹۳ھ

☆ ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ) میزان الاعتدال فی نقد الرجال، تحقیق علی محمد البجاوی، داراحیاء الکتب العربیۃ عیسی البابی الحلبی و شرکاوہ، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء

☆ ایضاً، تذکرۃ الحفاظ، مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، دکن، ہند، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء

☆ ایضاً، العبر فی خبر من غبر، تحقیق: ڈاکٹر صلاح الدین، کویت

☆ ایضاً، تذکرۃ الحفاظ، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، حیدر آباد، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء

☆ ایضاً، سیر أعلام النبلاء، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

☆ ایضاً، المشتبہ فی الرجال: اسمائھم و انسابھم، تحقیق: علی محمد البجاوی، داراحیاء الکتب العربیۃ، ۱۹۶۲ء

☆ رامہرمزی، حسن بن عبد الرحمن (م ۳۶۰ھ) المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی، تحقیق: ڈاکٹر عجاج الخطیب، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۱ء

☆ ابن رجب، عبدالرحمٰن بن احمد الحنبلی (م۷۹۵ھ) شرح علل الترمذی، تحقیق: نورالدین عتر، دارالملاح للطباعۃ والنشر، ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ

☆ زرکلی خیرالدین، الأعلام قاموس تراجم لاشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین، الطبعہ الثانیہ۔

☆ زمخشری، محمود بن عمر، الفائق فی غریب الحدیث، تحقیق: علی محمد البجاوی، محمد ابوالفضل ابراہیم، دارالمعرفہ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ

☆ السبکی، ابونصر عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی، تاج الدین (م۷۷۱ھ)، طبقات الشافعية الكبرى، تحقیق: عبدالفتاح محمد الحلو / محمود محمد الطناحی، داراحیاء الکتب العربیۃ، ۱۹۱۸ء

☆ ایضاً، قاعدة فی الجرح والتعدیل وقاعدة المؤرخین، تحقیق: عبدالفتاح ابوغدہ، قاہرہ، ۱۹۷۸ء

☆ سخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن (م۹۰۲ھ)، فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث للعراقی، تحقیق: رضوان جامع رضوان، مکتبۃ مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، السعودیۃ

☆ ایضاً، الضوء اللامع لأهل القرن التاسع، دارمکتبۃ الحیاۃ، س۔ن

☆ ابن سعد، محمد بن منیع (م۲۳۰ھ)، الطبقات الکبریٰ، دارصادر، بیروت، ۱۹۵۷ء

☆ ایضاً، الطبقات الکبری، تحقیق وتعلیق: سہیل کیالی، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء

☆ السید قاسم الأندجانی، المصباح فی اصول الحدیث، مکتبۃ الزمان، المدینۃ المنورۃ، ۱۹۸۷ء

☆ سیوطی، جلال الدین (م۹۱۱ھ)، تدریب الراوی، تحقیق: احمد عمر ہاشم، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء

☆ ایضاً، طبقات الحفاظ ذیل تذکرة الحفاظ، داراحیاء التراث العربی، س۔ن

☆ ابن ابی شیبۃ (م۲۳۵ھ)، المصنف فی الأحادیث والآثار، تحقیق: عبدالخالق افغانی، الدارالسلفیہ، بمبئی

☆ ایضاً، المصنف فی الأحادیث والآثار، الدارالسلفیہ، بیروت

☆ صبحی صالح، د/، علوم الحدیث ومصطلحہ، دارالعلم للملایین، ۲۰۰۶ء

☆ صدیق حسن خان نواب (م۱۳۰۷ھ) الحطة فی ذکر الصحاح الستة، اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

☆ ابن الصلاح، عثمان بن عبدالرحمٰن (م۶۴۳ھ)، علوم الحدیث/مقدمة ابن الصلاح، تحقیق: نورالدین عتر، دارالفکر، دمشق، ۱۹۸۴ء

☆ صنعانی،محمد بن اسماعیل (م۱۱۸۲ھ)،توضیح الأفکار لمعانی تنقیح الأنظار،تحقیق:محمد محی الدین،
دارالفکر،قاہرہ

☆ د/ضیاء الرحمٰن اعظمی،،دراسات فی الجرح و التعدیل،مطبعہ سلفیہ،بنارس (ہند)
۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

☆ الطبری،محمد بن جریر(م۳۱۱ھ)، جامع البیان فی تفسیر القرآن،تعلیق:محمود شاکر،
داراحیاء التراث العربی،بیروت،س۔ن

☆ طیبی،الحسن بن عبداللہ (م۷۴۳ھ)،الخلاصۃ فی اصول الحدیث،تحقیق:صبحی سامرائی،
مطبعہ الارشاد،بغداد

☆ ابن عبدالبر،یوسف بن عبداللہ (م۴۶۳ھ)،التمہید لمافی الموطأ،تحقیق:مصطفیٰ بن احمد العلوی،
۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء

☆ ایضاً،الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،تحقیق محمد عبدالمنعم البری،طاہر النجار،مکتبہ دارالباز،
مکۃ المکرمہ،۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء

☆ ایضاً،الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابۃ، دارالتراث العربی،بیروت

☆ ایضاً،جامع بیان العلم،دارالکتب العلمیہ،بیروت

☆ عبدالرزاق الصنعانی (م۲۱۱ھ)،المصنف،تحقیق:حبیب الرحمٰن الأعظمی،بیروت،۱۹۷۲ء

☆ عبداللطیف عبدالعزیز بن محمد،ضوابط الجرح و التعدیل،مدینہ منورہ

☆ عبداللہ بن یوسف الجدیع، تحریر علوم الحدیث،مؤسسۃ الریان،بیروت،۲۰۰۴ء

☆ سید عبدالماجد الغوری،المدخل إلی دراسۃ علوم الحدیث،دارابن کثیر،دمشق،
بیروت،۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

☆ عبدالوہاب عبداللطیف،المختصر فی علم الرجال و الأثر، المکتبۃ الحدیثۃ للطباعۃ
والنشر،۱۹۶۶ء

☆ ابن عدی الجرجانی (م۳۶۵ھ)،الکامل فی ضعفاء الرجال،تحقیق:الشیخ عادل احمد عبدالمؤمن و
رفقاءہ،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۹۹۷ء/۱۴۱۸ھ

☆ عراقی،عبدالرحیم بن الحسین (م۸۰۶ھ)،التقیید و الإیضاح، دارالفکر،۱۹۸۱ء

☆ ایضاً،فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث،تخریج وتحقیق:الشیخ صلاح محمد محمد عویضہ،دارالکتب
العلمیہ،بیروت،۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ھ

☆ عقیلی محمد بن عمرو، کتاب الضعفاء الکبیر، تحقیق: عبدالمعطی امین قلعجی، دارالباز، مکہ مکرمہ، ۱۹۸۴ء

☆ ابن العماد، عبدالحیی (م ۱۰۸۹ھ)، شذرات الذهب فی أخبار من ذهب، دارالمیسرة، بیروت، ۱۹۷۹ء

☆ عیاض بن موسیٰ قاضی الیحصبی (م ۵۴۴ھ)، الإلماع إلی معرفة أُصول الروایة و تقیید السماع، تحقیق: احمد صقر، دارالتراث، القاہرہ، ۱۳۸۹ھ

☆ عینی، بدرالدین، ابومحمد محمود بن احمد (م ۸۵۵ھ) عمدة القاری شرح صحیح البخاری، دارالحدیث، ملتان

☆ غزالی، ابوحامد محمد بن محمد (م ۵۰۵ھ) احیاء علوم الدین، دارالخیر، دمشق، بیروت ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء

☆ ابنِ فہد، تقی الدین، محمد بن فہد المکی (م ۸۷۱ھ) لحظ الالحاظ ذیل تذکرة الحفاظ للذهبی، داراحیاء التراث العربی، س۔ن

☆ فیروز آبادی، محمد بن یعقوب (م ۸۱۷ھ)، القاموس المحیط، القاہرہ، ۱۳۷۳ھ

☆ الکتانی، محمد بن جعفر (م ۱۳۴۵ھ)، الرسالة المستطرفة لبیان مشهور کتب السنة المشرفة، کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء

☆ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ)، اختصار علوم الحدیث، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

☆ ایضاً، (م ۷۷۴ھ)، البدایة و النهایة، تحقیق: عبدالرحمٰن اللادقی و محمد غازی بیضون، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۹۹۷ء

☆ ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی (م ۲۷۵ھ)، کتاب السنن، تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی، المکتبہ العلمیہ، بیروت

☆ مالک بن انس الاصبحی المدنی (م ۱۷۹ھ)، الموطّا بروایت یحیی بن یحیی بن کثیر اللیثی، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء

☆ محمد الانصاری، ابوزکریا السنیکی الازہری (م ۹۲۶ھ)، فتح الباقی بشرح ألفیة العراقی، دارابن حزم، صادق آباد، پاکستان، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء

☆ محمد عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) الرفع و التکمیل فی الجرح و التعدیل، تحقیق: عبدالفتاح ابوغدة، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

☆ محمد العجاج الخطیب، اصول الحدیث، علومه و مصطلحه، دارالفکر، ۱۹۷۵ء

☆ محمد علی الصابونی، مختصر تفسیر ابن کثیر، دار القرآن الکریم، کویت، ۱۳۹۳ھ

☆ محمد فؤاد عبد الباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

☆ محمد، محمد السماحی، المنہج الحدیث قسم مصطلح الحدیث، قاہرہ، ۱۹۶۳ء

☆ د/ محمود الطحان، اصول التخریج و دراسۃ الأسانید، دار القرآن الکریم، بیروت، ۱۹۸۱ء

☆ ایضاً، تیسیر المصطلح الحدیث، الطبعۃ السادسۃ، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء

☆ مسلم بن الحجاج القشیری النیساپوری، الجامع الصحیح، دار الفکر، بیروت

☆ ابن ملقن، محمد بن علی بن احمد (م ۸۰۴ھ)، المقنع فی علوم الحدیث، تحقیق: و دراسۃ: عبد اللہ بن یوسف الجدیع، دار الفواز، سعودی عرب، ۱۹۹۲ء/ ۱۴۱۳ھ

☆ ابن منظور افریقی (م ۷۱۱ھ)، لسان العرب، دار صادر، بیروت

☆ ابن الندیم (م ۳۸۰ھ) الفہرست، تعلیق و تشریح: د/ یوسف علی الطویل، دار الکتب العلمیہ، بیروت

☆ نسائی، محمد بن شعیب (م ۳۰۳ھ)، السنن، دار الفکر، بیروت، ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء

☆ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی (م ۴۳۰ھ)، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء

☆ نور الدین عتر، منہج النقد فی علوم الحدیث، دار الفکر، دمشق

☆ نور الرحمٰن ہزاروی، وہ کتابیں اپنے آباء کی ......، مکتبہ عمر فاروق، کراچی، ۱۴۲۶ھ

☆ نووی، یحیی بن شرف (م ۶۷۷ھ) التقریب، مکتبہ خاور، مسلم مسجد، لاہور

☆ ایضاً، ریاض الصالحین، تحقیق: عبد العزیز رباح/ احمد یوسف الدقاق، مکتبۃ دار السلام، ریاض/ مکتبۃ دار الفیحاء، دمشق، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء

☆ ونسنک، اے۔ جے، المعجم المفہرس لألفاظ الحدیث النبوی ﷺ، دار الدعوۃ، استانبول، ۱۹۸۸ء

☆ یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ)، معجم البلدان، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۷۹ء

☆ یحیٰی بن معین (م ۲۳۳ھ)، معرفۃ الرجال (جلد اوّل)، تحقیق: محمد کامل القصار، مطبوعات مجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء

☆ ایضاً، معرفۃ الرجال (جلد دوم)، تحقیق: محمد مطیع الحافظ، مطبوعات مجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق، س۔ن

❀❀❀
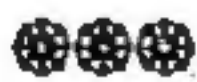
مصنف کی دیگر کتب

- انسان کامل ﷺ
- اصول الحدیث (مصطلحات وعلوم) جلد اوّل
- پیغمبرانہ دعائیں
- پیغمبرانہ منہاج القرآن
- حفاظت حدیث
- اسلام کا معاشرتی نظام
- قائداعظمؒ اور مسلم تشخص
- سید مودودیؒ بحیثیت مفسر
- Islamic Da'wah

Title Design By: Agha Nisar 72100011

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور